تاتاریوں کی یلغار

ہیرلڈ لیم

مترجم، عزیز احمد

فہرست مضامین

دیباچہ		7
1	دشت ایشیا	13
	برفانی دیوتا	18
	آریا	23
	دیوار عظیم	25
	چین کی زرد مٹی	30
2	شہسوار شہنشاہ	33
	ترکوں کا خروج	35
	پانچ شہر	37
	ترک' اپنی منزل پر	41
	حجراسود	43
	ختا	46
	1157ء	47
	چنگیز خان	50
	مغل	53
[illegible]	سرحد	59
	اورتمی	62
	معجزہ	64
	1206ء	66
	دیوار چین پر چڑھائی	70
	مغرب کی شاہراہیں	72
	مغرب کو یلغار	73
	دہشت	75
	واپسی	79
3	قرولتائی نامہ	89

پہلی قرولتائی	99
یے لیوچت سائی	104
اوغدائی خاقان	109
قانون کا محافظ' چغتائی	115
کن کا زوال	119
بیوہ	125
اوغدائی کا محل	128
ختا کا حل	130
مغربی یلغار کا تذکرہ	143
روسیوں کا خاتمہ	148
زریں سروں کا دربار	158
چار عساکر کی یلغار	162
اہل ہنگری کا خاتمہ	167
یورپ 1241ء کی گرمیوں میں	171
"کارمین مزرابلے"	175
ڈینیوب پر برف	180
ایک رات' نیلی جھیل کے کنارے	183
تین عظیم خواتین	193
فرائر جان نے کیا دیکھا	200
قویوق	204
شاہینوں کی جھیل کے دو راستے	207
خانوادہ اوغدائی کا خاتمہ	213
باتونامہ	221
رئیس اعظم میکائل کا مقدمہ	222
راہب ولیم کی سیاحت	226
منگو خان تنبیہہ	231
پوتا	236

چار بھائی	239
یورش عام	240
قبلائی کا ورثہ	246
مغرب کا فرمان روا	250
پہلی شکست فاش	256
بیبرس اور محاربات صلیبی کا زمانہ	263
قبلائی نامہ	273
ضدین	278
زانادو	281
زوال سنگ	284
خان کا شہر	289
قبلائی کے کاغذ کے نوٹ	297
بارود اور چھاپہ خانہ	303
قائد و' خاقان دشت	308
نئی سرحدیں	312
نتائج	321
شانگ تو کا شہر آشوب	321
ایران کی سرگزشت	327
ترکوں کے کارنامے	330
وسط ایشیا	331
ذات کا سپاہی' تیمور لنگ (1339ء تا 1405ء)	334
بابر (1483ء تا 1530ء)	338
صورت عالم	339
سارا روس	349
مغلوں کا جوا	349
آفتاب روس	353
کریملن کی تعمیر	357

ماسکو کا رخ مشرق کی سمت	357
مغربی دیوار اور مشرق کا راستہ	360
اتامن ارماک	362
پیٹر، معمار سلطنت	364
مشرقی سلطنت	366
وسط ایشیا کے قبیلے	367
پیشین گوئی	369
حرف آخر	372
ماخذ	373
مغل ساگا	375
چینی مورخ اور مسافر	376
ایرانی اور عرب مورخ	377
مشرقی عیسائی	380
مستند تاریخ	383
عام باتیں	391

دیباچہ

حضرت مولانا غلام رسول مہر

تیرھویں صدی عیسوی میں تاتاریوں کی ترکتاز، ایشیا اور یورپ کی تاریخ کا نہایت ہی اہم اور حد درجہ الم انگیز واقعہ ہے۔ انھوں نے اپنی کوہستانی اور صحرائی پناہ گاہوں سے نکلتے ہی بحرالکاہل سے ایڈریاٹک تک، ہر خطہ پامال کر ڈالا۔ ایک طرف چین، ترکستان، افغانستان، ایران، عراق، شام اور قفقاز کو تہس نہس کیا، دوسری طرف روس، پولینڈ، مشرقی پروشیا، ہنگری وغیرہ میں بربادی پھیلائی۔ وہ جہاں گئے تہذیب و تمدن کی تمام مائیہ ناز یادگاروں کو اس طرح ریزہ ریزہ کر ڈالا کہ ان کا سراغ لگانے کی بھی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ جہاں جہاں مختلف انسانی گروہ اجتماعی زندگی کی تنظیمات میں لگے ہوئے تھے، تاتاری ان پر برق خاطف بن کر گرے اور ہر تنظیم کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ اگر ۱۲۴۱ء میں چنگیز خاں کا جانشین اوغتائی مر نہ جاتا تو یورپ کے باقی ملک بھی تاتاریوں کے تیز رفتار گھوڑوں کی جولانگاہ بننے سے محفوظ نہ رہتے۔

سرحد چین سے بحیرۂ روم تک، جن خطوں میں اس ہمہ سوز سموم کے جھونکے پہنچے، ان سب پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ مسلمانوں نے چھ صدیوں میں علم و فضل کے جو بیش بہا گنجینے اور جاہ و حشمت کے جو حیرت افزا اسباب فراہم کیے تھے وہ آگ اور خون کے طوفان کی نذر کر دیے گئے۔ جن شہروں کے نام آج بھی تاریخ و ادب کے صفحات پہ دیکھ کر دلوں میں عظمت و یگانگی کا ایک خاص تصور بندھ جاتا ہے اور افکار و خیالات میں ایک انوکھی روحانیت پیدا ہوتی ہے، وہ سب اسی تاتاری ترکتاز میں تباہ ہوئے۔ اب ان کے بے روح ڈھانچے موجود ہیں جو بعد میں کھڑے کیے گئے۔ بغداد بھی ان ہی شہروں میں سے ہے، جو بے شک آج بھی باقی ہیں، لیکن عباسیوں کا وہ بغداد کہاں جس کی داستانیں کتابوں میں پڑھ کر بہ آسانی یقین نہیں آتا کہ ان خصوصیات کا شہر واقعی ایک وقت میں دجلہ کے دونوں کناروں پر زیب و زینت کا باعث بنا ہوا تھا۔ تاتاری جہاں سے گزرے بڑے بڑے محلوں اور عظیم الشان کتب خانوں کی جگہ یا تو صحرا چھوڑ گئے یا کہیں کہیں جلے کے ڈھیر پڑے رہ گئے۔ ایک حق شناس مورخ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ایک ارغوانی ندی تاتاریوں کی گزرگاہ کا نشان بتاتی تھی۔

تاتاریوں کی یہ پہلی ترکتاز نہ تھی۔ منگولیا اور چینی ترکستان کی سطح مرتفع سے اٹھنے والے جن طوفانوں کا سراغ

تاریخ نگار اب تک لگا سکے ہیں، ان کی صحیح تعداد پیش کرنا آسان نہیں۔ کم از کم چھ بڑے طوفان پہلے آ چکے تھے اور تیرھویں صدی کا چنگیز خاں والا طوفان ساتواں تھا۔ جن گروہوں نے مختلف خطوں میں پہنچ کر علم و تہذیب کے عالی شان مرکز پیدا کیے یا وہ وحشت و بربریت کی ستم آرائیوں ہی میں ختم ہو گئے، ان سب کا اولین گہوارہ یہی سطح مرتفع تھی۔ مثلاً آریا، ہٹی، کاسپین، خور، فرانک، المان، ٹیوٹن، ہن، اگاتھ، ونڈال، سقین وغیرہ۔ جب کسی گروہ کو کوئی من چلا لیڈر مل جاتا وہ پہاڑی سیل کی رفتار سے باہر نکلتے اور اس وقت تک بگٹٹ چلے جاتے جب تک کوئی قدرتی مزاحمت ان کا راستہ نہ روک لیتی یا کسی خطے کی غیر معمولی زرخیزی عناں گیر ہو جاتی یا بالآخر جبت و خیز کا طبعی زور خود بخود آخری منزل پر نہ پہنچ جاتا۔

یہی گہوارہ تھا جہاں اُبلنے والے انسانی چشمے کے بعض گروہوں کو اہل کتاب اور مسلمانوں کے مذہبی اسفار میں "یاجوج و ماجوج" کہا گیا ہے۔ چینیوں کا ایک قبیلہ یواچی تھا، اسی نام نے مخارج و تلفظ کے اختلاف سے گزر کر عبرانی میں یاجوج کی شکل اختیار کر لی۔ اسی طرح "منگول" کی اصل "موگ" تھی یونانی زبان میں یہ تلفظ "میگ" اور "میگاگ" بنا اور جب اس نے عبرانی لباس پہنا تو "ماجوج" بن گیا۔ اس باب میں تفصیلات پیش نظر موضوع سے خارج ہیں، کہنا صرف یہ تھا کہ شمالی و مشرقی ایشیا کی سطح مرتفع سے وحشی قبائل کا جو آخری خروج ہوا وہ تیرھویں صدی کا نہایت اہم واقعہ ہے۔ وہاں چھوٹے چھوٹے قبیلے باہمی رزم و پیکار میں لگے رہتے تھے۔ یکایک ان میں ایک حیرت انگیز لیڈر پیدا ہوا جس نے تھوڑی ہی مدت میں سب کو متحد کر کے ایک بے پناہ جنگی قوت بنا دیا۔ یہ تموچین تھا، جس نے چنگیز خاں کا لقب اختیار کیا۔ چنانچہ جب چنگیز خاں اس قوت کو لے کر فتح و تسخیر کے لیے نکلا تو وقت کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت مقابلے پر ٹھہر نہ سکی۔ خوارزم شاہی سلطنت اس وقت ایشیا کی قوی ترین سلطنت تھی اور خود سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ بڑا جواں مرد، بہادر، باتدبیر اور عظیم المنزلت حکمران تھا۔ اس کا فرزند ارجمند جلال الدین دلیری اور رزم آرائی میں باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا، لیکن پہلی ہی لڑائی میں سلطان محمد خوارزم شاہ کے عزم و جلادت پر ایسی ضرب لگی کہ اس کی زندگی کے باقی اوقات صرف گریز اور بچاؤ میں بسر ہوئے، یہاں تک کہ وہ بچتا بچاتا بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں پہنچا۔ ابھی دم لینے نہ پایا تھا کہ خستگی و بے چارگی کی حالت میں دم توڑ دیا۔ جلال الدین چند سال تک مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔ انجام کار اس نے بھی شہادت پائی اور تاتاریوں کے مقابلے میں دفاع کا یہ آخری بند بھی ٹوٹ گیا۔ چنگیز خاں کی اس ترکتاز نے جو سلطنت پیدا کی تمام مورخین کے نزدیک وہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔

جس کتاب کا ترجمہ خوانندگان کرام کے ملاحظے میں پیش ہو رہا ہے یہ اسی ترکتاز کی ایک مسلسل و مرتب داستان ہے۔ اس کے مصنف مسٹر ہیرلڈ لیم ہیں جن کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی متعدد تصانیف ہمارے ہاں مقبول چلی آ رہی ہیں اور ان میں سے تین چار کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ یہاں موصوف کی تاریخ نگاری کے اسلوبِ تحریر پر تبصرہ مقصود نہیں، لیکن ان کی دو خصوصیتوں کا ذکر ضروری ہے جن کی وجہ سے میرے اندازے کے مطابق ان کی تصانیف میں خاص کشش پیدا ہوئی۔

۱۔ وہ کسی موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے اس کی معمولی جزئیات تک معلوم کر لیتے ہیں اور اس کے متعلق شاید ہی کوئی کتاب ہو جس کا مطالعہ بالتفصیل نہیں کر لیتے خواہ وہ کسی زبان میں ہو۔

۲۔ ہر موضوع کے جغرافیائی ماحول اور گرد و پیش سے جیسی براہ راست واقفیت ان کی تصانیف میں دیکھی گئی ہے، اس کی نظیریں بہت ہی کم ملتی ہیں۔

ان دو خصوصیتوں کی بدولت ان کی ہر تصنیف میں ایسا رنگ پیدا ہو جاتا ہے گویا وہ صفحۂ قرطاس پر الفاظ نہیں لکھ رہے بلکہ سینما کے پردے پر واقعات کی تصویریں پیش کر رہے ہیں۔ میرے نزدیک ان کی داستانوں میں جاذبیت اور دل کشی کا اصل سبب یہی ہے اور پیش نظر کتاب میں بھی ان کی یہ دو خصوصیتیں صاف نمایاں نظر آتی ہیں۔

محترم عزیز احمد صاحب نے ترجمے میں مصنف کے اسلوبِ تحریر اور زورِ نگارش کو اس پیمانے پر قائم رکھا ہے کہ یہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا، بلکہ اس نے مستقل تصنیف کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ امید ہے کہ مسٹر لیم کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی اپنے موضوع، لطفِ تحریر اور حسنِ ترجمہ کی بنا پر قبولِ عام حاصل کرے گی۔

1

دشتِ ایشیا

ان کا وطن، عظیم الشان شمالی برف زار کی سرحد پر تھا۔ ان کے متعلق ہماری معلومات صرف اس قدر ہیں کہ ان کے قدیم اور نامعلوم خانوادے، چھوٹے چھوٹے خاندانوں پر مشتمل تھے، جو غذا کی تلاش میں جانوروں کا شکار کرتے، شمالی برفانی گلیشریوں کی جنوبی سرحد پر بھٹکتی ہوئی روشنیوں میں زندگی گزارتے۔

اس زمانے میں جبکہ ایشیا کے شمالی علاقوں پر برف چھائی ہوئی تھی اور ایشیا کے قلب میں آخری نمکین سمندر خشک ہو رہا تھا، یہ لوگ جنوب کے گرم علاقوں سے الگ رہ کر زندگی گزار رہے تھے۔

، صدیاں گزریں، ایشیا کے ان جنوبی علاقوں میں تمدنوں کی ابتدا ہوئی۔ تمدن کا آغاز دریاؤں کی وادیوں میں ہوا، جہاں انسان زرخیز زمین میں کاشت کر سکتے تھے۔ جب نسلیں ایک دوسرے سے جنگ میں متصادم ہوئیں یا تجارت میں باہم یکجا ہوئیں تو تمدن نے فروغ پایا۔ جب ایک نسل دوسری سے خلط ملط ہوئی، تو ایک نقطہ سا فروزاں ہوا۔ نئے خون سے نئے بچے پیدا ہوئے اور ان کے ساتھ نئے خیالات اور تصورات وجود میں آئے۔

ابتدائی تمدن کا یہ سلسلہ نیل سے دجلہ اور فرات تک، اور آگے دریائے سندھ تک پھیل گیا۔ بحیرۂ روم کے اس پار یہ جزیرہ کریٹ کے سمندر باسیوں تک پہنچا۔ اس بنیادی تمدن کے شہری آبادیوں اور قصبوں میں رہتے تھے اور یہ آبادیاں زرعی علاقوں کا مرکز تھیں۔

اپنی اور اپنے مال و اسباب کی حفاظت کے لیے انھوں نے شہروں کے اطراف فصیلیں بنائیں کیش میں مٹی کی اینٹوں کی دیواریں بلند ہوئیں تو موہن جو دڑو میں پتھر کی ——— اور یہ پانچ ہزار سال پہلے کا ذکر ہے۔

ہزار سال بعد ——— اس عرصہ میں انسان کے معاملات میں تو بڑے بڑے انقلاب آ سکتے ہیں، لیکن فطرت کے جامد اور مضبوط سکون میں یہ عرصہ ایک حادثۂ چشم زدن سے زیادہ نہیں ——— تمدن کے آثار منتشر [illegible] کے کنارے کنارے جو اُس سمندر میں جاگرتی تھیں جس کے وجود سے بھی

مشرقِ وسطیٰ کے تمدن آگاہ نہ تھے ——— یعنی بحرالکاہل چینی روایات تو یہ ہیں کہ ایسے انسان جو اپنے جسم پر سمور اور کھالیں لپیٹا کرتے تھے، جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، جو اپنی ماں کو جانتے تھے مگر باپ کو پہچانتے تھے، وہ روایتی ارضی شہنشاہوں، شیون اور یُو کے عہد میں تمدن کی منزل تک پہنچے۔ چین کے یہ ر ترقی انسانوں میں چار مرحلوں کے بعد تمدن کی روشنی نمودار ہوئی ——— چار مرحلے یہ تھے: فصلیں، شادی جنتری اور کھانا پکانا۔

اصلیت کچھ ہی ہو، واقعہ یہ ہے کہ اہلِ بابل اور اہلِ اُر کی طرح چینی بھی زمین کی کاشت کرنے لگے زمین ان کا وطن بننے لگی اور انھوں نے خوب نشو و نما پائی۔

شمالی ایشیا کے برف سے منجمد دشت میں دوسری طرح کے بھولے بسرے انسان رہتے تھے، جو غذ کی تلاش میں ٹنڈرا کے برف زاروں کے کنارے مارے مارے پھرا کرتے تھے، مگر انھوں نے بھی ایک عجیب کامیابی حاصل کی، یعنی گھوڑے کو اپنا مطیع اور چاکر بنا لیا۔

یہ ویرانہ نورد گروہ تمدن کے مرکزوں سے دُور دُور رہا کرتے تھے۔ وہ ابھی تک شکار کھیل کے اپنا پیٹ بھرتے اور کھالوں سے اپنا تن ڈھانپتے۔ کبھی مچھلیاں پکڑتے اور بڑی بڑی مچھلیوں کی کھالوں سے سردی سے بچا کے لیے اپنا بدن چھپاتے۔ انھوں نے اس شمالی علاقے کے جانوروں ——— شمالی آہو اور بھیڑ اور جنگلی گھوڑے ——— کو اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ جانوروں کا گوشت اور دودھ ان کی خوراک تھی۔ جانوروں کی اُون سے انھوں نے کپڑا بُننا شروع کیا، خیمے بنائے تاکہ ان خیموں میں پناہ لے سکیں۔

مجبوراً وہ شکار کی تلاش میں مارے مارے پھرتے۔ شکار کی تلاش میں اور اپنے پالے ہوئے جانوروں کے لیے چراگاہوں کی تلاش میں۔ ان میں سے کچھ شمالی جنگل کے ساکن ایسے تھے جو جنگلوں ہی میں زندگی گذارتے رہے، یہاں وہ شمالی برفانی آہو کو پالتے رہے اور اپنے لیے جھونپڑیاں بناتے رہے۔ دوسرے یعنی جنگل کے رہنے والے، جو گھوڑوں کے گلّوں کے سہارے زندگی گذارتے تھے، ایشیا کی چراگاہوں میں اتر آئے، اور اُون یا چمڑے کے خیموں میں بستے رہے۔

سب سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے وہ نرے وحشی کے وحشی رہے، چونکہ وہ ہمیشہ پھرتے رہتے اس لیے وہ خانہ بدوش رہے اور ان کے گھوڑے انھیں جنگل میں تیزی سے اِدھر اُدھر لے جاتے۔

یہ خانہ بدوش سوار ایک عجیب و غریب سرزمین کے مالک تھے۔ شمال میں یہ علاقہ بحرِ منجمد شمالی کی

برفانی دلدلوں اور ٹنڈرا سے شروع ہو کر جنوب کے برفانی پہاڑوں (تبت اور ہمالیہ) تک پھیلا ہوا تھا۔ مغرب میں یہ چین کی سلطنت جاوداں کے دریاؤں کی وادیوں سے شروع ہو کر وسط ایشیا کے ریڑھ کی ہڈی جیسے کوہستان کی وادیوں اور مرغزاروں سے ہوتا ہوا مغربی پہاڑی سلسلے یورال پر ختم ہوتا تھا، جس کو یہ خانہ بدوش زمین کا کمربند کہتے۔ اس عظیم الشان علاقے کو ہم لوگ مبہم طور پر دشت ایشیا کہتے ہیں۔

اسے وسط ایشیا بھی کہتے ہیں اور ایشیائے اعلیٰ بھی۔ اس لیے کہ اس کا زیادہ تر حصہ بلند سطح مرتفع پر مشتمل ہے جس کے درمیان بڑے بلند و بالا پہاڑ واقع ہیں۔

فی الحقیقت اس علاقے میں بڑا تنوع ہے اور اس کے موسم میں بھی، کیوں کہ کہیں تو حد سے زیادہ سردی ہے اور کہیں چلچلاتی ہوئی گرمی اور اکثر دبیشتر اُمڈتی ہوئی آندھیاں۔ سرد ٹنڈرا میں سوائے کائی جیسے لچن کے جانوروں کی اور کوئی غذا نہیں اُگتی۔ ٹنڈرا کے جنوب میں سائبیریا کے جنگل ہیں جن کو تیز رو اور شیریں دریا قطع کرتے ہیں۔ ان جنگلوں کے جنوب میں چراگاہوں کا علاقہ ہے، جہاں تھوڑی بہت بارش ہوتی ہے اور بڑی اُونچی اُونچی گھاس اُگتی ہے۔ مغرب میں پہاڑی سلسلے اس دشت میں جا بجا گھس آئے ہیں۔ ان کوہستانوں میں خا وشوں کو لوہے اور چاندی کی کانیں مل گئیں اور کسی نہ کسی ڈھب سے وہ تھوڑی بہت کان کنی کرنے لگے۔

چراگاہوں کی لمبی لمبی گھاس کے جنوب میں صحرائے گوبی کا خشک اور بنجر علاقہ واقع ہے۔ یہاں کی مٹی جلی ہوئی ہے اور یہاں ریت کی آندھیاں اٹھتی ہیں۔ گوبی کے کناروں پر جھیلوں کا ایک سلسلہ ہے۔ ان میں سے بعض پرانے سمندروں کی یادگار ہیں اور ان کا پانی کھاری ہے۔ یہاں اگر کچھ اُگتا ہے تو خاکستری رنگ کی اِبلی اور نازک نازک خاردار جھاڑیاں جو اُونٹوں کی خوراک ہیں، مویشیوں کی خوراک نہیں۔

اور جنوب میں زمین کا سب سے طاقتور حصن حصین ہے، یعنی تبت کی سطح مرتفع، جس کے دونوں طرف بڑے ہی دشوار گذار پہاڑ ہیں۔ یہ پہاڑ سمرقند سے خلیج ٹونگ کینگ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ خانہ بدوش سوار اس دشت اور اس صحرا میں رہتے تھے ——— اور ان کے وطن میں تضاد تھا، کیوں کہ ایک طرف تو چراگاہیں اور دریاؤں کی وادیوں کی زرخیز زمین تھی، اور دوسری طرف خشک اور بنجر علاقے۔ یہی زمین پر قبضے کے معنی تھے زندگی اور بنجر صحرا میں جلاوطنی کے معنی تھے، لازمی تباہی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دشت کے خانہ بدوش زرخیز زمین تک پہنچنے کی تگ و دو کرتے رہتے، جو

قبیلے اس لڑائی میں جیتتے، زندہ رہتے اور جو ہار جاتے، وہ غلام بن جاتے یا مٹ جاتے۔ ان انسانی لڑائیوں سے کہیں زیادہ مہیب وہ لڑائی تھی جو انسان کو مسلسل فطرت کے مقابل جاری رکھنی پڑتی بعض تنازع للبقا لیکن اُن کے جسم ایسی ہی سختیاں جھیلنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

اتفاق سے ایک بڑا ہی زرخیز علاقہ جھیل بیکال کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے مرغزار اُن دریاؤں کے سرچشموں سے سیراب ہوتے ہیں جو اس یکہ و تنہا جھیل میں یا دریائے آمور میں جا گرتے ہیں۔ یہ علاقہ بڑا پسندیدہ تھا اور خانہ بدوش قبائل کے درمیان نزاع کا باعث بنا۔

ظاہر ہے کہ قدرتی رکاوٹوں کے باعث یہ خانہ بدوش قبائل ہر طرف سے اسی دشت میں گھرے ہوئے تھے۔ شمال میں بحر منجمد شمالی کا برف زار، شمال مشرق میں کہسار خنگان جو فصیل کی طرح سیدھا تھا اور اس کے اُس پار منچوریا کے گھنے جنگل، جنوب میں تبت کا کوہستان جو بادلوں سے بھی زیادہ بلند تھا اور آسمان سے باتیں کرتا تھا۔

اس کوہستانی حصار سے نکلنے کے دو ہی راستے تھے۔ جنوب مشرق میں چین کی آبادیوں کی طرف اور مغرب میں وسط ایشیا کے صحراؤں کی طرف۔ ان دونوں دروازوں کے اس پار ایسے علاقے تھے، جہاں جانوروں کے لیے اچھی چراگاہیں مل سکتی تھیں۔ شمال مشرقی علاقہ چین کی بلند سرزمین تک پہنچتا تھا —— چینی، جنھیں مجبوراً بہت جلد اس دروازے کی نگہبانی کرنی پڑی اِسے شمالی دروازہ کہتے تھے۔ مغربی راستہ اس دشت کی جانب جاتا تھا جس پر بعد میں روس کی حکومت ہوئی اور جس سے ہو کے یورپ کی وادیوں کو راستہ جاتا تھا۔

جیسے جیسے صدیاں گزرتی گئیں، انھیں راستوں سے ہو کر، خانہ بدوش سوار باہر کی دنیا میں نمودار ہوئے۔ فی الوقت، کئی سو سال سے ایشیائے اعلیٰ کے خانہ بدوش سوار دنیا سے الگ تھلگ تھے۔ ایشیا کا باقی ماندہ متمدن حصہ مکانات بناتا رہا، جہازوں میں سفر کرتا رہا، مدرسوں کو جاتا رہا۔ خانہ بدوش سوار اس ایشیا سے دور اور اس سے ناواقف تھے۔

حضرت عیسےٰؑ سے ہزار سال قبل بیرونی دنیا کے متمدن لوگ، دشت کے ساکنوں کے وجود سے آگاہ ہوئے۔ یونانیوں کو اس کا علم تھا کہ معلوم ملکوں کی سرحد کے اس پار نامعلوم مخلوق اِدھر سے اُدھر ہجرت کرتی پھرتی تھی، یونانی مورخوں نے ان کے لیے نام تجویز کیا "ہائی پر بورین" یعنی ایسے لوگ جو شمالی ہوا

کے اس پار رہتے ہیں۔ چینی مفکروں نے ان کے لیے اور طرح کا نام سوچا وہ انھیں "شیاطین" کہنے لگے۔

واقعہ یہ ہے کہ نامعلوم شمال کے باشندے اپنے جسم پر بدبودار روغن اور چربی کی مالش کرتے تھے۔ سردی سے بچنے کے لیے ان کے جسموں کی نشو و نما سنگلاخ زمین اور دشت کی کڑکڑاتی ہوئی سردی کے سانچے میں ہوئی تھی۔ ان کے بدن چھریرے تھے، جلد سخت اور جسم پر بہت کم بال۔ گال کی ہڈیاں اُبھری ہوئی اور ہوا اور دھول اور برف اور سورج کی چمک سے بچنے کے لیے آنکھیں تنگ۔ چھوٹی چھوٹی ٹانگیں اور گھوڑے کی سواری کی وجہ سے کسی قدر خمیدہ۔ بڑے طاقتور ہاتھ اور کاندھے۔ انھوں نے اپنے آپ میں سردی اور پیاس کے مقابلے کی بڑی طاقت پیدا کر لی تھی —— اور جو لوگ یہ سختیاں نہ جھیل سکتے وہ مٹ جاتے۔

انھوں نے جنگلی گھوڑوں کی سواری سیکھی تھی۔ ان کے کپڑے گھوڑے کی سواری سے مناسبت رکھتے تھے۔ وہ پاجامے اور چھوٹے چھوٹے لچک دار جوتے پہنتے۔ اس زمانے میں بیرونی دنیا لبادے، قبائیں اور پاپوش پہنتی تھی۔

اب وہ بڑے پختہ کار شکاری بن گئے تھے۔ رفتہ رفتہ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ زمین پر بیٹھے بیٹھے جو کمان چلائی جائے وہ کیسی ہو، چھوٹی اور دوہری۔ مزید طاقت کے لیے سینگوں سے اس کمان کو مضبوط کیا جاتا۔ انھوں نے ایک طرح کی کمند بھی بنائی تھی۔ زینوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے پیروں کو آرام دینے کے لیے رکاب ایجاد کی۔ اس زمانے میں بیرونی دنیا یا تو گھوڑے پر سوار ہونا جانتی ہی نہ تھی یا سوار بھی ہوتی تھی تو خالی پیٹھ پر، زین اور رکاب کے بغیر۔

شکار اور گلہ بانی سے وہ اپنے خاندان کا پیٹ پالتے۔ جانوروں کا گوشت اور دودھ ان کی غذا تھی۔ وہ کہیں کہیں دریاؤں کے کنارے تھوڑا بہت غلہ بھی اُگا لیتے۔ انھوں نے کبھی باقاعدہ کاشت کاری نہ سیکھی کیونکہ ان کی چراگاہیں جو سطح مرتفع پر واقع تھیں، کاشت کے لیے ناموزوں تھیں۔ وہ اپنے گلوں کا رخ گھاس کی طرف پھیرتے اور گھاس انھیں وہیں ملتی جہاں پانی ملتا۔ ایسے علاقے میں آب پاشی ممکن نہ تھی۔ خانہ بدوشوں کو پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنا پڑتا۔

وہ مکان نہیں بناتے تھے، کیونکہ خیموں کی طرح مکان اِدھر سے اُدھر نہیں لے جائے جا سکتے تھے۔ لکڑی اور چمڑے سے وہ جو کچھ ساز و سامان بناتے، وہ بھی ہلکا پھلکا ہوتا، جیسے زین، صندوق اور ہتھیار۔ صرف وہی چیزیں جن کی انھیں ضرورت ہوتی اور جو آسانی سے سفر میں باربرداری کے جانوروں کی پیٹھ پر منتقل ہو سکتیں تجارت

کے لیے سامان بنانے سے فائدہ؟ ایسی ہی ضرورت ہوتی تو کوئی آدمی چمڑے کے تھیلے کے عوض کمان کا ترکش خرید لیتا یا بھیڑوں کے عوض بیوی کو خرید لیتا۔ بجائے خود تجارت ان کے نزدیک کوئی معنی یا مطلب نہیں رکھتی تھی

زندگی کا یہ ڈھنگ، ان خانہ بدوشوں میں ہزاروں سال تک نہیں بدلا۔ یہاں تک کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا وہ تانبے کے دور کے انسانوں کی سی غیر ترقی یافتہ زندگی گزار رہے تھے مگر بیرونی دنیا لوہے کے دور میں ترقی کر رہی تھی۔ چند سو میل جنوب میں ین کنگ تھا، یعنی بڑا دربار جسے اب پیکنگ کہتے ہیں۔ یہاں چینی لوگ ریشم پہنتے اور باغ اُگاتے۔ نسلاً بعد نسل متمدن قوموں اور وحشی قبائل کے درمیان یہ فرق بڑھتا گیا۔ یہ فرق جو کاشت شدہ زمین اور بنجر صحرا کے درمیان حائل تھا۔ یہ شکاری اور شہری کاروباری کا فرق تھا۔

ذہنی طور پر صحرا کا رہنے والا پست تر نہیں تھا، صرف یہ بات تھی کہ وہ تمدن کے مرکزوں سے بہت دُور ——— زمین کے ابتدائی ماحول سے جنگ کر رہا تھا۔

یہ تنہائی اور بُعد عرصے تک باقی نہ رہ سکا جب دشت میں قحط پڑتا تو خانہ بدوش قبائل پانی کے چشموں کے سُوکھ جانے کے بعد جھیل کی طرف رُخ کرتے اور پھر قدرتی طور پر جھیلوں کے اس پار کاشت کی ہوئی زمینوں کی طرف۔

یہاں کبھی نہ کبھی دشت کے پناہ گزین انسان کی بدلی ہوئی زمین کا منظر پہلی بار دیکھتے۔ اناج کے خوشوں سے جھومتے ہوئے کھیت، تالاب اور غلہ اور مال و اسباب سے بھرے ہوئے بازار، اور اس منظر کو دیکھ کر خانہ بدوشوں کی تہ ئی کا دُور ختم ہو جاتا۔

شروع شروع میں تو وہ کاشت شدہ زمینوں پر محض اس لیے حملہ کرتے کہ بھوک سے اپنی جان بچا سکیں تیروں کی طرح وہ دراتے گھس جاتے اور جو بن پڑتا اٹھالے جاتے ——— اور پھر لوٹ کا سامان اپنے ساتھ لیے ہوئے دشت کی پہنائیوں میں غائب ہو جاتے۔ مویشیوں کو ہنکالے جاتے اور قیمتی غلہ گاڑیوں میں بھر کے لے جاتے

اس طرح ایشیائے اعلیٰ کی سرحد پر بنجر اور کاشت شدہ زمین کے بسنے والوں کے درمیان لڑائی کی ابتدا ہوئی۔ ایک طرح کا طبعی قانون تھا، جس سے مجبور ہو کر خانہ بدوش حملہ کرتا۔ جب دشت کی گھاس سُوکھ جاتی، تو کاشت کی ہوئی زمینوں سے جو کچھ بن پڑتا، وہ لوٹ کھسوٹ لاتا۔

برفانی دیوتا۔

ان وحشیوں کے پیچھے نادیدہ دہشتیں تھیں۔ وہ اپنے شمالی علاقوں کی نادیدہ طاقتوں سے خوف

کھاتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد اس علاقے کو "کانون کوتان" کہتے تھے یعنی بُرے دیوتاؤں کی سرزمین۔ شمالی سائبیریا کے میدانوں میں کالی پتھریلی چٹانیں یوں اُبھری ہوئی تھیں گویا دیوؤں کے مہیب ہاتھوں کی تراشی ہوئی ہوں۔ سردی اس قدر شدید تھی کہ لوہا آسانی سے ٹوٹ جاتا اور لکڑی لوہے کی طرح سخت ہو جاتی۔ اس منجمد شمال میں وحشیوں نے بڑے بڑے جانوروں کے ڈھانچے صحیح و سلامت برف سے ڈھکے ہوئے اور محفوظ دیکھے، جن کے ہاتھی کے سے دانت تھے۔

کانون کوتان کی نسبت یہ تھی کہ یہاں کئی کئی مہینے تک اندھیرا رہتا۔ دوسری لعنت پُرگا تھی یعنی منجمد شمال کا برفانی طوفان، جس سے انسان کے کپڑوں میں بھی برف گھس جاتی۔ مجبوراً انسان کو طوفان کی طرف سر کر کے، سموروں میں لپٹے ہوئے دو دو تین تین دن تک پڑا رہنا پڑتا تا آنکہ پُرگا کا زور ختم ہو جاتا۔

یہ وحشی جانتے تھے کہ یہ تمام طاقتیں بڑی منحوس ہیں۔ جو طاقت ان پر حاوی تھی، اس کی سکونت آسمان پر تھی۔ "مونگ کے تینگری" یا جاودانی نیلے آسمان پر۔ آسمان ہی خدا تھا۔

آسمان کے لیے وہ انسانی قیدیوں اور سفید گھوڑوں کو پہاڑوں کے ٹیلوں جیسے کسی بلند مقام پر قربانی کے لیے ذبح کرتے۔ ان قربانیوں کا مقصد یہ تھا کہ آسمان کا جلال ٹل جائے ——— اور اس کی رحمتیں زمین پر نازل ہوں۔

سُورج ایک کمتر درجے کا دیوتا تھا، جو ہر روز آسمان کے پار سواری کرتا اور پھر شام کو زمین پر اپنی بیوی کے ساتھ ہم خواب ہوتا۔

آسمان اپنے جلال کا تباہ کن آندھیوں، بجلی اور رعد سے اظہار کرتا۔ جب وہ صاف صاف نیلا نیلا چمکتا تو یہ سمجھا جاتا کہ اس وقت وہ انسانوں پر مہربان ہے۔ نتیجے کے طور پر ان وحشیوں کو نیلا اور سفید رنگ پسند تھا۔ کالا رنگ منحوس سمجھا جاتا ——— کیونکہ یہ رات کا، چٹانوں کا اور زمین کے اندر کی گہرائیوں کا رنگ تھا۔

زمین بجائے خود منحوس تھی۔ اس کی گہرائیوں میں، جن میں ہمیشہ تاریکی اور سردی رہتی "ایرلیک خان" کا وطن تھا۔ زمین کی سطح پر اچھی اور بُری دونوں طرح کی طاقتیں موجود تھیں۔ یہ ارواح آگ، بہتے پانی اور بلندیوں کی ہواؤں میں رہتی تھیں۔ بڑی احتیاط کی جاتی کہ آگ یا چشموں یا بالائی ہوا کی ارواح یا "مالکوں" کو ناراض نہ ہونے دیا جائے۔

موت کے بعد کہیں جا کر انسان کی رُوح کو بُری طاقتوں کے چنگل سے رہائی ملتی۔ تب وہ آسمانی دروازے کے سُرخ شعلوں میں رقص کر سکتا۔ آسمان کے نیلے غار میں سواری کر سکتا، جہاں طائر فردوس کے پر چاند کا نقاب بن جاتے یا اس کی روح شعلوں اور پانی کے مالکوں کے ساتھ رہ سکتی اور وہ چاہتا تو اس کی روح کسی جانور

کی شکل میں بھی باقی رہ سکتی۔

جانوروں کے بھی اپنے "مالک" تھے۔ ایک طرح کی روحِ شمال کے آہو اور جنگل کے ریچھوں کی حفاظت کرتی۔ اِن جانور روحوں کو راضی رکھنا چاہیئے اور انھیں ناراض نہ کرنا چاہیئے۔ اس قسم کی ایک روح نیلا ریچھ تھا، جو روایتوں کے لحاظ سے ایک وحشی قبیلہ، یعنی مغلوں کا ابو الآبا تھا۔

ان روحوں سے معاملہ کرنے کے لیے ان خانہ بدوشوں کے پاس کوئی پجاری نہ تھے، بلکہ ایک فردِ واحد جو شامان کہلاتا تھا، پجاری بھی، طبیب بھی اور جادوگر کے فرائض انجام دیتا تھا۔ یہ شامان بیماروں کا علاج کرتا اور منحوس "کیلت" یا روحیں جو جسم میں گھس کر بیماری پیدا کرتیں، انھیں وہ اپنے منتروں اور دعاؤں کے زور سے نکال بھگاتا۔ یہ نہ ہو تو مریض مرجائے۔ دشت کے یہ جادوگر ولادت و وفات کی رسمیں سرانجام دیتے۔ وہ آسمان سے باتیں کرتے اور حال کے عالم میں ان کی روحیں ان کے جسم کو چھوڑ کر آسمان تک شہسواری کرآتیں۔ ایک خاص طرح سے پتھر جمع کرکے، وہ جب چاہتے طوفان کو بلالیتے۔

یہ شامان بڑے چالاک اور مطلبی ہوتے تھے، خاص طور پر جنگلی قبیلوں میں۔ اور خانہ بدوش شامانوں سے بھی قریب قریب اتنا ہی ڈرتے تھے، جتنا ان روحوں سے جن کو وہ مسخر کرتے تھے۔

دشت کا رہنے والا بے وقوف نہیں ہوتا تھا، محض یہ کہ اس کی تشکیل "آباد زمینوں" کے متمدن رہنے والے سے مختلف قسم کے سانچے میں ہوئی تھی۔ ابھی تک اس نے لکھنا نہ سیکھا تھا، لیکن اس کے بجائے اسے اپنے حافظے پر اچھی طرح زور دینا آتا تھا۔ وہ اپنے پہاڑی چشموں پر کارآمد پُل نہیں بنا سکتا تھا، لیکن اسے چشمے کے پار اس طرح تیرنا آتا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو ایک قطار میں رسی سے باندھ دیتا اور آخری گھوڑے کی دُم پکڑ کے خود بھی تیرتا ہُوا پار نکل جاتا۔

حالات نے اسے شکاری اور سپاہی بنا دیا تھا۔ اس کے برعکس زمین کا کاشت کار امن کے ہنر سیکھا کرتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ دشت کا رہنے والا بہت جلد اپنے آپ کو نئے حالات کا عادی بنا لیتا۔ قدرت نے اسے زیادہ وقت نہیں دیا تھا کہ وہ طوفان کا مقابلہ کرے۔ جب قحط پڑتا اور گھاس سوکھ جاتی تو وہ اپنے خاندان اور اپنے قبیلوں ـــ ان سب کے ساتھ جو اس کے دست نگر تھے اور جن کی زندگی کا انحصار اس کی رائے پر تھا ـــ اور اپنے مویشیوں سمیت اپنی پرانی چراگاہوں سے کئی سَو میل دُور ہجرت کر جاتا۔ اسے

اس کا موقع نہ تھا کہ وہ پس و پیش کر سکے۔ اس کا کوئی آقا یا تاجدار نہ تھا جو مصیبت کے وقت اس کی مدد کر سکتا۔ تجربے نے اسے سکھا دیا تھا کہ دیوتاؤں یا بے حد و کنار آسمان سے مرادیں مانگنے سے کام نہیں چل سکتا۔ اپنے بچاؤ کے لیے اسے فوراً عمل کرنا پڑتا اور وہ آسمان کے شامیانے "تینگری" کو شادمانی کی قربانی اس وقت گھوڑوں کا خون یا شراب بہا کے پیش کرتا جب مصیبت ٹل جاتی۔

شہروں کے رہنے والوں میں اس کی طرح اپنے آپ کو حالات کا مقابل بنانے کی صلاحیت نہ تھی۔ شہری کو اپنی فصیلوں، پُلوں، زراعت، کھیتوں کی زرخیزی اور حفاظت کے ہتھیاروں پر زعم تھا۔ مزید برآں وہ اپنے آقا اور بادشاہ کا فرماں بردار اور مقامی مندر کے پجاریوں کا مُرید تھا۔ وحشی اور متمدن، خانہ بدوش اور زراعت پیشہ انسانوں کا یہ فرق روز بروز بڑھتا ہی گیا۔

اس دوران میں خانہ بدوش تیزی سے یہ سیکھ رہا تھا کہ اس کے فائدے کی کیا صورت ہے۔ اب بجائے اس کے کہ وہ متمدن علاقے کی سرحد پر صرف ایک فصل کی رسد فراہم کرنے کے لیے دھاوا کرے، وہ بسے بسائے علاقوں میں اندر تک گھس آتا۔ جوانوں کو قتل کرڈالتا، اور خوب صورت عورتوں اور بچوں کو اٹھا لے جاتا تاکہ انھیں غلام یا جنگجو بنائے۔ اسے پتہ چلا کہ جو سونا چاندی اس کے پاس ہے وہ محض آرائش کا زیور نہیں، وہ تجارت کے کام بھی آسکتا ہے۔ شہروں میں انگور اور چاول کی شرابوں سے اسے سرور حاصل ہوتا۔ باغوں میں مزے دار میوے تھے۔ اس کی عورتیں بازاروں کے ریشم کو گھر کے بنے ہوئے اُون کے مقابلے میں ترجیح دیتیں۔

اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً شہروں کے درمیان سازو سامانِ تجارت سے لدے ہوئے قافلے گزرتے۔ وہ ان قافلوں کو لوٹ کر دولت حاصل کرتا۔ اس دولت سے وہ اور دور دراز شہروں کے عجیب و غریب تاجروں سے تجارت کرتا۔

اس طرح خانہ بدوش کو رفتہ رفتہ فراغت اور اطمینان حاصل ہونے لگا۔ بہت جلد اسے زندگی کا ایک نیا ڈھب آگیا۔ فتوحات سے اسے فراغت و آرام ملنے لگا، ایسا عیش جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا اور یہ سب کاشت شدہ علاقے میں محض ایک فتح حاصل کرنے سے۔ اگر یہ فتح بڑے پیمانے پر ہوتی تو اس کی زندگی بھر کیلئے کافی تھی۔ اس فتح کے لیے وہ شکاری کا ہنر استعمال کرتا۔ وہ دشت کے اس پار کے متمدن علاقوں پر اسی طرح حملہ کرتا جیسے بارہ سنگھوں کے ایک گلے پر۔

اور اب ـــ یعنی تین سو سال قبل مسیح میں ـــ ایشیائے اعلیٰ کے خانہ بدوشوں کی تقدیر بدل گئی۔

اب تک ان کے گھوڑے باربرداری کا کام دیتے تھے، اب انھوں نے گھوڑوں پر جنگ کرنے کے طریقے سیکھے۔ شہسواری میں ان کے تیر بڑے خطرناک ہتھیار ثابت ہوئے۔

شروع شروع میں جب تیرانداز سوار دشت کے افق پر نمودار ہوئے تو کسی نے زیادہ توجہ نہ کی، لیکن اس کا نتیجہ بڑا عجیب نکلا۔ متمدن علاقوں میں بھی ہر کہیں تیرانداز بھی تھے اور سوار بھی، لیکن دشت کے رہنے والے بیک وقت تیرانداز اور سوار تھے اور تمام خانہ بدوش قبائل کا یہی حال تھا۔

اس کے علاوہ متمدن مرکزوں میں گھوڑوں کو باربرداری یا رتھ کھینچنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ ان رتھوں یا رن گاڑیوں میں سوار ہو کے لوگ لڑنے جاتے۔ مصر یا یونان میں تھوڑے سے سوار ضرور تھے جو زین اور رکاب کی سہولت کے بغیر گھوڑوں پر تلواریں اور نیزے لیے حملہ کرتے، لیکن یہ زیادہ خطرناک نہ تھے۔ دشت کے رہنے والے خطرناک تھے۔

ہر قبیلے کے سوار ایک قدرتی فوج بن گئے، جو بڑی سرعت سے سفر کر سکتی اور ایسے مصائب برداشت کر لیتی جو پیدل فوج کو تباہ کرنے کے لیے کافی تھے۔ یہ فوجی حجم غفیر یا "اردو" رفتہ رفتہ چینی محافظ فوجوں کو شکست دینے لگے۔ چینی فوج زیادہ تر بھاری رتھوں اور پیدل نیزہ بازوں پر مشتمل تھی۔

اس زمانے کے ایک چینی واقعہ نگار نے شکایت کے لہجے میں لکھا ہے: "تاتاریوں نے جنگ کو پیشہ بنا لیا ہے۔ وہ اپنے گلّے کے جانوروں کا دودھ پیتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے ہیں اور چراگاہوں کی تلاش میں انھیں لیے لیے پھرتے ہیں۔ ہر شخص تیر کمان کے استعمال میں طاق ہے۔ صلح کے زمانے میں بھی وہ آسانی سے خون کر دیتے ہیں اور اس میں مزا لیتے ہیں۔

اس کے برعکس چین میں ایک طبقہ دوسرے کا حریف ہے۔ اس لیے بہت سے لوگ مجبور ہیں کہ اپنے سے بہتر طبقے کے آرام کے لیے غلامی کریں۔ زمینوں کی کاشت کی جائے تو کھانا نصیب ہوتا ہے اور ریشم کے کیڑے پالے جائیں تو کپڑا۔ شہروں کے اطراف فصیلیں نہ بنائی جائیں تو ان کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اس طرح صلح کے زمانے میں زیادہ تر انسان محض محنت کے بل پر زندہ رہتے ہیں اور لڑائی کے زمانے میں کوئی لڑنے کے قابل نہیں رہتا۔"

مغرب میں بھی یہی حالات رونما ہو رہے تھے۔ تیرانداز شہسوار وسط ایشیا میں نمودار ہو رہا تھا۔ سیتھین قبیلے روس کے دشت میں نمودار ہو رہے تھے۔ نینوا کے دوران میں بشانار کو شہسوار تیراندازوں کی آمد کا پتہ چلا۔ یہ میڈ اور آریا تھے۔ محل کی دیواروں پر فنا کی تحریر صاف نظر آ رہی تھی۔

شہسوار تیرانداز کا سایہ دشت کے جنوب میں بھی پڑ رہا تھا۔ اس وقت وہ ایک عجیب ہیولا تھا جس کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ وہ بیابانوں کا وحشی تھا، ایک طرح کا غول بیابانی جو کمان اور گھوڑے کے بل پر جیتا تھا۔

اس قسم کی ایک قوم کو یونانی "اسکوتھوئی" یا سیتھین کہتے تھے۔ یہ ایسا خانہ بدوش تھا جو اپنے دشمنوں کے کاسہ سر میں گھوڑی کا دودھ پیتا۔ اپنے سردار کے سر پر گھوڑوں اور غلاموں کو ذبح کرتا۔ گھوڑے کے ساتھ سوار کو دفن کرتا۔ اس کے سردار کی بیویاں چاقو بھونک کے خودکشی کر لیتیں تاکہ ان کی روحیں دوسری دنیا میں بھی سردار کے ساتھ رہیں۔ یہ ایسا قانون تھا۔ اس قبیلے کے جادوگروں کو ہیرودوتس نے "مردانی عورت" کہا ہے۔

سیتھین ایک اونی ٹوپی پہنتا جس سے اس کے کان بھی ڈھک جاتے اور دشت کی ہواؤں سے محفوظ رہتے۔ وہ ڈھیلے، لانبے پاجامے پہنتا، جن کی مہریاں ٹخنوں کے قریب تنگ ہوتیں اور اس طرح وہ خاردار جھاڑیوں، غبار اور برف سے محفوظ رہتا۔ وہ جدید ہوا باز کا پیش رو معلوم ہوتا۔ فرق یہ تھا کہ بجائے ہوائی جہاز کے وہ چھوٹے سے گھوڑے کی سواری کرتا جس کے ایال منڈے ہوئے ہوتے۔ یونان کے مورخوں نے انھیں پستہ قد اور بدشکل کہا ہے، لیکن یہی پستہ قد اور بدشکل گھوڑسوار عجیب و غریب سرعت سے بڑی بڑی مسافتیں قطع کرتا۔ سوار چمڑے کی بے ڈھنگی زرہ پہنے ہوئے، ایک لمبی سی تلوار اور بھالا لیے ہوئے بڑی گزند پہنچا سکتا۔

سیتھین جنگجو، یونانی حملوں اور جنوبی ایشیا میں سکندر اعظم کی بسائی ہوئی آبادیوں میں گھسے چلے آ رہے تھے جانے بغیر اور پروا کیے بغیر وہ مشرق میں یونانی تمدن کو روکتے جا رہے تھے۔

شہسوار خانہ بدوش کے پاس ایک نئی طاقت تھی۔ یہ حملے کے لیے ایک نئی طرح کی قوت تھی۔ وہ پیدل فوج سے بہت آگے نکل جاتا اور سو قدم کے فاصلے سے اسے تہس نہس کر ڈالتا۔ سترہ صدیوں تک یہی نیا ہتھیار، نئی طاقت جنگ میں سب سے زیادہ خطرناک سمجھی جاتی رہی۔ یہ پارتھی تیر تھا۔ اس کے آگے سکندر اعظم کی حملہ آور فوج کا مقدونی دستہ بےکار تھا۔

فی الوقت دشت کے رہنے والے بلا کسی خاص منزل مقصود کے حملہ کرتے پھرتے۔ صرف یہ کہ منفرد قبیلے اور قومیں جنوب کی گرم تر زمینوں کی طرف ہجرت کر رہی تھیں۔

آریا

ایک قوم ایسی تھی جو فضائے دشت سے نکل کے اس دور میں، مشرق اور نکلتے ہوئے سورج کی سمت پھیلے

تگی۔ یہ لوگ دراز قد تھے، ان کی آنکھیں نیلی یا بھوری تھیں اور ان کے بال سُرخی مائل تھے۔ ان کے سر لمبوترے تھے۔ انھیں زمین میں کاشت کرنا آتا تھا اور لڑائی میں یہ لمبی سیدھی تلواریں استعمال کرتے تھے۔

نسلاً یہ سیتھین قوم کے رشتہ دار تھے۔ ان کی ایک شاخ گوبی تک پہنچی اور چینیوں نے ان کا نام یُوئے چی رکھا۔ یہ آریائی یا ایرانی تھے۔

ان آریوں کے متعلق اہلِ فکر میں شدید اختلاف ہے۔ کوئی انھیں ہند یورپی کتا ہے کوئی سفید نسل۔ جدید جرمنی میں بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ ان کا قدیم نشان سواستکا تھا لیکن ہم ان کے متعلق زیادہ نہیں جانتے۔ ان کے اصلی وطن کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ممکن ہے کہ دشتِ روس ان کا اصلی وطن ہو۔

یہ یقینی ہے کہ وسط ایشیا کے دوسرے باشندوں کی طرح خانہ بدوش تھے، اور وہ بھی شہسواری اور تیر اندازی میں مشّاق تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے مشرقی خانہ بدوشوں کو جنگ کے لیے گھوڑے کا استعمال سکھایا یا خود ان سے سیکھا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ مغربی آریا جو عرصۂ دراز سے میدانوں میں رہتے تھے، ایشیائی وحشی اقوام کے مقابل گھوڑے کا استعمال پہلے کرنے لگے ہوں گے، کیونکہ ایشیائی دشت کی وحشی قومیں ابھی شمالی جنگلوں کی سرحد سے نیچے اُتر ہی رہی تھیں اور ان کا نظامِ معیشت قدیم شکاریوں کے اصول پر مبنی تھا۔ کم سے کم قدیم چینیوں کا یہی خیال تھا جو مجبوراً ان کا غور سے مطالعہ کرتے تھے، اور ان دونوں طرح کے وحشیوں سے ڈرتے تھے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایشیائی تیر اندازی میں زیادہ مشّاق تھے اور تھوڑے ہی عرصے میں مشرق کے اردوں نے یُوئے چی کے ان قبیلوں کی کمر توڑ دی جو ان کے وطن کے بہت قریب تک جا نکلے تھے۔

اپنی دور دراز آوارہ گردی کے دوران میں ان نیلی آنکھوں والے جنگجوؤں نے دشت میں جا بجا قبرستان کے ٹیلے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ ان ٹیلوں پر قدِ آدم سے ذرا بڑا پتھر کا ایک مجسمہ نصب ہوتا۔ روسی ان کو "بابا" یا پتھر کی عورت کہتے۔ ان سب مورتیوں کا رُخ مشرق کی جانب تھا۔ سب مورتیاں ایک ہی انداز میں نصب ہیں، ان کی پتھریلی آنکھیں نکلتے ہوئے سورج کی جانب نگراں ہیں۔ ان کا معمّا اب تک علم الانسان کے ماہروں کی سمجھ میں نہیں آیا۔

لیکن ان نیلی آنکھوں والے یُوئے چی شیطانوں نے دشت کے وحشی قبائل میں ایک شعلہ سا بھڑکا دیا۔ یہ مقصد اور ذہانت کا شعلہ تھا جو سلگتی ہوئی لکڑیوں میں جا گرا۔ وہ خود فاتح تھے اور جو خطّہ فتح کرتے اس پر حکومت کرنا چاہتے۔ انھوں نے ایشیائی قبیلوں کے لیے ایک نئی منزلِ مقصود فراہم کر دی۔

وہ جس راستے سے گزرے، اپنے پیچھے اپنے جسمانی آثار چھوڑ گئے۔ ایشیائی دشت کے ساکنوں کو انھوں نے

نیلی آنکھیں، سرخ بال اور لمبے لمبے جسم عطا کیے۔ وسط ایشیا میں ہمیں چٹانوں میں کھدے ہوئے ایسے مندر ملتے ہیں جن میں یورپ والوں جیسے سر اور ہلکے رنگ کی آنکھیں رکھنے والے دراز قد انسانوں کی تصویریں منقش ہیں۔

بیرونی دنیا نے بہت جلد آریائی ذہنیت کے اس شعلے کی گرمی محسوس کی جو انھوں نے ویرانوں میں فروزاں کیا تھا۔ شہسوار خانہ بدوشوں میں ایسے سردار پیدا ہونے لگے جو اس تمام غفیرہ کا رُخ بیرونی تمدّنوں پر حملے کے لیے پھیرنے لگے۔

دیوارِ عظیم

یہ تمدّن اب محض بڑے دریاؤں کی پیداوار نہ رہا تھا۔ آب پاشی کی وجہ سے نچلی زمینوں میں جگہ جگہ پانی پھیل گیا تھا۔ پہیے والی گاڑیاں ایک آبادی سے دوسری آبادی تک سامانِ تجارت لے جاتیں۔ جہاز سمندروں کے کنارے آن لگتے۔ چرخے کپڑا کات رہے تھے۔ شیشہ اور چینی کا سامان تجارت کی شاہراہوں کے راستے نکل رہا تھا۔

تجارت بڑھی تو تاجروں کے نئے طبقے کی دولت بھی بڑھ گئی۔ امیروں کے عیش کا سامان بڑھ گیا۔ قافلے ہندوستان سے یونان جاتے اور عود و عنبر اور ریشم کا پارچہ بیچ کے لوہا اور سونا خریدتے۔ مرکزی شہروں کی فصیلیں بلند تر ہوتی گئیں تاکہ شہر کی دولت اور مالکوں اور غلاموں کی آبادی کی حفاظت ہو سکے۔

تمدّن کی اس ترقی میں دشت کے ساکنوں نے کوئی حصّہ نہ لیا تھا۔ پہلے کی طرح وہ اب بھی الگ تھلگ تھے۔ یہاں تک کہ اپنے سرداروں کی سرکردگی میں انھوں نے اپنے ڈھب سے دشت کی حدود سے باہر نکلنا سیکھا۔ سب سے پہلے ہُن نمودار ہوئے جن کو چینی ہیونگ نو کہتے تھے۔ ان کے سردار جو کاغان کہلاتے تھے، انھیں آسان ترین راستوں سے کاشت شدہ علاقوں میں لے جاتے۔ ان کا وطن جھیل بیکال کے قریب کوہستان کے شمالی دروازے کے اس پار تھا، یہاں سے وہ دشت کے جنوب مشرقی دروازے سے خروج کرتے۔

اس راستے کی روک کے لیے چینی شہنشاہوں نے پہاڑیوں کے آرپار عظیم دیوارِ چین بنائی، اس سرحد پر جہاں کاشت شدہ زمین، خانہ بدوشوں کی چراگاہوں سے متصل تھی۔ یہ دیوار جو اب سے اکیس سو سال قبل بنی تھی، کچھ عرصہ تک وحشیوں کو روکتی رہی۔ اس کی وجہ سے ان کا رُخ مغرب کی جانب پھر گیا۔

یہاں ان کے لیے ایک، اور صرف ایک راستہ اور کھلا تھا۔ یہ شمالی جنگلوں کے بالکل نیچے کی گھاس کے

میدانوں سے ہوتا ہوا منگولیا کی سطح مرتفع کو قطع کرتا ہوا، آلتائی کے دروں سے گذرتا ہوا، وسط ایشیا کے دریاؤں
ساتھ ساتھ چلتا ہوا، دشت کرغیز کی عظیم الشان مسطح بلندیوں پر نکلتا ہوا، یورال کی ہلکی ہلکی ڈھلوان سے بیچ در
گذرتا ہوا جنوبی روس کے گھاس کے میدانوں پر ختم ہوتا تھا۔ یہاں سے یہ راستہ سیدھا ہنگری کے میدانوں
جاتا تھا۔

یہ کوئی بنی بنائی سڑک نہیں تھی، یہ چراگاہوں کے درمیان ایک قدرتی سا راستہ تھا، جو دشت و بیابان میں
چار ہزار میل کی مسافت رکھتا تھا، اور اس علاقے میں صرف خانہ بدوش ہی زندہ رہ سکتے تھے۔ اس راستہ کو وحشیو
کی شاہراہ کہا جا سکتا ہے۔

اس راستے سے خانہ بدوش مغرب پہنچے۔ انھوں نے اس راستے پر سفر شروع کیا تو یہ جانے بغیر کہ اس کی انت
کس منزل پر ہوگی۔ پندرہ سو سال تک اس راستے پر سفر جاری رہا۔

دشتِ ایشیا میں کچھ واقعات رونما ہو رہے تھے۔ قبائل جو قدرتی سرحدوں کے اندر قید تھے، آپس میں لڑ
رہے تھے کہ سرداری حاصل کریں۔ یہ بھیڑیوں کی سی لڑائی تھی، جس میں رحم کو دخل نہ تھا۔ دشت کا مالک ایک ہو
ہو سکتا تھا، دو نہیں۔ جب ہن اقوام کا ایک خاقان اتنا طاقت ور ہو گیا کہ اس نے ان زرخیز چراگاہوں پر قبضہ کر لیا
جہاں مویشیوں کے گلّے گرمیوں کے بعد سردیوں میں گھاس چر سکتے تھے، تو کمزور تر قبیلے اپنے خاندانوں اور مویشیو
سمیت اور کسی علاقے میں بھاگ نکلے۔ یہ ضرب المثل مشہور تھی کہ "آسمان پر ایک ہی سورج ہے اور زمین پر
ایک ہی خاقان"

کبھی کبھی، اور زیادہ تر ایک ہی پشت میں ایسا ہوتا کہ دشت کا ایک آدھ مالک اتنا طاقت ور اور
دور اندیش ہوتا کہ وہ اپنی حکومت میں ان شورش پسند قبائل کو اکٹھا کر لیتا، مگر اس کی حکومت کی عمر مختصر ہی ہوتی۔
ہمیں ایسی گمر عظیم شخصیتوں کا کچھ کچھ علم ہے جنھوں نے چند سال تک منچوریا کے جنگلوں سے لے کر وسط ایشیا کی
بلندیوں تک حکومت کی۔ شاذ و نادر ایسا ہوتا کہ ایسا فاتح اپنے آپ کو اور اپنی حکومت کو اپنے بیٹے کے سپرد کر
پاتا۔ اس کے مرتے ہی خانہ بدوش قبیلوں میں پھر خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور چراگاہیں نئے مالکوں کے قبضے میں چلی
جاتیں، لیکن دشت کے ساکنوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی ایسے سردار کے عَلَم کے نیچے متحد ہو جاتے ہیں جس
میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ ان پر حکومت چلا سکتا ہے، تو وہ کامیابی کے ساتھ بیرونی دنیا پر یورش کر سکتے ہیں۔
انسانی مد و جزر کی باقاعدگی کے ساتھ شہسوار خانہ بدوش مغرب کی طرف ہجرت کرتے جاتے اور آگے زمینوں

رہنے والوں کو اور آگے بھگا دیتے۔

اس طرح ہن قبیلوں نے یوے چی قبیلوں کو اور آگے بھگا دیا اور یوے چی نے سیتھین قبیلوں کی باقیات کو
نس کر ڈالا۔ اس مد و جزر میں مذہبی مدعا جز نہیں تھا۔

ایک لمحہ، یعنی ایک پشت تک یہ صورت حال ہو گئی تھی کہ متمدن روما الکبریٰ کی مشرقی سرحد کی چوکیاں چینیوں
مغربی سرحد کی نگہبان چوکیوں سے قریب قریب متصل ہو گئی تھیں۔ اس زمانے میں چین پر ہان خاندان کی حکومت
یہاں تک کہ سواروں کے ایک نئے خروج نے دشت سے نکل کے متمدن دنیا کی سرحدوں کو تہ و بالا کر ڈالا۔
روما الکبریٰ کو تیوتانی اور گاتھ اقوام نے حملہ کر کے زیر کر لیا، لیکن یہ قبیلے خود ہن حملہ آوروں کے آگے آگے
رہے تھے اور ہن قومیں چراگاہوں پر مغرب کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ صرف ایک پشت کے لیے اٹیلا نے
سیاسی شعور بڑا تیز تھا اور جس نے رومیوں سے بہت کچھ سیکھا تھا، مغرب میں وحشی اقوام کی ایک بہت بڑی
قائم کی۔ اٹیلا بڑا چالاک اور بے درد آدمی تھا، لیکن اس کی سلطنت میں نظم و نسق برائے نام ہی تھا اور یہ
بھی مشرق کے نئے حملہ آوروں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکی۔

چوتھی صدی عیسوی کے ختم پر امیس مارسی لیس نے ہن حملہ آوروں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے "وہ پیروں
جانور چھوٹے چھوٹے بے ریش۔ اپنے گھوڑوں سے بندھے ہوئے سے اور انھیں سے اپنا کل ذخیرہ حاصل
والے۔ سوتے بھی ہیں تو گھوڑوں کے ایالوں پہ سر رکھے رکھتے۔ نہ کھیتی باڑی کرتے ہیں، نہ ہل کو ہاتھ سے
مکانوں میں نہیں رہتے۔ ان کی زندگی مسلسل آوارہ گردی ہے . . . . . جب پیدل کھڑے ہوتے
پستہ قد معلوم ہوتے ہیں، لیکن جب گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں تو بڑے عظیم الشان نظر آتے ہیں"

دشت کے شکاریوں کو مشرقی یورپ کے میدانوں کا علم ہو گیا تھا۔ یہ نرم اور بہتر سر زمین تھی اور یہاں کے
والے اتنے کمزور تھے کہ اپنے ملکوں کی حفاظت نہیں کر پاتے تھے۔ مشرقی سڑک جہاں "بابا" کے سنگین
قبرستانوں کی حفاظت کر رہے تھے، وحشیوں کی سڑک، اب ایک شاہراہِ عظیم بن گئی تھی۔ دشت سے نئے نئے
گاڑیوں میں سوار اُمڈے چلے آتے۔ برفانی دیوتاؤں کی زمین سے نکل کر وہ یورپ کے ملکوں کی طرف جا رہے
— اور خود وہ اپنے سے زیادہ طاقت ور قبیلوں کے آگے آگے بھاگ رہے تھے، جو ان کا تعاقب کرتے
آ رہے تھے۔

جبلت جو عقل سے زیادہ طاقت ور ہے، انھیں آگے بڑھائے لیے جا رہی تھی۔ ان کی آوارہ گردی کا ایک مقصد تھا ـــــ محفوظ چراگاہوں کی تلاش اور ان پر قبضہ۔ اقوام کی آوارہ گردی کے اس پیچ و تاب میں زندہ بچنے کی یہی ایک صورت تھی۔

ان کا اپنا وطن جنوبی سائبیریا میں جھیل بیکال کے کنارے کی ٹھنڈی چراگاہوں میں تھا۔ یہ ان اقوام کا گھوا ایک انسانی ایوالانش کی سی باقاعدہ، قدرتی حرکت کے ساتھ مغرب کی سمت بڑھ رہی تھیں۔ اسکنڈے نیویا کی طرح سے بھی انسانی جتھے قدرت کی اندھی طاقتوں سے بچ کر نکلنے کے لیے حرکت کر رہے تھے۔

اٹیلا کے بعد کی صدیوں میں طرح طرح کی مبہم افواہیں مغرب تک پہنچ رہی تھیں، جو اس زمانے زمانۂ جاہلیت کی تاریکیوں سے نکل کر عیسائی مذہب اختیار کر رہا تھا۔ افواہیں تھیں کہ نامعلوم مشرق کے یہ حملہ دجّال کی اُمت تھے، ان کے بعد قیامت آنے والی تھی۔ عرصہ سے یہ اس دیوار کے پیچھے قید تھے جو یاجوج کے لیے بنائی گئی تھی۔ اب وہ دیوار توڑ کے نکل رہے تھے۔

سینٹ جروم نے پیشین گوئی کی تھی کہ دجّال کے زمانے میں یاجوج ماجوج کے ملک سے ایک ا قوم نمودار ہوگی جو گندی اور ناپاک ہوگی، جو نہ شراب پیتی ہوگی نہ نمک اور گیہوں کھاتی ہوگی۔

مغربی یورپ میں ہمارے آباؤ اجداد یہ سمجھنے لگے تھے کہ یہ پیشین گوئی پوری ہوا ہی چاہتی ہے۔

انسانی سیلاب اور بند

یہ ہجوم غفیر جو ہجرت کر کے دشت سے نکل رہا تھا، ہر طرح کی مزاحمت کو حیوانِ عاقل کے سے وحشی پن کچلتا ہوا۔ ان اقوام کے بعد آوار اور بلغاری قومیں آئیں۔ ہزار سال قبل کی سیتھین قوموں کی طرح یہ بھی گھوڑوں پشت پر زندگی بسر کرتیں اور مویشیوں کے گلوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتیں۔ راستے میں ان کی عورتیں جنتیں۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کہاں پیدا ہوا۔

ایک مغربی مورخ نے شکوہ کیا ہے کہ "یہ سارے وحشی ایک دوسرے سے مشابہ ہیں مگر اور کسی مشابہ نہیں۔"

ان کی یلغار سے مشرقی اور وسطی یورپ کے باشندے ایک علاقے میں سمٹ آئے اور جدید یورپ بیج انھوں نے جابجا بو دیے۔ مشرقی سلاف نیپر اور ڈینیوب دریاؤں کی وادیوں میں پسپا ہو گئے۔

دریائے ڈینیوب پر آوار قوموں نے ڈیرے ڈالے۔ یہ ڈیرے گاڑیوں پر لگے ہوتے جو ایک دائرے کی صورت میں اکٹھا کی جاتیں اور ان کے بیچ میں حفاظت کے لیے سامانِ رسد اور خزانہ اکٹھا کیا جاتا اور ان کا کاخان جو "بایان" کہلاتا، آس پاس کی متمدن اقوام کی قوت کا جائزہ لیتا۔ بایان کا نام خالص مغل ہے اور اس کی آوار قوم مغل نسل سے تھی۔

یہ ۶۰۰ء کا ذکر ہے۔ اس زمانے میں مغربی تمدن کی جو کچھ شکل تھی اس کی محافظت تین قوتیں کر رہی تھیں ایک تو وحشی فرنگیوں اور جرمنوں کی شجاعت، دوسرے بازنطینی سلطنت کی قلعہ بندیاں (یہ سلطنت قسطنطنیہ میں رومۃ الکبریٰ کی باقیات الصالحات کی مانگ تھی) اور تیسرے عیسائیت کی متحد کرنے والی طاقت۔

۶۲۶ء میں آوار حملے کی لہر قسطنطنیہ کی فصیلوں سے ٹکرا کے واپس پلٹی۔ چھ سال بعد بلغاری سردار کروم نے اپنے مخالف بازنطینی قیصر کے کاسۂ سر سے اپنے لیے جام شراب بنایا۔ کچھ بلغاری قبیلوں نے دشت ہی میں رہنا پسند کیا اور جس دریا کے کنارے انھوں نے اپنا وطن بنایا، اس کا نام انھیں کے نام پر "وولگا" پڑ گیا۔ کچھ اور بلغاری قبیلے اس جزیرہ نما میں گھس آئے، جسے اب بلقان کہتے ہیں اور بازنطینیوں کا ناک میں دم کر دیا یہاں تک کہ اقوام کا نقشہ پھر سے بدل گیا۔

اس مرتبہ میگیار (یعنی "دودھ پینے والے"، جو بعد میں ہنگری کہلانے لگے) مشرق سے نمودار ہوئے۔ ان کا مقصد دوسرے ایشیائی قبائل کے مقابل زیادہ معین تھا۔ ان کی زبان فنش زبان سے مماثلت رکھتی تھی اور ان کے سردار ترک امراء کے خانوادوں سے تھے۔

پہلی مرتبہ مغربی یورپ کو دشت کے ترکوں کی گہری ذہانت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور اگلی پشت میں مغربی یورپ کو اس مزاحمت میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ۹۲۴ء میں میگیاریوں نے چارلس اعظم کے جانشینوں کو نیست و نابود کر دیا۔ بازنطینیوں کو قسطنطنیہ کے گہرے حصار میں پناہ لینی پڑی۔ معلوم ہوتا تھا کہ پھر سے اٹیلا کا زمانہ واپس آگیا۔ تری جرمنوں نے میگیاروں کا زور توڑا۔ ہنگری کا بادشاہ وائک عیسائی ہو گیا اور سینٹ اسٹیفن کے نام سے ملقب ہے۔ یہ نڈر شہسوار ہنگری کے میدانوں میں جا بسے اور آگے چل کر ان واقعات نے بڑی اہمیت حاصل کی۔

اب سلاف اقوام کے ساتھ ہنگریوں نے مشرقی یورپ میں ایشیا سے آنے والی نئی قوموں کے مقابلے میں ایک طرح کی فصیل کھڑی کر لی۔ عین بڑے نازک وقت پر، کیونکہ ساری دولت اور قلعہ سازی کے ہنر اور دفاعی نقطہ کے اسلحہ کے باوجود بازنطینیہ پر سخت انحطاط کا دور طاری ہو رہا تھا۔ اب بازنطینی، قسطنطین کے رومۃ الکبریٰ کے

بھوت بن کے رہ گئے تھے جو دارالسلطنت اور سمندر کا گشت لگایا کرتے۔

اب ۱۰۰۰ء آگیا تھا اور مغرب کے توہم پرست یہ سمجھتے تھے کہ اس سال عیسائی دنیا کا خاتمہ ہو جا
اس کا خاتمہ تو نہیں ہوا، لیکن اس کے لیے بڑی آزمائش کا دور آگیا تھا اور ایشیا میں ایک نئی طاقت نشوونما

ایک عرصہ سے ایشیا کے کچھ اور خانہ بدوش پیدل بھی سفر کر رہے تھے۔ یہ جنگلوں کے رہنے والے
شمالی "تائی گا" میں راستے بنا رہے تھے اور چراگاہوں میں نہیں نکل رہے تھے۔ یہ چمڑے اوڑھتے تھے، شکار
تھے اور ماہی گیری کرتے تھے۔ ان میں سے بعض بعض شمالی آہو پالتے تھے۔ امن و چین کے ساتھ یہ برفانی
ہی میں بسر کرتے رہے تھے۔

ان میں سے جو مغرب کی طرف آئے وہ لیپ اور فن کہلاتے ہیں۔ کچھ دوسرے مشرق کی طرف بڑھ
سے گھری ہوئی آبنائے کو اپنی کھلی کشتیوں میں عبور کیا۔ اپنے ساتھ جانوروں کے چھوٹے چھوٹے بُت نشانیوں
طور پر لیتے گئے، اور ان کے محافظ ان کے طبیب تھے جو شامان کہلاتے تھے۔

انھوں نے آبنائے بیرنگ کو عبور کیا اور خطے کی حد سے باہر نکل کے شمالی امریکہ میں سکونت اختیا
نام نہاد شمالی امریکن انڈین قوموں کے آباؤ اجداد تھے۔

کسی نے ان کی طرف توجہ نہ کی۔

چین کی زرد مٹی

جس طرح دشتِ روس کی کالی مٹی خانہ بدوش قبیلوں کو مغرب کی طرف بلا رہی تھی، ویسے ہی چ
زرخیز زرد مٹی انھیں جنوب اور مشرق کی طرف آنے کی دعوت دے رہی تھی۔

ایک عرصہ ہو چکا تھا کہ چین کی دیوارِ عظیم روک تھام میں ناکام ہو چکی تھی۔ اولین شہنشاہوں
اس دیوار کو اس قدر طویل اور اس قدر بلند بنا دیا تھا کہ یہ ہن قبیلوں کے لیے ناقابلِ تسخیر تھی، لیکن ا
نے اس کی نگہبانی سے غفلت برتی۔ وحشیوں نے اس حصے سے دیوار کو توڑنا سیکھ لیا جس کی حفاظت
کی جا رہی تھی۔

پھر سمندر کے مدوجزر کی سی مستقل حرکت شروع ہوئی اور جنوب مشرقی راستے سے ہو کے دشت
قبیلے گھس کر آتے رہے۔ جب چین کی شہری حکومتیں زوال پذیر ہوئیں یا طویل خانہ جنگی نے انھیں باہم د

گریبان کر دیا تو خانہ بدوش شہسوار دَرّانہ گھس آئے اور چند نسلوں تک انھوں نے شان میں اور شمال کے زرد مٹی
والے خطوں پر اپنا تسلط جما لیا۔

ایک چینی لکھتا ہے "یہ وحشی تعداد میں ہمارے اضلاع کی آبادی کے ایک خمس سے زیادہ نہ تھے۔ ان
کی اصل طاقت ان کی آزادی میں مضمر تھی۔"

زرخیز زمینوں کے عیش و عشرت کا مزا چکھنے کے بعد، جہاں غلہ بافراط اُگتا تھا اور ریشم کے کیڑے پالے
جاتے تھے، یہ خانہ بدوش چین کی بڑھتی ہوئی آبادی میں مل گھل جاتے۔ ان کے حملوں سے چینی نسل میں تازہ
خون شامل ہوتا گیا۔ شمال میں کسی تبدیلی کے بغیر فتح اور نسلی اختلاط کا یہ سلسلہ جاری رہا، لیکن یہ سلسلہ شاذ و نادر
ہی دریائے زرد کے جنوب میں پھیل سکا اور دریائے یانگ تسی کے جنوب میں تو قطعاً نہیں۔

اس لیے خانہ بدوشوں کے واسطے دیوارِ عظیم کا علاقہ جنتِ موعود کا خطہ بن گیا۔ ساتھ ہی ساتھ انھیں
چین کے شہنشاہ کی شخصیت کا احساس ہونے لگا، جو فرزندِ آسمان کہلاتا تھا۔ اور اس علاقے کی ساری حکومت کا
مطلق العنان مالک تھا۔ یہ قبیلے بہت ہنگامے برپا کرتے تھے، مگر اس شخص کے رعب و داب میں تھے جو تمکنت
و دبدبہ سے اژدر نما تخت پر جلوہ افروز تھا۔ دراصل وہی ان کا اصلی فرماں روا تھا —— آسمان کا
جاودانی نائب۔

اس زمانے میں فرزندِ آسمان نے ایک بڑی شان دار شخصیت بنالی تھی، جو دشت کے رہنے والوں
کی نظر سے پرے تھی۔ جنوبی چین میں ٹانگ خاندان کی حکومت تھی، جو افواج کی ڈھال کے پیچھے بڑی نفرت د
ہر کے ساتھ قیصری کر رہے تھے لیکن یہ شہنشاہ جو تخت اژدر پر سریر آرا تھے اعیان پرست تھے اور صرف
ہی جاودانی سلطنت کے حدود کے اندر زندگی کو طاقت اور رعنائی بخش رہے تھے۔ ان کے اطراف ب رحمت
فنونِ لطیفہ کے لطیف شاہکار جمع تھے۔ انھیں انسانی جسم کی مجسمہ سازی اور تراش پسند تھی اور ان کی قبریں
میں بھی ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی مٹی کی پتلیاں دفن کی جاتیں۔ جب وہ زیادہ حقیقت پسندی کے حال میں ہوتے
ٹانگ شہنشاہ، زائروں کے لیے سڑکیں بنواتے اور قحط سالی کے ایام کے مقابلے کے لیے غلوں کے گودام
بنواتے۔ ہندوستان کے مہاراجاؤں کے پاس اپنے ایلچی بھیجتے اور ان کی چوکیوں کے مینار مغرب میں بہت دور
سلطنت کے اندر تک بنے ہوئے تھے۔

ایسے انسان دوست اور مہربان شہری آقاؤں کو شمالی وحشیوں کی کوئی خاص فکر نہ تھی۔ قریب ترین

وحشیوں کو وہ "تاؤکیو" (یا مضبوط) یا تُرک کہتے تھے۔ وہ انھیں اپنا غلام جانتے، کیونکہ شہسوار بننے سے پ
ترک قومیں لوہے کی کانوں میں کام کرتی تھیں اور چین کے فراموش شدہ شہنشاہوں کے لیے کان کنی کیا کرتی تھ
اب یہ تُرک خیموں میں رہتے اور آوارہ گردی کرتے رہتے اور لگاتار اس کوشش میں لگے رہتے کہ شمالی حصے
کو توڑ کر چین پر حملہ کریں۔

تانگ شہنشاہ جانتے تھے کہ ترک قوموں کے اُس پار شمالی جنگلوں کے سلسلے سے شکاریوں کی ایک
قوم نمودار ہو رہی تھی جو اپنے خیمے گاڑیوں پر لگائے پھرتی تھی اور منگول یا مغل کہلاتی تھی جس کے معنی ہیں دائمی

ان سے بھی اور پیچھے ایک اور وحشی قوم آمور دریا کو پار کر رہی تھی، اور ابھی تک رین ڈیر (شمالی آہو) پال
تھی اور برف میں پہننے والے جوتے پہنتی تھی۔ یہ تنگو قوم تھی، جس کے نام کے معنی ہیں نسو... کم سے کم تانگ مبصر
نے انھیں یہی نام دیا۔

یہ محض قدرتی بات تھی کہ جب اوّلین تُرک قبیلوں نے ہجرت شروع کی تو وہ تانگ خاندان کی طاقت
فوجوں سے بچنے کے لیے مغرب کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

---

(۲)

شہسوار شہنشاہ

۲

ہن قبیلوں کو مغرب کے مرغزاروں کا رُخ کیے ہوئے ایک ہزار سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ اس اثنا میں
طرت نے دشت کی ہیئت کسی قدر تبدیل کر دی تھی۔ کوہساروں پر برف کم ہو گئی تھی۔ جھیلیں سُوکھ کر سمٹ
ئی تھیں اور ان کا پانی زیادہ کھاری ہو گیا تھا۔

اب تپتی ہوئی گرمیوں میں گھاس اور جلدی مُرجھا جاتی۔ جب خانہ بدوش اپنے مرغزار چھوڑ کے آگے
ڑھتے تو انھیں خاک کی آندھیوں کا سامنا کرنا ہوتا اور ان کے مویشی کثرت سے تلف ہو جاتے۔ جنوب
ں گوبی کا ریگ زار جابجا بڑھ کر پہاڑوں تک پہنچ گیا تھا۔ آندھیاں ریت کے تودے کے تودے اٹھا لے
اتیں اور دور دراز آبادیوں کو دفن کر دیتیں۔

جب ریت کی چٹان ٹوٹتی تو ایسی آواز آتی جیسے کہیں دُور پُر اسرار ڈھول بج رہے ہیں۔ چینی لوگ ان
ٹیانوں کو "یوشا" کہتے، جس کے معنی ہیں ریگ رواں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان میں بھوت پریت رہتے ہیں اور
سافروں کو اصل راستے سے بھٹکا لے جاتے ہیں۔

دراصل ایشیائے بلند کے دشت خشک ہو رہے تھے۔ اس خشکی سے دو نتائج مترتب ہوئے۔ زندگی
نش مرغزار اور شمال کی طرف سرک گئے اور ان مرغزاروں اور بیرونی دنیا کے درمیان مسافت بڑھ گئی۔
وسرے یہ کہ خانہ بدوش کی اور زیادہ تعداد محض زندہ رہنے کے لیے نقل و حرکت پر مجبور ہو گئی۔ ان کا اپنا وطن
یگستان بنتا جا رہا تھا اور اب وہ اپنے حصّے کو کاشت شدہ زمین میں تلاش کرنے لگے۔

اس زمانہ میں خانہ بدوش قبیلوں کے سب سے طاقتور قبیلے یعنی تُرک نقل و حرکت کر رہے تھے۔

تُرکوں کا خروج

چینی شاعر لی ٹائی پو نے اس نو وارد کا نام "سرحدی" رکھا ہے اور لکھا ہے کہ "ساری عُمر یہ سرحد کا
ہنے والا کبھی کتاب کھول کے نہیں دیکھتا، لیکن اسے شکار کھیلنا آتا ہے۔ جب کمان کھینچتا ہے تو نشانہ خطا
نہیں کرتا۔ اس کے سنسناتے ہوئے تیر ہوا میں چڑیاں شکار کرتے ہیں۔ جب وہ میدان میں گھوڑا دوڑاتا ہے

تو سیٹی بجا کے اپنے شہباز کو بُلاتا ہے۔ ریگستان اس کی شجاعت کا گواہ ہے۔"

اور چینیوں نے اس ترک کے متعلق ضرب الامثال ایجاد کیں۔ "ترک زین پر بیٹھا ہو تو اپنے باپ کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔" اور "ترک جھونپڑے میں پیدا ہوتا ہے، مگر دشت میں مرتا ہے۔"

جسمانی ساخت میں ترک کی حیثیت اُس کے پیش رَو آریائی (ایرانی) اور اس کے مشرقی ہمسائے وحشی مغل کے بین بین تھی۔ اس کا قد آریا کی طرح دراز تھا اور وہ حرکت میں اتنا ہی تیز تھا۔ عام طور پر لوگوں کو اس کے رنگ کے متعلق غلط فہمی ہے مگر دراصل وہ گندم رنگ مغل کے مقابل سفید فام تھا۔ اکثر اس کے بال سُرخ ہوتے آنکھوں کا رنگ ہلکا ہوتا، خدوخال نمایاں اور جسم پر کثرت سے روئیں۔ اس کے برعکس گول چہرے والے منگول کا جبڑا ہڈی دار تھا اور اس کے جسم پر بہت کم بال ہوتے تھے۔

وہ جنگلی گھوڑوں کو پکڑتا اور پالتا لیکن اس کے پاس اونٹ بھی تھے اور مویشی بھی اور بھیڑیں تو بہت بڑی تعداد میں۔ وہ بارہ جانوروں کی جنتری سے برسوں کا شمار کرتا۔

اس کی عورتیں بھی اسی کی طرح لاپروا اور جاندار تھیں۔ وہ چین کے کاڑھے ہوئے ریشم کے ملبوس پہنتیں اور شروع شروع کے دَور میں اپنے حلق پر تصویریں کھدواتیں۔ ہوس پرست تھیں اور ان کے بے شمار اولاد ہوتی۔ ترک سردیوں میں اُونی لبادے پہنتے، سارنگیوں اور طبلوں کا راگ بڑے شوق سے سُنتے اور ان کا ایک اور باجا یہ تھا کہ ایک ڈنڈے پر بہت سی گھنٹیاں بندھی ہوتیں جو بجائی جاتیں۔

ترکوں کا خاقان اپنا خیمہ مشرق میں نکلتے ہوئے سُورج کے رخ پر نصب کرتا۔ اس کے خیمے کے آگے جو عَلَم نصب ہوتا اس پر بھیڑیے کے سر کا طلائی نشان نصب ہوتا اور اس کے نگہبان بھیڑیے کہلاتے۔ وہ اپنے قبیلے میں ہر شخص کو زمین کا ایک حصہ بانٹ دیتا، لیکن سارے قبیلے پر بلا شرکت غیرے اس کی حکومت تھی۔ ہر خاقان بجائے خود ایک چھوٹا موٹا بادشاہ تھا۔ اس کی طاقت کا ایک نشان ایک تیر ہوتا، جس کی نوک سونے کی ہوتی، جس پر اس کی مُہر کندہ ہوتی۔

وہ قلعے اور خانقاہیں تعمیر نہ کرتا بلکہ کہتا "نہیں، مکانوں اور خانقاہوں کی وجہ سے انسان کی فطرت نرم اور کمزور ہو جاتی ہے۔ صرف جنگجو اور مہیب لوگ دوسروں پر حکومت کر سکتے ہیں۔"

اہلِ روم کی طرح ترک کو جنگی نظم و ضبط کا لحاظ تھا۔ چینیوں کا بیان ہے کہ ترک قبیلوں میں بہترین کھانا نوجوان جنگجوؤں ـــــ اور گرفتار کی ہوئی حسین عورتوں ـــــ کو ملتا۔ بچوں اور بوڑھوں کو جس طرح بن پڑتا اپنا

پیٹ پالنا پڑتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس سخت نظم و ضبط کی بدولت، ترک قبیلوں میں بھی وہی غیر معمولی صفت پائی جاتی ہے جو رومۃ الکبریٰ کے دریائے ٹائبر کی دلدلوں میں ملی ہوئی سخت کوش سپاہ میں بھی موجود تھی۔ تمام قوموں میں صرف ایشیائی ترکوں اور یورپی رومیوں ہی نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا کہ ایک عالمگیر سلطنت کیسے قائم کی جاتی ہے اور اس پر کس طرح حکومت کی جا سکتی ہے۔

ترکوں میں کبھی رومیوں کی سی یک جہتی پیدا نہ ہو سکی۔ جب انھوں نے خشک ہوتے ہوئے دشت سے ہجرت شروع کی تو ان کے وحشی قبیلے، جدھر سینگ سمائے گھس گئے اور ہر ایک نے اپنے لیے الگ الگ منزلِ مقصود تلاش کی۔ ستاروں کی رہنمائی میں راستہ ڈھونڈھ کے انھوں نے گوبی کا ریگ زار پار کیا اور جنوب میں آلتائی کے حصن حصین کی طرف بڑھے۔ صرف کمزور قبیلوں نے مشرقی راستے سے چین کی زرد مٹی کا رخ کیا۔ یہ واقعہ ترکوں اور چینیوں دونوں کے لیے مسعود تھا کیونکہ اس زمانے میں چین پر ٹانگ کے عظیم الشان خانوادے کی حکومت تھی۔

عہد ٹانگ کے ایک چینی شاعر نے انھیں گذرتے ہوئے دیکھا اور چِلّا اٹھا۔

"ان کے پہیوں سے "لنگ لنگ" کی آواز آتی ہے۔ ان کے گھوڑے "پیاؤ پیاؤ" کہہ کے ہنہناتے ہیں۔
جنگجو کمیں تھامے، تیر کمان سنبھالے، سوار چلے آتے ہیں۔
ان کی صفوں میں باپ، بیویاں، بچے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔
خاک میں دوڑتے ہیں، خاک سے اٹے جاتے ہیں۔
جانے والے نوجوانوں کا دامن پکڑتے ہیں، گویا انھیں روکنے کے لیے۔"

وحشی اور سخت کوش کا فر ترک قبیلے جنوب کی طرف حرکت کر رہے تھے۔ برفانی پہاڑوں کی مدد کے اس برفانی درے سے گزر کے جو سمرقند کی طویل وادی میں جا نکلتا ہے، یہاں انھیں ایک ایسی چیز نظر آئی جو اہلِ دشت کے لیے بالکل نئی تھی۔

پانچ شہر

بالکل نئی بھی نہیں کیونکہ کئی سو سال سے تمدنِ تبت کے کوہستانی سلسلے کے جنوب میں خانہ بدوشوں کی

اس نشست گاہ تک پہنچ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ ایشیا کے پار سے یہاں تک ایک شاہراہ بن گئی تھی۔ یہ شاہراہ وحشیوں کی چراگاہوں والی چراگاہ سے بہت مختلف تھی جو شمال کو جاتی تھی۔

یہ سڑک تون ہوانگ سے شروع ہوتی تھی جہاں چین کی زرخیز زمین ختم ہوتی ہے۔ قافلوں کا ایک راستہ جو گوبی سے ہو کر گذرتا تھا۔ یہ املی کے آسیب جیسے درختوں سے ہوتا ہوا، طوفانی ہواؤں کے راستے سے گذرتا ہوا، خشک مٹی کے علاقے سے گذرتا تھا، جہاں اگر پانی دستیاب بھی ہو سکتا تھا تو زیرِ زمین۔ اس راستے کو اونٹوں کی قطاروں نے اپنے نقشِ قدم سے بنایا تھا۔ باربرداری کے اونٹ جن کی لگامیں آگے سواروں کے ہاتھ میں ہوتیں، جو گرد و خاک میں راستہ ڈھونڈتے کہ ریگستان کے اس پار مغربی پہاڑیوں میں کہیں سبزی کا نشان نظر آ جائے۔ یہ راستہ طوفان کے خیابان سے ہو کے گذرتا، کاشغر کی پہاڑیوں کے سلسلے سے متصل گذرتا، جہاں باغوں کے اطراف خاک سے بچانے کے لیے بلند دیواریں بنی ہوئی ہیں۔ پھر یہ راستہ چکر کاٹتا ہوا برفانی پہاڑوں کے بابا موز تاغ آتا کے دوش پر جا نکلتا۔ پھر یہ راستہ پھسلتا اور لڑکھڑاتا ہوا درّے سے نیچے اُترتا، جہاں آفتاب کی سوزش سے چٹانیں پگھل گئی تھیں۔ یا ان پہاڑوں کی برف جمی ہوئی تھی اور یہاں سے نیچے اس وادی کی سرخ زمین اور پانی تک پہنچتا جس میں سمرقند واقع ہے۔ مرو کے گنبدوں سے ہوتا ہوا گذرتا، جہاں جنگلی پرندے اپنی پیاس بجھانے آتے۔ خشک گھاس میں اوپر کی طرف چڑھتا ہوا یہ ایران کے خشک میدان تک پہنچتا، جہاں اونٹ سیدھے مغرب کی طرف قدم دھرتے چلے جاتے ہیں اور افق پر پہاڑوں کی نیلی قطار نظر آتی ہے، جو نہ قریب آتی ہے اور نہ نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔ اونٹ تیز رفتار نالوں کو پانی اچھالتے ہوئے پار کرتے ہیں۔ یہاں پُل نہیں۔ اور یہ چاندنی رات میں مغرب کی طرف چلے جاتے ہیں، کیونکہ دن کو گرمی کی تپش میں بڑی سوزش ہوتی ہے اور ہوا بہت خشک ہوتی ہے۔

یہ تھی پہلے گویا عظیم شمالی سڑک، ریشم کی تجارت کی قدیم شاہراہ۔ اس راستے سے مشرق کا ریشم روما الکبریٰ اور بازنطین کی خواتین کے لیے آتا۔ یہ ریشم سیڈون یا ٹائر میں گہرے قرمزی رنگ میں رنگا جاتا اور ہاتھی دانت اور جیڈ کے ساتھ ساتھ پالمیرا کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کیا جاتا۔

اس راستے کی ایک جنوبی شاخ گوبی کے ریگستانی خطے سے ہو کے گذرتی اور خشک گیاہ کی جھیلوں کو پار کرتی ہوئی ختن اور یارقند کی چراگاہوں میں جا نکلتی۔ یہ جنوبی سڑک جو نان لو کہلاتی تھی، دنیا کی چھت کے کوہستانی

گھاٹیوں میں جا نکلتی، جہاں دیو ہر آواز کو گرج کر دُہراتے اور جہاں چائے بنانے کے لیے پانی اُبل نہ سکتا۔ پھر یہ شاخ، قراقرم کے طوفانی رُوب درّے سے ہوتے ہوئے ان برفانی درّوں تک پہنچتی جن کے نیچے کشمیر کی سرو و دیوار سے لدی ہوئی وادی ہے یا پھر یہ راستہ بلخ کی بلندیوں پر جا نکلتا اور بلخ کو اس زمانے میں اُم البلاد کہتے تھے۔

ان راستوں سے تجارت کا تانا بانا سا بنایا گیا تھا جو چین اور بلادِ ایران کے سکونت پذیر تمدنوں کو بحیرۂ روم کی دنیا کے سکونت پذیر تمدنوں سے منسلک کرتا تھا۔ یہ ایک پتلا سا دھاگا تھا، جو اکثر ٹوٹ جایا کرتا اور اکثر پھر سے بن لیا جاتا۔ اسی پر، گوبی کے مغربی سرے پر جہاں ٹیان شان کے جنگل ریگستان سے ملتے ہیں، خیابانوں کے اطراف شہر بس گئے تھے۔ یہاں ایک تمدن نے نشوونما پائی تھی جو بڑی سلطنتوں سے بہت دور تھا۔ یہ ایک طرح کا چوراہے کا تمدن تھا۔ یہاں مندروں کے پاس سرائیں تھیں اور کچی مٹی کی چوکیاں اور بُرج اکثر چوکیداروں کے بغیر کھڑی تھیں۔ خیابانوں اور دریاؤں کے کنارے جو پانچ شہر آباد ہوئے تھے ان میں سے بش بالیغ اور المالیک تو کاشغر کے راستے میں تھے اور ختن اور یارقند جنوب میں۔ چینی اس کو مغربی علاقہ کہتے تھے۔ اسے 'کاشغریہ' بھی کہا جا سکتا ہے۔

لیکن اصل میں یہ پانچ شہر تھے۔ بیرونی دنیا کی تبدیلیوں کے مقابلے میں یہ بہت کم بدلتے۔ سب سے الگ تھلگ رہتے اور ماضی کے ورثے کا تحفظ کرتے۔

یہ شاہراہیں فوجوں کی یلغار کے لیے بڑی دشوار گذار تھیں۔ لیکن یہ تجارت اور زیارت کے لیے مشکل سی گذرگاہیں بن گئی تھیں۔ اسکندر کی مقدونی فوج تو ہندوستان کے راستے واپس چلی آئی تھی لیکن یونانی گلدان اور مجسمے ان کوہستانوں کے اندر تک پہنچ گئے تھے۔

اس کے بعد یہاں بُدھ مت کے سرخ برجی مجسمے آئے۔ چین کے عقیدت مند اسی راستے سے کشمیر پہنچے، تاکہ اور آگے ہندوستان میں مہاتما بُدھ کے وطن اور اقامت گاہوں کی زیارت کر آئیں۔ چینی ریشم کے سوداگروں کی معیت میں ان خیابانوں میں ایرانی مصور آ پہنچے۔ ان کے ناموں کے سوا ان شہروں کے متعلق ہم زیادہ نہیں جانتے۔ لیکن یہاں جو زبان بولی جاتی تھی اس سے پتا چلتا ہے کہ آریاؤں کے بھٹکے ہوئے قافلوں کے وارث ان پوشیدہ چوراہوں پر باقی رہ گئے تھے۔ یہاں مندروں میں وہ اپنی تصویریں چھوڑ گئے۔ ان کے مصور غالباً ایران کے فن کار تھے۔

یہ نقشِ دیوار یادگار فنونِ لطیفہ کے آسیبوں کی طرح باقی ہیں۔ ایک عورت کی شبیہ ایسی ہے، جیسے پوسی آئی کے نقوش ہیں۔ بُدھ مت کے دیوتاؤں نے یونانی طرز کے شکن اندر شکن لبادے پہن رکھے ہیں اور

ان کے گول گول چہرے چینی مُو قلم کی نزاکت کا پتا دیتے ہیں۔ ان نقوش میں جو رنگ استعمال کیے گئے ہیں ——— شعلہ ریز سُرخ اور نارنجی اور سبز۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ مصوّری کا یہ طرز فنا ہو چکا ہے اور اس کے آثار اگر کہیں باقی ہیں تو شاید تبّت میں۔

یہاں نستوری پادریوں نے جو ایشیا میں عیسائی مسلک کی تبلیغ کے لیے آئے تھے، بُدھ مت کے مندروں کے پہلو بہ پہلو اپنے کلیسا بنائے۔ یہاں کے کتب خانوں میں تخاری زبان میں (جو آریائی زبانوں میں شامل ہے) مقدس کتابوں کے نسخے محفوظ نکلے۔

پانچ شہروں کی اس پناہ گاہ میں مانی کے ماننے والے آئے۔ یہ نرم رَو پجاری روشنی کو مانتے تھے جو ظلمت کی ضد ہے۔ اس طرح یہ پوشیدہ چوراہا نرم تر مذاہب کے باہمی ربط و ضبط کا مقام بن گیا تھا، خاص طور پر اُن مذاہب کا جن پر دوسرے علاقوں میں سختی ہو رہی تھی۔ یعنی مانی کا مذہب، بدھ مت اور نستوریت۔ ایک دیوار پر یہ کتبہ لگا ہوا ملا ہے۔ "یہ مقام جہاں پہلے خون بہایا جاتا تھا، اب یہاں ایک باغ لگایا گیا ہے۔" یہ عجیب باغ ہے، ایشیا میں گاتھک انداز کا باغ، جہاں خشک اور سُرخ زمین پر جنگل کی طرح درخت اُگے ہوئے ہیں۔ یہاں کے سفید عبا پہننے والے رشی اور دربار دِن کی خواتین جو اس باغ میں پھول اُگاتی ہوں گی ایسی ہوں گی جیسے یورپ کے وہ پادری اور وہ خواتین جن کی تصویریں قرونِ وسطےٰ کی دعاؤں کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ دراصل یہ وہی سرزمین ہے جو ایشیا کے پریسٹر جان کے نام سے منسوب ہے جس کی تلاش میں قرونِ وسطےٰ کے بہت سے مغربی سیاح نکلے مگر کسی کو اس کا سُراغ نہیں ملا۔

تجارت شمالی دشت میں سرسبز نہ ہو سکی۔ خانہ بدوشوں کا واحد ہُنر یہ تھا کہ وہ جانوروں کی شکل کے بھونڈے گہنے سُنہرے گہنے بنا لیتے۔ زینوں اور لگاموں پر چاندی کا منقش کام کر لیتے اور نمدے بُن لیتے۔

دشت کے آستان پر ان پانچ شہروں میں کافر ترکوں کو تمدّن سے سابقہ پڑا۔ ایک بہت بڑا قبیلہ الغور (یعنی متمدین) جو شمال سے نکالا گیا تھا، ۸۶۰ء میں پانچ شہروں میں آباد ہو گیا۔ یہ الغیوری دراز قد لوگ تھے، جو مویشیوں کی پرورش جانتے تھے۔ اب انھوں نے کاشت کاری شروع کی۔ انھوں نے ایک قدیم حروف تہجی میں اپنی زبان لکھنی شروع کی۔ وہ چینی مُو قلم سے بھی لکھتے اور بروکے قلم سے بھی، اور چینی انداز سے لکڑی کے ٹکڑوں کی مدد سے کھانا کھاتے۔

اس سے زیادہ ہمیں ان کے متعلق معلومات نہیں۔ اس دریائی علاقے میں وہ آریاؤں کی باقیات کے

ساتھ خلط ملط ہو گئے۔ بغیر کسی تعصب کے انھوں نے بُدھ مت والوں، مانی کے نرم رَو پیروؤں اور گاہ گاہ آنے والے نستوری عیسائیوں کے مسالک قبول کر لیے۔ وہ چٹانوں پر اپنی تصویریں آپ بناتے اور گوبی کے اس پار تُوین ہانگ کے عالموں سے تبادلۂ خیال کرتے۔

اس طرح خانہ بدوشوں نے اپنا پہلا تمدّن پیدا کیا۔ الغیوری دشت کے رہنے والوں کے اُستاد اور معلم بنے۔ تعجب یہ ہے کہ اس تمدّن کی بنیاد امن پر تھی۔

تُرک، اپنی منزل پر

دوسرے ترک قبیلے جو شمال کی مردم خیز زمینوں سے نکل نکل کے آ رہے تھے، نبرد میں قسمت آزمائی کر رہے تھے۔ صرف کرغیز (معنی ہیں "زرخیز کھیت") اس کلیّے سے مستثنیٰ تھے۔ یہ بڑی طاقتور قوم تھی۔ ان لوگوں کے مردوں کے بال سُرخ تھے۔ کرغیزوں نے الغیوریوں کو مار بھگایا تھا اور اب وہ التائی کے شمال کی گرم زمینوں میں بس کر کاشت کاری کرنے لگے تھے۔ الغیوریوں سے انھوں نے تجارت کے گُر سیکھ لیے تھے۔

لیکن قارلق (برف کے رہنے والے) اُن سے مختلف تھے۔ یہ اپنے گلّوں کے ساتھ ساتھ سفر کرتے۔ اپنے ساتھ ساتھ ایک بھیڑیے کا سر لیے پھرتے۔ یہ اس کی علامت تھا کہ ان کی نسل ایک بھیڑیے سردار کی اولاد تھی۔ ان سے وہی خوف وابستہ تھا جو بربر نانی دنیا سے وابستہ ہوتا ہے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ وہ ایک لوہے کے پہاڑ میں قید تھے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے جو آہن گر تھا، لوہے کے پہاڑ میں ایک سُرنگ کھودی اور پھر سب لوگ نکل سکے۔ اس کے سوا اس روایت کے اور کوئی معنی نہیں تھے کہ قبیلے کے دلوں میں اس واقعہ کی یاد زندہ تھی کہ تیز بارش کے بعد انھیں لوہے کا پتا چلا اور انھوں نے لوہے کی کانیں کھودنی شروع کیں اور لوہے سے انھوں نے ہتھیار بنائے اور ان ہتھیاروں کے سہارے راہزنی کے آزادی سے آگے بڑھے۔

قارلقوں کے پیچھے پیچھے اور قبیلے تھے، جو شمال کے قعرِ گمنامی سے نکل کے آئے تھے جیسے تائی من اور قرات جنھوں نے دشت کے نئے تمدّن کو سیکھنا شروع کیا۔

بعض تُرک قبیلے کہسار کی جنوبی فصیل پار کر گئے۔ یہ فصیل تبّت کی سطح مرتفع، ہمالیہ اور ہندوکش پر مشتمل تھی۔ ایک قبیلہ جس نے غزنی پر قبضہ کر لیا غزنوی کہلایا۔ اس نے شمالی ہند پر قبضہ کر لیا۔

جہاں کہیں یہ ترک نمودار ہوئے، انھوں نے حکومت کی۔ انھوں نے ایرانی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ پر توران کی فتح تھی، متمدن جنوب پر جنگجو شمال کی فتح۔

وہ ایران کے گلستان سے ہو کے گزرے۔ پہاڑیوں سے ہوتے ہوئے وہ بغداد تک پہنچے، جہاں عرصہ تک خلفاء کے خادم رہے، اور پھر ان کے آقا بن گئے۔

یہ محمود غزنوی کے تختِ زریں کا زمانہ تھا، جب ہر طرف ترک خانوادوں کی حکومت تھی۔ ترک ہمیشہ بکھیر رہے، اور ان کی امارت کی خو بو کبھی نہ گئی۔ ترک خود بادشاہ تھا اور بادشاہت کا گُر جانتا تھا۔ وہ شاہی کو اپنا مطلب بناتا۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی امنگ، آمد تھی، لیکن کوئی طاقت ایسی نہ رہی تھی، جو اس کا روک سکتی۔

اس طرح جب نئے اہلِ حکومت سوار نمودار ہوتے تو ترکی اثر و نفوذ ایک ہی نسل میں بہت بڑھ جاتا۔ اگلی نسلوں میں کم ہونے لگتا اور پھر کہیں اور کسی نئے سردار کی سرکردگی میں پھر سے ابھرنے لگتا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ترک خانوادہ اس کا اہل نہیں کہ بہت عرصے کے لیے ایک مضبوط حکومت قائم کرے، لیکن کوئی دور ایسا نہیں کہ کسی ترک سوار نے کوئی بڑی سلطنت قائم نہ کی ہو۔

بحیرہ خزر کے جنوب میں ترک خوارزم شاہیوں کی حکومت تھی، اور شام میں ترک اتابکوں کی۔ ترکوں کا سب سے بڑا خانوادہ سلجوق، مغرب کی طرف یلغار کر کے ایشیائے کوچک پہنچا۔ گیارھویں صدی میں ملک شاہ کے دور میں سلجوقیوں کا اثر و نفوذ عیسائی مملکتوں کے اندر تک ہو گیا۔ ان کے شہسواروں نے فلسطین کی پہاڑیوں پر یورش کی اور قسطنطنیہ کی دیواروں تک آ پہنچے۔

اور اس یورش کے ردِ عمل کے طور پر مغربی یورپ کے عیسائیوں نے حملہ کیا، جس سے ان کو بڑا تعجب ہوا۔ فرنگی اور جرمنوں کے جنگجو جانشین ——— مسلح نائٹ اور خادموں کے پرے کے پرے ——— ایک جمِ غفیر میں جمع ہو کر قسطنطنیہ کی مدد کو بڑھے، پھر سے یروشلم پر قبضہ کرنے کے لیے، کیونکہ ان کے کانوں تک یہ افواہیں پہنچی تھیں کہ ترک شاہسواروں کے رہوار یروشلم کو پامال کر رہے ہیں۔

اس طرح مغرب اور مشرق کے وہ طویل محاربات شروع ہوئے جو محارباتِ صلیبی کہلاتے ہیں۔

اس طرح ایک آدھ پشت کے لیے گیارھویں صدی کے ختم پر، مغرب کی تین اہم قوتیں ایک مقصد کے لیے متحد ہو گئیں۔ بازنطینیوں کا تمدن جو ابھی تک قسطنطنیہ کے در و دیوار سے وابستہ تھا، فرنگیوں اور جرمنوں کی وحشی قوت،

——— نارمنوں، لومباردوں، بویریوں، سیکسنوں، پروانسالیوں کے ساتھ ——— مذہبی جوش میں آگ کی طرح بھڑک اٹھا۔

صلیبیوں کی یلغار کی بنیاد عیسائی پادریوں، کسانوں، امیروں اور بازنطینی مدبروں کی ہمراہی پر قائم تھی، لیکن یروشلم کی فتح کے بعد یہ ہمراہی قائم اور باقی نہ رہ سکی۔

حجرِ اسود

ترک خان، قبیلوں کے سردار، شروع شروع میں کافر تھے اور اگر کسی چیز کو مانتے تھے تو صرف جادوانی نیلے آسمان کی طاقت کو۔ چونکہ اپنی فتوحات کی بدولت وہ جنوب اور مغرب میں آ پہنچے تھے، یہاں انھوں نے اسلام کا مذہب قبول کر لیا۔ دنیا کے عظیم مذہبوں میں یہ آخری مذہب تھا اور اب یہ اپنی جائے پیدائش یعنی عرب سے باہر پھیل اٹھا۔

ان کافر شہسواروں کے قلب کو اسلام سے بہت تسکین پہنچی۔ اس کی سادگی ان کے سیدھے سادے دلوں کو بہت پسند آئی۔ وہ خود بہادر تھے، اس لیے انھیں جہاد کا فلسفہ پسند آیا اور اس لیے انھوں نے قبلے کی طرف رخ کیا۔ لیکن شریعت سے زیادہ انھوں نے سلوک اور طریقت کا راستہ پسند کیا۔ جہاد کے مسئلے میں وہ چون و چرا نہ کرتے تھے۔ اور یہاں سے وہ دین کے مجاہد بن گئے۔

اب بھی وہ پہلے کی طرح ایک جنگجو فرقہ بنے رہے۔ جہاں تک ہنر کا تعلق ہے، انھوں نے بہت کم ہی سیکھا۔ عرب علماء نے جو اعلیٰ تمدن پیدا کیا اس کو وہ صرف جسمانی آسائش کی حد تک قبول کر سکے۔ خلفائے بغداد کی ریس میں انھوں نے شان و شوکت سیکھی، مگر اب بھی ایک دوسرے کے خلاف اسی طرح خانہ جنگی کرتے رہے، جیسے اپنے وحشی پن کے زمانے میں دشت میں کیا کرتے تھے۔

وہ بڑے بے مثل نبرد آزما، جری اور فراخ دل شاہسوار تھے، لیکن تخت و تاج کی کش مکش کے علاوہ وہ تمدن کی خدمت میں اور کوئی معرکہ انجام نہ دے سکے۔ انھوں نے اپنے لیے بڑے شان و شوکت کے القاب اختیار کیے، مثلاً الپ ارسلان یا جلال الدین۔ انھوں نے خلفائے بغداد کی لڑکیوں سے شادیاں کیں۔ ان کی ڈیوڑھیوں میں نقرئی پھولوں کے مجسمے تھے، جو ہوا کے زور سے دھاڑنے لگتے۔

لیکن اندرونی حد تک وہ اسی طرح دشت کے سیدھے سادے شاہسوار رہے، جن کی بہت عرصہ قبل چینی

شاعر نے تعریف کی تھی کہ وہ نئی فتوحات کے لیے اپنی کلائیوں پر شہبازوں کو بٹھائے لیے چلے جاتے ہیں۔[1]
ان کی عورتیں اپنے جنگجو مردوں کی طرح آزاد تھیں لیکن اب انھوں نے ان کو خانہ نشین اور حرم نشین بنا دیا
تانگ عہد کا ایک چینی مصنف کہتا ہے: "عورت کے چہرے کو نہ دیکھو، اس کے اعمال دیکھو۔ عاقل ہی عورت کے اصلی حُسن کو پہچان سکتے ہیں۔"
ایک سلجوق ترک کہتا ہے: "عورت کو گھر میں اِدھر اُدھر نہ پھرنے دو کیونکہ اس طرح تم خود تو بیمار نہ ہو

---

[1] اب کہیں جا کے تاریخ بیرونی دنیا پر ترکوں کی یلغار کی پوری شدّ و مد اور اس کے اثرات کا صاف صاف ا پائی ہے۔ ان کی فتوحات کی تاریخ اکثر غیر مبہم ہے۔ ہم مغرب میں ان سے اسی حالت میں آگاہ ہوتے ہیں معربی یورپ کے مقابلے میں نمودار ہوتے ہیں۔
ان کی قوت کا تسلسل دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ زرّیں خیل جس نے مغلوں کے زیرِ اثر روس کے اکثر و بیشتر حصّے پر حکومت ک ترک تھا اور اہلِ روس اس کو قپچاق اُردو کہتے تھے۔
تیمور لنگ جس نے چودھویں صدی کے ختم پر ساری دنیا فتح کرنے کی کوشش کی، وسط ایشیا کا ترک اور ترکوں کا سردار مانچو جنھوں نے ۱۶۴۴ء میں چین فتح کیا، شمالی وحشی اور قدیم ترکوں کے قریبی عزیز تھے۔ درحقیقت منگولوں کے صرف منگ خاندان ہی واحد غیر ترکی شاہی خاندان تھا جس نے چین پر حکومت کی اور صرف صفوی خاندان ہی واحد غیرؑ خاندان تھا جس نے ایران پر حکومت کی۔
ہندوستان پر ان فاتحوں میں سے چغتائی نسل کے ایک ترک بابر نے قبضہ کر لیا اور پہلا مغل اعظم کہلایا۔
۱۹۱۸ء میں ہی جب کہ قسطنطنیہ کے عثمانی ترک جن سے اہلِ یورپ زیادہ اچھی طرح واقف ہیں، ومی آنا پر قبضہ کر کی تیاری کر رہے تھے، اس وقت اگر اطراف کی دنیا پر نظر ڈالی جاتی تو نظر آتا کہ تاتاری خان کریمیا اور و ایشیا پر حکمران ہیں، مملوکوں کی طاقت اب بھی مصر میں باقی ہے، ہندوستان میں مغل ہیں اور چین میں مانچو شمالی افریقہ تک میں، الجزائر اور تونس کے دے حکمران ہیں۔
ان کی بہت سی تاریخ غارت ہو چکی تھی اور بہت سی اب پہلی مرتبہ مرتب ہو رہی ہے، لیکن جیسا کہ رینے گرُوسو بتایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا پر حکومت کی صلاحیت صرف دو قوموں میں تھی ترک مغلوں میں اور رُومیوں میں رُومیو نے جو کچھ اپنے شہریوں کی جارحانہ پیش قدمی سے حاصل کیا، وہی ترکوں نے بعض معزز خانوادوں غیر معمولی کارناموں سے حاصل کر دکھایا۔

اس بیت میں زندگی فروگذار دو گے۔ عورت کو تفریح کے لیے گھر سے باہر نہ جانے دو کیونکہ اگر وہ باہر جائے گی تو اپنی عصمت کھو آئے گی۔ ہزاروں بہادروں نے اپنا اطمینانِ قلب عورتوں کی وجہ سے کھویا ہے۔ ہزاروں بلند پایہ اور مشہور عورتوں کی بدولت زندہ درگور ہو گئے۔"
یہ بے چین ترک جو فاتحوں کی حیثیت سے دلّی سے لے کر بلغار تک اور حلب سے ین کنگ تک سریر آرا ہوئے طاقت تھے، اصل میں قبیلوں کے سرداروں کی حیثیت سے حکومت کرنا جانتے تھے۔ وہ کسی طاقت کے آگے سر نہ جھکانے۔ کوئی مقصد ان کی رہنمائی نہیں کر رہا تھا، یہاں تک کہ چنگیز خاں نے بارھویں صدی میں انھیں مطیع کر لیا اور انھیں سیاسی زندگی کا ایک نیا نقشہ سمجھایا۔
اسلام کے داعی ابھی دشت کے اندر تک نہیں پھیلنے پائے تھے، لیکن ان میں سے بعض دریائے وولگا کے اوپر حصوں میں بلغاریوں کے علاقے میں پہنچ گئے تھے اور یہاں سائنسی رجحان رکھنے والے مسلمان شمالی روشنی اور شمال کی طویل سفید راتوں پر تعجب کرتے۔
دوسری طرف عرب تاجر اور پرجوش حامی وسط ایشیا کے چوراہے پر اس علاقے میں جا پہنچے جہاں اغوز رہا کرتے تھے۔ انھوں نے اس کوہستانی پناہ گاہ میں بدھ مت والوں کے مندروں اور قدیم خانقاہوں کے پاس مسجدیں بنائیں۔ یہاں کے رہنے والے باشندے صلح کے جویا تھے اور انھوں نے مسلمانوں کا وہاں رہنا تسلیم تو کر لیا، مگر خود سب کے سب اسلام پر ایمان نہ لائے۔
جنوب کے ترک قبیلے جو نئی فتوحات کے جویا تھے، ابھی تک شہسواری کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے، سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ ان میں بحیرۂ خزر کے کنارے کے خوارزم شاہی، قرہ اور آق اوغلو ترکمان اور قازق شامل تھے۔
بحیرۂ اسود کے شمال میں روس کے بڑے بڑے میدانوں میں کافر شامان اور مسلم مبلغین ساتھ ساتھ کھڑکھڑاتی ہوئی گاڑیوں میں سفر کرتے۔ یہاں ترک قبیلے ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے بہت دور مغرب میں آنکلے تھے۔ نیم متمدن خزر قبیلے کے پہلو بہ پہلو وحشی پیچ ناک قبیلے والے رہتے تھے اور ان کے عقب میں کان کالی اونچی گاڑیوں والے اور قپچاق ترک قبیلے تھے۔
ان آخر الذکر قبیلوں سے روسی شاہزادوں کی جنگ کا سلسلہ عرصۂ دراز تک رہا۔ روسی خود بھی وحشی تھے اور ان وحشیوں سے لڑ رہے تھے کہ کالی مٹی والی چراگاہوں پر ان کا قبضہ نہ ہونے پائے۔

بارھویں صدی کے وسط میں منتشر گروہوں کی یہ لڑائی معلوم شدہ دنیا کے اکثر و بیشتر حصّوں تک پہنچ گ
خانہ بدوش شہسوار جن پر دوسرے تمدنوں کا خاک اثر نہ ہوا تھا، اگر طاقت ور ہوئے تو جنگی سردار بن گئے اور اگر کم
قبیلے کے ہوئے تو ڈاکو اور رہزن بن گئے۔

وحشیانہ کش مکش کا یہ دھندلکا چین تک چھا گیا۔

خُتا

اب چین کی دیوارِ عظیم کی حیثیت محض ایک جغرافی نشان کی رہ گئی تھی۔ مانچوریا کے جنگلوں سے شہسوار ول ایک فوج اس کو عبور کر گئی تھی۔ انھوں نے شمالی چین کے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا اور آرام سے یہاں کے اناج کھیتوں کے درمیان اقامت اختیار کر لی تھی۔ یہ لوگ ختائی تا خطائی کہلاتے تھے اور اپنی فتح کے بعد ناختائی (غ ختائی) کہلانے لگے۔

ان کی تعداد ان چینیوں کی تعداد کی عشرِ عشیر بھی نہ تھی جن پر اس زمانے میں سُنگ خاندان کی حکومت
یہ سُنگ خاندان کی ضعیفی اور انحطاط کا زمانہ تھا۔ نہ وہ اس قابل رہے تھے کہ سڑکوں اور نہروں کی حفاظت کر سک نہ اس قابل کہ زرد مٹی کے علاقے میں اپنی لاتعداد خلقت کو قحط اور خشک سالی سے بچا سکیں۔ ان میں اتنی طاق نہیں تھی کہ وحشی ختائیوں کو نکال باہر کر سکیں۔ انھوں نے غلطی یہ کی کہ ختائیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے شمال مردم خیز زمینوں سے دوسرے وحشی شہسواروں کو مدعو کیا۔

یہ لوگ تُنگس (تتور) کہلاتے تھے، شکاری تھے اور کچھ ہی عرصہ پہلے برف کے سُوراخوں میں شست لگا
مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ یہ لوگ اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ تھے جو بعد میں مانچو کے نام سے چین میں تخت نشین
یہ لمبی لمبی زُلفیں بڑھاتے تھے اور چوٹی گوندھتے تھے۔ اس طرح دیوارِ چین کے جنوب میں چوٹیاں گوندھنے کا روا
جب ان میں سے کوئی مرجاتا تو اس کے ساتھ ایک کُتّے کی لاش جلائی جاتی تاکہ کُتّا مرنے والے کی روح کو آسم
کی طرف لے جائے۔

جب انھیں چینیوں نے ان کے وطن کی تنہائیوں سے بُلایا تو انھوں نے اہلِ ختا پر فتح حاصل کر لی جو
شہروں میں رہنے کے عادی، امیر اور آرام طلب ہو چکے تھے اور غلاموں سے کام لیتے تھے۔ کچھ ختائی وسط ایش
بھاگ نکلے اور یہاں کوہستانوں میں انھوں نے ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی جو قرا ختائی کہلانے لگی۔ یہاں تبت کی ڈھلو

ان کے پڑوسی بھی قبیلے کے خانہ بدوش تھے جو قزاقی کرتے تھے۔

جب تنگس قبیلے نے ختا پر قبضہ کر لیا تو انھوں نے چینیوں کو بھی پیچھے ہٹانا شروع کیا، جنھوں نے اپنی مدد کے لیے انھیں مدعو کیا تھا۔ وہ جانوروں کی طرح خونخوار تھے۔ انھوں نے سُنگ حکومت کو تیز رو دریائے یانگ تسی کے جنوب میں دھکیل دیا، جو فرزندِ آسمان شہنشاہ چین کی پرانی پناہ گاہ کا علاقہ تھا۔ جب وہ کسی چینی سردار کو قتل کرتے تو اس کی آنتیں نکال کے اس کے پیٹ میں نمک بھر دیتے اور اسے "نمکین شہزادہ" کہتے۔ چینی انھیں "شمالی احمق" کہا کرتے۔

اب ان کا سردار ختا کا شہنشاہ بن گیا تھا۔ چمکتے ہوئے سونے سے بڑھ کے وہ اور کسی چیز کا قائل نہ تھا اس لیے اس نے اپنے خاندان کا نام "کن" (زرّین) رکھا اور اپنے آپ کو تاکن (زرّین اعظم) کا خطاب دیا۔ اس کے تخت پر اژدہوں کے سر بنے ہوئے تھے اور اس کا دارالحکومت ین کنگ (دربارِ عظیم) کی فصیل کے اندر تھا۔

اس کے بعد کی پشتوں نے اس علاقے کی دولت کے خوب مزے لوٹے۔ ختائی گھوڑوں کے جو گلّے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ان کو ان لوگوں نے شکار کے لیے استعمال کیا۔ اس کا انھوں نے خیال نہیں کیا کہ چینی کسان ہوشیاری سے چراگاہوں کی خشک اونچی گھاس کو جلا دیتے تھے تاکہ گھوڑے بھوکوں مر جائیں۔ وہ نارنج رنگ میں رنگے ہوئے تھے، خوشبودار حنائی انگلیوں والی عورتیں ان کی خدمت بجا لاتیں اور مطرب انھیں گا بجا کے خوش لئے رہتے۔

۱۱۵۷ء

یہ قرونِ وسطیٰ کا زمانہ تھا۔ حیات بخش قوتوں پر جمود کا عالم طاری تھا۔

یونانی رُومی تمدّن کی موج جو ایشیا میں دور تک گھس آئی تھی، تیان شان کے سلسلے میں پہاڑی چوراہے سے ٹکرا کے رُک گئی۔ مغربی یورپ بھی یونان اور رُوما کے اثرات سے بیگانہ ہو گیا۔ متعصب پادری اس شخص پر کفر کا فتوے لگا دیتے جو ارسطو کا لاطینی زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش کرتا۔

یورپ میں شمالی حملہ آوروں، نارمنوں اور آوارہ گرد ونڈلوں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ سلاف اور اہل ہنگری نے نیا عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے اور عیسائیت کا جوش اب اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ ان میں نئی سرگرمیوں اور ابال نہ رہا تھا۔

کچھ عرصے کے لیے ایک معجزے کے طور پر مغرب میں محاربات صلیبی کی تحریک نے اہل مغرب کیا۔ اب یہ بھی جل کر خاکستر ہو چکی تھی۔ اگرچہ رچرڈ شیر دل جیسے شاندار بہادر کو ابھی اپنے کارنامے سر انجام تھے، لیکن صلیبی جنگ کا زور ٹوٹ چکا تھا اور مغرب کی شکست کا وقت آ رہا تھا۔

اسی طرح مشرقی تمدن جو روم الکبریٰ کے زوال کے بعد سے یورپ کی طرح بڑھ رہا تھا، اپنا جوش کھو چکا تھا۔ اگرچہ شاید مغربی ذہنوں پر اس کا اثر خاص طور پر نمایاں تھا۔ اس زمانے میں بڑی بڑی یونیور عرب اندلس میں، قرطبہ میں اور قاہرہ میں تھیں۔ مسلمان عالم جغرافیہ ادریسی چاندی کے تختے پر دنیا کا نقشہ تھا۔ اس زمانے میں پیرس اور بولونیا کے مدرسے محض معمولی سے مکتب تھے، جہاں معمولی لاطینی پڑھائی جا

لیکن عربوں کی حرکی قوت بھی سلب ہو چکی تھی۔ اسلام نے ان علاقوں میں جڑ پکڑ لی تھی، جہاں وہ سے بعد میں پہنچا تھا۔ بغداد کے خلفاء کی شوکت و حشمت کا دور ختم ہو چکا تھا۔

اسی طرح قسطنطنیہ (بازنطین) کی شان و شوکت جو جاودانی معلوم ہوتی تھی، اب دم توڑ رہی تھی۔ کا دار السلطنت من چلوں کے قبضے میں تھا اور کچھ ہی دن بعد صلیبیوں کے ایک بھٹکے ہوئے بیڑے نے ا تاخت و تاراج کر ڈالا۔

ریشمی شاہراہ جو مشرق اور مغرب بعید[1] کا سلسلہ ملاتی تھی، اسے ترک جنگجو سرداروں نے جگہ جگہ سے قطع ترکوں پر بھی جمود طاری ہو چکا تھا۔ صرف سلجوقوں میں ابھی تک حرکت اور عمل کی صلاحیت باقی تھی جو انھوں نے کے مقابلے میں حاصل کی تھی۔ یہ نہیں کہ ترک انحطاط پذیر ہو چکے ہوں، محض یہ کہ وہ اب گھوڑوں سے اتر چکے اور محلوں میں رہنے لگے تھے۔

---

[1] یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان کسی جغرافی سرحد کا وجود نہیں۔ نہ کبھی اس کا وجود رہا ہے حالانکہ زار کے عہد کے روسیوں نے یورال کے پہاڑوں میں ایک فرضی سرحد بنانے کی کوشش کی ہے۔

۱۱۵۰ء میں مشرقی اور مغربی تمدنوں کو جو سرحد جدا کرتی تھی، وہ غالباً وینس سے پروشیا کی سرحد تک جاتی وینس بھی نصف مشرقی تھا اور بحیرۂ بالٹک کے کنارے کے تعفنانی یقینی طور پر ایشیائی تھے۔

یورپ اس زمانے کی معلوم شدہ دنیا میں ایک معمولی سا جزیرہ نما تھا اور اس کے باشندے اہل ا سے زیادہ جاہل تھے۔

یورپ کے جاگیرداروں کی طرح وہ جنگی سردار بن گئے تھے۔ غلام ان کی خدمت کرتے۔ تھوڑے یا بہت چوکیدار سوار ان کی حفاظت کرتے۔ ان جنگی سرداروں کی کہانی وہی تھی، دہلی ہو یا پیرس، وہی دھاوے اور محاصرے اور ملک گیری اور آتش زنی۔ کسانوں سے جس طرح بن پڑتا زمین سے روزی اگا لیتے اور ان کے آقا بدلتے رہتے۔ طاعون یا قحط سے یا بیگار کی بھرتی سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ کسی قسم کے تحفظ کا تصور بھی ان کے ذہن میں پیدا نہ ہونے پایا تھا۔

جنگی سرداروں کے علاوہ ایک اور طبقہ بہت طاقت ور ہو گیا تھا۔ یہ تاجروں کا طبقہ تھا جن کے ہاتھ اناج اور کپڑے اور گھوڑے کے گوشت اور غلاموں کی تجارت اور رسد تھی۔ یہ تاجر جو اکثر بڑے بخیل ہوتے، زیادہ تر [illegible] ہوتے۔ یورپ میں ان کے مماثل بحری من چلے اہل وینس تھے۔ ایشیا اور یورپ دونوں علاقوں میں یہ بادشاہوں کے مشیر تھے اور انھیں کے بہم پہنچائے ہوئے سامانِ رسد سے فوجیں مسلح ہو سکتیں۔

تبت میں بادلوں سے بھی زیادہ بلند سطح زمین پر، تنہائی میں ایک اور طاقت نشو و نما پا رہی تھی۔ بدھ مت پر ایمان لانے والے لامائی خانقاہیں بنا رہے تھے، جہاں پناہ گزینوں کو پناہ مل سکتی تھی۔

چینی تمدن تھک کر چور ہو چکا تھا۔ لی تائی پو اس کے متعلق لکھتا ہے: "ہم ہر چیز کو ایک رَو کے عالم میں بہتا دیکھ رہے ہیں، انسان کی روحیں ہوں یا ان کے اعمال، جیسے یانگ تسی کا بے چین پانی، جو اس لیے بہتا چلا جا رہا ہے کہ سمندر میں گر کے نیست و نابود ہو جائے۔"

سنگ خاندان جو اس وقت سربر آرائے سلطنت تھا، تانگ دور کی حیثیت و قوت کھو چکا تھا۔ یہ تمدن بڑی چابک دستی سے تصویریں بناتا اور اپنی بیکاری اور بے بسی کی رَو پر غور و خوض کیا کرتا۔ اس کے فن کار عورت کے زیریں حصۂ جسم کے سے مُدوّر گلدان بناتے۔ چین کی آبادی سے لبریز سرزمین، اپنی زرخیزی سے تنگ آ چکی تھی۔

۱۱۵۰ء میں یہی جمود شمالی دشت پر بھی طاری تھا۔ ترکوں کی ہجرتِ عظیم ختم ہو چکی تھی۔ ابتدائی قوموں کی طاقت کا دور ختم ہوتا معلوم ہو رہا تھا۔ اچھی چراگاہوں کا علاقہ گھٹ گیا تھا۔ ریگستان، جنگلوں کی حد کے اندر بہت دور تک بڑھ آیا تھا۔

بڑے بڑے آبائی سرداروں کے حکم ماننے والے قبیلوں کی نقل و حرکت مدھم پڑ گئی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ ختم ہو گئی ہے۔ گزشتہ صدیوں میں خانہ بدوش ایک جگہ اکٹھا ہو جاتے، اپنے اپنے گھر یا چھوٹے چھوٹے خیمے ایک حلقے کی صورت میں نصب کرتے اور اپنے بڑے بڑے گلّوں کے لیے چرنے کی جگہ وسط میں نکال لیتے۔ اس

زمانے میں وہ "گیر اگرین" (یا اُونی خیمے والے) کہلاتے۔

اب اس جاگیردارانہ دھندلکے میں قبائلی معاشرے کی صورت بدل گئی تھی۔ اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے جنگجو جو ترخان کہلاتے تھے، برسرِ اقتدار ہو گئے تھے۔ چراگاہوں کے جنگجو سردار ایک دوسرے سے دور دور مسلح ساتھیوں کے سہارے وہ اپنے گلوں کی حفاظت کرتے۔ جو ان میں زیادہ متمول ہو جاتے وہ دشت کے امیر بن جاتے اور "نویان" یا شہزادہ کا لقب اختیار کرتے۔

اب معاشرے کی وحدت، بجائے پورے قبیلے کے "اُسون" یا خاندان بن گیا تھا۔ امیر خاندان، گھوڑوں کے بڑے بڑے گلوں کے سہارے، بہت سے مسلح شہسواروں کو ملازم رکھ سکتے، اور خیمہ گاہ میں نیچے درجے کے کام کے لیے غلاموں کو رکھ سکتے۔ کمزور خاندان نکال باہر کیے جاتے تاکہ امیروں کے علاقے سے باہر جس طرح پڑے اپنی زندگی گزار سکیں۔

شمالی چراگاہوں میں کہیں قبائلی یکجہتی نہ تھی۔

اس سال مغل الگ الگ ٹکڑیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ جھیل بیکال کے جنوب مشرق میں دریا اونان اور کیرولان کے درمیان کی چراگاہوں میں مقامی جنگی سرداروں میں کسی نہ کسی کی سرکردگی میں رہتے۔ کِن حکومت کے سرحدی جرنل ان کو اس طرح منتشر رکھتے اور پڑوس کے ایک جنگجو قبیلے، یعنی تاتاریوں کو جو جھیل بُویار کی چراگاہوں میں رہتا تھا اس کی تنخواہ دیتے کہ وہ مغل شہزادوں پر لگاتار حملہ کرتا رہے۔ اور یہ مغل مویشیوں والے سردار ایسی پست حالت میں تھے کہ غلہ یا کپڑے یا لوہے کے ہتھیاروں کی فراہمی کے لیے یہ بھٹکے بھٹکائے چینی تاجروں کے دست نگر ہو گئے تھے۔

اسی قسم کے ایک پست خاندان میں، اس سال جو مغلوں میں خرگوش سے منسوب کیا جاتا ہے، ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کی مُٹھی میں جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا تھا۔ دنیا میں یہ آیا تو سوائے زندہ بچنے کی طاقت و جبلت کے اپنے ساتھ اور کچھ نہیں لایا۔

چنگیز خاں

اس کی قوم یعنی مغل کوئی ایک ہزار خاندانوں کے چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بکھری ہوئی تھی۔ اس کا اپنا قبیلہ جو کیات کہلاتا تھا، اس کے خاندان کو برادری سے خارج کر چکا تھا۔ جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ خود شکار کھیل سکے تو اس

کی ماں نے اسے سمجھایا: "ہماری پرچھائیوں کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی چیز ایسی نہیں جو ہمارا ساتھ دے سکے۔ کوئی ہمارا دوست نہیں۔ گھوڑے کی دم کے سوا ہمارے پاس کوڑا تک نہیں۔"

یہ صحیح ہے کہ اس کے آباؤ اجداد بورجی گون کہلاتے تھے، نیلی آنکھوں والے، دشت کی داستانوں کے ہیرو۔ اس کی ماں بورجی گُن کی طاقت کی کہانیاں سُناتی۔ ان کی للکار پہاڑوں میں رعد کی طرح گونجتی تھی۔ ان کے ہاتھ ریچھوں کے پنجوں کی طرح مضبوط تھے اور انسان کی کمر اس طرح توڑ دیتے، جیسے کوئی تیر کے دو ٹکڑے کرتا ہے۔ جاڑوں کی راتوں میں بڑے بڑے درختوں کا الاؤ بنا کے اس کے قریب ننگے سوتے اور انگارے چٹخ چٹخ کر ان کے جسم پر گرتے، تو اتنی بھی پروا نہ کرتے، جیسے کوئی کیڑوں مکوڑوں کے کاٹنے کی پروا کرتا ہے۔"

جب وہ پیدا ہُوا تو اس لڑکے کے باپ نے اس کا نام تموجین رکھا۔ اِدھر اُدھر پلٹ کر دیکھا اور پہلی چیز جو اسے نظر آئی اسی پر لڑکے کا نام رکھ دیا۔ یہ چیز یا تو لوہے کا ٹکڑا تھا یا کوئی لوہار جو لوہے کی کوئی چیز بنا رہا تھا۔ کئی سال کے بعد کہیں خانہ بدوشوں نے اسے چنگیز خاں کہنا شروع کر دیا۔

وہ ابھی اپنے پہلے شکار پر جانے کے بھی قابل نہ ہُوا تھا، بچہ ہی تھا کہ اس کے باپ کو دشمنوں نے زہر دے کر مار ڈالا۔ اس زمانے میں زیادہ امیر مغل ترخان، تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے، جو کِن خاندان کی خدمت انجام دے رہے تھے، ایک دوسرے سے اور زیادہ دُور دُور ہٹ کے بچھڑ گئے تھے۔

یہ لڑکا تموجین اور اس کا بھائی قُچو ہے اور اسی طرح کے اور جانور پکڑ کے کسی نہ کسی طرح اپنا پیٹ بھرتے۔ بہتے ہوئے چشموں سے مچھلیاں تک پکڑتے —— حالانکہ مغلوں کے لیے مچھلیاں کھانا حرام تھا۔ جب ایک سوتیلے بھائی نے اس سے مچھلی چرائی تو تموجین اور ایک منہ بولے بھائی نے اسے قتل کر ڈالا۔ خیموں میں ایک اس کے آگے بڑھا اور ایک پیچھے کی طرف سے۔ ان کو دیکھ کر سوتیلا بھائی زانو کے بل بیٹھ گیا۔ تموجین نے تیر سے اس کا کام تمام کر دیا۔

تموجین کسی نہ کسی طرح اس قدر پیٹ پال ہی لیتا کہ روح اور جسد کا تعلق باقی رہے لیکن اس کی جان سے متمدن دنیا کو جیسا صدمہ پہنچا، دنیا دشت کے کسی اور وحشی کی وجہ سے نہ پہنچ سکا۔ خانہ بدوش قبیلوں کی بارہ صدیوں کی مسلسل ہجرت کی ساری طاقت اس ایک والد مغل کے کارناموں میں مجتمع ہو گئی۔

اس کے زمانے سے اب تک سب کو حیرت ہے کہ ایک وحشی نے جس نے پہلے کسی شہر کو نہ دیکھا تھا، جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا کیونکر ساری دنیا کو تسخیر کر لیا۔ وہ اسے قہرِ خداوندی سمجھتے تھے۔ خدا کا عذاب جو ایسے تمدن پر

نازل ہوا جو اپنے وقت سے زیادہ اس دنیا میں باقی رہا۔ مغل چنگیز خاں کو بوگدو جانتے تھے، یعنی جاودانی آسمان کی ایک روح۔ اس معمے کو حل کرنے کے بجائے وہ اسے محض ایک معجزہ جان کر قبول کر چکے تھے۔

وہ خود معجزوں کا قائل نہ تھا۔ اس کے کارناموں سے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ شروع شروع میں اسے قطعاً اس کی توقع نہ تھی کہ اس کی عجیب و غریب فتوحات سے تمدنوں کی طاقتیں زیر ہو جائیں گی، لیکن نصف سے زیادہ عمر گذرنے کے بعد اُسے ان فتوحات سے یقین ہو گیا کہ مغل دنیا کی باقی ماندہ قوموں پر بھی حکومت کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ جاودانی آسمان نے انھیں یہ طاقت بخشی ہے۔

اس کی فتوحات کے ساتھی بیلا نومان نے اس سے پوچھا "لوگ تمھیں ہیرو اور طاقت کا مالک کہتے ہیں تمھارے ہاتھ میں ان فتوحات کے کیا کیا نشان ہیں؟"

چنگیز خاں نے جواب دیا "یہ کہ شہنشاہ بننے سے پہلے میں ایک روز ایک پگڈنڈی پر چلا جا رہا تھا۔ یہ راستہ ایک پُل پر سے ہو کر گذرا، جہاں چھ آدمی مجھے قتل کرنے کے لیے چھپے بیٹھے تھے۔ جب میں نے انھیں دیکھا تو تلوار سونت کے ان کی طرف لپکا۔ انھوں نے کھڑے ہو کے مجھ پر تیر برسانے شروع کیے، لیکن کوئی تیر مجھے نہ لگا۔ میں نے ان آدمیوں کو قتل کر دیا اور آگے بڑھ گیا۔

واپسی میں میں پھر اُسی مقام سے گزرا جہاں میں نے اِن آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ اُن کے چھ گھوڑے بے سوار وہیں چر رہے تھے۔ میں انھیں اپنے خیمے کی طرف ہنکا لے گیا۔"

اُس نے یہ نہیں کہا کہ تائید غیبی سے اُسے مدد پہنچی، تیر نشانے پر نہ بیٹھے۔ وہ بچ گیا اور اس طرح وہ حملہ آوروں کو قتل کر کے ان کے گھوڑوں کا مالک بن سکا۔

بیلا نویان کے بعد اور بہتوں نے اس کے کارناموں کا راز معلوم کرنے کی کوشش کی۔ بعض کی حجت یہ ہے کہ وہ قسمت کا دھنی تھا، یا یہ کہ اس میں بڑی غیر معمولی خداداد صلاحیت تھی۔ یہ کہ وہ خانہ بدوشوں کی ایک بہت بڑی ہجرت کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اس زمانے میں اتفاق سے آس پاس کی متمدن طاقتیں کمزور تھیں۔ اس نے اپنے جبر و دہشت سے مخالفین کو لرزہ براندام کر دیا۔ . . . .

یہ تمام حجتیں جو اور کسی آدمی کا راز حل کر سکیں، تو کر سکیں، چنگیز خاں کے معجزے کی اطمینان بخش تاویل نہیں کر سکتیں۔ وہ ایک معمولی سا وحشی تھا، جو چالیس سال کی عمر سے پہلے کبھی اپنے آبائی دشت سے باہر نہیں نکلا۔

اس کی خداداد صلاحیت دراصل اس کی بے حد و انتہا قوتِ ارادی میں مضمر تھی۔ اس قوتِ ارادی کا مقصد محض ایک تھا، ہر طرح کی مخالفت کا سامنا اور اس کے مقابلے میں کامیابی۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے ساتھیوں اور سپہ سالاروں سے پوچھا کہ زندگی میں سب سے زیادہ اطمینان بخش چیز کیا ہے؟ انھوں نے سوچ کر جواب دیا "تیز رفتار گھوڑے پر شکار، اُس زمانے میں جبکہ گھاس ہری اور تمھاری کلائی پر شہباز بیٹھا ہو۔"

"نہیں" مغل خاں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔ "انسان کی زندگی کا سب سے مسرت بھرا لمحہ وہ ہے جب وہ اپنے دشمن کو شکست دے چکا ہو، دشمن اس کے آگے آگے بھاگ رہا ہو، دشمن کی ہر چیز پر وہ قبضہ کر چکا ہو۔ وہ اس کے وارثوں کو بین کرتے سُنے۔ دشمن کے گھوڑے اس کے زیر ران ہوں اور دشمن کی حسین عورتیں اس کی آغوش میں ہوں۔"

اس کے مغلوں کا جواب دشت کے خانہ بدوشوں کا جواب تھا اور وہ اپنے صدیوں کے محبوب مشغلوں سے محظوظ ہو رہے تھے لیکن چنگیز خاں کو صرف فتح کے مشغلوں سے دلچسپی تھی۔

اس کے عجیب کردار کا راز اسی میں مضمر ہے۔ شاید ہی کوئی آدمی ایسا ہو جس کی اتنی مکمل طور پر اپنے ہی وطن کی مٹی سے تعمیر ہوئی ہو۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی، لیکن دشت سے بیرونی دنیا تک پہنچنے والوں میں کسی کی فطرت اس قدر زبردست نہ تھی۔ یہ سمجھنے کے لیے محض اس کے وطن اور اس کے ہم وطنوں پر ایک نظر ڈالنی کافی ہے۔

مغل

اگلے شہسوار خانہ بدوشوں کی طرح وہ الگ الگ رہتے تھے۔ ان کے اوپر کے دھڑ لانبے ہوتے تھے جن پر وہ سردی سے بچنے کے لیے تیل ملتے تھے اور ان کے چھوٹے چھوٹے پیر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوتے خمیدہ ہو گئے تھے۔ ان کے حواس جانوروں کی طرح تیز ہیں۔ رات کو ان کی آنکھیں تاریکی میں بہت دور تک دیکھ سکتی ہیں۔ گھوڑے سے نیچے اتر کے گھاس اور کائی کو دیکھ کر وہ بتا سکتے ہیں کہ وہ دشت میں کس مقام پر ہیں۔

اپنی چھوٹی چھوٹی رکابوں میں پاؤں جمائے ہوئے، افق کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے وہ سوار چلے جاتے ہیں۔ افق کے اس پار ان کے دشمن ہیں جو ان سے ان کے گلوں کو چھین لیتے ہیں۔ زندگی سے وہ بڑی ضد اور بڑے استقلال کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

ہر سوار کے پیچھے ایک نیزہ یا ایک لمبی سی خمیدہ تلوار لٹک رہی ہے۔ اس کی بائیں جانب یا کلہاڑی ہے یا

سینگوں سے مضبوط کی ہوئی کمان۔ اس کے بائیں جانب ترکش ہے جس تک انگلیاں بڑی آسانی سے پہنچ جاتی ہیں۔ بڑی تیزی سے وہ ترکش سے تیر نکالتا اور چلاتا ہے۔

اس کے باپ دادا شکاری تھے۔ مغل بھی بڑے سلیقے سے شکار کھیلتا ہے۔ وہ شکار کے سارے ڈھب جانتا ہے۔ چھپ کے گھات لگاتا ہے یا بارہ سنگھوں اور جنگلی گھوڑوں کو کسی قدرتی روک کی طرف ہنکاتا ہے، جہاں وہ سب کے سب مارے جا سکیں۔ اُسے گوشت اور کھال کی ضرورت ہے۔ وہ آنتیں تک کھا جاتا ہے اور خون پی لیتا ہے۔ یہ سب وہ جبلی طور پر کرتا ہے، یہ جانے بغیر کہ کچا گوشت کھانے سے اس کا بدن اس کے بلند وطن کی سخت سردی برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

شکار کے لیے وہ باز پالتا ہے، جو اتنے اوپر جا کے چڑیوں کا شکار کرتے ہیں، جہاں تک اس کے تیر نہیں پہنچ سکتے۔ جب اسے کھانے کو مل جاتا ہے تو وہ اتنا زیادہ کھا لیتا ہے کہ اس کا دم گھٹنے لگتا ہے ——— وہ ایک ایسی جبلت کے مطابق عمل کر رہا ہے جو بھوک سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔

اگر وہ خوب شکم سیر ہو کے کھاتا ہے تو پیتا بھی اس قدر ہے کہ بالکل مدہوش ہو جاتا ہے لیکن اس کی شراب جانور کا سڑایا ہوا دودھ ہے۔ خاص طور پر گھوڑی کا دودھ۔ یہ غذا کی غذا ہے اور اس کا نشہ آہستہ آہستہ چڑھتا ہے۔ جب اسے آرام ہوتا ہے تو بوڑھوں سے بھیڑیے کی نیلی مادہ کی منظوم کہانی سنتا ہے جو اس کی مورثِ اعلیٰ تھی اور ان بہادروں کے قصے سنتا ہے جو پہاڑیوں کی چوٹیوں پر ادھر سے اُدھر گھوڑے دوڑاتے تھے اور کیلتوں ——— خبیث ارواح ——— سے لڑا کرتے تھے۔ اندھوں کی بانسریوں پر وہ پرجوش ولانے والے ولولہ انگیز گیت سنتا ہے۔

ایسے وقتوں میں گیر (خیمے) کے اندر وہ نشاط و سرور کے عالم میں ہوتا ہے۔ اس کا گھر اس کا خیمہ ہے جس پر اون کی کئی تہیں ہیں، شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح۔ جانوروں کے اُون کو تیل پلایا جاتا ہے یا اس پر دودھ کی تہیں جمائی جاتی ہیں تاکہ سردی کی روک ہو سکے۔ بیچ چھت میں ایک ذرا سا سوراخ ہوتا ہے تاکہ اس سے دھواں نکل سکے۔ لیکن اس دھوئیں سے خیمے کے اندر کا حصہ کالا ہو جاتا ہے۔ باہر سے خیمے کو اُجلا رکھنے کے لیے چونے کی سفیدی کر دی جاتی ہے۔

خاص طور پر بہار میں جبکہ گلوں کے جانور بچے دیتے، نئی گھاس نکلتی اور دودھ اور گوشت کی افراط ہوتی تھی، مغل پوری طرح زندگی کا لطف اٹھاتے۔ اپنے بال دار ٹٹوؤں پر سوار ہو کے وہ اخودود کی رسم کے لیے جمع

ہوتے جس میں بھیڑیں اور موٹے موٹے گھوڑے ذبح کیے جاتے۔ مغل بھدے پن سے ناچتے اور چمڑے کے جوتے پہنے زمین پر کودتے پھاندتے۔

بوڑھے اور بس بھرے جنگجو جو بگھاتر (بہادر) کہلاتے تھے، یورت کے الاؤ کے پاس جمع ہوتے۔ الاؤ میں سوکھی جھاڑیاں اور گوبر جلایا جاتا، اور یہاں وہ ایک دوسرے سے دشت کی خبریں سنتے کہ طاقت کے پہاڑ سے لے کر سرحد کی چوکیوں تک کیا حال ہے۔ سننے والے دل ہی دل میں ان خبروں کو دہراتے۔ دل میں واقعات کی تصویریں کھینچتے تاکہ گھر پہنچ کے خیموں میں پھر یہی خبریں دہرا سکیں۔

انھیں تحریر کی کوئی فکر نہ تھی۔ نہ انھیں ایسے کسی ہنر کا گر آتا تھا جس کا تعلق انسانوں کے لیے غذا کی فراہمی وجانوروں کی نگہداشت کے علاوہ اور کسی شے سے ہو۔

کئی ایسے مسئلے جیسے فصیل بند شہروں کی تعمیر یا لگان کی ادائیگی یا طب کا ہنر یا مندروں میں رہنے والے پجاریوں کے پیچ در پیچ معاملات، سو یہ بیرونی دنیا کے مسئلے تھے، ان کا دشت کی اندرونی زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا۔

راتوں کو وہ دیر تک چاند کی طرف نہ دیکھتے تھے کیونکہ انھیں علم تھا کہ آسمان نورد کے ہاتھ میں ایک کمند ہے جس کا پھندا وہ اس شخص کے گلے میں ڈال دیتا ہے جو دیر تک اس کی طرف دیکھنے کی جرأت کرتا ہے۔ ان میں سے جو جنگلوں سے نکل آئے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ ایک آسمان نورد اور ہے۔ یہ سورج ہے جو آسمان کے اِس سرے سے اُس سرے تک بین ڈیروں کو دوڑاتا لے جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ رین ڈیر کہیں پا گئے۔

جب بیماری کی بلا خیموں پر حملہ کرتی تو وہ شامان کو بلا بھیجتے تاکہ وہ ڈھول بجا بجا کر اور ناچ ناچ کر اس بلا کو بھگائے۔ شامان آسمان سے باتیں کرنا جانتے تھے اور روحوں کے طور طریق سے آگاہ تھے۔ ابھی تک مغلوں میں برباد کرنے والے دیوؤں کا ڈر باقی تھا۔ اگر کوئی خیمے کی دہلیز پر ٹھوکر کھاتا تو اس کے معنی یہ تھے کہ خیمے پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ اور کوئی بھیگے جوتے پہنے اندر چلا آتا تو اس کے لیے یہ ڈر تھا کہ آسمان سے اس پر بجلی کی چمک اور کڑک کی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ کوئی مغل ایسے خیمے میں رہنا پسند نہ کرتا جس پر بجلی گر چکی ہو۔

خیمے کے اندر وہ بھونڈی بھونڈی پتلیاں بناتا۔ خود کھانا کھانے سے پہلے وہ ذرا سی غذا ان اُون کی پتلیوں کے ہونٹوں پر لگا دیتا۔

جب شمال کی کالی آندھی کے جھکڑ چلتے ——— یہ آندھی "بوران" کہلاتی تھی ——— اور چراگاہوں پر برف کی چادر سی پھیر دیتی تو وہ بھیڑ اور ہرن کی کھالیں لپیٹ کے اپنے گنبد نما خیمے میں الاؤ کے پاس لیٹ جاتا۔ وہ آندھی سے

زیادہ جاندار تھا۔ اسے پتا نہ تھا کہ اس سردی اور جاڑے کی طویل راتوں کے باعث اسے شمال کا جنون یعنی ہسٹیریا ہو جانے کا ڈر ہے اور اسی لیے وہ میلوں اور جلسوں میں خوب لطف اٹھاتا ہے اور اتنے قہقہے لگاتا ہے کہ اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔

عورتیں جو مردوں سے زیادہ حساس ہوتی ہیں، جب اس ہسٹیریا میں گرفتار ہوتیں تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتیں اور چاقوؤں سے اپنا بدن لہولہان کر ڈالتیں، لیکن بہار میں جب سورج نکل آتا تو جنون کا زور ٹوٹ جاتا اور وہ زندگی کا لطف اٹھاتے۔ وہ چوڑی چوڑی گاڑیوں پر ——— جو "کبت کا" کہلاتیں اپنے خیمے نصب کرتے اور طلا... کے پہاڑوں کے جنوب میں نچلی زمینوں کی طرف چل پڑتے۔ بیل آہستہ آہستہ چراگاہوں میں ان کبت کاؤں کو کھینچتے پھرتے۔

مغلوں کو اس کا علم نہ تھا کہ ان کی چراگاہوں کا رقبہ دن رات سمٹا جا رہا ہے اور شمال میں گوبی کی ریت آگے بڑھتی جا رہی ہے اور وہ خود بھی متمدن زمینوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

پہلا یورپی جو ان کے وطن پہنچا اور ان کے درمیان جا کے ان سے ملا ایک فرانسسکی راہب ولیم آف روبروک تھا۔ تین پشتوں کے گزرنے کے بعد وہ ان سے ملا تھا، لیکن وہ اس کی صاف شہادت دیتا ہے کہ دشت میں ان کی زندگی سب سے الگ تھلگ تھی۔ اس نے ان کا نام تاتاری بتایا ہے اور کہا ہے کہ جب تاتاریوں کے درمیان پہنچا تو معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی اور دنیا میں آ گیا ہوں۔

وہ لکھتا ہے کہ "تاتاریوں کا اپنا کوئی شہر نہیں۔ مستقبل سے وہ آگاہ نہیں، لیکن ہر سردار کو اپنی چراگاہوں کا پتا ہے اور اسے یہ معلوم ہے کہ اپنے مویشیوں کو سردیوں اور گرمیوں میں کہاں کہاں چرانا چاہیے۔ گرمیوں میں وہ ... کے گرم میدانوں میں آ جاتے ہیں۔ ان چراگاہوں میں جاڑوں میں پانی نہیں ہوتا، زمین پر برف جم جاتی ہے ———

"ان کے خیمے جن میں وہ سوتے ہیں، سفید اون کے بنے ہوتے ہیں۔ خیمے کا ڈھانچہ لکڑیوں کا ہوتا ہے۔ کبھی ... پر نمائش کے لیے انگور کی بیلوں اور چڑیوں اور جانوروں کی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ یہ خیمے گاڑیوں میں نصب کیے ہیں۔ گاڑی کے دونوں پہیوں کا درمیانی فاصلہ میں نے ناپا تو کوئی بیس فٹ تھا۔ میں نے گنا تو بائیس بیل ایک گاڑی کھینچ رہے تھے۔ گھر کا ساز و سامان اور خزانہ، یہ لوگ زیادہ اونچی اونٹ گاڑیوں میں لے جاتے ہیں اور اس طرح پار کرتے ہیں کہ یہ بھیگنے نہیں پاتا۔

"جب یہ بھرے ہوئے خیمے گاڑیوں سے اتار کے زمین پر نصب کیے جاتے ہیں تو ان کا رخ ہمیشہ

کی طرف ہوتا ہے۔ خزانے والی گاڑیاں ایک پتھر پھینکنے کے برابر فاصلے پر دو قطاروں میں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔

"شادی شدہ عورتیں اپنے لیے زیادہ خوب صورت گاڑیاں بنواتی ہیں۔ ایک ایک امیر مغل یا تاتار کے پاس زنانے سمیت ایسی سو سے دو سو تک گاڑیاں ہوتی ہیں۔ جب خیمے نصب کیے جانے لگتے ہیں تو پہلی بیوی کا خیمہ مغل کے خیمے کے مغرب میں نصب کیا جاتا ہے، اوروں کے خیمے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مشرق کی طرف لگائے جاتے ہیں۔ جب میں نے ایسے خیموں کے ایک کارواں کو سفر کرتے دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ ایک بڑا شہر سفر کرتا ہوا میری طرف آ رہا ہے۔ میں بیلوں اور گھوڑوں اور بھیڑوں کے گلوں کی افراط دیکھ کر حیران رہ گیا، حالانکہ ان کی نگہبانی کے لیے آدمی بہت کم تھے۔

"ایک ایک لڑکی بیس بیس تیس تیس گاڑیاں ہنکاتی ہے۔ اس علاقے میں زمین بالکل ہموار ہوتی ہے، اس لیے وہ گاڑیوں اور ٹھیلوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتے ہیں اور لڑکی سامنے کے ٹھیلے پر بیٹھ کر بیلوں کو ہنکاتی ہے، اور باقی گاڑیاں خود بخود پیچھے پیچھے چلی آتی ہیں۔ یہ لوگ بہت آہستہ آہستہ سفر کرتے ہیں۔ بیل یا بچھڑے کی سی آہستہ رفتار ہے۔

"جب خیمہ زمین پر نصب ہوتا ہے تو مالک کا بستر دروازے کے مقابل لگایا جاتا ہے۔ مالک کے سرہانے اون کی ایک پتلی لٹکائی جاتی ہے، جسے مالک کا بھائی کہتے ہیں۔ جب یہ لوگ شراب پینے اکٹھے ہوتے ہیں تو پہلے کچھ شراب یا دودھ اس پتلی پر چھڑکتے ہیں، پھر ایک نوکر خیمے کے باہر جا کے ایک پیالے سے تین بار زمین پر جنوب کی طرف چھینٹے دیتا ہے۔ یہ نذر آگ کو دی جاتی ہے۔ پھر مشرق کی طرف ہوا کو نذر دیتا ہے۔ پھر شمال کی طرف مُردوں کو نذر چڑھاتا ہے۔ پھر وہ شراب کا پیالہ آتا اور اس کی بیوی کو دیتا ہے جو بستر پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ جاڑوں میں جو، چاول یا دوسرے اناج کی بڑی اچھی شراب بناتے ہیں۔ گرمیوں میں صرف گھوڑی کا دودھ پیتے ہیں، جو خیمے کے دروازے پر کھڑی کر دی جاتی ہے۔ اس کے قریب اپنا ساز لیے ایک مغنی کھڑا ہوتا ہے۔

"اگر مالک کے ایک سے زیادہ بیوی ہو تو اس کے ساتھ وہ بیوی بیٹھتی ہے جس کے ساتھ اس نے گزشتہ رات گزاری ہو اور دوسری بیویاں اس کے خیمے میں آ کر شراب پیتی ہیں۔ اس دن مالک کو جو تحفے ملتے ہیں، وہ اس بیوی کے صندوقوں میں رکھے جاتے ہیں۔

"جب مالک شراب پیتا ہے تو ایک نوکر پکارتا ہے "ہائی" اور مغنی گانے لگتا ہے۔ بڑی دعوتوں میں مہمان تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں۔ مرد مالک کے آگے اور عورتیں گھر کی مالکہ کے سامنے۔ فتح کے بعد کی ضیافتوں میں یہ

لوگ شراب پی کر بُری طرح بدمست ہو جاتے ہیں۔

"جب یہ لوگ کسی شخص کی عزت افزائی کرنا چاہتے ہیں تو تین آدمی ایک لبریز جام لے کر گاتے، پیر ٹیکتے اس کی طرف بڑھتے ہیں اور اسے پورا جام پلا دیتے ہیں۔ . . . .

"مرد تیر کمان اور زین بناتے ہیں۔ خیمے اور گاڑیاں بناتے ہیں۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتے گھوڑیوں کا دودھ دوہتے ہیں۔ اُون کے کپڑے بُنتے ہیں اور ان کپڑوں کو اپنی زین کے نیچے رکھتے ہیں۔

"جاڑوں میں یہ لوگ چمڑے کے دو لبادے پہنتے ہیں۔ ایک میں بالوں کا رُخ اندر ہوتا ہے، دوسر باہر۔ ان کے پاجامے بھی چمڑے کے ہوتے ہیں۔ اکثر وہ اپنے کپڑوں میں ریشم کی جھالر لگاتے ہیں جو ہلکی، نرم ہوتی ہے۔

"پہاڑی بھیڑوں کے سینگوں سے وہ شراب پینے کے لیے گہری گہری پیالیاں بناتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ میرے لیے ایک ہاتھ میں دو پیالیاں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ یہ تاتاری بڑے مشاق شکاری ہوتے ہیں شکار سے اپنی خوراک کا بڑی حد تک بندوبست کرتے ہیں۔ ان کے پاس طرح طرح کے شاہین، باز اور جرّے ہوتے ہیں جن کو وہ اپنے سیدھے ہاتھ پر لیے پھرتے ہیں اور شکار کی تلاش میں اڑاتے رہتے ہیں۔

"عورتیں بھی گھوڑوں پر مردوں کی طرح پیر پھیلا کے بیٹھتی ہیں اور اپنے لبادے پر گہرے نیلے رنگ کا کمربند باندھ لیتی ہیں اور سینے پر ایک۔۔ اور رومال باندھ لیتی ہیں۔ . . . . بیوی کو خریدنا پڑتا ہے اور اگر کوئی لڑ خریدی نہ جائے تو بیاہ بغیر کل عمر کی ہو جاتی ہے۔ بیوائیں دوبارہ شادی نہیں کرتیں کیونکہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس عورت نے ایک مرد کی اس دنیا میں خدمت کی اگلی دنیا میں بھی وہ اسی کی ہو گی۔ اس وجہ سے ایک بیہودہ رواج بھی عام ہے کہ بیٹا اپنی سگی ماں کے علاوہ اپنے باپ کی اور سب بیواؤں سے شادی کر لیتا ہے۔ ماں باپ کا سارا ورثہ سب سے چھوٹے بیٹے کو ملتا ہے اور اسے اپنے باپ کی سب بیواؤں کی روزی کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔

"عورتیں گاڑیاں اور چھکڑے ہنکاتی ہیں، جانوروں پر بوجھ لادتی ہیں، گایوں کا دودھ دوہتی ہیں، مکھن بناتی ہیں، چمڑوں کی دباغت کرتی ہیں اور اس مقصد کے لیے ریشوں کے دھاگے بناتی ہیں۔ جوتے اور جرابیں، دوسرے کپڑے اور خیموں کے لیے اُونی پارچہ بنانا بھی انھیں کا کام ہے۔ اپنے کپڑے کبھی نہیں دھوتیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ کپڑے دھونے سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ بجلی کی کڑک سے اس قدر ڈرتی ہیں کہ تعجب ہوتا ہے اور جب

ہوتا ہے تو تمام اجنبیوں کو اپنے خیمے سے نکال باہر کرتی ہیں اور کالا سمور اوڑھ لیتی ہیں جب ہاتھ یا سر دھوتی ہیں تو منہ میں پانی بھر لیتی ہیں اور آہستہ آہستہ دونوں ہاتھوں پر کلّی کرتی ہیں۔

"جب کوئی بیمار اور ۔۔۔ ہوتا ہے تو اس کے خیمے پر نشان لگا دیا جاتا ہے کہ کوئی اندر نہ آئے۔ اس کے اہل کے سوا کوئی اور مغل کسی بیمار کے پاس نہیں جاتا۔ جب بڑے دربار کے امیر بیمار ہوتے ہیں تو کچھ فاصلے پر متعین کر دیے جاتے ہیں کہ کوئی قریب نہ آنے پائے۔ ان کو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ اجنبیوں کے ساتھ بدروحیں یا بُری ہوائیں اندر نہ چلی آئیں۔ وہ اپنے جادوگروں یا نجومیوں کو پجاری سمجھتے ہیں۔"

سرحد

دشت اور زرعی زمینوں کے درمیانی علاقے میں جہاں کسی کا راج نہیں، صرف چراہوں کے متصل قصبے ہیں، جہاں تاجر آیا کرتے ہیں یا جانوروں کے کھانے پینے کا بندوبست ہے، سوکھی اینٹ کی جھونپڑیاں ہیں اور کہیں کہیں ایک آدھ مندر یا بدھ مت کی ایک آدھ منقش خانقاہ ہے۔

کبھی کبھی خانہ بدوش یہاں اپنے گھوڑے اور بھیڑیں ہنکالاتے۔ یا وہ ان دغاباز تاجروں کے ہاتھ جانور بدل کر ۔۔۔ ہوئے سمور اور طرح طرح کی بیش قیمت کھالیں فروخت کرتے۔ ان تاجروں کے پاس آگ جلانے کی ۔۔۔ آلے ہیں، چینی ریشم اور منقش چمڑے ہیں، کڑھا ہوا کپڑا، چاندی کے ہار ہیں جن میں گوہر اور جواہر ثبت ہیں۔ خانہ بدوش عورتیں اس سامان کی طرف بڑے شوق سے دیکھتی ہیں۔

مغلوں کو خود تو ان تاجروں سے نفرت ہے۔ وہ قصبے والوں کو "ٹوپی اور کمربند والے لوگ" کہتے ہیں اور ۔۔۔ وں کے ان سوداگروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن خود مغلوں میں ٹوپی اور کمربند کی بڑی اہمیت ہے ٹوپی اتارنا یا کمربند کھول کے اسے اپنے کاندھوں پر ڈال لینا اطاعت قبول کرنے کی نشانی ہے۔ جب قبیلوں کی مجلس نئے سردار کا انتخاب کرتی ہے تو قبیلے والوں کو یہ رسم انجام دینی پڑتی ہے، پھر وہ نئے سردار کو ایک اُونی نمدے پر بٹھا کے اوپر اٹھاتے تاکہ سب اُسے دیکھ اور پہچان سکیں، لیکن وہ اپنے سرداروں اور ۔۔۔ خاقان کے علاوہ کسی اور کے سامنے بڑی مشکل سے سر جھکاتے ہیں۔

انھیں اس کا علم ہے کہ اگلے زمانوں میں بہت سے قافلے دشت سے باہر نکل ۔۔۔ گئے تھے، کبھی آقا بنتے اور کبھی ۔۔۔ گری کرتے لیکن بوڑھے مغل اس طرح کی نقل و حرکت کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے ہیں۔

وہ گلہ کرتے ہیں "مغرب اور مشرق کی طرف ہجرت کرنے سے کیا فائدہ؟ جنگ کی ہوس سے کیا حاصل؟ سے اس کے سوا کیا حاصل کہ پانی کی طرح تمھارا خون بہے گا۔ تمھاری ہڈیوں کا پہاڑ جتنا اونچا ڈھیر بنے گا۔ طاقت ور بیٹے اپنے کاندھوں پر غلامی کا جوا اٹھائیں گے۔ تمھاری پاک صاف بیٹیوں کی آبرو ریزی ہوگی۔

یہ بوڑھے مبقر اہلِ ختا کا ذکر بڑی حقارت سے کرتے تھے، جنھوں نے جنگلوں کو چھوڑ کر چار دیواری میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ "ہم نے مانا وہ تخت و تاج کے مالک ہیں۔ مگر اس سے کیا حاصل؟ ان کے پاس ہزاروں مغنی اور نقال ہیں۔ وہ شہبازی اور شہسواری میں دن گذارتے ہیں۔ خوب شراب پیتے ہیں۔ بے مصرف آدمی دل بہلانے کے لیے ساتھ لیے پھرتے ہیں اور اس طرح وہ خاک میں مل گئے ہیں۔"

بوڑھوں کی حجت یہ تھی کہ مغلوں کی زندگی زیادہ بہتر ہے۔ "وہ آزاد ہیں، کسی کے غلام نہیں۔ ان آزاد طرح جو جھیلوں پر چہچہاتے ہوئے اُڑتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اِدھر اُدھر پھرتے ہیں اور کہیں مستقل طور پر بسنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ جب وہ شراب پیتے ہیں تو گاتے ہیں 'جاڑوں میں ہمیں جنوب کا کھانا ملے، ہمیں شمال کا کھا جانے والا شکار ملے، ہمیں بکثرت جنگلی سؤر اور ہرن ملیں۔'"

اس کے برعکس چار دیواروں میں متمدن قوموں کی طرح رہنے سے آدمی نرم اور کمزور ہو جاتا ہے۔ غلامی کے کام کا رہ جاتا ہے کہ کسی آقا کی مزدوری کرے، کسی اور کا محکوم بن جائے۔ خانہ بدوشی میں انسان آزاد رہتا ہے۔ اس میں بڑی قوتِ برداشت ہوتی ہے اور وہ خود حکومت کرنے کے قابل رہتا ہے۔

خانہ بدوشوں کے اس فخر و تکبر کا ان کے سارے افعال و اعمال پر بڑا اثر پڑتا تھا۔ وہ اپنی ذات کے تحفظ کے لیے بہت جی توڑ کر لڑتے، لیکن ساتھ ہی ساتھ متمدن علاقوں کی دولت کی بھی انھیں ہوس تھی۔ اس دولت پر قبضہ کرنے سے اطمینان اور چین اور بے انتہا ضیافت اور عیش میسر ہو سکتا تھا۔

مغل اس کے لیے بے تاب تھے کہ اہلِ ختا اور کِن (زرّیں) قوم کی ساری دولت، ہزاروں عورتیں، بھر گر اناج سدھائے ہوئے شہباز اور بے انتہا شراب ان کے اپنے قبضے میں اسی دشت میں آ جائے۔ تھا کہ اس طرح مغل "نیلے بھیڑیے کی نسل کے لوگ" اہلِ ختا کی طرح شہروں کے کیچڑ میں لت پت نہ پائیں گے۔

کچھ عرصے کے لیے مغل سرحد اور اپنی اندرونی چراگاہوں کے حصار کے درمیان متذبذب رہے وہ دشمنوں سے محفوظ تھے، لیکن وہاں برفانی دنیا کی ہوا ان کی تاک میں تھی اور وہ طویل راتیں جو جنوں کی

...یں۔ بورجی گون کی نسل منقطع ہو چکی تھی۔ اب ان کی سرداری کے لیے نیلی آنکھوں والے طاقت ور بورجی گون ...لیں تھے جو ثابت چٹانوں کی طرح مضبوط تھے اور جن کی رفتار تیز رفتار چشموں کی سی تھی۔

اب سرف دشت کے امیر، نویان اور گھوڑوں کے بڑے بڑے گلّوں کے مالک اور ترخان باقی رہ گئے تھے ... کے لوٹ کے سامان کو اپنا حق سمجھ کے رکھ لیتے تھے۔ یہ سرحد کے پار حملوں اور دھاووں کے لیے تیار تھے ... دریائے اونان اور دریائے کیرولان کے درمیان کی آبائی چراگاہوں پر اپنا قبضہ جمائے رکھیں، جہاں طاقت ... پہاڑ بورخان تالدون کی ڈھلوانیں جنوبی میدانوں کے مقابل بلند ہوتی تھیں۔ یہاں مویشی چرا کرتے تھے۔

کم تر درجے کے امیر جن کے پاس صرف بھیڑوں کے گلے تھے، دوسری چراگاہوں کی تلاش میں لگے رہتے۔ ... اور دوسرے مویشیوں کے چرواہوں سے لڑائی ٹھنی رہتی۔ وہ زمین سے زیادہ قریب تھے اور شکار میں ...تے تھے۔

ان کے عقب میں جنگلوں کے شکاری تھے، جن کا پہچاننا مشکل ہے۔ ابھی وہ وحشی تھے اور ان کا سردار جو ...ا تھا، نیم ساحر بھی ہوتا تھا اور روحوں سے باتیں کرتا تھا اور پان گوت اور ادے رات جنگل کے ... تھے۔ وہ اُگے ہوئے درختوں کے درمیان واٹر جن یا رین ڈیئر یا شمالی آہو کی روح کو کلیلیں کرتے دیکھتے۔ سب سے پیچھے وہ کالی ہڈی والے لوگ تھے جو شمال مغرب میں زمین کی کاشت کرتے تھے اور اس فکر ... کہ کسی طرح اس ویرانے سے باہر نکل چلیں۔ وہ زمین میں جڑ پکڑ چکے تھے۔ ان کے پاس غلامی کے لیے ...یں پکڑے ہوئے غلام نہیں ہوتے تھے۔ ان کو ہمیشہ فاقے اور بھوک کی پرچھائیں ڈراتی رہتی۔

ان کے متعلق مشہور تھا کہ زمین ان کے لیے سخت ہے اور سورج ان کے لیے چمکتا ہی نہیں۔

... بانی کی وہ پرانی منظم زندگی جن میں دشت کے ہر قبیلے کی اپنی الگ الگ چراگاہ اور شکارگاہ تھی، جو ... خاص اُرسون یا کلو کے لیے مختص تھی، اب ختم ہو چکی تھی۔ قبیلوں میں وہ یکجہتی نہ تھی کہ وہ ایک قوم بن کر اپنا ... کر سکیں۔ ان میں آپس میں پھوٹ تھی اور امیر گلہ بانوں کے علاوہ اکثر کو فاقہ کشی کرنا پڑتی۔

مشہور مورخ رشید الدین کا بیان ہے کہ "نوجوان بزرگوں کا حکم نہ مانتے تھے۔ بہت سے لوگ چوری اور ... کرنے لگے۔ گھوڑوں اور مویشیوں کے گلّوں کو چین نہ ملتا تھا۔ اچھی نسل کے گھوڑے سواری کے لیے زیادہ ... جاتے اور وہ تھک کر بیمار ہو جاتے اور انھیں مار دینا ضروری ہو جاتا۔"

جب گلّے کم ہونے لگے تو مغل بھوکوں مرنے لگے۔ پرانی خانہ بدوشی کی زندگی کا چین اور اطمینان ختم ہونے

لگا اور اس کی جگہ قبائلی خانہ جنگی کا ہنگامہ شروع ہوا۔

عورتیں

مردوں سے زیادہ دشت کی عورتیں اپنی آزادی کی دلدادہ ہیں۔ وہ اپنے خیموں کی مالکہ ہیں۔ خاندان کے اسباب کی حفاظت ان کے ذمے ہے۔ جب مرد شکار یا حملے یا دھاوے کے لیے جاتے ہیں، تو سارا کاروبار چلاتی ہیں، حالانکہ ان کے دن رات اس فکر میں گزرتے ہیں کہ کل معلوم نہیں کیا پیش آئے۔

اس عہد کی مغل عورتیں مردوں کے سے کپڑے پہنتی ہیں۔ بھیڑ کے چمڑے کے اونچی ایڑی کے، اکثر شوخ رنگ کے چمڑے کے پاجامے اور چوڑے چوڑے کوٹ جنھیں وہ سینے پر لپیٹ لیتی ہیں، بس فرق صرف اتنا ہے کہ اگر کہیں سے ریشم مل جائے تو وہ اسے شوق سے پہنتی ہیں۔ ان کی ٹوپیاں البتہ مردوں سے مختلف ہیں کیونکہ انھیں چوڑے سمور کے کنارے پسند نہیں، جو گرمیوں میں اوپر اٹھا دیے جائیں اور جاڑوں میں کندھوں تک پہن لیے جائیں۔

گلوں کی حفاظت کے لیے انھیں بھی اپنے مردوں کی طرح دن بھر میں ستر ستر میل سواری کرنی پڑتی ہے۔ ان کا نقاب اگر ہے تو وہ سفید کپڑا جو ان کی آنکھوں کے نیچے سے سینے تک لٹکا ہوتا ہے تاکہ انھیں گرد و غبار اور آندھی سے محفوظ رکھ سکے۔ وہ تیروں سے بھیڑیوں کا شکار کھیلتی ہیں اور اکثر میدانِ جنگ میں مردوں کے ہمراہ جاتی ہیں، کبھی کبھی وہ جنگ میں خود بھی شریک ہو جاتی ہیں۔

خاندان کی مالی حالت کی ناکامیابی یا کامیابی کا انحصار انھیں پر ہے۔ وہ سموروں پر استری کرتی ہیں، جانوروں کی آنتوں کو سکھا کے تانت بناتی ہیں۔ نمک ڈال کے چمڑوں کو سکھاتی ہیں۔ دودھ کو جو ان لوگوں کے لیے بیش قیمت غذا ہے، چمڑے کے تھیلوں میں ہلا ہلا کے جما دیتی ہیں۔ گوبر جمع کر کے اُپلے بناتی ہیں اور سکھاتی ہیں۔

خیمے میں فرنیچر اتنا مختصر ہوتا ہے کہ سارے کا سارا ایک جانور کی پیٹھ پر لادا جا سکتا ہے۔ منقش صندوق، لوہے کے برتن اور جَو اور سوکھے ہوئے گوشت سے بھرے ہوئے چمڑے کے تھیلے۔ اگر دور کا سفر ہو تو کبھی کبھی سوکھا گوشت زین کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے تاکہ گھوڑے کی پیٹھ کی گرمی سے اور جھکولوں سے نرم ہو جائے۔ جب کھانا کھانا ہو تو سوکھے ہوئے دودھ کے ٹکڑے پانی کی تھیلی میں ڈال دیے جاتے ہیں اور گھوڑے کی چال میں گھل جاتے ہیں۔

چال میں گھل جاتے ہیں، یہ ایسے موقعوں پر کیا جاتا ہے جب سواروں کو نیچے اُتر کر کھانا پکانے کی مہلت نہ ہو۔

ہر چیز گھر بھر کے کام آنی چاہیئے۔ عورتوں کو بیرونی دنیا کا سامان بہت پسند ہے۔ گھوڑوں کی دُم کے بالوں سے وہ سواروں کے لیے موچیل بناتی ہیں۔

"گیر" میں وہ سب کے حصّے کا کھانا نکالتی ہیں، کھانا پکاتی ہیں۔ جب مہمان آتے ہیں تو وہ خیمے کے دروازے کے دائیں جانب اپنے شوہر کے قدموں کے پاس بائیں طرف بیٹھتی ہیں، کیونکہ بائیں طرف دل ہوتا ہے۔

ہر بیوی کا خیمہ الگ ہوتا ہے اور امیر گھرانوں میں ہر ایک کے نوکر بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ جب میاں مر جاتا ہے تو پہلی بیوی پر اس قدر ذمہ داری آن پڑتی ہے کہ اُسے ماتم کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ اب وہ گھر کی مالک بن جاتی ہے اور گھر کے کاروبار کی ذمہ داری۔ اگر شوہر کا کوئی جوان بیٹا یا بھائی ہو اور وہ اس کے فرائض سنبھال لے تو اور بات ہے۔

اور دشت کی نوجوان لڑکیوں کو فرصت نہیں ملتی۔ ان کا کام ہے کہ وہ بڑی بوڑھی عورتوں کا ہاتھ بٹائیں۔ اُس وقت تک ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جب تک کوئی انھیں شادی کے لیے خرید نہ لے یا بھگا نہ لے جائے۔ اس کے بعد وہ اپنے لمبے بالوں کی چوٹی گوندھ سکتی ہیں، ماتھے پر سر کے بال مُونڈ سکتی ہیں، پھولوں کا گلدستہ پہن سکتی ہیں اور اگر شوہر امیر ہو تو سونے کا گہنا پہن سکتی ہیں۔ یہ شوہر ان کے اپنے رشتوں میں سے نہیں ہوتا۔ دشت کا قانون یہ ہے کہ شادی قبیلے سے باہر کرنی چاہیئے۔ اس لیے دلہنیں اپنے اور دو چھوڑ کے اجنبیوں کے قبیلے میں بچوں کی ماں بنتی ہیں اور بچوں کو پالتی ہیں۔

پہلے لڑکے کی پیدائش سے ان کی عزّت بڑھ جاتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔ مغلوں کی ضرب المثل ہے "عورتوں کے گیسو لمبے اور عقل کوتاہ ہوتی ہے۔"

ان دائم خانہ بدوش خیمہ گاہوں میں مردوں کے ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے حسین لڑکیوں کو مردوں سے اپنی حفاظت کرنی پڑتی ہے یا پھر مردوں سے شادی کر لینی پڑتی ہے۔ ایک ضرب المثل ہے "لڑکی کی اگر ماں نہ ہو تو وہ آوارہ ہو جاتی ہے۔"

ویسے اگر کوئی لڑکی آوارہ ہو جائے تو یہ دشت والوں کے نزدیک ایسی زیادہ بُری بات نہیں، کیونکہ دشت کا "بہادر" "ملدن" عشق و محبت میں تجربہ کار عورت کو بزدل لڑکی پر ترجیح دیتا ہے۔ خانہ بدوش عورت جب [illegible] بن جائے تب بھی اُسے بھٹکے ہوئے [illegible] خاص طور پر چالاک نامانوں سے ہوشیار رہنا پڑتا ہے، جو اُس پر محبت کا

جادو کر دیتے ہیں کبھی کبھی کوئی دشمن قبیلہ اُسے پکڑ کے لے جاتا ہے اور وہ کسی اور کی ملکیت بن جاتی ہے او
شوہر کے بچوں کی ماں بنتی ہے یہاں تک کہ پہلے شوہر کا قبیلہ اسے اس قید سے چھڑا لے یا کوئی اور حملہ آ
پکڑ کے اور کہیں لے جائے۔

اس میں ایک شاندار جانور کی سی جان اور قوت ہے۔ اس میں اس کی طاقت وتاب ہے کہ اپنے جسم سے ف
کی اندھی قوتوں کا مقابلہ کر سکے۔ اسے خود اپنی تیمارداری اور علاج کرنا ہوتا ہے، کیونکہ دشت میں طبیبوں کا گذر نہیں
تیس سال کی عمر سے پہلے ہی پیچش سے یا ہڈیوں کے ٹوٹ جانے سے وہ کمزور نہ ہو جائے تو وہ خوش قسمت ہے۔ ا
باوجود وہ شوخ و شریر ہوتی ہے اور یورت کے رہنے والے جن کو وہ غذا دیتی ہے اپنی مصیبتوں کا دکھڑا اسی کے
روتے ہیں مغلوں کا قول ہے "ہر منہ کے لیے کھانا ملنا ضروری ہے۔

دشت کے رہنے والے اس کا اقرار کرتے ہیں کہ "باپ کا مر جانا اتنا بُرا نہیں جتنا ماں کا مرجانا ہے۔"

چنگیز خاں کی ماں کسی اور قبیلے کی تھی اور جنگ میں قید ہو کر آئی تھی۔ اس کے باپ لیوکائی سے اس کی
ہوئی یلوکائی کو جب زہر دے دیا گیا اور وہ مر گیا تو اس نے بچوں کو کسی نہ کسی طرح پال کر زندہ رکھا اور وہ ابھ
سال ہی تھے کہ انہیں ان کے جدِ امجد بورجی گون کے قصے سُنا سُنا کے عزم اور ہمت کا سبق دیا۔

چنگیز خاں کی پہلی بیوی بورتائی اپنے جہیز میں ایک سمور کا کوٹ لائی، جو چنگیز خاں کو دیا گیا تھا۔ پھر اُسے
دھاوا کر کے پکڑ لے گئے اور جب وہ دوبارہ حاصل کی گئی تو اپنے ساتھ ایک حرامی لڑکا لائی جس کو چنگیز خاں نے
سے بڑا لڑکا بنا کے پالا، لیکن اگر چنگیز خاں کی جان بچی تو محض اپنی ماں کی حکمت اور اپنی بیوی کی جاں نثاری

معجزہ ●

چنگیز خاں کی عجیب و غریب فطرت کا راز ان سب باتوں میں مضمر ہے۔ دشت میں شکاری اس کا تا
رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اس نتیجے پر پہنچا۔ بچاؤ کی صورت محض یہ ہے کہ دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا جائے
صرف اپنے ابتدائی آوارہ گردی اور قزاقی کے زمانے کے اُن ساتھیوں پر اعتماد ہے جنھوں نے اس کے ساتھ
کے چشمے کا پانی پیا تھا۔ ان میں سے ایک نے اس کے گردن کے زخم سے خون کی پپڑی چوس کے اس کی جان
دوسرے نے اس وقت چوکیداری کی تھی جب وہ تھک کر برف پر گر کے غافل سو گیا تھا۔ یہ منتخب ساتھی "اندا"
تھے۔ برادرانِ جنگ۔ انھوں نے ایک دوسرے کی رگ سے خون پی کر باہمی اخوت کا مقام حاصل کیا تھا۔

جنگجوؤں کے اس تنگ حلقے سے باہر وہ بورتائی اور اس کے بیٹوں کے سوا اور کسی پر اعتبار نہ کرتا۔

اُس کی طبیعت شکار کیے جانے والے جانور کی طرح شکی تھی۔ جیسے ہی اس نے طاقت حاصل کی اس نے اڑوس
پڑوس کے قبیلوں کو تتر بتر کر دیا۔ ان کے سرداروں کا تعاقب کر کے انھیں قتل کر دیا۔ ان میں سے جو بڑے بڑے خاندان
اصل سے تھے انھیں سمور کے پھندے سے یا گلا گھونٹ کر مارا کہ ان کا خون نہ بہنے پائے، کیونکہ ان کا خون بہانا گناہ تھا
وہ آسمان اس کا بدلہ ضرور لیتا۔

جو لوگ خود بخود اس کے پاس حاضر ہو کے اس کی نوکری کرنا چاہتے، ان کی وہ قدر کرتا اور ان پر نگرانی رکھتا۔
اس کی ایک صفت خانہ بدوش لوگوں کو پسند تھی۔ وہ اپنا سارا مال و متاع ان لوگوں میں لٹا دیتا جو اس کی جان بچانے کے
لڑتے۔ لوگ کہتے تھے "وہ اپنے گھوڑے سے اتر کے اُسے بھی تحفتاً کسی کے حوالے کر دے گا۔"

دشت اس کے منتخب کیے ہوئے بہادروں کے گیت گاتا "وہ شکاری کتے ہیں ــــ اور انسانوں کا گوشت
ان کی خوراک ہے۔ چنگیز انھیں لوہے کی لگاموں سے تھامے ہے۔ ان کے سر تانبے کی طرح سخت ہیں۔ ان کے دانت
چٹان کو کاٹ سکتے ہیں، ان کے دل فولاد کے ہیں۔ شبنم ان کی شراب ہے اور جدھر وہ سوار ہو کے نکلتے ہیں ہوائیں ان
کے کام تیز کرتی ہیں۔"

"جب وہ (چنگیز) انھیں چھوڑتا ہے، تو وہ اپنے کوڑے چھوڑ کے، اپنی خمیدہ تلواریں ہاتھوں میں سونتے چلتے ہیں۔
ان کے منہ سے کف نکلتا ہے اور ان کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہتا۔"

یہاں ہمیں اس کی خداداد جبلت کا سب سے نمایاں پہلو نظر آتا ہے۔ اس میں انسانوں کو جانچنے اور انھیں استعمال
کرنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ وہ انھیں دم نہیں لینے دیتا تھا۔ اس کی لگامیں واقعتاً آہنی تھیں لیکن وہ انھیں جی کھول
کر مالامال کر دیتا۔ اکثر مغلوں کی طرح اس میں شکاریوں کے سے صبر و انتظار کی عادت تھی۔ آسان تو نہ تھا لیکن رفتہ
رفتہ اس نے اپنی غصہ ور طبیعت پر بھی قابو رکھنا سیکھ لیا۔ خانہ بدوشوں کی اکثریت کے برعکس اس میں بڑی اٹل قوتِ
ارادی تھی۔

فتح سے اس کا اطمینان نہ ہوتا۔ اس نے اس وقت تک اپنے آپ کو محفوظ تصور نہ کیا جب تک کہ دشت ایسے تمام
سرداروں سے پاک نہ ہو گیا جن میں اس سے مقابلے کی تاب تھی۔ اپنے آپ پر مصیبت آنے کا جو خوف اسے لگا رہتا، اس کی
وجہ سے اس نے شکست خوردہ قبیلوں پر ایسا سخت نظم و ضبط قائم کیا جس سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس نے
ایک ایک سوار کو حکم دیا "اگر کوئی تمھارا حکم نہ مانے تو میرے پاس بھیج دو۔ اگر میں اس سے واقف ہوا تو فیصلہ کروں گا اور

اگر وقت نہ ہوا تو فوراً اُسے قتل کرا دوں گا۔"

اس سے پہلے دشت پر کبھی اس طرح کا عسکری نظم و ضبط نہیں عائد کیا گیا تھا۔ نہ اس سے پہلے ایک ... کے تحت انسان اس طرح اکٹھا ہوئے تھے۔

سب اس درانقد، بلّی جیسی آنکھوں والے آدمی سے ڈرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی مسلسل ... پر حیرت کرتے تھے۔ ایک شامان نے کہا "نیلے جادوانی آسمان کی طاقت اس شخص پر نازل ہوئی ہے۔ آسمان کا خلیفہ ہے۔"

سنہ ۱۲۰۶ء

دشت کے امیر جو قبائلی خانہ جنگی کے بعد باقی بچے تھے اپنے الاؤ کے گرد جمع ہوئے اور یہ مشورہ کر... کسی کو اپنا سردار منتخب کریں۔ کافی بحث کے بعد انہوں نے اس مغل (چنگیز) کا انتخاب کیا جس نے لڑ... فتح پائی تھی لیکن اور کوئی خان بننے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ بڑے پرانے خاندان کے دو نویان اس کی ... میں گئے اور گویا ہوئے "ہم نے طے کیا ہے کہ تجھے اپنا خان بنائیں۔ جب تو ہمارا خان بن جائے گا تو ہم ... مانیں گے۔ ہم میدانِ جنگ میں تیرے دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوں گے۔ جب ہم حسین لڑکیوں کو اسیر ... تو ان میں سب سے اچھی لڑکیاں تیری خدمت میں پیش کریں گے۔ جب تو شکار کو نکلے گا، تو ہم آگے آ... گے اور شکار تیرے آگے پیش کریں گے۔ اگر ہم کبھی تیرے حکم سے سرتابی کریں، یا تجھے دغا دیں تو ہم ... بیوی بچے چھین لیجیو اور ہمیں بیابان میں جلاوطن کر دیجیو۔"

مغل نے ان کے قول کو مان لیا اور کچھ نہیں کہا۔ پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ اپنے لیے ایک دستہ یا "قشق" چُنا۔

جو خانہ بدوش اب اس کی معیت میں تھے، انھیں اس نے کاہل اور بے کار نہ رہنے دیا۔ ان کی ... غیر منضبط زندگی کے لیے اس نے ایک مقصد تلاش کر دیا۔ پرانے قبائلی "اولوس" کی جگہ اس نے ایک عسکری ... یہ ایک مستقل سوار فوج تھی جس میں قبیلوں کی رجمنٹیں بنائی گئی تھیں۔ اس فوج میں اس نے چودہ سے لے کر ... کی عُمر تک کے بہترین شہسواروں کو بھرتی کیا۔ دوسرے اچھے ہاتھ پاؤں کے لوگ جو فوج میں بھرتی نہ کیے ... انھیں سڑکوں کی مرمّت اور جانوروں کی باربرداری کے انتظام پر مقرر کیا۔ خیمہ گاہوں اور گھروں کا کام کا...

...بچوں اور بوڑھوں کے حوالے کیا۔

قلب لشکر "قل" کہلاتا، یہ خان کے اپنے محافظ دستے کے ساتھ وسط میں رہتا۔ یسار جو "جون غار" کہلاتا مشرق میں لڑتا اور یمین جو "بارون غار" کہلاتا مغرب میں۔

خانہ بدوش بہت جلد مسلسل فوج کشی کے عادی ہو گئے۔ عورتیں کم عمر بچے اور گھر کے ملازم، اب ایک نئے اطمینان کے عالم میں گھروں کا کاروبار چلاتے۔ اب جب کہ فوج اس عجیب آہنی عزم والے مغل کی سرکردگی میں گھر کی چراگاہوں سے دور جنگ میں معروف ہوتی تو کسی طرف سے حملے کا ڈر نہ رہتا۔ اس فوج نے التائی کے پہاڑوں سے کر منچوریا کے جنگلوں تک سارے دشت کو صاف کر دیا تھا۔ اس نے طاقت ور کرائت ترکوں کا زور توڑ دیا تھا۔

نئے دستوں کے افسر، ان دستوں کے سپاہیوں کے رشتہ دار تھے۔ بیٹا باپ کی جگہ ترقی پاتا۔ رفتہ رفتہ تمام پرانے ... یوریان، اوئی رات، مرکیت، نڈر تاتار اور بالا ترکرائت، اس عظیم اردو کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

بہار اور خزاں میں وہ قبائلی شکارگاہوں میں جا کے شکار کھیلتے اور غذا کے لیے گوشت اکٹھا کرتے۔ جنگ میں ... مالِ غنیمت ملتا وہ سب میں برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا اور گھر کے خیموں کو بھیج دیا جاتا۔ دشت میں ایک نئے نظامِ معیشت کا آغاز ہوا۔ فوجی معیشت کی تنظیم یہ محتاط مغل خود کرتا، کیونکہ وہ ہر ایسی بات کو جو اس کے کام نرتقی بر... شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ دوسرے قبائل بھی اپنے آپ کو مغل کہنے لگے۔

سالِ پلنگ یعنی سنہ ۱۲۰۶ء میں ان کے سردار نے ایک قرولتائی طلب کی۔ یہ اونچے گھرانے والے امیروں کی مجلسِ شوریٰ تھی جس میں شامل ہونے کے لیے فوج کے سارے سردار دریائے اونن کے کنارے کی پرانی چراگاہوں میں آئے۔ یہاں انھوں نے اسے چنگیز خاں کا لقب دیا۔ اس لقب کے ٹھیک ٹھیک معنی معلوم نہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی خانِ اعظم کے ہوں یا خانِ تاباں کے۔ چنگیز خاں نے خود کبھی خاقان یا شہنشاہ کا لقب نہیں اختیار کیا۔ خاقان، شہنشاہ کو کہتے ہیں اور یہ لفظ ترکی لفظ کا غان سے مشتق ہے۔ چنگیز خاں اپنی رعایا کو خطاب نہیں دیا کرتا تھا۔ صرف دو واضح لفظ استعمال کیے جاتے تھے۔ ایک "تُسیمین" جس کے معنی ہیں عاقل، اور دوسرے بہادر (بہادر)۔

چنگیز خاں نے اس قرولتائی میں اپنے زہریلے جنگجوؤں سے یہ عہد کیا:۔

"میرے جنگجو جنگل کے درختوں کی طرح تاریک اور مضبوط ہیں۔ میں شکر سے ان کا منہ میٹھا کروں گا۔ میں انھیں

اطلس کے لبادے پہناؤں گا اور انھیں تیز گھوڑوں کی زینوں پر بٹھلاؤں گا۔ وہ صاف اور شیریں ندیوں کا پانی پیئ ان کے گھوڑے اونچی اور لہلہاتی ہوئی چراگاہوں میں گھاس چریں گے۔ مَیں نے اپنی قوم کے لیے نئی سڑکیں بناؤ سے مَیں ساری مضرت دور رکھوں گا۔ ان کے مرغزاروں میں خاردار اور جنگلی بوٹیاں نہ اُگنے دوں گا۔"

وہ نجومیوں کی پیشین گوئیوں کے متعلق سوچا کرتا تھا۔ وہ ان پر یقین کرے یا نہ کرے پیشین گوئیوں کام ضرور نکالا جا سکتا تھا۔

اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "جاودانی آسمان نے مجھے اس ساری نسل کا حاکم مقرر کیا ہے جو خیموں میں رہتی ہے۔"

اُس وقت اس کی عمر اُنتالیس سال کی تھی۔ اس نے اپنی توقع سے زیادہ اچھی طرح وہ عہد پورا کیا جو اُ خانہ بدوشوں سے کیا تھا۔ اس کا رجز ان کی سمجھ میں آتا تھا، یہ لکھا نہیں گیا مگر سننے والوں کی نوکِ زبان ہو گیا، ان نامہ بن گیا اور بعید ترین توقع سے زیادہ پورا ہُوا۔

وہ پرانی قبائلی عداوتوں سے ڈرتا تھا اس لیے اس نے آپس میں لڑنے کو سخت جُرم قرار دیا۔ کوئی شخص اپنے آپ کو مغل کہتا تھا کسی اور مغل پر ہاتھ نہ اٹھا سکتا تھا۔ بہرحال یہ خانہ جنگی کرنے والے قبائل خود بخود تیزی سے کے ہزاری دستوں میں حل اور ضم ہوتے جا رہے تھے۔

اُس نے اپنے سامعین سے کہا "اب مَیں رحم و کرم کی باتیں کروں گا اور ہزاری دستوں کا سردار اُن لوگو بناؤں گا جنھوں نے اس کاوش میں میری مدد کی ہے۔"

اور اُن نوجوانوں اور بہادروں کے سامنے جو جمع تھے شامان کوکچو نے کہا "نیلے جاودانی آسمان کی طاقت ز اُتر آئی ہے۔ یہ زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔"

سامعین کو یہ بات بہت قرین قیاس معلوم ہوئی ۔۔ کیا اس نے دوسرے مغلوں کے مقابل اپنے خاندان زیادہ بلند مرتبے تک نہیں پہنچایا تھا؟ کیا اس نے مغلوں کا مرتبہ دوسرے خیمہ دار قبیلوں سے زیادہ بلند نہیں کر دیا؟ کیا وہ داستانوں والے نیلے بھیڑیے کی نسل سے نہیں تھا؟ کیا بورجی گون کا وارث نہیں تھا۔ وہ جہاں جائے گا پانی ا جنگلوں کے دیوتا اس کے ہم رکاب ہوں گے۔

یہ نہیں معلوم کہ خود چنگیز خاں کو ان باتوں پر کس حد تک اعتقاد تھا، لیکن اس نے اس پیشین گوئی پر عمل نہ کیا۔ تمام خانہ بدوشوں کی طرح وہ بھی توہم پرست تھا اس نے توہم کے خلاف کش مکش کی۔ وہ شلمانوں کی پیشین گوئیا

تھا۔ اس موقع پر بھیڑیں جلائی جاتیں وہ ان کی شانوں کی ہڈیاں خود توڑتا لیکن اپنی تجویزیں وہ خود بناتا۔ اس معاملے میں اپنے تجربے کے سوا اور کسی چیز پر اُسے مطلق اعتماد نہ تھا۔

وہ اپنے ساتھیوں سے وفاداری کا جویا تھا، ایسی وفاداری جو چاکر کو اپنے آقا سے ہوتی ہے۔ دشت میں یہ اُوبا گئی کہ اگر کوئی غدار اپنے قبیلے کے سردار کو قید کر کے مغل خان کے پاس لائے تو خود اس غدار کو قتل کی سزا ملتی ہے۔ اس کے برعکس چنگیز خاں ان لوگوں سے عفو و درگذر کا سلوک کرتا جو آخر وقت تک اپنے آقا کا ساتھ دیتے۔ وہ ایسی نمونۂ وفاداری کی بڑی قدر کرتا تھا۔

اس نے ایک کرائت سے کہا: "تم تین دن تک لڑتے رہے کہ تمھارے آقا کو بچ کر نکل جانے کا موقع ملے۔ اسی طرح میری بھی خدمت کرو، میں تمھیں اپنا رفیق بناتا ہوں۔"

دشت کے رہنے والے اس قانون کو سمجھتے اور مانتے تھے۔ دشمنوں سے مقابلے میں چنگیز خاں کسی طرح کی اخلاقی ملک تمام کا قائل نہ تھا۔ تلوار، دغا، چالاکی سب کو جائز سمجھتا تھا، لیکن اپنے ساتھیوں سے جو وعدہ کرتا اُسے ضرور ایفا کرتا۔ ان سے کہتا: "اگر صبح کو وعدہ کیا جائے اور شام کو بھلا دیا جائے تو یہ دغا ہے۔ مَیں نے تم سے رحم و کرم کا وعدہ کیا ہے اس لیے اطمینان رکھو۔"

قبائل پر اُسے جو غلبہ حاصل ہو گیا تھا اس سے وہ مطمئن نہیں ہُوا تھا۔ مغرب اور جنوب میں جنگلوں کے رہنے والے لوگ تھے جو غلہ اگاتے اور تاجروں سے کاروبار کرتے۔ ان قوموں کے پاس اتنا مال و اسباب تھا کہ انھیں اطمینان اور امن حاصل تھا۔ ان کی دولت مستقل سی چیز تھی اور ممکن ہے اس کے باعث ایک دن انھیں خیموں میں رہنے والے قبائل پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کو جنگلوں میں رہنے والے کرغیزوں کو مطیع کرنے کے لیے بھیجا۔ اس بیٹے کو اس نے مغربی جنگلوں کا حاکم مقرر کیا ۔۔۔ آگے چل کر اس کے بڑے اہم نتائج مرتب ہوئے۔

معمولی سی مزاحمت کے بعد ذہین ایغوروں نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی۔ نائیمان قبیلے کے جو قیدی آئے ان میں چنگیز خاں کو ایک پڑھا لکھا ایغور بھی مل گیا، جو خاتم بردار تھا۔ اس کا نام تاتا تُنگا تھا۔ پہلی مرتبہ چنگیز خاں کو لکھی ہوئی تحریر سے سابقہ پڑا۔ اس نے دیکھا کہ تاتا تُنگا کاغذ پر ایسے نشانات بنا سکتا ہے جن سے مغلوں کی گفتگو کا تلفظ ہو سکتا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے گھرانے کے کم سن لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھایا جائے۔

اس نے پڑھے لکھے مغلوں کو بات چیت کرنے کے لیے طلب کیا تھا۔ عرب تاجروں سے اُسے بیرونی دُنیا کا حال معلوم ہوا۔ دشت کے نجومیوں کی طرح ان کی باتیں بھی یہ وحشی مغل سُنتا، معلومات حاصل کرتا، لیکن ان کے مشورے پر

عمل نہ کرتا۔

دیوارِ چین پر چڑھائی

اب یہ ایک لازمی امر تھا کہ دشت پر حکومت کرنے والا مغل اور دیوارِ چین کے عقب میں رہنے والا زرّیں شہنشاہ ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ کِن خاندان نے اس کی کوشش کی تھی کہ خانہ بدوشوں کو اور شمال میں دھکیل دیا جائے۔ ا خانہ بدوشوں نے پلٹ کر کاشت شدہ سرزمین کے مال و دولت پر دھاوا بول دیا۔

چنگیز خاں شکاری جانور کی سی چالاکی اور احتیاط سے آگے بڑھا۔ اس نے پہلے اپنی قوم کے دل سے خُتا او اس کے زرّیں شہنشاہ کا ڈر نکالا۔ اُس نے کہا۔ "فرزندِ آسماں کا لقب تو کسی بہت بڑے آدمی کے لیے زیبا ہے لیکن شخص تو تخت پر بیٹھنے کا اہل نہیں۔" یہ کہہ کے اُس نے جنوب کی طرف تھوک دیا۔

کِن پر حملہ کرنے سے پہلے اس کے پہلو میں سیا سیا کی جو قزاقوں کی سلطنت تھی، پہلے اُسے زیر کیا۔ یہاں اُس ۔ اپنے نئے سوار دستوں کے استعمال کا تجربہ حاصل کیا، چین پر حملہ کے لیے پہلو صاف ہو گیا۔ وہ اپنے خانہ بدوشوں کو جو وہ ایک منظّم سوار فوج بن گئے تھے، اس احتیاط سے دیوارِ چین کے پار لے گیا، جیسے کوئی گلّہ بان اپنے گلّے کو آگے بڑھا ہے۔ اس نے کسی طرح کا خطرہ مول نہیں لیا۔

کم سے کم ایک لحاظ سے اُس نے خانہ بدوشوں کی پرانی جنگی ترکیب بدل دی۔ اب تک دشت کے رہنے والو کے دستے منتشر منتشر سے تھے۔ اُس نے ہر دستے میں سواروں کی تعداد دُگنی کر دی۔ اس طرح اب حملہ کرتے وقت مغل دستہ ایک جمے ہوئے پرے کی پوری طاقت اور پورے وزن سے ہلّہ بولتا۔ اس طرح دستوں کی تعداد مختصر ہو گئی ا ان کا سنبھالنا آسان ہو گیا۔

کِن سپہ سالار اس پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے اِس لیے پہلے خود اُس نے اُن پر حملہ کر دیا۔ اس نے اپنے شہ کی پوری تیز رفتاری استعمال کی اور خانہ بدوشوں کے جنگی ہُنر کو استعمال کیا جس سے اس کی قوم خوب واقف تھی۔ اس طر اس نے بڑے بڑے حلقوں میں چکر کاٹ کے جگہ جگہ سے زیادہ بڑی لیکن سُست رفتار کِن افواج کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

پہلے چند سالوں میں اس نے صرف اسی پر اکتفا کی کہ فتح کے بعد اس کے مغل گھوڑوں کو ہنکالے جانے او مالِ غنیمت سمیٹ لے جانے پر اکتفا کریں۔ حملہ کے وقت وہ طرح طرح سے اپنے دستوں کو آگے بڑھاتا اور اپنے سو

نظم و ضبط کو کسی طرح ڈھیلا نہ ہونے دیتا۔ وہ احتیاط سے مضبوط قلعہ بند شہروں کو چھوڑتا ہوا آگے بڑھتا اور مالِ غنیمت لوٹ کے پھر دیوارِ عظیم کے اُس پار پہنچ جاتا۔

پھر جب اسے اپنے سوار دستوں پر زیادہ اعتبار حاصل ہو گیا تو اس نے انھیں اپنے چار بیٹوں کی سرکردگی تقسیم کر دیا، تاکہ وہ ایک ساتھ چار سمتوں سے چین پر حملہ کر سکیں۔ کِن کی فوجیں جو اندھے پن سے مغلوں کے مقابلے کے رہی تھیں، اس تیز اجتماع سے تتر بتر ہو گئیں۔ اس مغل کو دشمن کی نقل و حرکت کی ٹھیک ٹھیک اطلاع ملتی اس نے اپنے لیے جاسوسوں کے "چشم و گوش" کا خوب انتظام کر لیا تھا۔

وہ وحشی فوجیں جو کِن حکومت نے بھرتی کی تھیں، فاتح خانہ بدوشوں سے جا ملیں، کیونکہ انھیں اس کا احساس ا تھا کہ یہ حملے مالِ غنیمت لوٹنے والے قبائلیوں کے حملے نہ تھے، بلکہ ایک فاتح کی جارحانہ پیش قدمی تھی۔

جنھوں نے اطاعت قبول کی، ان سے اچھا سلوک کیا گیا، حالانکہ یہ قصے عام طور پر مشہور ہیں کہ مغل سواروں نے قتلِ عام کیا۔ ان نئے رنگروٹوں کی کمک سے چنگیز خاں نے فوراً فائدہ اٹھایا۔ پہلی ہی نظر میں وہ آدمیوں کو جانچ ان سے کام لینا جانتا تھا۔ اس پانچ سال کے عرصے میں جب کہ اس کی فوجوں کے پرے شمالی چین میں گھُس رہے ن سپاہ کو معلوم ہو گیا کہ مغلوں کو روکنا ناممکن ہے۔

اب صرف قلعہ بند شہروں کی تسخیر باقی رہ گئی تھی۔ ان کو مطیع کرنے کے لیے اس مغل نے ہیبت اور تخویف کا حربہ مال کیا۔ اس نے اعلان کیا کہ جو قلعہ مغلوں کے محاصرے کا مقابلہ کرے گا اس میں کسی کی جان بخشی نہ کی جائے گی۔ احتیاط نے اپنی فوجوں کو محاصروں کے لیے اوّل اوّل آگے بڑھایا۔ اس میں اسے اِن کِن افسروں سے بڑی مدد ملی جو اس کی ساتھ ہو گئے تھے اور جب قلعے پر قبضہ ہو جاتا تو مخالفت کی طاقت کا کچلنے کے لیے بڑی بے دردی اور حیوانیت باشندوں کا قتلِ عام کر دیا جاتا۔

اس جہاں سوزی اور تباہ کاری سے مغل صرف وہی چیزیں بچاتے جو دشت میں ان کے کام آ سکتی تھیں۔ مثلاً گاڑیوں میں لاد لیا جاتا یا خدمت کے لیے جوان غلام اور کنیزیں یا بُنے ہوئے کپڑے، زر و جواہر اور ہتھیار اور کی شکست و ریخت کی جاتی اور شہر میں آگ لگا دی جاتی۔ چنگیز خاں نے طے کر لیا تھا کہ وہ کوئی قلعہ باقی نہ چھوڑے کی مزاحمت کے لیے کسی قلعے کی آڑ میں اس کے دشمن سہارا نہ پا سکیں۔ اناج بھر کے لے جانے کے بعد میں اناج کے بعد گھاس اُگانا چاہتا تا کہ اس کے مویشی اور گھوڑے چر سکیں۔

ایک چینی استعجاب کے پیرائے میں لکھتا ہے: "دنیا کی آفرینش سے لے کر اب تک کسی قوم نے اتنی طاقت

حاصل نہیں کی جتنی ان مغلوں نے۔ وہ سلطنتوں کو اس طرح اُکھاڑ پھینکتے ہیں جیسے کوئی گھاس اُکھیڑتا ہے۔ فلک نے انھیں اس کی طاقت کیوں دی ہے؟"

لیکن یہ کوئی آسمانی طاقت نہ تھی۔ یہ ایک وحشی دماغ کے مسلسل سوچ بچار کا نتیجہ تھا۔ چنگیز خاں اہلِ کن علم و ہنر کی قدر کرتا تھا، وہ ایسی باتیں سمجھ سکتے تھے، جو اس نے کبھی دیکھی بھی نہ تھیں۔ اس نے طفلانہ دلچسپی سے اس علم و ہنر کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے چین کے فلسفیوں کو حکم دیا کہ وہ سفر میں اس کے ہم رکاب رہا کریں اور اس سے باتیں کیا کریں۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنی فوج میں چینی کاریگر اور انجینئر زبردستی بھرتی کر لیے۔

مویشیوں کے بڑے بڑے گلے چراگاہوں سے باہر حرکت کر رہے تھے۔ اناج سے بھری ہوئی گاڑیاں چرچراتی ہوئی ان نئی سڑکوں پر چلی جا رہی تھیں جو چین سے باہر کی طرف جاتی ہیں۔ ہمیشہ کے لیے دیوارِ چین کی روک کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اب چنگیز خاں کو اطمینان تھا کہ جب تک وہ زندہ ہے اس کے اردو (لشکر) کو غذا میسر آتی رہے گی۔

معلوم نہیں کہ یہ لقب اس نے خود اختیار کیا یا دوسروں نے دیا مگر اس زمانے سے اس مغل فاتح کا خاندان آلتین اروق یا زرّیں خاندان کہلانے لگا۔

مغرب کی شاہراہیں

پورے شمالی چین کو فتح کر کے وہ بہت زیادہ مسرور نہ ہُوا۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی اس کا کام ختم نہیں ہُوا۔ اس نے مغلوں کی نئی جنگی کل کے یسار کو شمالی چین کی بچی کھچی مزاحمت ختم کرنے پر متعین کیا۔

اور اس نے اپنا دوسرا پہلو جو وسطِ ایشیا کے پہاڑوں کی سمت تھا بڑی احتیاط سے صاف رکھا۔ یہاں وسطِ ایشیا بارہ سو میل دُور تھا۔ اب وہ اپنے دستوں کے سپہ سالاروں پر اعتماد کر سکتا تھا۔ اس کے دو سردار پہاڑوں میں ایک عجیب لڑائی لڑ رہے تھے۔ انھوں نے اس کا اعلان کیا کہ وہ مظلوم فرقوں کے لیے مذہبی رواداری کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ وہ پانچ شہروں کے بُدھ مندروں، مسجدوں اور کلیساؤں کے درمیان چین سے گھوڑے دوڑاتے پھرتے۔ ان مذہبی آستانوں کے کمزور پجاری ان کا خیر مقدم کرتے اور اس کے خلاف ہتھیار نہ اٹھاتے۔

اس طرح پہاڑوں کی جنگ انسان کا شکار بن گئی۔ یہ سخت رفتار مغلوں کا بڑا پسندیدہ کھیل تھا۔ انھوں نے پہاڑوں کے جنگی سردار قراختا کے حاکم کا تعاقب شروع کیا۔ عام طور پر لوگوں کو معلوم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ کیا پیش آ رہا تھا۔ قراختا کا سردار اور اس کے ساتھی گھیر کر قتل کر ڈالے گئے اور ظفریاب مغلوں نے بیس ہزار سفید گھوڑے دشت

خاں کی خدمت میں تحفتاً روانہ کیے۔

وہ اپنے خیموں میں ہنستے گاتے اور اپنے شکار کا قصہ دُہراتے۔ اس کے بعد مغلوں کی جنگی حکمت عملی ہی یہ ہو گئی کہ وہ کسی ایسے سردار کو جیتا نہ چھوڑتے جو اُن کے مقابلے میں مقاومت کی جرأت کرتا۔ ایسے سردار کا شکار کھیلا جاتا۔ اپنے دستوں کے سرداروں کو جو تومان باشی کہلاتے تھے چنگیز خاں نے ایک قاصد کے ہاتھ یہ تنبیہہ کہلا بھیجی: "زیادہ غرور نہ کرنا۔ غرور نے کرائتوں کے خان وانگ خاں کا سر نیچا کیا اور اس کا خاتمہ کر دیا۔"

اُس نے اپنی قوم سے کہا: "جنگ میں شیروں کی طرح پیش آؤ اور امن میں قمریوں کی طرح۔" وہ مسلسل انھیں اُس ضبط اور روک کی تعلیم دیتا جو خود اُس نے سیکھی تھی، وہ انھیں چوکنّا رہنا سکھاتا۔ اس کا قول دُہرایا جاتا ہے: "دن کو بیر گرگ کے سے چوکنے پن سے حملہ کرو اور رات کو شہباز کی سی تیز نظر سے کوؤں کی طرح اپنے دشمنوں پر جھپٹو۔"

مغرب کو یلغار

اسے تقدیر کی ستم ظریفی سمجھیے کہ محض اتفاقاً اس کی توجہ پہاڑوں کے اس پار مغرب کی طرف منعطف ہوئی۔ شاید وہ اپنی عمر کا باقی حصہ دشت کی سلطنت اور شمالی چین کے خراج پر اکتفا کر کے گزار دیتا۔ لیکن بوڑھے مغل کو تجارت سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ مسلم تاجر اس سے مغرب میں دنیائے اسلام کی امارت کے بیان کرتے اور چنگیز خاں جو کچھ سن لیتا، کبھی نہ بھولتا۔ اس نے تاجروں اور مغل سفیروں کو سب سے قریب کی سلطنت، یعنی خوارزم شاہ کے دربار میں بھیجا جس کی حکومت سمرقند سے بغداد تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس بیوقوف بادشاہ نے اس میں کوئی مضائقہ نہ جانا کہ تاجروں کو لُوٹ کر قتل کر دیا جائے۔ اس نے مزید حماقت یہ کی کہ مغل خان کے سفیر کو بھی قتل کرا دیا جو اس کے دربار میں یہ پیغام لے کر آیا تھا کہ تاجروں کے قاتلوں کو سزا دی جائے۔

مغل سفیر کی زندگی کو مقدس جانتے تھے۔ چنگیز خاں جیسے مغل کے نزدیک اس ذلت کا انتقام لینے کی ایک ہی صورت تھی ـــــ جنگ۔

اُس نے احتیاط سے تیاری شروع کی۔ کسی بات پر بھروسہ نہ کیا اور جہاں تک اس کی سمجھ میں آیا ہر ایسی صورت حال کے مقابلے کی تجویز سوچ لی جس کی وجہ سے ناکامی ہو سکے۔ ممکن ہے وہ پہلے ہی سے اس حملے کا ارادہ کر چکا

تھا یا یہ کہ جوں ہی ذرا سا موقع ملا اُس نے اس پر کمر باندھ لی۔ اب اسے ایک نئے زرّیں شاہ کو تاراج کرنا تھا جس کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی مسلّح فوج تھی جس طرح ختا کا زرّیں شہنشاہ دیوارِ عظیم کے اس پار تھا، اسی طرح یہ نئی طاقت ور سلطنت پہاڑوں کی فصیل کے اس پار تھی۔

پہلے تو ٹھیک ٹھیک معلومات حاصل کرنا ضروری تھا۔ بوڑھا مغل تاجر سیاحوں سے پوچھ گچھ کرتا رہا یہاں تک کہ اُسے مسلم بادشاہ کی پوری طاقت اور پہاڑوں کے اس پار کی سرزمین کے جغرافیہ کا اطمینان بخش اندازہ ہو گیا۔ جاسوس آگے آگے بھیج دیے گئے تاکہ آئندہ اطلاع فراہم کرتے رہیں اور ہراول کے سپاہی آگے آگے پہاڑوں کے درّے عبور کرنے کے لیے بھیجے گئے۔

دوسرے خود اعتمادی۔ چنگیز خاں طاقت کے پہاڑ کے قریب ایک ٹیلے پر اکیلا چڑھا اور اپنے سر سے ٹوپی اور اپنی کمر سے پٹکا اُتارا۔ گھنٹوں وہ دور دراز کے دیوتاؤں سے خطاب کرتا رہا اور بالآخر یہ پیغام لے کر نیچے اُترا کہ نیلے جاودانی آسمان نے فتح مغلوں کی قسمت میں لکھی ہے۔

تیسرے جنگ کے لیے فوج کی بھرتی۔ اس نے دس دس ہزار سپاہیوں کے صرف چند دستے ساتھ لیے لیکن یہ جنگی حملوں کے آزمودہ کار سپاہی تھے۔ ان کے ساتھ اس کے سب سے بڑے بیٹے جوچی کی سرکردگی میں ایغور ترک اور طاقت ور کرغیز دستے آن ملے۔ دشت سے فوج نے پہاڑوں کی طرف آہستہ آہستہ بڑی باقاعدگی سے پیش قدمی شروع کی۔ چنگیز خاں کے اردو میں اس کی ایک نوجوان حسین بیوی کولان، ختا کے ایک ماہرِ جغرافیہ اور ایغور عالموں کا اضافہ ہو گیا۔

باقاعدگی سے انھوں نے کہستانوں کو عبور کیا، سواری کے گھوڑوں اور باربرداری کی گاڑیوں کی حفاظت کرتے رہے۔ ان کے سفر کی باقاعدگی کا اندازہ ہمیں تاؤ پرست چانگ چون کی تحریروں سے ہوتا ہے جو چنگیز خاں کے حکم سے ہم رکاب تھا۔

تین شان کی بلندیوں پر، اس مقام کے آگے جہاں سفید ہڈیاں ملتی ہیں جو کسی بھولے بسرے زمانے میں کسی خانہ بدوش فوج کی تباہی کی گواہی دیتی ہیں، جھیل سائی رم کے پاس سے گزر کے چانگ چون ایک تنگ گھاٹی میں داخل ہوا جو پہاڑی نالوں نے کاٹ کاٹ کے بنائی تھی۔

چانگ چون لکھتا ہے: "اس گھاٹی سے مغرب کی طرف پہلی سڑک خان کے دوسرے بیٹے نے بنائی جو وہ خانِ اعظم کے ہم رکاب تھا۔ اس نے نشیبوں کی چٹانیں ترشوائیں اور لکڑی کے کم سے کم اڑتالیس اتنے چوڑے

پل ڈالے جن پر دو گاڑیاں ساتھ ساتھ گزر سکیں۔"

دہشت

مسلمان فوجوں کو اس کی توقع تھی کہ ان کے مقابلے کے لیے محض وحشیوں کا ایک مجمع آ رہا ہے۔ اس کے برعکس ان کا مقابلہ بڑے منضبط دستوں سے پڑا جو خاموشی سے جنگ کے لیے کاوا کاٹتے، بڑی سرعت سے دھاوا کرتے، ایک نقشۂ جنگ کے مطابق لڑ رہے تھے جس کو بوڑھے مغل نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا[1]۔ یہ دستے راتوں کو بڑھتے اور کڑی کمانوں سے آہنی نوک کے تیر برساتے۔

۱۔ مغلوں کے سارے غول کو ایک قومی فوج میں منظم ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے۔ ایک ایک مغل پیشہ ور سپاہی بن چکا تھا۔ ان کی لڑائیوں اور مغربی حملوں میں ان کے مقابل باقاعدہ فوج کی ٹکڑیاں، دربار کے محافظ دستے اور اس زمانے کے لحاظ سے امیروں کے بھرتی کیے ہوئے دستے آتے۔

بعض مورخوں کا یہ قیاس درست نہیں معلوم ہوتا کہ مغلوں نے صرف زوال پذیر سلطنتوں پر فتح پائی۔ خوارزم شاہی ترکوں کی عسکری طاقت ابھی شباب پر تھی۔ سلجوق ترکوں کی طاقت اچھی طرح ترقی نہ کرنے پائی تھی اور اس وقت سلجوقی صلیبیوں سے برابری سے لڑ رہے تھے۔ گرجستانی، قپچاق اور روسی قومیں جنگجو اور بہادر تھیں اور عموماً فتح یاب ہوتی تھیں۔ ہر جنگ میں مغلوں کے مقابلے میں ان کے دشمنوں کی فوجوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔

۲۔ مغلوں کو اس لحاظ سے ضرور فوقیت حاصل تھی کہ ان کی فوجی تنظیم ایک مستقل چیز تھی۔ اس زمانے کی جاگیردارانہ فوجوں کے مقابل ان کی فوجیں زیادہ گتھے ہوئے دستوں میں جنگ کے پینترے بدل سکتی تھیں۔ ان کے افسر امتحان سے بھرتی کیے جاتے۔ یہ قسم وہ فوجی مکتب تھا جس میں منتخب نوجوان بھرتی کیے جاتے اور جس کی نگرانی خانِ اعظم خود بنفسِ نفیس کرتا۔

ان کے نظم و ضبط کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ان لڑائیوں میں ہمیں کسی واحد مغل کی بہادری یا جرأت کا کوئی قصہ نہیں ملتا۔ اس کے برعکس مسلم مورخین واحد مسلم بہادروں کی جرأت اور بہادری کے قصے بیان کرتے ہیں مثلاً جلال الدین خوارزم شاہی کی ہمت اور مقاومت۔ ہر مغل گمنام طور پر اس غیر معمولی عسکری جبلت والے سردار کی اطاعت کرتا تھا جس نے مغل قوم کی قیادت سنبھالی تھی۔

خوارزم شاہ کی فوجوں کی تعداد مغلوں سے زیادہ تھی، مگر چند ہفتوں میں یہ فوجیں تتر بتر ہو گئیں۔ شاہ اپنے رقیب قراختا کے خان کی طرح بھاگ کھڑا ہوا اور مغل اس کے تعاقب میں اس طرح سرگرم تھے جیسے شکاری شکار کے پیچھے۔ اُس نے بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں پناہ لی اور وہاں زندگی کے دن پورے کیے۔ مغل یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہاں تھکن اور دہشت کے مارے اس نے وفات پائی۔

خوارزم شاہ کی منتشر فوجوں کو پھر سے مجتمع ہونے کا موقع نہیں دیا گیا۔ چنگیز خاں کو اپنی فوج کی تیز رفتاری پر بھروسا تھا۔ اس نے مغربی یلغار میں شکار کے گُر استعمال کیے۔ شہر سر کیے جاتے یا دھوکا دے کر ان سے ہتھیار لیے جاتے اور چند دن میں انھیں مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا جاتا۔

پہلی مرتبہ مغلوں نے جی کھول کر دہشت طاری کرنا شروع کی۔ یہاں ان کے مقابل ایک ایسی جنگجو قوم تھی جو تعداد میں زیادہ تھی اور جو دشت کے حالات سے نابلد تھی۔ اس قوم کے خلاف انھوں نے قتلِ عام کی جنگ شروع کی۔ وہ فصیل بند شہروں کی پوری آبادی کو باہر نکال لیتے۔ ان میں سے کاریگروں کو، جو اُن کے کام آ سکتے تھے، احتیاط سے چُن کر الگ کر لیتے اور پھر باقی ماندہ بے بس انسانوں کے ہجوم میں گھس کے اپنی تلواروں اور کلہاڑیوں سے اس طرح قتلِ عام کرتے جیسے فصل کاٹنے والے پکّی فصل کاٹتے ہیں۔ آہ و بکا کرتی ہوئی عورتوں کو ان کے بال پکڑ کے آگے جھکاتے تاکہ آسانی سے ان کی ریڑھ کی ہڈی پر کلہاڑی سے ضرب لگا کے اُسے توڑا جا سکے، جو مرد تھوڑی بہت مقاومت کرتے اُن کے سر توڑ ڈالتے۔

مسلمان مورخوں کا بیان ہے کہ بعض بعض مقامات پر مغل سواروں نے کُتّوں اور بلّیوں تک کو زندہ نہ چھوڑا۔ مسلمانوں کے مُلکوں پر اس طرح خوف طاری ہُوا جیسے درختوں پر پالا گرتا ہے۔ جو زندہ تھے وہ جان بچانے بھاگ نکلے، راستے رُک گئے۔ مقابلے کی تاب و طاقت باقی نہ رہی اور یہ حالت کئی سال تک رہی۔

مورخ ابن اثیر کا بیان ہے۔ "نیشاپور کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ ایک مکان کے روشن دان میں چھُپا ہُوا یہ دیکھ رہا تھا کہ جب مغل کسی کو قتل کرتے تو نعرۂ تکبیر کا مذاق اُڑا کے "اللہ الہٰی" چلّاتے ہیں۔ جب قتلِ عام کر چکے، تو عورتوں کو پکڑ کے لے گئے۔ میں نے انھیں سوار ہوتے، اپنی زبان میں گیت گاتے اور "اللہ الہٰی" چلّاتے دیکھا۔"

ابن اثیر آگے چل کے لکھتا ہے "اللہ نے سب کے دلوں میں ایسی دہشت ڈالی، ایسے ایسے واقعات معرضِ وجود میں آئے جو تصور میں بھی نہ آ سکتے تھے۔ ایک شخص کی روایت ہے کہ ایک تاتاری ایک گاؤں میں داخل ہُوا اور ایک

کے لوگوں کو قتل کرنے لگا۔ کسی کو اس کی جرأت نہ ہوئی کہ اس اکیلے آدمی کے مقابل اپنا بچاؤ کر سکتا۔ میں نے روایت سُنی ہے کہ ایک تاتاری اپنے ایک قیدی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اُسے کوئی ہتھیار نہ ملا، تو اس نے قیدی کو اوندھا لیٹ جانے کا حکم دیا اور اپنی تلوار ڈھونڈھنے چلا گیا اور تلوار لا کے بدنصیب قیدی کو قتل کیا جس کی اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ بھاگ سکے۔

" ایک اور شخص نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ میں سترہ آدمیوں کے ساتھ سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ ہم نے ایک تاتاری سوار کو آتے دیکھا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک دوسرے کی مشکیں کس دیں۔ دوسرے اس کے حکم کی تعمیل کرنے ہی لگے تھے کہ میں نے کہا "یہ آدمی اکیلا ہے اِسے قتل کر کے بچ کر نکل چلو۔" انھوں نے جواب دیا "ہم پر بڑی دہشت چھائی ہے۔" میں نے کہا "تو پھر یہ آدمی تم سب کو مار ڈالے گا۔ اس کا کام تمام کرو، شاید اللہ ہمیں بچا لے۔" لیکن خدا کی قسم سترہ میں سے کسی کی بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اُسے ہلاک کرتا۔ میں نے چاقو بھونک کر اسے مار ڈالا اور ہم سب بھاگ نکلے اور اپنی جان بچائی۔"

اس باقاعدہ قتلِ عام کا سلسلہ جاری رہا۔ مسلمانوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ چنگیز خاں قہرِ الہٰی ہے، زوال ہے۔

ایک شہر سے تمام باشندے باہر نکالے گئے، ان کو الگ الگ حِصّوں میں تقسیم کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ایک دوسرے کی مشکیں کسو۔ جب مشکیں کسی جا چکیں تو مغل سپاہیوں نے گھیر کے مرد، عورتوں، بچّوں سب کو تیروں سے ہلاک کیا اور پھر اُن کے مُردہ جسموں سے تیر کھینچ لیے۔

بخارا کے محاصرے میں جو قیدی پکڑے گئے تھے، انھیں قید نہیں کیا گیا۔ انھیں مشکیں کس کے مغل سمرقند لے گئے اور انھیں آگے آگے دھکیل کے ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے پیچھے پیچھے خود فصیل پر حملہ کیا۔ اسی طرح سمرقند کے قیدیوں کو خوارزم شاہیوں کے دار الحکومت اُرگنج کے محاصرے میں استعمال کیا گیا۔

ان قیدیوں سے زبردستی فصیل کے گرد کی خندق بھروائی جاتی اور انھیں سے فصیلوں کے نیچے سُرنگیں کھدوائی گئیں اور مسلمان دار الحکومت کے بیرونی محلّے کو مغلوں نے روغنِ نفت سے آگ لگا کے سر کیا لیکن مسلمانوں کا مجمع شہر کے اندر ایک ایک گلی میں ڈٹ گیا، یہاں تک کہ مکانوں کے درمیان کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

اس پر مغل اپنے قیدیوں کو آمو دریا کا بند باندھنے ہنکالے گئے۔ یہ دریا اُرگنج کے کنارے بہتا تھا اور بند بندھنے سے اس کا رُخ بدل گیا۔ مغل دریا کے راستے شہر میں داخل ہوئے اور اہلِ شہر کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

جو لوگ باقی بچے تھے، وہ کھیتوں میں ہنکاٹے گئے اور وہاں انھیں تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا اور ہنرمندوں کو مشرق کی طرف بھیجا گیا تاکہ فاتحوں کی غلامی کریں۔ نوجوان عورتوں اور بچّوں کو غلامی کے لیے اور باقی کا باقاعدہ طور پر قتلِ عام کیا گیا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ ایک ایک مغل نے اُرگنج کے چوبیس با رکیا۔ اس محاصرے میں پچاس ہزار مغل شریک تھے۔

بہت سے مسلمان شہر کے ویرانوں اور لاشوں کے درمیان چھپے ہوئے تھے۔ مغلوں نے انھیں بچنے دیا کیونکہ جانے سے پہلے انھوں نے بند کو توڑ دیا اور دریا کا پانی ویرانوں میں گھس آیا اور ہر زن غرق کر گیا۔

مورخوں کا بیان ہے کہ یہاں چنگیز خاں کے دو بڑے بیٹوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ جوجی جو سب یہ چاہتا تھا کہ شہر کو مسمار نہ کیا جائے، کیونکہ یہ غالباً اس کے حصّے میں آنے والا تھا۔ چغتائی کو اصرار تھا کہ ہ مسمار کر دیا جانا ضروری ہے جس میں مغلوں کی اتنی جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ فی الحقیقت اُرگنج کا نام ونشا سے مٹا دیا گیا اور دو صدیوں کے بعد پھر کہیں آمو دریا نے اپنے پُرانے راستے سے روانی شروع کی بحیرۂ خوارزم میں گرنے لگا۔

کبھی کبھی یہ ہوتا کہ مغل کسی قصبے کو تاراج کرتے، چل دیتے اور چند دن بعد پھر دفعتاً نمودار ہ باقی ماندہ لوگوں کو تہ تیغ کر ڈالتے، جو ویرانوں میں پھر سے جمع ہو گئے تھے۔ اِس طرح اس پُر آشوب زما مسلمان زندہ بچے انھوں نے شہروں سے دُور دُور رہنا شروع کیا۔ شہر صرف کتّوں اور گِدھوں کے مسا جن کی خوراک انسانوں کی لاشیں تھیں۔

عرب ایرانی تمدّن کی اس سرحد پر آبادی کا اسّی فی صدی حصّہ تہ تیغ کر دیا گیا، یہ باقاعدہ قتل قتل سے پہلے مقتول کو اور کسی طرح کے عذاب یا تکلیف میں مبتلا نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر مغلوں کو پتا چل پاس دولت ہے تو البتہ اسے شکنجے میں کسا جاتا اور طرح طرح کے عذاب دیے جاتے کہ وہ اپنے خزانے کا خواہ اس خزانے کا وجود ہوتا یا نہ ہوتا۔ مغلوں نے اپنی دہشت گردی کی یادگاریں سروں کے مینار نہیں بنائے

چنگیز خاں نے اسلامی تمدّن کے اس متموّل سرحدی علاقے کو بیابان بنا دیا جو کسی کی ملکیت نہ تھا اس ملک میں زراعت کا خاتمہ کر دیا۔ یہاں اس نے ایک مصنوعی وشت بنایا، جو اس کی نئی سلطنت کی سرہ اپنے خیال کے مطابق اس نے اس علاقے کو اپنے لوگوں کے رہنے کے قابل بنا دیا تھا۔

واپسی

۱۲۱۹ء سے ۱۲۲۲ء تک شہابِ ثاقب کی سی تیزی سے مغل اس زمانے کی معلوم شدہ دنیا میں یلغار کرتے ہپامیر کو عبور کر کے وہ سمرقند کی لمبی زرخیز وادی میں داخل ہوئے، یہاں سے وہ ایران کے قلب میں پہنچے۔ ایران انوں سے ہو کر وہ بحیرۂ خزر کے نامعلوم پانی کے کنارے وارد ہوئے اور اس کا نام انھوں نے چیلوں کا سمندر رکھا۔ ے وہ مرغزاروں میں ہوتے ہوئے تبریز اور موصل تک پہنچے۔ ساتھ ہی ساتھ ہندوکش کی برف پوش چوٹیوں کے یم افغانستان کے چٹیل کوہستانوں سے ہوتے ہوئے وہ دریائے سندھ کے کنارے جا نکلے۔

چنگیز خاں کے دو دستوں نے تو یہ کمال کیا کہ کوہِ قفقاز کے درّوں سے ہو کر جنگجو گرجستانیوں کی مقاومت توڑتے دشتِ روس میں جا نکلے، جہاں قپچاقی قبیلے ان کے دھاوے کے منتظر تو تھے، مگر سمجھتے تھے کہ یہ شمال کی طرف سے ا گے۔ انھوں نے قپچاقیوں کو اپنے پرانے دشمنوں، روسی امیروں کے ملک میں مار بھگایا اور کالکا کے پار کیف اور ے روسی شہزادوں کو شکست دی۔ مغرب کی طرف یہ کریمیا پر حملہ کرنے کے لیے جھکے — کہ اتنے میں خاں نے واپسی کا حکم دیا۔ بادلِ ناخواستہ یہ وشت میں واپس پلٹے، وحشیوں کی پرانی شاہراہ سے، جو اس سے پہلے ہن اور ترک ا نے استعمال کی تھی۔ راستے میں بلغاریوں کو وولگا کے کنارے اور قفقائی ترکوں کو کوہستانِ یورال میں تتر بتر کر دیا۔

اپنے ساتھ وہ گھوڑوں کا بہت سا سوکھا ہوا گوشت، مال و جواہر اور یہ خبر لائے کہ دشتِ روس کی زمینیں بہت ھی، ان میں سے ایک تومان باشی سُوبوداتی نے عہد کر لیا کہ وہ لوٹ کر نامعلوم مغرب پر ضرور یورش کرے گا۔ یہ سوبوداتی لقب "بہادر" تھا وہی سردار تھا جس نے بحیرۂ خزر کے کنارے تک خوارزم شاہ کا تعاقب کیا تھا۔ اب وہ یہ ارادہ ہوا تھا کہ دریائے ڈینیوب کے اس پار یورپ پر حملہ کر کے رہے گا۔

اس سارے دار و گیر کے عالم میں بوڑھے مغل کا سب سے چھوٹا بیٹا تولی، کردار کے لحاظ سے اردو کا سب سے والا معلوم ہوتا تھا۔ بڑے بڑے شہروں کے مسمار کرنے کی خدمت اس کے سپرد تھی۔ شہروں کو مسمار کرنے کے لیے قیں استعمال کی جاتیں جو چینی انجنیئر مشرق سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہ منجنیقیں جن میں ممکن ہے بارود بھی ال کی جاتی ہو، مغلوں کے محاصرے کی ہیبت اور زیادہ بڑھاتی تھیں۔ تولی شہر کے تخت پر بیٹھا شہر کی تسخیر کے ماده کرتا رہتا اور اس وقت تک دم نہ لیتا جب تک قلعہ سر نہ ہو جاتا۔ وہ مغل جو اس کے تحت لڑ رہے تھے اُسے الاؤ بوتا سمجھنے لگے تھے۔

جب ایک مرتبہ مسلمانوں کی فوجی طاقت کا زور ٹوٹ گیا تو چنگیز خاں نے نئے ملکوں کے آئندہ نظم و نـ فکر کی۔ اس نے اپنے چاروں بیٹوں اور سپہ سالاروں کو سپہ سالاری کے عہدے پر فائز کیا اور نوجوان مغل افسـ فوجی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ وہ اس ارادے پر قائم تھا کہ اس کی فتح کی ہوئی عظیم الشان سلطنت مغل اولوس کے ہاتھوں میں رہے۔

اس کا ایک سردار شیکی کوداکو تھا۔ ابھی وہ کمسن ہی تھا کہ خان کو اس کی ہمت اور جرأت پسند آگئی تھی کیو نے سخت برف باری کے زمانے میں ہرنوں کی ایک ڈار کا تعاقب کر کے شکار کیا تھا اور قبیلے کے لیے گوشت فرا کوداکو کو ترک سواروں کے ایک دستے نے افغانستان کی پہاڑیوں میں شکست دی۔ چنگیز خاں کو اپنے شکست خو پر غصہ نہیں آیا، حالانکہ یہ مغلوں کی پہلی پسپائی تھی۔

اُس نے کہا: "اب تک شیکی کوداکو ہمیشہ فتح پاتا رہا ہے۔ وہ فتح کا عادی ہو گیا ہے کیوں کہ اس نے پہ چرکہ کبھی نہیں کھایا۔ اب وہ اور زیادہ احتیاط سے لڑے گا۔"

چنگیز خاں نے دریائے سندھ کے کنارے تک ترک فوج کا تعاقب کر کے اسے شکست دی اور راہ پلٹ کے اس نے وہ میدانِ جنگ دیکھا جہاں اس کے سپہ سالار نے شکست کھائی تھی۔ یہاں اس نے اپنے مغل سپہ سالار کو سخت ملامت کی کہ تم نے میدانِ جنگ میں اپنے لیے اچھا مقام نہیں چُنا تھا۔

فوجوں کے گزر جانے کے بعد خان نے حکم دیا کہ اب لڑائی بالکل موقوف کر دی جائے، جہاں کی مغلو حکومت ہو وہاں کوئی ہتھیار نہیں اٹھا سکتا۔ خانہ بدوشوں کا قائم کیا ہوا یہ امن بڑا دہشت ناک تھا، لیکن بڑا کارگر اس سے مسلمان امیروں اور سلطانوں کی وہ خانہ جنگی ختم ہو گئی جو مغلوں کے آنے سے پہلے ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔

مغلوں کے تومانوں کے عقب میں مفتوحہ سلطنت کے نظم و نسق کے لیے ختا کے پیشہ ور عہدہ دار آتے، ماندہ رعایا کی مردم شماری کرتے۔ ایغور منشی انسانوں اور گھوڑوں اور مویشیوں کی فہرست تیار کرتے، داروغہ جی آتے اور سڑکوں اور ڈاک کا انتظام کرتے تاکہ روز کی اطلاعیں مغلوں کے وطن تک پہنچ سکیں۔

بوڑھے مغل کی یہ خانہ بدوش سلطنت جس کا نقشہ اس نے اپنے حملوں کی سرگرمی کے عالم میں اپنے ذہن میں کیا تھا، ان تین مقاصد میں کامیاب ہوئی، جو اس کے پیشِ نظر تھے۔ باقاعدہ امن، دولت کی لوٹ اور دشت سے رسل و رسائل کا سلسلہ۔ یے لیو چیت سائی نے لکھا ہے: "یہ سلطنت زین پر بیٹھے بیٹھے فتح کی گئی ہے۔"

چنگیز خاں کو اسلامی دنیا کے متعلق اور اس نئی سرزمین کی فطرت کے متعلق بڑی کھوج تھی۔ اس نے

شش کی کہ یہاں سے اپنے وطن تک ہمالیہ کے دروں اور تبت کی سطح مرتفع سے ہوتا ہوا ایک سیدھا چھوٹا سا نکالے۔ اس نے یہ عقل مندی ضرور کی کہ وہ ان اونچے اونچے دروں سے پلٹ آیا کیونکہ اسے محسوس ہو گیا ئی فوج دنیا کی اس چھت سے صحیح سلامت نہیں گزر سکتی۔ معجز نما ہوشیاری سے وہ اپنے تومانوں کو پھر سمرقند الی راستے پر واپس لے گیا۔

بخارا میں اس نے قرآن پڑھنے والوں سے اپنے دشمنوں کے مذہب اسلام کے متعلق استفسارات کیے۔ لام کی تعلیم اسے پسند آئی، لیکن حج بیت اللہ کا مسئلہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ نیلے جاودانی آسمان کو پوجتا تھا۔ اس میں نہیں آیا کہ مسلمان قبلہ رو ہو کر نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ اس نے مسلمان علماء کو ادائے محصول سے مستثنیٰ قرار یا۔ اصل میں وہ کسی مذہب کے خلاف جنگ نہیں کر رہا تھا، لیکن مؤذن کی اذان اور صوفیوں کے نعرے میں جس سے کے دل مسحور ہو جاتے، اسے ایک ایسی معجز نما طاقت نظر آتی تھی جو اس کے فہم و ادراک سے ماورا تھی۔ یہ ایک طاقت تھی جو انسانوں کے دلوں کو تسخیر کرتی تھی۔ اور کوئی ہتھیار اسے مسمار نہ کر سکتے تھے۔ اپنے بڑے شامان کچو کو اس نے قتل کرا دیا تھا مگر اور بھی ہزاروں شامان اور ساحر تھے جو روحوں کو بلانے، طوفان برپا کرنے اور ے آسمان سے بجلی گرانے کا دعوے کرتے تھے۔ معلوم نہیں ان کا دعویٰ جھوٹ تھا یا سچ۔ بوڑھا مغل یقین سے کہہ سکتا تھا، لیکن وہ اسلامی وحدانیت کی اس ناقابلِ گرفت طاقت پر غور کرتا جس کی طاقت کسی طرح اس کے انوں سے کم نہ تھی۔ پرانے برفانی دیوتاؤں کا خوف آسیبوں کی طرح اس کے قلب پر طاری ہو گیا۔

اب اس کا جسم بڑھاپے سے کمزور ہو چلا تھا۔ اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ وہ یہ اہم مسئلہ حل کر سکے۔ کیا شامانوں اور اماؤں کی طاقت اس سے زیادہ تھی؟ وہ اس خطرے کو روک سکتا تھا یا احتیاط اور ہوشیاری سے مذہب کی اس اقت کو اپنے بعد اپنے چاروں بیٹوں کی مدد کے لیے اپنی معاون اور مددگار بنا سکتا تھا؟ کیا اس طاقت سے اس کی اپنی سکتی تھی؟ اسے پتا نہیں تھا لیکن اس نے اس کھوج میں دیر نہیں لگائی۔ اس نے مسلمان علماء سے پیت کی اور انھیں خطرناک نہیں پایا۔ پھر اسے بتایا گیا کہ اس کے بیمار کے سپہ سالار نے اس سے تذکرہ کیا پن میں اسے تاؤ کے مقدس پیرو ملے تھے، جو آسمانی طاقت سے ہم کلام ہو سکتے تھے۔ بوڑھے مغل نے جواب ا بھیجا تھا: "تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں سچ مچ آسمان سے ہم کلام ہونے کی طاقت انھیں اچھے کپڑے پہناؤ اور اچھا کھانے کو دو اور اگر اس طرح کے اور لوگ تمہیں ملیں تو انھیں اکٹھا کر دو اور زمانوں کی سی آزادی دو۔"

اب اس نے ان پُراسرار اجنبیوں میں سے ایک کو بُلا بھیجا۔ دور دراز ہونان میں خان کا قاصد سونے کے شیر نقش کی حاکمانہ مُہر پہنے ایک معمر اور معزز تاؤ کے پیرو چانگ چون کے سامنے نمودار ہُوا اور کہا "یہ تمھارے نام کی جاتی ہے۔ خان نے مجھے خاص طور پر پہاڑوں اور جھیلوں کے اس پار تمھیں بُلانے کے لیے قاصد بنا بھیجا ہے۔ تمھیں ساتھ لیے بغیر میں لوٹ نہیں سکتا۔"

اس نے اس تاؤ کے پیرو استاد سے خان کا پیغام دُہرایا، جو اس کے لیے اس کے چینی معتمد یلو چت نے لکھا تھا:

"میں شمالی بیابانوں سے آیا ہوں، عام انسانوں کی خوراک کھاتا ہوں اور صرف ایک لبادہ پہنتا ہوں۔ خیموں میں رہنے والے میری اولاد ہیں۔ میرے ان کے خیالات ایک ہیں۔ جب وہ جنگ کی کش مکش میں مبتلا ہوتے ہیں، میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں۔

"سات سال کے اندر اندر میں نے ان کے لیے دنیا کی ساری طاقتیں زیر کرلی ہیں۔ ہر جگہ میری برتری مانی جاتی ہے۔ مجھے خود کوئی ہنر نہیں آتا۔ اس لیے میں ذہین آدمیوں کی عزت کرتا ہوں اور ان سے بھائیوں کا سا سلوک کرتا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ شاید میں فراست سے حکومت نہیں کر رہا ہوں۔ دریا پار کرنے کے لیے ہم لوگ تختوں اور رسوں سے پل بناتے ہیں، اسی طرح سلطنت پر حکومت کرنے کے لیے عاقلوں کے مشورے کی ضرورت ہے۔ تمھارا زہد ہوا کی طرح عام انسانوں کی سطح سے بلند ہے۔ تمھارے اور میرے درمیان پہاڑ اور لق و دق بیابان ہیں۔ ان کی وجہ سے نہ گھبراؤ۔ انسانوں کی بہبود کا خیال کر کے میرے پاس آؤ اور مجھے بتاؤ کہ میری جان کیسے بچ سکتی ہے۔"

اس طرح چانگ چون نے ایشیا کے اس پار سے لے کر اس پار تک سفر کیا۔ اثنائے سفر میں ایک مقام پر وہ دیکھ کر بہت گھبرایا کہ اس کے ساتھ ساتھ ناچنے گانے والی لڑکیاں بھی جا رہی ہیں، جو خان کے خیمے کو لے جائی جا رہی تھیں۔ جب چانگ چون چنگیز خاں کی خدمت میں حاضر ہُوا اور بے خوف و خطر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، تو لڑکیاں مغل فاتح کے سامنے ناچ گا رہی تھیں۔

مغل نے اس سے کہا "تم جو کسی بادشاہ کا حکم نہیں مانتے، میرے پاس آئے ہو۔ اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ کیا تم وہ نسخہ لائے ہو جس سے میری عمر بڑھ سکتی ہے؟"

چانگ چون نے ہچکچائے بغیر کہا "زندگی کی حفاظت کے تو طریقے ہیں، لیکن ہمیشہ زندہ رکھنے والی اکسیر کوئی نہیں۔"

خان اس صاف گوئی سے بہت خوش ہُوا اور اس نے حکم دیا کہ اس تارک الدنیا بزرگ کے آگے خورد و نوش کا سامان رکھا جائے۔

چانگ چون نے جسارت سے کہا "میں اپنی مرضی سے نہیں، آسمان کی مرضی سے حاضر ہُوا ہوں۔"

بوڑھے مغل کی سمجھ میں یہ بات آ گئی تھی۔ اس کے سامنے ایک ایسی طاقت تھی جو بے خوف تھی۔ اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا "اس کے الفاظ اپنے دلوں پر نقش کر لو کیونکہ یہ الفاظ غور کے قابل ہیں۔"

اُسے چانگ چون کی اس نصیحت پر بھی غصہ نہیں آیا کہ اگر زیادہ دن جینا چاہتے ہو تو بستر پر اکیلے سویا کرو، رنگین رنگائی عورتوں کے پہلوؤں میں نہیں اور نہ دوسروں کی زندگیاں تلف کیا کرو۔"

یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ وہ پہاڑوں کے راستے واپس جا رہے تھے اور مغل تفریحی شکار کھیل رہے تھے۔ چنگیز خاں کی عمر اب ستر سال کی تھی، وہ بھی شکار کے رنگے میں شامل تھا، اس پر ایک جنگلی سؤر نے حملہ کیا تو اس کے گھوڑے نے اُسے گرا دیا لیکن جنگلی سؤر نے اسے زخمی نہیں کیا۔

تاؤ کے پیرو نے اس سے کہا "یہ واقعہ ایک طرح کی تنبیہ ہے۔ تم نے بُرا کیا جو اتنی جانیں تلف کیں۔ اگر آسمان نے دخل نہ دیا ہوتا تو جنگلی سؤر تمھیں مار ڈالتا۔"

بوڑھے مغل نے اپنے دل میں غور کیا اور جواب دیا "میں خود بھی یہی سمجھا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارا مشورہ نیک ہے لیکن ہم مغل ابتدائے ایام سے سواری اور تیر اندازی کے خوگر ہیں۔ اپنی عادتوں کو بدلنا بہت دشوار ہے۔ بہرحال تمھارے الفاظ میرے دل پر نقش ہو گئے ہیں۔"

لیکن دو مہینے کے اندر اندر وہ پھر زین پر بیٹھنے اور شکار کھیلنے کے قابل ہو گیا۔ اپنی عادتیں بدلنا سہل نہیں تھا۔ اب وہ یہ سمجھتا تھا کہ چانگ چون کسی پوشیدہ طاقت کا مالک تو نہیں، پھر بھی اسے راضی ہی رکھنا چاہیئے۔ اس لیے اس نے بوڑھے تاؤ کے پیرو کے حق میں فرمان نافذ کیا کہ وہ اور اس کے تمام شاگرد ہر طرح کے محصول اور نقصان سے بری قرار دیے جاتے ہیں۔ مفتوحہ ملکوں میں آسمان سے ساز باز رکھنے والوں سے بنائے رکھنا ہی اچھا تھا۔ بوڑھا فاتح اور تارک الدنیا بزرگ، دونوں ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، مگر دونوں کے دل میں ایک دوسرے کی عزت تھی۔

اب چنگیز خاں ایک اور بڑے وسواس میں مبتلا ہو گیا۔ وہ دنیا کی چھت پر سے ہو کر گزر رہے تھے اور گورخر اور بارہ سنگھوں کا شکار کھیلتے تھے۔ دور دراز دستوں کو آن ملنے کا حکم دیا۔ پانچ سال کے بعد اب پھر وہ وطن کی چراگاہوں

کی سیر کریں گے۔ اس کے تین بیٹے تولوئی، اوغدائی اور چغتائی ـــــ جن نے ابھی ابھی چانگ چُو کے لیے کشتیوں کے ایک ٹوٹے ہوئے پُل کی مرمت کی تھی ـــــ اردوئے معلیٰ کے ساتھ آن پہنچے۔ جوچی جو سب سے بڑا تھا، شمالی دشت سے بیس ہزار گھوڑوں کا گلہ تحفتاً لے کے آیا۔ اپنے بیٹوں سے چنگیز خاں نے مستقبل کی بات کی:

"اپنے خون کے عزیزوں کو تباہ کرنا، گھر کے چولھے کی آگ بجھانا ہے۔ مَیں تم میں سے ہر ایک کو ایک قوم کا بادشاہ بناتا ہوں، لیکن تم میں سے ایک اور سب پر حکومت کرے گا اور تم سب اس کی اس طرح اطاعت کرنا جیسے میری اطاعت کرتے ہو۔"

یہ اس نے جوچی سے بھی کہا اور تینوں چھوٹے بیٹوں سے بھی۔ جوچی سب سے بڑا تھا، لیکن کہتے ہیں یہ جائز اولاد میں سے نہ تھا، کیونکہ ملکۂ عالم بورتائی کے بطن سے وہ اس وقت پیدا ہُوا تھا جب ایک دشمن قبیلے کے لوگ اسے زبردستی پکڑ لے گئے تھے۔ چنگیز خاں نے بورتائی کو دوبارہ حاصل کر لیا تھا اور راستے میں جوچی پیدا ہُوا تھا۔ جو لوگ بورتائی کو ساتھ لیے آ رہے تھے انھوں نے بچوں کے لیے تازہ گندھے ہوئے آٹے کا جھولا بنا لیا تھا، جس میں ایک نرم سا بستر بچھایا گیا۔ صرف یہی ایک نرم شے وہاں میسّر تھی، اور اس حالت میں گھوڑے پر سوار اُسے لے آئے تھے۔ چنگیز خاں نے اس عالم میں بورتائی کے بچے کو دیکھ کر کہا، "یہ ہمارا مہمان آیا ہے۔" اس لیے اس کا نام جوچی (مہمان) پڑ گیا۔ باپ نے اُس کی ماں بورتائی سے کچھ نہیں کہا اور جوچی میں اور اپنے دوسرے بیٹوں میں کوئی فرق نہ سمجھا۔ چونکہ جوچی اپنی ولادت کے واقعات کبھی نہ بھول سکتا تھا اور اوروں سے دُور دُور رہنا چاہتا تھا اس لیے چنگیز خاں نے اسے مغرب کے دشت کے بعید ترین علاقوں کی حکومت سپرد کی، لیکن ایک بار سے زیادہ جوچی اور اس کے دوسرے بھائیوں سے اپنی نئے علاقے کی سرحد پر جھڑپ ہو چکی تھی۔

جب تینوں بھائیوں نے یہ سُنا کہ ان کی طرح جوچی بھی اولوس کا مختار ہوگا، تو انھوں نے احتجاج کیا۔

"اس کا خون مرکیت ہے، وہ ہماری برابری کیسے کر سکتا ہے؟"

باپ نے خاموشی سے ان کی بات سُنی۔ ایک بوڑھے مغل نے جو چغتائی کا مشیر تھا، ان کو جواب دیا:

"ابھی تم تینوں پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور ہر اولوس خانہ جنگی میں مبتلا تھا، جب دشمن تمھاری ماں کو پکڑ لے گئے۔ اس کے بعد سے اب تک تمھاری ماں محنت کرتی رہی، یہاں تک کہ یہ سلطنت پیدا ہوئی۔ اس نے تم لوگوں کی یہ سمجھ کر پرورش کی کہ تم بڑے ہو کر آدمی بنو گے۔ وہ سُورج کی طرح روشن اور گہرے سمندر کی طرح مضبوط تھی۔ تم ایسی خاتون کے متعلق ایسے الفاظ کیسے زبان سے نکال سکتے ہو؟"

بہرحال اس واقعے کے بعد جوچی اُس مغل کے پاس زیادہ نہ ٹھہرا جو اس کا باپ نہ تھا۔ وہ اردوئے معلیٰ سے نکل کے اپنے دشت کو چل دیا۔ آئندہ سال جب چنگیز خاں نے تمام مغلوں کو قرولتائی میں طلب کیا تو وہ نہیں آیا اور صرف یہ کہلا بھیجا کہ وہ بیمار ہے۔

اُس وقت تک کسی نے خان کے حکم سے سرتابی نہ کی تھی۔ بوڑھا مغل کچھ کہے بغیر اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک اُسے یقین نہ ہو گیا کہ اُس کا بڑا بیٹا پہاڑی جھیلوں میں قرولتائی کے مقام پر نہ آئے گا۔ اس نے اس مغل قاصد سے سوال کیا، جو پیغام لے کر آیا تھا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ جوچی اس قدر علیل ہے کہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا؟"

وہ نویون جو شمال سے پیغام لے کر آیا تھا، محتاط پیرایے میں یوں گویا ہُوا۔ "جب مَیں اس کے پاس سے چلا ہوں تو وہ شکار کھیل رہا تھا۔"

چنگیز خاں جانتا تھا کہ یہ عدول حکمی ہے اور وہ اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اپنے دوسرے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ شمال کو جوچی کے دشت کی سمت کوچ کریں اور باغی کو سزا دیں۔ وہ ابھی پہاڑوں سے کوچ بھی نہ کرنے پائے تھے کہ جوچی کی مَوت کی خبر آئی۔

چنگیز خاں نے ماتم میں تاخیر نہ کی۔ "ہماری توقع کے خلاف مَوت آ ہی جاتی ہے۔" اس نے کہا۔ وہ پھر جھیلوں کی طرف لوٹ آیا۔ حسب الحکم قرولتائی منعقد ہوئی، لیکن اب وہ بہت خاموش رہنے لگا تھا اور اس سفر میں شکار کھیلنا اُس نے بالکل ترک کر دیا۔

ایسی کے شکار میں مغلوں کے دور دراز دستے واپس آ ملے۔ سوبودائی نے آ کے وہ سارا ماجرا سنایا جو اس نے یورپ کی دہلیز پر دیکھا تھا۔ کئی سال بعد اب وہ پھر چراگاہوں میں اکٹھا ہوئے، ضیافتیں اڑاتے رہے، گھوڑیوں کا دودھ پیتے رہے اور الاؤ کے گرد مغنّی اپنے راگ الاپتے رہے۔ یہاں چنگیز خاں نے اپنے تینوں بیٹوں، اپنے عزیزوں اور مغل نویونوں کے ساتھ جو اب اس کی خدمت میں بسر کر رہے تھے قرولتائی منعقد کی۔ شامیانے کے باہر خان کا مغل پرچم تھا، جس میں گھوڑے کی نو سفید دُمیں آویزاں تھیں اور ان کے اوپر ایک عقاب تھا، جس کے پَر پھیلے ہوئے تھے۔ عیسائی ناظرین کو یہ عقاب صلیب سے مشابہ معلوم ہوتا تھا۔

اس قرولتائی میں مغلوں نے خان کی بات سُنی۔ وہ خود بات کرتے ہچکچاتے تھے کیونکہ انھیں یقین ہو گیا تھا کہ جاودانی آسمان کی ساری طاقت اس بوڑھے میں آ رہی تھی جو ان کی سرداری کر رہا تھا۔ آپس میں وہ سرگوشی کرتے تھے

نیلے آسمان نے اسے تمام قوموں پر حکومت کرنے پر مامور کیا ہے!"

چنگیز خاں کے نزدیک اب اس کا وقت آگیا تھا کہ وہ اپنی نئی سلطنت اپنے ان چار بیٹوں میں منقسم کرد جو بورتائی کے بطن سے تھے۔ اس کے ذہن میں خانہ بدوشوں کا سا، دولت کا تصور تھا۔ اس نے ہر چیز جو اُسے نظر آئی چاروں بیٹوں میں تقسیم کر دی۔ خدمت کے لیے آدمی، آدمیوں کی پرورش اور خوراک کے لیے مویشیوں گلے اور گلّوں کے چرنے کے لیے زرخیز سلطنتیں۔ اس نے سونے چاندی کی طرف خاص توجہ نہ کی۔ فصیل بند شہریوں کی صنعتیں اور شہروں کا سارا مال و متاع اس کے نزدیک محض ایک ضمنی جائداد تھی، جس کا اصل مقصد چراگاہ کو سرسبز رکھنا تھا اور کاروانوں کی ان شاہراہوں کو جن سے ہو کر تجارت کا سلسلہ جاری رہ سکتا تھا۔

اُس کے پاس نقشے نہ تھے۔ پرانے جائدادی قوانین سے اُسے دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے بوڑھے مغل نے طریقے پر ایک ایک لڑکے کے حصے میں کچھ قبیلے دے دیے۔ ان کے ساتھ دریاؤں کی وسیع وادیاں، کوہستانی سلسلے، جو دشت سے باہر پھیلے ہوئے تھے۔ اس طرح اس نے پرانی سرحدوں کو کالعدم کر دیا۔

اُس نے ایشیا کے زیادہ تر حصے کو فتح کر لیا تھا۔ اب اس نے اپنی مفتوحہ املاک کو اس طرح تقسیم جیسے کوئی خانہ بدوش اپنے گڈریوں اور مویشیوں کو تقسیم کرتا ہے۔

لیکن اپنی فوج اس نے تولوئی کے سپرد کی۔

کیونکہ یہ ظفریاب فوج اس کے اشاروں پر چلتی۔ کسی اور انسان نے دنیا کی سطح کا حصہ فتح نہ کیا تھا اس فوج کی مدد سے اس نے فتح کیا تھا۔ بحرالکاہل سے وولگا کے کنارے تک اس کی بات حکم کا درجہ رکھتی تھ اس کی نئی سڑکیں ایران کے ریگستان کا سلسلہ سائبیریا کے مائی گاسے ملا رہی تھیں جو اولین خانہ بدوش شہسواروں کا منبع اور وطن تھا۔

چنگیز خاں اس فتح کو مکمل کرنا اور اسے مستقل بنانا چاہتا تھا۔ اُس نے خیمے کے رہنے والوں کو ایک نئی قومیت میں منسلک کر دیا تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ ان کی حکومت دنیا کی ان حدود تک وسیع ہو جائے جن پر ابھی تک اس کا قبضہ نہ ہوا تھا۔

اس قوم میں مغل قبیلے، ترخانوں، نویونوں اور ابتدائی لڑائیوں کے ساتھیوں کو برتری کا درجہ حاصل تھا۔ یہ چاہتا تھا کہ یہ جیسے خانہ بدوش ہیں ویسے ہی رہیں اور متمدن دنیا پر حکومت کیا کریں۔

اس کا اپنا خاندان مرتبے میں ان سے بھی زیادہ بلند تھا۔ یہ آلتین اردو یا خاندانِ زرّیں کہلانے لگا۔

جس میں اس کے بیٹے، پوتے، عزیز و اقارب اور ان کی بیویوں کی اولاد شامل تھی۔ انھیں کے درمیان دشت کی سلطنت تقسیم ہونے والی تھی، جیسے پُرانے چرولاہے بن کے دور میں انسان اور مویشی۔

خاندانِ زرّیں کا سرتاج وہ شخص ہو گا جو زرّین خاں کے خالی نمدے کی مسند پر بیٹھ کر خان بنے گا اور سب پر حکومت کرے گا۔ وہ خود دشت میں رہے گا، لیکن ساری بنی نوعِ انسان پر اُسی کی حکومت ہو گی۔

مغل فاتح کا مقصد یہ تھا۔ اس کی تکمیل سے پہلے ہی ۱۲۲۷ء میں جو خنزیر کا سال کہلاتا ہے سیا کی پہاڑیوں میں باغیوں کے خلاف یورش کے دوران میں اس کا انتقال ہو گیا۔

---

(۳)

قرولتائی نامہ

چین کا دائرہ وقت تنگ خاندان کے ایک آئینے پر بطور آرائش مرتسم ہے۔ مرکز میں پرکار کے چار بنیادی نقطے دکھائے گئے ہیں۔ پھر بارہ جانوروں کا دائرہ شروع ہوتا ہے۔ چوہا، بیل، چیتا، خرگوش، اژدہا، سانپ، گھوڑا، بکرا، بندر، مرغ، کتا، سؤر ـــــ آٹھ پراسرار شکلوں کے دائرے سے باہر چاند کے بیشتی بروج دکھائے گئے ہیں۔ چینیوں کے حسابِ وقت اور فال میں یہ تمام چیزیں داخل تھیں ـــــ اسے دائرہ خطا کہتے تھے۔

خزاں کا مہینہ تھا۔ دشت کی گھاس بھوری پڑ چکی تھی۔ آندھیوں کی فصل شروع نہ ہوئی تھی اور ابھی تک جھیل کے کنارے صنوبروں کے درختوں کا عکس پانی میں جھلکتا نظر آتا تھا۔ مغل سوار چنگیز خاں کی لاش کو گاڑی میں لیے اس کے علاقے سے چراگاہوں کی طرف آ رہے تھے جہاں ہوا خنک تھی۔

وہ کہتے جا رہے تھے "وہ عقاب تھا، جو ہمارے درمیان پرواز کرتا تھا، نعرہ لگاتا تھا، شکار تلاش کرتا تھا اس سے پہلے اس نے کہیں تھک کے مقام نہیں کیا۔"

تابوت رکا اُردو کے قریب آ رہا تھا، یہاں بھورے سمور کے گنبد نما خیموں کا پڑاؤ، دریائے کیرولان کے کنارے سے حدِ نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ شہسواروں کو حیرت تھی کہ ستر سال کا جھکے ہوئے چوڑے شانوں والا سردار، جس کی ہمارتی کی آنکھوں کی طرح بھوری تھیں، اس کھڑکھڑاتی ہوئی گاڑی میں تابوت کے اندر بے حس و حرکت پڑا ہے۔

چین کی سرخ زمین کے جس جس حصے سے یہ گاڑی گزری، ہم رکاب مغلوں نے راستے میں ہر اس شخص کو مار ڈالا جس نے اس گاڑی کو گزرتے دیکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی دشمن کی نظر خان کے تابوت کی سواری پر پڑے۔

لیکن مغل پڑاؤ کی بستی میں اس خبر کو چھپانا ناممکن تھا۔ روز چنگیز خاں کے بیٹے اور پڑوس کے قبیلے اور فوجی دستے چراگاہوں سے جوق در جوق آ رہے تھے اور کہتے تھے "وہ جو مضبوط پتھر تھا ٹوٹ گیا۔ وہ جو ہمارے سامنے پرچم کی طرح اڑتا تھا، ٹھوکر کھاتے ہوئے ٹٹو کی طرح گر پڑا" اور وہ یہ سوال بھی کرتے جاتے "سچ مچ وہ اپنی قوم سے جدا ہو گیا؟"

چار دن تک روزانہ تابوت خان کی ملکاؤں میں سے ایک کے یورت میں رکھ دیا جاتا اور بین کی آواز آتی۔

"گھاس کی فصل میں تو میری پرورش کرتا تھا

اے میرے خان

جاڑوں کی ہوا میں تو مجھے گرم رکھتا تھا

جس شیریں جھیل کے کنارے میں بیٹھی ہوں اس کا پانی خشک ہو گیا

جس باغ میں میں رہتی ہوں، اس میں سایہ سر سے اتر گیا

اے میرے خان"

قبائلی دستور کے مطابق ہر بیوی اپنے ہی خیمے میں رہتی، باہر نہ نکلتی۔ اس قانون کی پابندی سب ملکہ گولان نے بھی کی۔ ہر ایک باری باری سے ماتم اور بَین کے لیے انتظار کرتی کہ تابوت اس کی دہلیز لگا جائے۔ وہ اس بوڑھے کا ماتم کر رہی تھیں، جس نے اس کے بیٹوں اور بیٹیوں اور چھوٹے چھوٹے پوتوں اور کو پالا تھا جس نے اپنی بے خطر اور بے بدل زندگی میں دنیا کی دور دراز سرزمینوں کے جس حصے کو چاہا تاخت ہر بیت کے الاؤ کے گرد سرگوشی کے عالم میں یہ سوال پوچھا جاتا کہ چنگیز خاں کی رُوح کہاں آرام لے

ان بوڑھوں میں سے نہیں تھا، جو پرانے قبائلی دستور کے مطابق جب کام کے نہیں رہتے تھے تو انھیں غذا کے چربی کھانے کو دی جاتی تھی۔ نہ وہ کسی ہتھیار سے مارا گیا تھا۔ ہتھیاروں کی موت کے متعلق عقیدہ تھا کہ یہ جا آسمان کی ضرب سے واقع ہوتی ہے۔

عقیدے کے مطابق سانس رُک جانے کے بعد بھی چنگیز خاں کی رُوح اُس کے جسم ہی میں تھی، کیونکہ اس کا بہا تھا اور اگر خون نہ بہے تو رُوح خون کے ساتھ جسم ہی میں رہتی ہے۔

یہ رُوح جسے مغل سُولدِ کہتے تھے، کیا اب یہ چپکے سے جادوئی آسمان کو چلی جائے گی، وہاں جہاں سے میں آئی تھی؟ یہ وہ سوال تھا جو مغلوں کو پریشان کر رہا تھا۔ یا یہ رُوح ایرلیک کے سرد تحت الثریٰ میں اُتر جائے بادہ زمین ہی پر کہیں مقام کرے گی؟ اپنی قوم کے درمیان، آگ یا بہتے پانی میں، کیونکہ کم تر رُوحوں کا یہی وطن تھا ان سوالات کا جواب سُننا چاہتے تھے۔

بیکی کا قبیلہ یوریان گوت تھا۔ یہ جنگل کے رہنے والوں میں سب سے پُرانا قبیلہ تھا، یہی شمالی آہو رین دلم کر سکتا تھا اور جنگل کی ارواح سے رسم و راہ رکھتا تھا۔ چنگیز خاں نے بوڑھے شامن سردار بیکی کو اس خدمت کیا تھا۔ وہ سفید گھوڑے کی سواری کرتا تھا، سفید کپڑے پہنتا تھا اور عام مجمع میں سب سے اونچی جگہ بیٹھتا تھا۔ بیکی مہم کے لیے نیک سال اور نیک ماہ کا شگون نکالتا تھا۔

اب بیکی نے تدفین کے روز کا اعلان کیا۔ چنگیز خاں کی لاش کی کھڑکھڑاتی ہوئی گاڑی کے ساتھ وہ شہزاد اور سپہ سالاروں کے ساتھ ساتھ سفید سمور پہن کر چلا۔ خیمے سے باہر چراگاہوں کے اس پار طاقت کے پہاڑ بُرخان کا کے گرد کی پہاڑیوں کے دھوپ والے رُخ کے اُس پار۔

یہاں بیکی نے مغلوں کو یاد دلایا کہ خان کو ایک اونچا درخت بہت پسند تھا اور اُس نے کہا تھا کہ اس کا بوڑھے کے لیے بڑے آرام کی جگہ ہے۔ یہاں ایک سربلند صنوبر کے درخت کے سایہ میں جس کے اطراف اور نوجوان

تھے، اس کی قبر کھودی گئی۔

جڑوں کے نیچے جو زمین کھودی گئی تھی، اس میں ایک چھوٹا سا خیمہ نصب کیا گیا جس میں گوشت اور پکا ہوا اناج کمان، ایک تلوار، اس جنگی گھوڑے کی ہڈیاں جس پر خان آخری بار سوار ہوا تھا ——— سب رکھی گئیں۔ گھوڑ ہڈیاں بڑی احتیاط سے آگ میں جلائی جا چکی تھیں۔

چنگیز خاں کی زندگی میں اس کے ساتھ بیس نوجوان اور نازک لڑکیاں رہتیں جو ناچ گا کر اسے خوش کرتی تھیں لیکن قبر کے خیمے میں وہ اپنے پُرانے سمور کے بھورے لبادے پر جنوب کی چراگاہوں کی طرف رُخ کیے اکیلا تھا اور لڑکیاں اس کے ساتھ نہ تھیں۔

پھر قبر بند کر دی گئی اور کچی مٹی کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے دبا دیا گیا۔ تابوت کی گاڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ جھاڑوں کے جُھنڈ میں عود اور کافور جلایا گیا۔ بیکی اور پختہ عمر کے مغلوں نے تصفیہ کیا کہ یوریان گوت قبیلے اُس وقت تک قبر کی حفاظت کرتے رہیں جب تک اطراف کے درخت اتنے بڑے نہ ہو جائیں گے کہ قبر کے ان والے پُرانے صنوبر کو اطراف سے چُھپا لیں۔ جو لوگ جمع تھے، جن کے دل میں سوال تھا، ان کے سوال کا بیکی نے ان طاقت ور لفظوں میں دیا۔

اُس نے کہا: "اب چنگیز خاں کی رُوح اُس کے بدن سے نکل گئی ہے۔"

انھوں نے پوچھا: "نکل کے کہاں گئی ہے؟"

اُس نے جواب دیا: "مغل قبیلے کے پرچم میں۔"

پختہ کار مغل تو یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوئے۔ چنگیز خاں کی رُوح نو یاک کی دُموں والے اسی پرچم میں جو فوج کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ وہاں یہ مغلوں کی رہنمائی اور حفاظت کرتی رہے گی۔

بیکی نے یہ بھی کہا: "اب لوگوں کے سامنے جدِ اعلیٰ کا نام کبھی زور سے نہ لینا۔"

یہ بھی سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ چنگیز خاں کا نام اگر زور سے لیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی رُوح کی پلٹ جائے گی جو نو دُموں والے جھنڈے میں موجود ہے۔ مغل بُرخان کالدون کے درختوں کے اس جُھنڈ کو چھوڑ کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کے چراگاہوں کے اس پار تدفین کا تذکرہ کرتے رخصت ہوئے۔

لیکن پڑاؤ میں بعض بعض کو اس کا یقین نہیں آیا کہ رُوح پرچم میں سما سکتی ہے۔ ان شک کرنے والوں میں قتلغ خاں کی ماں بھی تھی۔

اس سال، جو خنزیر کا سال کہلاتا ہے، قبلائی کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ وہ اپنے بھائیوں سے زیادہ اس کی آنکھیں بھوری تھیں اور بال سیاہ تھے۔ چنگیز خاں کو اس کے بال پسند نہ تھے اور ایک دفعہ اُس نے کہا تھا: "یہ کتنا سانولا ہے۔"

قبلائی جتنا اپنے دادا سے ڈرتا تھا اتنا آسمان کی بجلی سے بھی نہ ڈرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خوف ناک قبلائی کی عمر کے اس عرصے میں زیادہ تر وطن سے دُور، مغرب کے علاقوں کی لڑائیوں میں معروف رہا۔ نو سال میں پہلی مرتبہ وہ اپنے دادا کے سامنے پیش ہُوا جبکہ مغل فوج فتوحات کے بعد آہستہ آہستہ سمرقند کے شمال سے واپس لوٹ رہی تھی۔

چنگیز خاں اس وقت شکار میں مصروف تھا۔ اس موقع پر چنگیز خاں اس لڑکے قبلائی کو پہلی بار کھلانے اپنے ساتھ لے گیا اور کمان سے تیر اندازی سکھانے کے لیے اس کی بیچ کی انگلی پر چربی اور گ مالش کی تاکہ وہ کمان کھینچ کر تیر چلا سکے۔

چنگیز خاں نے اپنے ساتھیوں سے مُڑ کر کہا: "یہ لڑکا قبلائی بڑی سمجھ کی باتیں کرتا ہے اس کو توجہ سے سنو۔"

خان کے منشیوں نے اس جملے کو خان کے اقوال میں نقل کیا ہے۔ جب قبلائی کی ماں نے یہ سُنا مارے خوشی کے باغ باغ ہو گئی، لیکن قبلائی باتونی نہ تھا۔ بہت کم کچھ کہتا تھا۔ اس کا قبلائی سیچین۔ عاقل قبلائی پڑ گیا۔

ابھی وہ اپنی ماں کی یورت ہی میں رہتا تھا۔ ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی اور دلہن جو ماں بنتے اور بچّوں کو پالے پوسے۔

چنگیز خاں اپنی قبر میں دفن ہو چکا تھا۔ قبلائی کی ماں شکوک میں مبتلا تھی۔ اس نے کچھ کہا تو نوجوان لڑکا جانتا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے اپنا غصہ روکے ہے۔

اس کی ماں سیور قطنی بیگی[1] بڑی بہادر اور ذہین عورت تھی۔ وہ ترک نسل کے کرائت قبیلے

---

[1] اس نام کو لکھنا مشکل ہے۔ شامی تاریخ میں یہ سرقوشتی بیگی ہے۔ مغربی راہب جو مغل دربار میں پہنچے لاطینی میں اسے سیروکتین یا سُرکتنی لکھتے ہیں۔ پروفیسر ہیلیوجس نے ٹونگ یاؤ کی تاریخ کا چینی سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے نام سیور قاچیتائی بیگی لکھتا ہے۔ میں نے تاریخ رشیدی (فارسی) سے نقل کی ہے جس میں اس نام کا تلفظ قطنی ہے۔ بیگی (فارسی میں بیگی) شاہزادی کو کہتے ہیں۔

کہ چنگیز خاں نے قبیلوں کو نہیں توڑا تھا کرائت میدانوں کے خانہ بدوش تھے اور جنگل والے چرواہوں سے برتر جاتے تھے۔ ان کا گزر بسر گھوڑوں کے گلّوں پر ہوتا اور اس لیے دشت کے رہنے والوں میں یہ بہت امیر جاتے لیکن اپنے پڑوسی مغلوں کی طرح وہ بھی کمزور اور غریب تھے اور مغلوں کے برعکس وہ کم سرسبز چراگاہوں بیابانوں کے قریب رہا سہا کرتے تھے۔

سیور قوقطنی میں اسی لیے دشت کی عورتوں کی سی غیر معمولی قوتِ برداشت تھی۔ اُسے کبھی اطمینان نصیب تھا۔ اس کی ملکیت اتنی ہی چیزیں تھیں جو آسانی سے بار بردار جانوروں پر اِدھر سے اُدھر منتقل کی جا سکیں — اس کے اپنے کاڑھے ہوئے کپڑے، لوہے کے برتن، منقش ہاتھی دانت کا گلوبند زیور، چیل کی لکڑی کے ڈبّے اور شاید ایک آدھ چاندی کا آئینہ۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے سموروں کی دباغت کی تھی اور انتوں سے تانت اُکھیڑی تھی۔

لیکن وہ حسین تھی، بڑی ذکی تھی اور خطرے کے سامنے اپنی حفاظت کرنے کا ہُنر جانتی تھی کیونکہ وہ کرائت کے وانگ، خان کی بھیجی تھی جو مغلوں سے مقابلہ کرنے میں زخم کھا کے مارا گیا تھا، نستوری عیسائی تھا اور مرنے کے بعد ایشیا کے پرسٹر جان کے نام سے مشہور ہُوا۔ سیور قوقطنی دارھوں والے عیسائی پادریوں کی سُنا کرتی جو اس کے قبیلے میں آ کر ٹھہرتے اور کارواںوں کے راستوں کی خبریں سُناتے۔ وہ آوارہ گرد شامانوں سے ڈرتی تھی جو اس کے اپنے اجداد کے سایوں کی طرح آ کے دھمکاتے اور بھیک مانگا کرتے۔

ان میں سے بعض شامان لمبے لمبے بالوں والے نجمی تھے۔ ان کا تعلق اس پُرانی تاریک دنیا سے تھا جس سے سیور قوقطنی بچ نکلنا چاہتی تھی۔

اس کے پڑوسیوں میں ذہین الغور تاجر بھی شامل تھے جو آوارہ گرد مغنیوں کے ساتھ ساتھ سفر کرتے اور اس کے ہاتھ ختا کا بنا ہُوا ریشمی اطلس فروخت کرتے، جسے خرید کر وہ بہت خوش ہوتی۔

سیور قوقطنی ان مغنیوں کی باتیں سنتی جو دور دراز باتوں کا ذکر کرتے اور وہ اپنے چہرے کی پپڑیوں پر جلد ملائم کرنے کے لیے دہی مَلتی۔ وہ بڑی دل کش لڑکی تھی اور ابھی وہ چھوٹی ہی سی تھی کہ اس کی شادی تولوئی کر دی گئی تھی، جو مغل خان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ چونکہ وہ اس کی پہلی بیوی تھی، اس لیے اسی کی اولاد اول کی وارث تھی۔

خان کے مسلسل دھاووں کی وجہ سے تولوئی کا بیشتر وقت زین پر گزرتا اور وہ اس کے ہم رکاب رہتی۔

اُسے پیچھے خاندانِ زریں کے ساتھ یورتوں میں گزارنا پسند نہیں تھا۔ اب اس کا اپنا خیمہ تھا کے مالِ غنیمت مالا مال ہو گیا تھا۔ ریشم کے پردے، موتی کی جھالر اور چاندی کے عود دانوں میں عود۔ لیکن سیور قوقطنی کا اطمینان نہ ہوا تھا۔ وہ اپنی چوٹی میں سونے کے پھول گوندھتی اور سر پر پروں کی کلغی لگاتی۔

اس نے اپنے تیسرے بیٹے قبلائی کو تنبیہاً سمجھایا: "لیکن جو چابک تمھارے ہاتھ سے گم ہوتا ہے، وہ ہے جس کا سرا سونے کا ہوتا ہے۔"

وہ چاہتی تھی کہ خاندانِ زریں کی اس نئی سلطنت میں اس کی اولاد کو وہ فراغت اور اطمینان نصیب ہو جو خود اُسے میسر نہ تھا۔ وہ چاہتی تھی، چاہے کچھ ہو جائے اس کے بیٹے ایسے مضبوط ہو جائیں کہ دوسروں کے مقابلے میں زندہ بچ سکیں۔

قبلائی پیدا تو سمور کے خیمے میں ہوا تھا، لیکن اس نے بڑے ناز و نعم سے پرورش پائی تھی۔ اُس نے قیمتی کی چمک اور صفائی محسوس اور مس کی تھی۔ وہ اسے چینی ساٹن کے کپڑے اور لومڑیوں کے پیٹ کے نرم اور چمڑے کے سمور پہناتی۔ اس کا باپ چنگیز خاں کا محبوب فرزند اور تولوئی تھا اور مغل فاتح ہمیشہ اسے اپنے ساتھ لیے پھرتا۔

وہ ہنس کے اپنے بیٹے سے کہتی: "میرے خیال میں تو تو سمجھ کی بات بالکل نہیں کرتا، لیکن وہ (چنگیز خاں) باتوں کو سمجھداری کی باتیں کہا کرتا تھا اور جو کچھ وہ کہے ٹھیک ہے۔"

یہ ثابت کرنے کے لیے سیور قوقطنی نے بڑی جرأت سے قدم اٹھایا۔ اس نے اپنے بیٹے کو پڑھنا لکھنا ... چنگیز خاں اور تولوئی کو پڑھنا نہیں آتا تھا۔

لیکن سیور قوقطنی جانتی تھی کہ پڑھے لکھے لوگ کسی اور ہی دنیا میں رہتے ہیں۔ عاقلوں کے الفاظ ا... ہوتے ہیں اور ان کے ذہن میں وہ وہ تصورات آتے ہیں جن کا دنیا کے معمولی حالات سے کوئی تعلق نہیں۔ دنیا ... حصّوں میں بادشاہ اور امیر علم اور عقل کی اس دولت کے خزانے سے بڑا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مغل بوڑھیوں نے اس سے کہا: "بچھڑے پر دونوں پاؤں ایک طرف کر کے بیٹھ جاؤ تو سواری نہیں ... خالی پڑھ لینے سے آدمی فاضل نہیں بنتا۔"

قبلائی کی ماں نے تنگ کے جواب دیا: "اُدگے . . . . بیوقوفوں سے بات چیت کرنا ایسا ہی ہے ... گائے کے سینگوں پر اناج بونا۔"

اس کا گھر بار بہت بڑا ہو گیا تھا، کیونکہ تولوئی کی پہلی بیوی کی حیثیت سے اس کے یہاں سپاہی تھے، جو گلوں کی حفاظت کرتے، نوکرانیاں تھیں، پیغام لے جانے والے قاصد تھے، معمولی کام کاج کرنے کے لیے جنگ میں پکڑے ہوئے غلام تھے —— ان میں اس نے دو عالموں کا اضافہ کیا۔

ان میں سے ایک ایغور تھا، کاروانوں کے شہر کا رہنے والا پڑھا لکھا خرد ماغ تاجر۔ دوسرا ایک چینی تھا جو ... تربیت کرتا لیکن جو قلم اور روشنائی سے عجیب و غریب معجزے نقش کرتا۔ ان کی شاگردی میں قبلائی خاں نے ان باتوں کے متعلق معلومات حاصل کرنی شروع کیں جو اس نے اپنی آنکھوں سے کبھی نہ دیکھی تھیں اور اس حد تک اس کی ماں بہت مطمئن تھی۔

لیکن جو چیز اسے کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، یہ تھی کہ باپ کی جگہ تولوئی خان نہیں نامزد ہوا تھا۔

کیونکہ چنگیز خاں نے صاف صاف الفاظ میں حکم دیا تھا جس کی بے چون و چرا تعمیل ضروری تھی۔ قبائلی دستور کے مطابق اس نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے تولوئی کو مغلوں کے اپنے وطن کی چراگاہیں دی تھیں۔ تولوئی اُچی گین تھا، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ الاؤ کی آگ فروزاں رکھے۔ دیوارِ چین سے لے کر سیور قوقطنی کے وطن تک دشت اس کے قبضے میں تھا اور فوج کا بیشتر حصہ۔

اُس نے تولوئی کو یاد دلایا: "مغلوں اور ترکوں کا پرانا دستور چلا آتا ہے کہ باپ اپنے بڑے بیٹوں میں دولت اور ریوڑوں کے گلّے اور اپنے ساتھیوں کو تقسیم کر دیتا ہے۔ جو کچھ بچ رہتا ہے، وہ سب سے چھوٹے بیٹے کی ملکیت ہوتا ہے جو اُچی گین کہلاتا ہے۔ باپ کے گھر کی بنیاد اور اس کی حفاظت اسی کا فرض ہوتا ہے۔"

"ہم سب جانتے ہیں کہ چنگیز خاں اپنی سلطنت کا تاج تیرے سپرد کرنا چاہتا تھا، لیکن آخر میں اُس نے کہا: یہ بہتر ہوگا کہ گھر کی اُردو اور فوج کی نگہداشت تمھارے سپرد ہو۔ اس سے تم کو زیادہ اطمینان نصیب ہوگا اور چونکہ تمھاری فوج میں ہزارہا جنگجو سپاہ ہو گی، تمھاری اولاد دوسرے شہزادوں سے زیادہ طاقتور رہے گی۔"

یہ الفاظ جو اُس کی بیوی کے خزینۂ دل میں تھے، تولوئی نے سُنے اور پھر ان کی طرف دھیان نہ دیا۔ خان کا تخت و تاج اُسے نہ مل سکا۔ یہ چنگیز خاں نے اس کے خوش طبع اور بلا نوش بھائی اوغدائی کو بخشا تھا۔

یہ تولوئی کی بیوی کو بہت ناگوار گزرا تھا، کیونکہ تخت تولوئی کا حق تھا۔ اوغدائی کو اور سب کی طرح وہ بھی پسند کرتی تھی، لیکن اوغدائی کی پہلی بیوی سے، جو گلا پھاڑ پھاڑ کے باتیں کرتی تھی اور بڑی وحشی عورت تھی، اسے نفرت تھی۔

سیورقوقطنی نے اپنا غصّہ ظاہر نہ کیا۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ ایک شخص جو اب مرچکا تھا، اس کے بیٹوں ان کے پیدائشی حق کے درمیان، اپنے الفاظ سے، ایک دیوار حائل کر گیا ہے اور اس نے خاموشی سے عہد کہ وہ اس دیوار کو ڈھا کے رہے گی۔

اس نے تولوئی سے اس کے متعلق اور کچھ نہ کہا۔ اگر وہ اس کے سامنے چنگیز خاں کی وصیت کے متعلق شک وشبہ کا اظہار کرتی تو وہ اسے پاگل سمجھتا۔ اس کے علاوہ تولوئی کو اپنے بھائی سے بہت محبت تھی۔

لفظ تولوئی کے معنی ہیں، آئینہ۔ اپنے خاندان کے ساتھ وہ بہت مہربانی سے پیش آتا، لیکن عرصۂ جنگ وہ بڑا نڈر اور بے خطر تھا۔ چونکہ وہ سب سے چھوٹا بیٹا تھا، اس لیے وہ چنگیز خاں کے ساتھ ساتھ زین ہی پر جم سے بڑا ہوا تھا۔ چونکہ اسے خطرے کی کوئی پروا نہ تھی، اس لیے خطرناک سے خطرناک مہم کے لیے اسی کا انتخاب جاتا اور اب وہ خان کے حفاظتی دستے اور نوّے ہزار فوج کا سپہ سالار تھا۔

مورخ رشیدالدین کا بیان ہے کہ "تولوئی منان چنگیز خاں کا چوتھا بیٹا تھا۔ چار(۱) میں جو سب سے تھا، اسے کوئی اپنی جگہ سے ہلا نہ سکتا تھا۔ گویا وہ چاروں مضبوط ستون تھے۔ چنگیز خاں اسے اپنا وفادار "نوکر" کے پکارتا تھا۔ شجاعت اور جنگی فراست میں اس کا جواب نہ تھا۔ وہ ابھی چھوٹا ہی تھا کہ اس کے باپ نے اونو (وانگ خاں) شاہ کرائٹ کی بھتیجی سے اس کا پیام بھیجا۔ اس کا نام سیورقوقطنی بیگی تھا اور وہ تولوئی کی پہلی ا حرم بھر میں اس کی محبوب بیوی تھی۔ وہی اس کے چاروں مشہور بیٹوں کی ماں بنی، جو چنگیز خاں کے چار بیٹوں طرح سلطنت کے رکن رکین تھے۔"

جب تولوئی شراب کے نشے میں نہ ہوتا تو اپنے خاندان سے اس کی وفاداری کے جذبے کی کوئی انتہا نہ وہ ہوش میں ہوتا یا مدہوش، وہ یہ کبھی نہ فراموش کر سکتا کہ وہ چنگیز خاں کے خانوادے میں اولاد کا محافظ ہے۔

تولوئی نے سیورقوقطنی سے کہا، "اس نے (چنگیز خاں نے) ہم سب سے کہا تم سب ایک دل ہو اور دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑو اور اُس نے ہم میں سے ہر ایک کو حکم دیا کہ ایک ایک تیر اٹھا لائے، پھر تیروں کو اپنے میں اکٹھا کرکے ہم میں سے ہر ایک سے اُس نے کہا کہ تیروں کے اس گچھے کو توڑ دو تو سہی۔ کسی میں اتنی طاقت تھی کہ تیروں کے اس گچھے کو توڑ سکتا، پھر مجھ سے کہا کہ میں سب سے چھوٹا تھا، اُس نے کہا کہ ایک ایک تیر الگ کرکے توڑ دو اور میں نے آسانی سے ایک ایک تیر کو الگ الگ کرکے توڑ دیا۔

"اس نے دوسروں سے پوچھا جو تیر میں نے تمھیں ایک ساتھ دیے تھے، تم کیوں نہ توڑ سکے۔"

"انھوں نے جواب دیا، اس لیے کہ بہت سے تیر باہم بندھے ہوئے تھے۔

"تو پھر چھوٹا بھائی انھیں کیسے توڑ سکا؟"

"کیونکہ جب تیر الگ کر دیے گئے، تو اس نے ایک ایک کرکے سب توڑ ڈالے۔

تب اُس نے کہا "یہی حال تمھارا بھی ہوگا۔ جب تک تم سب اکٹھے ہو اور یک دل ہو، تم سلامت رہو گے۔ اگر تم الگ ہو جاؤ گے تو تمھارا بھی زور ٹوٹ جائے گا۔"

تولوئی کی بیوی پر یہ بات روشن تھی۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔

تولوئی نے اُسے یقین دلایا۔ "اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کی اولاد زریں کپڑے پہنے گی، اچھے سے اچھا گوشت کھائے گی اور اعلیٰ درجے کے راہواروں پر سوار ہوگی۔ جوان اور حسین دوشیزاؤں کو سینے سے لگائے گی اور اس وقت وہ یہ بھول جائیں گے کہ کس شخص کی بدولت انھیں یہ ساری نعمتیں میسّر آئیں۔"

تولوئی اس کا تصور ہی نہ کر سکا کہ لوگ یہ بھول بھی سکتے ہیں۔

اس کی بیوی سیورقوقطنی یہ سمجھنے لگی کہ تولوئی ایک مرے ہوئے شخص کے الفاظ کا پابند بن چکا ہے اور جو خاندان اس کے دماغ میں بسا ہوا ہے وہ محض اس کی اپنی اولاد نہیں ہے۔

اس کے علاوہ تولوئی بہت بدل گیا تھا۔ اس کی عمر پینتیس سال سے کچھ اوپر تھی، مگر وہ محض ڈھانچا ہو کر رہ گیا تھا۔ انگوری شراب کا جام کبھی اس کے ہاتھ سے دُور نہ رہنے پاتا۔ ان کے ساتھ وہ چینی الکحل پیتا جس سے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور اس کے سر سے پسینہ ٹپکنے لگتا۔ وہ بڑی چڑچڑا رہ گیا تھا اور اکثر سوتے میں وہ کانپتا ہوا چونک پڑتا۔ اس کی راتیں ان اجنبی عورتوں کے ساتھ گزرتیں، جن کو وہ اپنے آخری دھاوے میں پکڑ لایا تھا اور اس طرح اس کی طاقت ختم ہو رہی تھی۔

نوعمر قبلائی کے واسطے اس کا باپ جس کی حکومت فوج کے جم غفیر پر تھی، محض ایک اجنبی تھا اور وہ اس سے اس قدر ڈرتا تھا جیسا اپنے مرے ہوئے دادا سے۔

پہلی قرولتائی

اس عظیم المرتبت جدِ امجد کی تدفین کے بعد، دو سال تک مغل انتظار کرتے رہے۔ ان کی سمجھ میں اچھی طرح نہیں آتا کہ مل جل کر کیسے قدم اٹھائیں اور کون میدانِ عمل میں انھیں طلب کرے گا۔ خاندانِ زرّیں کے شہزادے جو دور دراز

چراگاہوں میں منتشر تھے، اپنے نئے گلّوں کو یک جا کرتے رہے۔

ان کے مورّخ رشید کا بیان ہے: "جیسے آپس میں طے تھا سب اپنے اپنے گھروں کو گئے اور دو سال آرام کرتے رہے۔ دو سال تک کوئی ان پر حکمران نہ تھا اور اب وہ یہ سوچنے لگے کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو کوئی ایسا ہو جو ان پر حکومت کر سکے۔"

پھر ایک مبہم سی بے چینی اُن میں پھیلنے لگی۔ ایک دوسرے سے دُور ہونے سے وہ مل جُل کر باتیں نہ کر سکے۔ ان کے کان چنگیز خاں کی آواز سے محروم تھے۔ بے شک یہ ممکن تھا کہ چنگیز خاں کی سُولدہ رُوح، اُو دُمون والے میں موجود ہو، جو آبائی چراگاہوں کے پاس گڑا ہوا تھا لیکن اس سے وہ پہلے کی طرح مشورہ نہیں حاصل کر سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یکی اور اس کے شامان اب بھی جاودانی آسمان سے باتیں کیا کرتے تھے — لیکن ہوتا تھا کہ جاودانی آسمان مغلوں کے لیے کوئی خاص فرمان نہیں صادر کر رہا ہے۔ اگر وقت پڑے تو کون سرداری کرے گا۔

اس میں کیا شک کہ چنگیز خاں کی جانشینی کے لیے کسی زندہ سردار کی ضرورت تھی، جو زرّیں خاندان کا ہو اور جس کو یہ خاندان اپنے سردار کی حیثیت سے نامزد کرے۔ تولوئی کو اس کا احساس تھا، چنانچہ بارہ برسوں کی جنتری کے لحاظ سے بیل کے سال یعنی ۱۲۲۹ء میں، جاڑوں کے آخر میں اس نے اپنے عزیزوں کے پاس چاروں طرف قاصد بھیج کر ایک قرولتائی طلب کی۔

چنگیز خاں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ پابندی سے اس طرح کی قرولتائی میں وقتاً فوقتاً ملتے رہا کریں۔ خان نے مغل قبیلوں سے کہا تھا: "جو کوئی دُور کے ملک میں رہ جائے گا اور قرولتائی میں نہ ہوگا، اُس کا حشر اس تیر کا سا ہوگا، جو گہرے پانی میں جا گرے یا اُس تیر کا جو اونچی اونچی گھاس میں جا گرے۔ وہ نیست و نابود ہو جائے گا۔" اس پہلی قرولتائی میں سب شریک ہوئے۔

مورّخ رشید الدین نے اس سال کے وقائع میں لکھا ہے: "جب جاڑوں کی گرفت کمزور ہوئی اور بہار کے آثار نمایاں ہوئے تو ہر خطّے سے شاہزادوں اور سرداروں نے اس پرانے یورت اور اُردو کے محلّے کا رُخ کیا۔"

سپہ سالار اور جنگجو سوار شمالی چین سے آنے لگے جہاں ابھی تک جنگ ہو رہی تھی۔ ایک چچا منچوریا کی طرف سے سفید پہاڑوں سے نمودار ہوا اور اپنے ساتھ تاتاریوں اور تازہ مفتوح لیاؤ تنگ کے سرداروں کو لیتا آیا۔

دشت روس کے دامن کے مغربی جنگلوں سے جو تین ہزار میل دُور تھے، ایک نوجوان جس کا نام باتو تھا، اپنے لشکر کے ساتھ آیا۔ باتو خان جوچی خاں کا فرزند تھا اور جنگل کے رہنے والے اس کے زیر حکومت تھے، کیونکہ مغرب کی زمینیں اور قومیں جوچی کا ورثہ تھیں۔

چغتائی اپنے علاقے سے آیا جو جنوب مغرب کے پہاڑوں میں التائی سے لے کر سمرقند کی دور و دراز وادی تک پھیلا تھا۔ چغتائی خاں، چنگیز کے زندہ بیٹوں میں سب سے بڑا تھا۔ یہ اپنے ساتھ ایغوروں، قراختائیوں اور لمبے قد والے پہلوانوں کو لایا جو لمبے لمبے لبادے پہنتے تھے۔ اس کا سامان اونٹوں کی قطاروں پر لدا ہوا تھا اور تبت کے یاک اس کے ساتھ گاڑیوں میں جُتے ہوئے تھے۔

چغتائی کے معنی ہیں جنگلی گھوڑا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح پکا خانہ بدوش تھا، محافظ حکم سخن اور قبائلی رسوم کا بڑا حامی۔ بلا کی شراب پیتا اور سخت سزائیں دیتا۔ نئی نئی عورتیں تلاش کرتا، لیکن تولوئی کی طرح کسی عورت کے اثر میں نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک جادوگر رہتا، جو اپنے شعبدوں سے اس کے اوہام کے لیے غذا فراہم کرتا رہتا۔

چغتائی خود تو شعبدوں کے متعلق سوچ میں لگا رہتا مگر اور لوگ اس کے غصّے سے ڈرتے تھے، وہ اپنی پہاڑی کے پتھروں کی طرح سخت دل تھا۔ اس کے علاقوں میں سڑکوں یا شہر کے دروازوں پر کہیں محافظ تعینات نہ تھے۔ کہا جاتا تھا کہ اس کے علاقے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اگر کوئی دوشیزہ اکیلی، سر پر سونے کا گھڑا لیے سفر کرتی رہے، تو بھی کوئی اسے چھیڑنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

دوسرا بھائی اوغدائی دریائے ییمی سی کے قریب سے جہاں اس کا علاقہ تھا اپنے کرغیز اور ترک قبائلیوں کی معیت میں آیا۔ اس کے ساتھی بھیڑیے کی کھالیں پہنے تھے جن پر چاندی کا کام چمک رہا تھا۔ اس کی گاڑی پر سونے کا ملمع تھا اور اس کے سر پر شامیانہ تانے تھے، کیونکہ اوغدائی کو ٹھاٹھ کے ساتھ آرام سے بیٹھنا پسند تھا۔ وہ بڑے مزے سے کھاتا پیتا تھا اور بڑا خوش طبع تھا، لیکن اس کی بھوری بھوری آنکھیں ذرا ذرا سی چیز کو تاڑ لیتیں اور اسے غصّہ آتا، تو وہ آپے سے قابو سے باہر ہو جاتا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس کی بڑی بیوی تورا کینہ سوار تھی، جس کے دونوں بازو کڑوں کے بوجھ سے دبے جا رہے تھے اور جس کے سر پر پروں کی کلغی تھی۔ بھاری بھرکم، رعب داب والی عورت تھی۔ وہ ایک مرکیت سردار کی بیوی تھی، جس کو مغلوں نے قتل کیا تھا اور اوغدائی نے اسے اپنے لیے حاصل کر لیا تھا۔ ایک مورّخ کا بیان ہے کہ "اس کی شکل قطع مردانہ تھی اور صرف اوغدائی ہی کو وہ حسین نظر آتی تھی۔" اوغدائی اس کی ہر ہٹ پوری کرتا اور اس کی باتوں کی

انتہا نہ تھی۔

چغتائی کے خشک مزاج اور تولوئی کی مشتعل طبیعت میں ایک چیز مشترک تھی۔ دونوں کی فطرت حا
اور کسی اور کی بات نہ مان سکتی تھی۔ دونوں نے تباہ کن لڑائیوں اور قتلِ عام میں عمر گزاری تھی اور دونوں اوغ
بہت چاہتے تھے۔

پہلے تو تینوں میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ تولوئی نے، جو الاؤ کا رکھوالا تھا، بڑی مسرت
اپنے بھائیوں کا کیرولان کے پانی کے کنارے قردلتائی میں خیر مقدم کیا۔ اس نے ان کا استقبال کر کے کہا: "ابا تو
دیکھو چولھے کی آگ نہیں بجھنے پائی، اب بھی جل رہی ہے۔"

جب آخری رشتہ دار منزل پر پہنچ چکا اور مختلف اُردوؤں کا گشت لگا چکا تو تولوئی نے جمع شدہ قبا
میزبانی کی خدمت انجام دی۔ اس نے شرابوں کے چھکڑے اور ہزارہا بھیڑیں منگوائیں۔ اس نے ضیافت ؎
میں نویانوں، بیگوں اور ترخانوں کو طلب کیا۔

صبح کو گھوڑ دوڑ ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے جو گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں پر قابو رکھ سکتے تھے زینوں کے
میدان میں بارہ بارہ میل کا چکر کاٹ آئے۔ دوپہر کو تینوں بھائی شراب پینے بیٹھے۔ یہ جان کر کہ اوغدائی کو کشتی
کا بہت شوق ہے، اُس نے دنگل میں سپاہیوں اور شامانوں کی کشتیاں لڑوائیں۔ پہلوان کمر تک برہنہ ایک دو
پر داؤں چلاتے یا لاتیں مارتے تا آنکہ ہڈیاں ٹوٹ جاتیں اور ایک فریق زمین پر اس طرح گرتا کہ پھر اٹھ نہ پاتا
رات بھر مغل خوشی کے عالم میں شراب پیتے رہے۔ قردلتائی کے طویل شامیانے میں وہ گوشت نگلتے،
دکھایا جاتا تو قے کرا تے اور پھر اور نگلتے۔ وہ موم دار مشعلوں کی روشنی میں کہانیاں سنتے یا کٹھ پتلیوں کے
کا تماشا دیکھتے۔

مغلوں کو اگر پیٹ بھر کھانا مل جاتا اور سر گرمانے کو شراب مل جاتی تو پھر انھیں دنیا میں کسی بات کی
رہتی۔ جب کوئی پیالہ یا اناج کی شراب کا جام ختم کرنا چاہتا تو اس کے ساتھی اُس کے کان پکڑ کر کھینچتے
اس کا حلق اور لمبا ہو جائے اور ساری شراب اُتر جائے۔ جب تینوں بھائیوں نے شراب پینی شروع کی تو
نے ساز چھیڑا، نے کا نغمہ بلند ہوا اور مدہوش سردار، مدہوشی کے عالم میں لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے اور ناچنے
اور زمین پر اپنے نوک دار جوتوں والے پاؤں پٹکنے لگے۔

اس شاہانہ ضیافت میں کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا الفاظ کہہ کے دوسرے کو چنگیز خاں کے تخت

لائے جس کی شوادہ روح یقیناً اس ضیافت کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ زیادہ تر نویانوں کی رائے تولوئی کے حق میں تھی، جس
پھر چنگیز خاں نے فوج کا بیشتر حصہ کر دیا تھا۔

وہ کہتے تھے "یہ وہی سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔ میمنہ اور میسرہ کے سردار اُسی کے چیلا کر رہا؟"

دوسرے اس رائے سے اتفاق کرتے "تولوئی ہی اعتماد کے لائق ہے لیکن چغتائی سب سے بڑا ہے اور اس
جنگل ہرن کی سی پھرتی ہے۔"

ایک سردار جو چنگیز خاں کا مقرب خاص تھا کہنے لگا "جب جدِ عظیم اپنے بیٹوں کی طبیعتوں پر غور کر رہا تھا، تو
کبھی وہ اوغدائی کے متعلق سوچتا، کبھی تولوئی کے۔ اگرچہ قدیم زمانے سے مغلوں کا یہی دستور چلا آتا ہے کہ ورثہ اور
باپ کے پہلے گھر کا سب سے چھوٹا بیٹا وارث ہوتا ہے لیکن چنگیز خاں کا یہ ارشاد تھا کہ خان کا فرض بڑا مشکل ہے
—— اوغدائی کو چاہیئے کہ اسے سرانجام دے۔ مال، مویشی اور فوجوں کی دیکھ بھال کا کام تولوئی انجام دے۔ یہ اس
کا قول تھا اور اس کا قول بھلایا نہیں جا سکتا۔"

خاموشی سے سب نے یہ بات مان لی۔ کس احمق کی مجال تھی کہ جدِ اعظم کے فرمان سے سرتابی کرے۔

ایک اور نے کہا: "اس کا یہ بھی ارشاد تھا کہ ہم میں سے جس کو مشورے کی ضرورت ہو، وہ چغتائی کے پاس
جائے۔ جو دولت یا عیش و آرام چاہتا ہو، اوغدائی کے پاس جائے اور جو قوموں کو فتح کرنا چاہتا ہو وہ تولوئی کا
ساتھ دے۔"

اس کے بعد پھر شراب کا دور چلا اور سب اس قدر مدہوش ہو گئے کہ دربان غلام انھیں پکڑ پکڑ کے صبح کے
وقت انھیں اٹھا نے لگے اور بیویاں ان کو اپنی بیویوں کے پاس لے گئے۔ یہ سلسلہ چالیس روز تک جاری رہا۔

اس قردلتائی میں کوئی عورت شامل نہ ہو سکتی تھی۔ توراکینہ بے چینی سے انتظار کر رہی تھی کہ قردلتائی کے
دروازے سے قاصد کیا پیغام لاتے ہیں۔ ہر رات سیدھ تو قلتی شراب کے نشے سے چور تولوئی کی باتیں سنتی اور اپنی
پریشانی ظاہر نہ ہونے دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ قردلتائی کا اکثریت کی یہ خواہش تھی کہ اس کا شوہر خان بنے۔ یہ ہو جائے
تو پھر اسے اطمینان تھا کہ اس کے بطن کی اولاد سلطنت کی وارث ہو گی۔ تولوئی زیادہ دن نہیں جئے گا۔

اُدھر تولوئی اور چغتائی دونوں اوغدائی کو سمجھا رہے تھے کہ وہ تخت و تاج کو قبول کر کے خاقان یا شہنشاہ
بنے۔ اوغدائی جس کے چہرے پر جنگ کے داغ تھے اُٹھ کھڑا ہوا اور بڑی تمکنت سے اُس نے قردلتائی کے سامنے کہا:
"جاودانی آسمان کی طاقت سے ہمارے باپ نے خانِ اعظم کا مرتبہ حاصل کیا اور اس کے حکم کے مطابق

اس کے وارث تم ہو۔"

کم سخن چغتائی نے تائید کی "بالکل ٹھیک۔"

اوغدائی نے جواب دیا "یہ صحیح ہے کہ والد کا حکم واجب التعمیل ہے، لیکن ابھی میرے چچا اور بھائی زندہ ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ میرا چھوٹا بھائی اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں ہے، کیوں کہ کے قاعدے قانون کے مطابق سب سے بڑے گھر کے سب سے چھوٹے بیٹے کو باپ کا قائم مقام بن کے یوت پر حکومت کرنی چاہیئے۔ تمھارا ایکا نویں اس اردوئے معلّیٰ میں سب سے چھوٹا بیٹا ہے۔ دن رات والد کی خدمت کرتا رہا اور آئندہ کے لیے قوانین سُنتا رہا۔ جب وہ یہاں موجود ہے تو اس کے ہوتے ہوئے بڑ کے تخت پر کیسے بیٹھ سکتا ہوں؟"

اگر کسی اور کا انتخاب ہوتا تو بھائیوں کی آپس کی رقابت سے کیا نتیجہ نکلتا، اس کا اندازہ کرنا مشکل لیکن قرولتائی میں ایک شخص موجود تھا، جو اُن سے زیادہ روشن دماغ تھا۔ یہ چین کا ایک فلسفی تھا اور اس تنازعے کو طے کرادیا۔

یے لیوچیت سائی

اُس کی عمر اُنتیس سال تھی، معمول سے زیادہ دراز قد تھا، مونچھ اور داڑھی لمبی تھی —— چینی اُ لمبی مونچھوں والا کہتے تھے —— یے لیوچیت سائی نے اپنی طبیعت اور اپنی زبان پر قابو رکھنا سیکھ لیا وہ ختا کے ایک شاہی خانوادے کی نسل سے تھا اور اس کے باپ نے بڑی وفاداری سے کِن خاندان کی خدم انجام دی تھی۔ یے لیوچیت سائی لڑکپن ہی سے کتابوں کا کیڑا تھا۔ ریاضیات کا ماہر تھا اور جنتری سازی میں ا نے نئے نئے تجربے کیے تھے۔ اسے اس کا بڑا شوق تھا کہ جغرافیہ کے نکات حل کرے۔ وہ چینی علم ہیئت ۔ مطمئن نہ تھا اور اس نے اپنے لیے ستاروں کا نیا حساب تیار کیا تھا۔ خالص فلسفہ کو زندگی پر منطبق کرنے میں ا خاص مہارت حاصل تھی۔ وہ کتابوں کو ایک طرف رکھ کے اسی سہولت سے انسانوں کے مسائل حل کرسکتا تھ بیس سال کی عمر میں وہ ین کنگ کا گورنر مقرر کیا جاچکا تھا۔

جب مغلوں نے اس شہر کو فتح کیا تو چنگیز خاں اس کے دراز قد اور اس کی گہری آواز سے بہت زیا متاثر ہوا۔

بوڑھے مغل نے سوچ کے اُس سے کہا تھا "اہلِ کِن اہلِ ختا کے دشمن ہیں اس لیے ایک طرح سے میں نے کا انتقام لے لیا ہے۔"

یے لیوچیت سائی نے جواب دیا "میرا باپ اور میں ہمیشہ کِن خاندان کی خدمت انجام دیتے رہے تو پھر ہم کے دشمن کیسے ہوئے؟"

یہ صاف صاف جواب مغل خان کو بہت پسند آیا، جس نے اس نوجوان وزیر کو نوکر رکھ لیا اور یہ سمجھ لیا کہ اگر اہلِ کِن سے وفادار رہ سکتے ہیں تو اس پر بھی اس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ وہ مغلوں کی مدد کرتا رہے گا۔ وحشی ظلم کو ارسطو جیسا مشیر مل گیا تھا۔ شروع شروع میں چنگیز خاں یے لیوچیت سائی سے صرف نجوم کی فال کی حد تک لیتا، لیکن اس ختائی نے اپنی فراست کو بڑی خوش اسلوبی سے استعمال کیا۔

ایک مرتبہ جب وہ مغلوں کو مغربی یلغار کے لیے لیے جا رہا تھا، تین فٹ اونچی برف گری۔ چنگیز خاں کے شک پیدا ہوا اور اس نے یے لیوچیت سائی سے پوچھا کہ اس سے کیا فال نکالنی چاہیئے؟

ختائی نے فوراً جواب دیا "اس کا مطلب یہ ہے کہ شمال کے سرد علاقے کا مالک جنوب کے گرم علاقے کے پر فتح حاصل کرے گا۔"

اور ہوا بھی یہی۔ ایک منگوت، جو کمان بنانے میں بڑا مشّاق تھا، اس فاضل چینی کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا پوچھا کہ "پڑھنے لکھنے والے کو بھلا سپاہ سے کیا سروکار ہو سکتا ہے؟"

لیوچیت سائی نے کڑک کر جواب دیا "کمانیں تو بڑھئی بھی بنا سکتا ہے، لیکن سلطنتوں پر حکومت کرنے قابل وزیر کے مشورے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

چنگیز خاں کو یہ جواب بہت پسند آیا، پھر بھی وہ اس ختائی کی پیشین گوئیوں کی مزید تصدیق پرانی قبائلی فال اس سے کرلیا کرتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا ایک بھیڑ کی ران کی ہڈی کو آگ میں جلایا جاتا اور اس میں جو پڑتے انھیں غور سے دیکھ کر فال نکالی جاتی۔ وہ یے لیوچیت سائی کے ذہن کو اسی طرح استعمال کرتا جیسے ناقابلِ عبور ندی کو پار کرنے کے لیے لکڑیوں کو پُل بنانے کے واسطے استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنے مشیر سے ایک منطقی کا طالب تھا اور یہ نادر صفت یے لیوچیت سائی میں موجود تھی۔

اس سخت گیر فاتح کا مقابل اگر کوئی تھا تو یہ فلسفی۔ وہ دنیادار مغلوں کے دل کی حالت اس آسانی سے پڑھ جیسے کوئی کتاب پڑھتا ہو، لیکن وہ اسے سمجھ نہ پاتے تھے۔ وہ کنفیوشس کا پیرو تھا اور ایک ایسے مبہم اُکھڑ کردار

کا پابند تھا جو ان وحشیوں کی حدِ ادراک سے باہر تھا۔

ایک مرتبہ ہمالیہ کے نشیب کی گھاٹیوں میں چنگیز خاں نے خواب دیکھا کہ اس کے راستے میں عجیب و غریب جانور نمودار ہوا جس کی شکل ہرن کی سی تھی، لیکن رنگ سبز تھا اور اس کا ایک ہی سینگ تھا۔ پر اس خواب کی تعبیر کے لیے اس نے یلیو چیت سائی کو بلا بھیجا۔

خان نے کہا: "یہ جانور انسانوں کی زبان بولتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا واپس لوٹ جاؤ —— فوراً"

ختائی نے سنجیدگی سے جواب دیا: "وہ عجیب و غریب جانور کیو توان تھا جو ہر زبان جانتا ہے۔ انسانوں سے محبت کرتا ہے، قتل و غارت سے نفرت کرتا ہے۔ اس کا خواب میں نمودار ہونا تمھارے لیے ہے۔ تم جو خاقان ہو، تمھیں آسمان کی طاقت عطا ہوئی ہے، لیکن دنیا کی زندہ آبادی تمھاری اولاد کے ذمہ دار ہو۔"

چنگیز خاں نے اس کے متعلق جا ہے جو رائے قائم کی ہو، آتنا ضرور ہوا کہ ہمالیہ کے راستے وہ جو سفر کا ارادہ کو اس نے ترک کر دیا۔

اس طرح قتل و غارت کی آندھیوں میں یہ لمبی مونچھوں والا چینی سب کے ساتھ سوار چلتا رہا اور ر... کی کوشش کرتا رہا اور اس غارت و تباہی سے کسی نہ کسی طرح کا نظم و ضبط پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ مغربی علاقوں کے جغرافیہ کی پیمائش کرتا جاتا اور جڑی بوٹیاں اور پھلوں کے نرانے جمع کرتا جاتا۔ جب ... میں وبا پھیلی تو اس نے فلسفیوں کی طرح انتقام لیا۔ انھیں خوب لعاب دار دوائیں کھلا کے ان کا علاج ...

وہ چینی معتمد تھا اور اس کے ساتھ بوڑھے مغل کے دو مشیر اور تھے۔ محمود یلواچ ایک عاقل ترک جو الیغوری تھا۔ یہ پڑھا لکھا آدمی تھا اور اسے مغلوں نے یہ لقب دے رکھا تھا۔ مغل ان تینوں عاقلوں کی ... کرتے تھے، جو محض اپنی بے خوفی کی وجہ سے قیدی سے وزیر کے مرتبے تک پہنچے تھے۔ تولوئی کم لمبی مونچھ چینی کی باتیں بہت توجہ سے سنتا

جب چالیس روز کے تذبذب کے بعد قوریلتائی میں پھر مباحث گونجنے لگے تو یلیو چیت سائی نے تولوئی سے کہا: "کل آٹھویں چاند کی بائیسویں تاریخ ہے اور وہ خاقان کو نامزد کرنے کے لیے بڑا مبارک دن ہے"

تولوئی نے خاموشی سے سوچ کر سر ہلایا۔ اس نے التزاماً کہا: "کوئی خاقان بننے کو تیار نہیں ہے ایک انتظار کر لینے دو۔"

"کل کے بعد پھر کوئی دن مبارک نہ ہوگا۔"

دوسرے دن صبح کو جب پھر قوریلتائی کا اجلاس شروع ہوا تو پھر یلیو چیت سائی نے متفکر چغتائی کو ڈھونڈھ... اس نے آہستہ سے کہا: "شہزادے اب تم ہی اولادِ اکبر ہو، لیکن تم بھی خاقان کی رعایا ہو۔ اگر تم سب سے پہلے ... والے خاقان کے آگے سر نہ جھکاؤ گے تو پھر اور کون جھکائے گا؟"

یہ اس نے قبائلی قانون کا نکتہ پیش کیا تھا اور چغتائی پر قانونی مسئلوں سے اثر ڈالا جا سکتا تھا۔ جب یہ چینی اُسے ... ائی کے پاس لے چلا تو اس کا سارا تذبذب جاتا رہا۔

"ہم کر کیا رہے ہیں؟" چغتائی نے کہا۔ "والد نے خود یہ حکم صادر کیا تھا کہ ان کی جگہ اوغدائی تخت نشین ہو۔"

شامیانے میں خاموشی چھا گئی اور وہ مغل جو تولوئی اور فوج کے حق میں تھے اور دوسرے مغل جو چغتائی ... ائی قانون کے حق میں تھے سب ٹکٹکی باندھ کے تینوں بھائیوں کو دیکھنے لگے۔ چغتائی نے حیرت زدہ اوغدائی کا ... بازو پکڑ لیا، تولوئی نے جو عمل کے معاملے میں کسی سے پیچھے نہ رہتا تھا دوڑ کر اس کا بایاں بازو پکڑ کے کہا "... رے بیل" اور ہنسنے لگا۔

اوغدائی، جو بچہ کی طرح وزنی تھا، کسی طرح اٹھنا نہ چاہتا تھا، یہاں تک کہ اس کا ایک چچا مجمع سے نکل کے ... اس کی کمر پکڑ کے اسے اٹھایا اور تینوں عزیز اسے پکڑ کے بھورے چمڑے کی مسند پر لے گئے۔

اسے زبردستی مسند پر بٹھایا۔ چغتائی نے اپنی ٹوپی اتاری، اپنی پیٹی ڈھیلی کر کے کاندھے پر ڈال لی اور تین مرتبہ ... ائی کے آگے دوزانو ہوا۔ اس کی کرخت آواز نے اعلان کیا: "اوغدائی اب تم خاقان ہو۔"

یہ الفاظ سن کر نوئینوں اور قبیلوں کے سرداروں نے بھی اپنی ٹوپیاں اور پیٹیاں اتار دیں اور نئے خاقان کے سامنے سر جھکا دیے۔ جلدی سے تولوئی نے شراب کا ایک جام بھرا اور اسے اپنے بھائی کی خدمت میں پیش کیا ... اب اس کا خاقان تھا۔ اب وہ آلتین اُرُوک، خاندانِ زریں، دشت کے امیر سرداروں، مغل قبیلوں، آنجہانی خاقان ... کی ذاتی فوج، سمور کے خیموں میں بسنے والی ساری مخلوق اور ان سے پرے ساری دنیا کی مخلوق کا مالک ... آقا تھا۔

اوغدائی نے بے تکلفی سے شراب پینی شروع کی اور تولوئی نے کہا: "دیکھ اے میرے خاقان سب ... آگے گردن جھکائے ہیں اور اپنے گلوں میں تیری غلامی کا طوق پہنے ہیں۔"

سیکڑوں، جو وہاں دوزانو تھے، انھوں نے اوغدائی کے خاقان ہونے کا نعرہ لگایا۔ ایک دربان باہر گیا

اور ایک جام سے اس نے چاروں سمت شراب چھلکائی۔ جب اوغدائی جادوانی آسمان کے سامنے دعا کے لیے خیمے سے باہر نکلا تو ہزاروں، جو باہر انتظار کر رہے تھے، انھوں نے تہنیت کا نعرہ لگایا۔ حیرت اوغدائی نے پُراسرار یلیوچیت سائی اور روادار محمد یلواچ کو سلام کرتے دیکھا اور اعتراضاً کہا، "میں نے والد سے کہا تھا کہ میں آپ کے انتخاب پر حجت تو نہیں کر سکتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بیٹے اور پوتے تخت تاج اور سلطنت کے اہل نہ ہوں گے۔ تب اس نے کہا اگر اوغدائی کے سارے بیٹے اور پوتے نااہل نکلے، تو کیا میری اولاد سے ایک بھی اس قابل نہ نکلے گا جو سلطنت کا اہل ہو؟"

سب نے یہ الفاظ سُنے اور انھیں یاد رکھا لیکن ان کا فوری اثر یہ ہوا کہ اُن خانہ بدوشوں نے جو وہاں تھے، یہ قسم کھائی کہ وہ اوغدائی کی اولاد کے سوا کسی کو تخت پر نہ بٹھائیں گے، اس وقت تک جب تک اس کی اولاد میں گوشت کا اتنا بڑا ٹکڑا باقی رہے گا کہ اگر گھاس پر پھینک دیا جائے تو مویشی گھاس نہ چرنے پائیں۔ یہ قسم جو مغل خانہ بدوشوں نے ایک ساتھ کھائی تھی، اس قوم کے لیے جو لکھی ہوئی دستاویزوں کو شک سے دیکھتی تھی، بالکل پابند بنا دینے والی قسم تھی۔ نہ صرف ان کے اپنے لیے بلکہ ان کی آنے والی نسلوں کے لیے۔ پڑاؤ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ قبائلی اطمینان سے جی بھر کے پینے بیٹھ گئے۔ اب ان کے خاقان کا تاج اور ان کے مستقبل کا بندوبست ہو گیا تھا۔ یلیوچیت سائی جس کی کوشش سے یہ معاملہ طے ہوا تھا جانتا تھا کہ خاں کے دل میں کیا بات تھی۔ تولوئی اور چغتائی زیادہ عرصہ تک ایک دوسرے کی اطاعت نہ کر پاتے، لیکن وہ اوغدائی سے بہت محبت کرتے تھے اور یہ یقینی تھا کہ وہ حکومت میں اس کی مدد کریں گے۔ اس طرح تخت کے لیے تینوں بھائی یک جان رہیں گے۔ اوغدائی کے اُردو میں توراکینہ مارے غرور کے پھولی نہ سمائی کیونکہ وہ ملکہ بن گئی تھی۔

اور تولوئی کی پہلی بیوی سیور قوقطنی نے یہ خبر سُنی کہ قبلائی اور اس کے بھائی اس پیدائشی حق سے محروم کر دیے گئے، جو وہ چاہتی تھی کہ انھیں مل کر رہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے خیمے کا دروازہ بند کر کے رنج کرتی، سیور قوقطنی نے سفید ریشم کا لبادہ پہنا اور کنگھی کر کے اپنے بال چمکائے، اپنے گالوں پر پسے ہوئے چاول کا آٹا ملا۔ آنکھوں میں کاجل لگایا اور اپنی کنیزوں کے ساتھ مغل سرداروں سے ملنے اور ان کے ساتھ خوشی منانے گئی۔ صرف یہ کہ جو کچھ اس کے دل میں تھا، وہ اس نے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

قبائلی اسے دیکھ دیکھ کر کہتے تھے کہ بڑی رُعب دار عورت ہے اور مانتے تھے کہ اپنی پہلی بیوی کے مطا

ملا بڑا خوش نصیب ہے۔

اس طرح بیل والے سال میں خانہ بدوش امیروں نے تاج پوشی کی پہلی رسم انجام دی۔

اوغدائی خاقان

وہ ایک بااصول اور خوش فطرت انسان تھا۔ جاہل تھا اور اپنے حواس اور اپنے دونوں بھائیوں کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرتا تھا۔ اُسے اپنی عمر کا وہ عرصہ اچھی طرح یاد تھا جب سموروں میں لپٹ کر اُسے برف پر سونا پڑتا، جب کھانے کو ہری گھاس کے سوا کچھ میسر نہ آتا، جس کو وہ چبا کے ملیدہ سا بنا لیتا۔ اب اوغدائی ادھیڑ عمر تھا اور اس عمر میں اپنے آپ کو بدلنا ناممکن تھا۔ اُسے قطعاً مدرسے جا کے پڑھنے کی فکر نہ تھی۔ وہ صرف ایک ڈرتا تھا، اپنے والد کی روح سے جو اردوئے معلّی کے پاس پھڑپھڑاتی رہتی۔ سب سے زیادہ اُسے گرم گرم گوشت اور شکر ملے ہوئے میوے کھانے کا شوق تھا۔

اس نے پہلا حکم یہ صادر کیا کہ تین روز تک چنگیز خاں کی ماتمی ضیافت کی جائے۔ ہر شخص کے سامنے اُبلا ہوا گھوڑے کا گوشت، چھلا ہوا بکرے کا گوشت اور اُبلا ہوا گائے کا گوشت رکھ دیا جائے اور اس کے ساتھ ان کے دودھ اور شراب کے ساغر۔

اپنے باپ کی روح کو خوش کرنے کے لیے اس نے چالیس نوعمر کنواری لڑکیاں چنیں۔ یہ سب کی سب اعلیٰ سرداروں کی بیٹیاں تھیں۔ اس نے انھیں چینی کپڑے اور بیش قیمت جگمگاتے ہوئے زیور پہنائے۔

پھر وہ انھیں برخان کالدون لے گیا جہاں عظیم الشان صنوبر کے درخت کے نیچے چنگیز خاں نشست کی حالت میں دفن تھا اور اس کے ساتھ اس کے جنگی گھوڑے کی ہڈیاں دفن تھیں۔ چالیس اعلیٰ نسل کے ابلق گھوڑے اس کے پاس منگوائے گئے جس کے پاس شمالی آہو (رین ڈیئر) والا قبیلہ چوکیداری کرتا رہا۔

کل نے قربانی کی رسم ادا کی۔ خوبصورت لڑکیوں کا گلا گھونٹ دیا گیا اور گھوڑے مار دیے گئے تاکہ یہ سب دنیا میں چنگیز خاں کی خدمت انجام دے سکیں۔

پھر اوغدائی نے وہ چھکڑے لٹا دیے جو پڑاؤ کے پاس بلندی پر عرصے سے کھڑے تھے اور ان کی چوکیداری ہوتی تھی۔ ان میں چاندی کی سلاخیں، موتیوں کے صندوق، منقش ہاتھی دانت، صنوبر، جیڈ کی چمکتی ہوئی پتلیاں، لے کے پتر، ریشم کے تھان اور جواہرات کے ذخیرے تھے۔ یہ آخری یلغاروں کا مالِ غنیمت تھا، جو ابھی

تک تقسیم نہ کیا گیا تھا، اُن کی چوکیداری پر کسی کو مامور نہ کیا گیا تھا کیونکہ اس زمانے میں مغل چوری کے نام سے نا آشنا تھے

اُس نے قرونتائی کے ہجوم کو یہ خزانے بخش دیے اور کہا "ہمارے خاقان نے بڑی محنت کر کے شاہی [illegible] کا مرتبہ بلند کیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ لوگوں کا بار ہلکا کیا جائے اور ان کے لیے آرام و دولت کا سامان کیا جا[ئے]"

یے لیوچت سائی نے اُسے سمجھایا کہ "آپ کے والد نے زین پر بیٹھے بیٹھے ایک سلطنت فتح کی، لیکن زین پر بیٹھے اس سلطنت کا نظم و نسق نہیں چلایا جا سکتا۔"

اوغدائی یہ ماننے کو تیار نہ تھا۔ چنگیز خاں کا تصور یہ تھا کہ خانہ بدوشوں کو چاہیے کہ زمینوں پر حکم کر رہنے وا[لوں کو] اپنا غلام بنا لیں۔ جب ایک مرتبہ زمین پر ان کا قبضہ ہو جائے تو خانہ بدوش خود کہیں نہ جا بسیں۔ نیچے پیچھے شہر[وں کی] فصیلوں کے اندر اُن کے لیے آرام اور غذا فراہم کرنے کی خدمت میں لگے رہیں۔

یو لیو چت سائی نے یہ بات مان لی مگر عرض کی کہ فتح اور چیز ہے اور نظم و نسق دوسرا معاملہ ہے۔ سالانہ لگا[ن] کی ضرورت ہے۔ اس کی ضرورت ہے کہ گوداموں میں اناج جمع کیا جائے۔ رسل و رسائل کا سلسلہ کھلا رہے۔ عدالتیں [کام] کرتی رہیں۔ اُس نے کہا "برتن بنانے کے لیے کمھار کی ضرورت ہوتی ہے، حساب و کتاب رکھنے کے لیے پڑھے [لکھے] منشیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اوغدائی نے استفسار کیا "ٹھیک ہے، تو پھر تم ان سے کام کیوں نہیں لیتے ؟"

یو لیو چت سائی نے کہا "زیادہ تر پڑھے لکھے ختائی جو یہ کام انجام دے سکتے ہیں، قید میں ہیں یا غلام [بنا لیے] گئے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ایک یر لیغ (فرمان) صادر فرمایا جائے کہ یہ قیدی اور غلام آزاد کیے جاتے ہیں اور انھیں [ان] کے عہدوں پر مامور کیا جاتا ہے۔"

اُس نے اوغدائی کو اس پر بھی تیار کر لیا کہ مفتوحہ علاقوں میں جہاں عام چوراہوں پر اب بھی لاشیں اوندھی پڑے گل رہے تھے، وہاں ایسے افسر مقرر کیے جائیں جن کا تعلق فوج سے نہ ہو۔ اس نے بحث کی کہ قتل کی سزا [سے] شہروں کی رعایا کو عدالت میں جانے کا حق ملنا چاہیے اور خاقان نے یہ بات بھی مان لی۔

اس چینی کی یہ حجت تھی کہ اگر باقاعدہ لگان لگایا جائے تو اردو کے لیے لوٹ کھسوٹ کے مقابلے میں [زیادہ] سامان اور خزانہ فراہم ہو سکے گا۔ اوغدائی کو یو لیو چت سائی کے اس تخمینے پر شک ضرور تھا کہ اگر خانہ بدوشوں سے فی صد جانور محصول کے طور پر لیا جائے اور مفتوحہ علاقوں سے اِن کی پیداوار کا دس فی صد حصہ شراب، چاول، [اور] نمک کی شکل میں، تو اس سے اُردو کے خزانے کو پانچ لاکھ تولے چاندی کی آمدنی ہو گی، لیکن چونکہ اس ختائی

[ا]لجھن گر لی پیدا ہوتی، اس لیے اوغدائی نے مان لیا کہ اس تجویز کو آزما کے دیکھ لیا جائے۔

سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس نے سخت کوش چنکائی کو معتمدِ سلطنت بنایا۔ اس وقت تک کسی یر لیغ کو اصلی [نہ سمجھا] جاتا تھا، جب تک اس پر چنکائی کی مُہر نہ ثبت ہو۔ اُس نے محمد یلواج کو اپنا وزیر اور یو لیو چت سائی کو شمالی [چین] کا گورنر بنایا۔

اوغدائی کی خود اپنی رائیں بھی تھیں۔ جب کاروانوں کے راستے سے اُس کے اردو میں تاجر شروع شروع میں آئے [اور] جلدی جلدی اپنے قالین، ظروف اور نوادر خاقان کی خدمت میں پیش کیے، تو خاقان نے انھیں منہ مانگے دام دیے جو [بہت ز]یادہ تھے۔ جب خزانے کے افسروں نے احتجاج کیا کہ یہ سوداگر اُسے دھوکا دے رہے ہیں تو اُس نے یہ بات مان [لی اور] کہا "یہ لوگ دُور دراز سے اس لیے آئے تھے کہ میری ذات سے کچھ نفع حاصل کریں، میں نے انھیں نامراد نہیں لوٹایا۔"

ہر ہفتہ خاقان کے پاس ایک فقیر آتا اور ایک بالش چاندی بھیک مانگتا۔ اوغدائی نے حکم دیا کہ اُسے یہ دے [دی ج]ائے مگر یہ پوچھا کہ یہ چاندی لے کے کیا کرو گے؟ فقیر نے آزادی سے جواب دیا "اپنا قرض ادا کروں گا، نئے کپڑے [بنوا]ؤں گا اور خوب جی بھر کر شراب پیوں گا۔"

لیکن اوغدائی کو معلوم ہوا کہ اس کے اپنے افسر اس گداگر کو خیرات نہیں دے رہے ہیں۔ اُس نے اپنے مغلوں کو [بلا]یا، اس گداگر کو دو بالش چاندی دی جائے اور کہا جب تم اُسے خیرات نہ دو گے، اس کی سزا یہ ہے کہ تمھیں دگنی [دینی] ہو گی۔"

خاقان نے انھیں سمجھایا "وہ اس چاندی کو اچھی طرح ہی تو خرچ کرتا ہے۔ اتنی ہی بالش چاندی خیرات کی جا رہی [ہے جت]نی پہلے ہوتی تھی اور جو پیسہ یہ خرچ کرے گا، وہ گھوم پھر کے پھر خزانے ہی میں تو واپس آئے گا۔"

خانہ بدوشوں کی طرح اسے ان چیزوں کو حاصل کرنے کا شوق تھا، جو وہ استعمال کر سکے اور دولت جمع کرنے کی [کو]ئی خاص فکر نہ تھی۔ جب اس کے عہدہ دار اُسے زر و جواہر فیاضی سے لوگوں کو بخش دینے پر ٹوکتے تو وہ غصّہ کرتا، [ہم] اس دنیا سے یہ سامان اپنے ساتھ لے جانے سے تو رہے، تم میرے ساتھ ناانصافی کر رہے ہو۔ میرا نام فیاضی کے لیے [رہے گ]ا، میری یہی صفت لوگوں کو میرے بعد یاد رہ جائے گی۔"

اوغدائی کو کسی طرح زرّیں شہنشاہوں یعنی کِن خاندان کے ایک رواج کا علم ہو گیا، جس سے اُسے فوراً دلچسپ[ی ہو گئی]۔ ہر سال کِن کی سرزمین میں حسین ترین لڑکیاں تلاش کی جاتی تھیں، جو سب سے زیادہ خوش اندام، خوش گلو اور [ذہ]ین ہوتی تھیں، وہ دربار کو بھیجی جاتی تھیں اور ان میں سے پچاس لڑکیاں، جو سب سے زیادہ دل فریب ہوتی

تھیں، شہنشاہ کی خدمت کے لیے انتخاب کی جاتی تھیں۔ وہ اس کی خدمت بجا لاتی تھیں، ساقی گری
اس کے بدن پر صندل کی مالش کرتی تھیں، اس کی سہری کے قریب سوتی تھیں، یہاں تک کہ وہ ا
ان لڑکیوں کا انتخاب کرتا جن سے وہ ہم بستری کرنا چاہتا تھا۔ اوغدائی کو یہ رواج بڑا اچھا اور شاہانہ معـ
اور اس نے یولیوچت سائی سے کہا کہ اب مغل خاقان کا مرتبہ کن شہنشاہ سے کہیں زیادہ بلند ہو چکا ہے ا
میرے واسطے بھی یہی بندوبست کرو۔

لمبی مونچھوں والے چینی نے اس پر اعتراض کیا۔ وہ جانتا تھا کہ مغلوں کو چینی لڑکیاں زیادہ پسـ
وہ زیادہ نازک اندام اور قبائلی عورتوں کے مقابلے میں زیادہ شائستہ ہوتی ہیں، اس لیے اُسے ڈر ہُوا کہ
کی عورتیں زبردستی پکڑ کر منگائی جائیں گی۔

اوغدائی ناراض ہُوا۔ "ہمارے مورثِ اعلیٰ نے کہا تھا کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی مسرت نہیں
لوگ تمہارے قدموں کے پاس پڑے ہوں، تم ان کے گھوڑوں کو لگام تھامے لے جاؤ اور ان کی عورتوں کا
تمہارے کانوں میں گونجے۔ خاص طور پر ان کی حسین ترین عورتیں تمہارے عیش و آرام کا سامان فراہم کریں۔
نعمت سے کیوں محروم رہوں؟"

ختائی نے اس سے سوال کیا۔ "کیا آپ کے پاس اٹھائیس لڑکیاں پہلے سے موجود نہیں؟ کیا یہ تـ
کے لیے کافی نہیں اور زیادہ آگے بڑھیے گا تو تکلیف اٹھایئے گا۔"

کچھ سوچ کے اوغدائی نے یہ بات بھی مان لی، لیکن وہ اس پر اڑا رہا کہ شمالی چین کے تمام گھوڑ
کر لیا جائے اور چینی فلسفی احتجاج کرتا رہ گیا کہ اس کی قوم کے پاس گھوڑے زیادہ نہیں ہیں کیونکہ وہ خانہ بدو
نہ شہسوار، جو گھوڑے ہیں ان کی زراعت کے لیے بڑی ضرورت ہے، مگر اوغدائی نے اس کی بات نہ مانی

مرنے سے پہلے اوغدائی نے اپنے حرم کی تعداد بڑھا کر ساٹھ کر دی۔ وہ کوئی رات خالی نہ گزارتا۔ ا
اس کی طاقت میں کوئی فرق نہ آیا۔ مغلوں میں چراگاہوں میں گزری ہوئی قبائلی زندگی کی کئی نسلوں کی طاقت جمع
تک جنسی کج روی یا جنسی کمزوری ان کے فہم و ادراک سے باہر تھی۔

یاسا یعنی چنگیز خاں کے مُرتب کیے ہوئے مجموعۂ قوانین میں، حرامکاری کی سزا موت تھی، خواہ طرفین م
شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں۔ اغلام، عمداً دروغ گوئی اور جادوگری کی بھی یہی سزا تھی۔

چنگیز خاں نے وقتاً فوقتاً یاسا کے قوانین قلمبند کروائے تھے اور اس کے منشیوں نے اسے طلا

منقل کیا تھا۔ ان قانونی اوراق کو چھونے کی اجازت محض اس کی اولاد کو تھی جو اسے قرولتائی میں اپنے ساتھ لاتی۔
خانہ بدوش لوگ یاسا کو صحیفۂ آسمانی کی طرح مقدّس اور حرفِ آخر سمجھتے تھے۔ خود اوغدائی بھی یاسا کے خلاف کوئی
اقدام نہ کر سکتا تھا۔

چنگیز خاں نے کہا تھا "اگر میرے بعد میرے ورثاء یاسا کی پابندی کرتے رہیں تو گیارہ ہزار سال تک جاودانی
آسمان ان کی امداد اور نگہداشت کرتا رہے گا۔"

ان طلائی اوراق پر جو کچھ لکھا تھا وہ نہ اوغدائی پڑھ سکتا تھا نہ اس کے دوسرے بھائی، لیکن اور جاہلوں
کی طرح انھوں نے غضب کا حافظہ پایا تھا، جو ہر سُنی ہوئی بات، ٹھیک ٹھیک یاد رکھتا اور یاسا کا ہر قول ان کو یا
کم سے کم ان میں سے چغتائی کو ازبر تھا۔ چغتائی کا فرض یہ تھا کہ وہ قانون کی پابندی کرائے۔

ان سے زیادہ یولیوچت سائی جانتا تھا کہ چنگیز خاں کا اصل مقصد کیا تھا۔ اس سے پہلے خانہ بدوش کے پاس
لکھے ہوئے قوانین نہ تھے۔ چنگیز خاں نے متمدن قوموں کے قوانین سے آگاہی حاصل کی تھی اور وہ ان کو عمل کرانا
تھا۔ اس نے اپنا قانون خود بنایا تھا، جس کی بنیاد قبائلی قاعدوں اور اس روک تھام پر تھی، جن کی وجہ سے وہ
سمجھتا تھا کہ تقدیر میں اتنی تبدیلی کے باوجود اس کے مغل ایک قوم بن کے متحد رہیں گے۔

یاسا کی رُو سے آگ میں یا راکھ میں پیشاب کرنا، یا بہتے پانی میں کپڑے دھونا منع تھا (یہ حفظانِ صحت کا اصول
تھا کیونکہ مغلوں کی ساری عمر پڑاؤ میں گزرتی)۔

یاسا کی رُو سے ہر مغل کا فرض تھا کہ اگر کسی کے سامنے کھانا کھائے تو اُسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر
اگر کوئی مغل سوار کسی ایسی جگہ پہنچے، جہاں اور لوگ کھانا کھا رہے ہوں تو اس کا حق ہے کہ وہ گھوڑے سے اُترے
بلا اجازت اور بے روک ان سے اپنے حصے کا کھانا مانگ لے (یہ قانون اس لیے وضع کیا تھا کہ قبائلی مہمان
نوازی کا دستور باقی رہ جائے۔ خانہ بدوشوں کے لیے غذا کا فراہم ہونا زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا)۔

حکم یہ تھا کہ کپڑے دھوئے نہ جائیں۔ اُس وقت تک پہنے جائیں، جب تک وہ چیتھڑے چیتھڑے نہ ہو جائیں۔
(یہ ان کی پرانی غربت یاد دلانے کے لیے تھا)[1]

---

[1] ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ منگولیا اور شمالی ایشیا کے دشت میں پانی بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ بہرحال اس وجہ سے چینی اور مسلمان مورخوں نے مغلوں کی گندگی اور بدبو کی اکثر شکایت کی ہے۔ مترجم

یاساکی رُو سے کسی چیز کو ناپاک نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ سب چیزیں پاک تھیں اور پاک اور ناپاک میں کوئی فرق نہ تھا۔ سب کا فرض تھا کہ ہر مذہب کی عزت کریں، لیکن کسی مذہب کا پابند ہونا ضروری نہ تھا۔ مختلف فرقوں کے باہمی تنازعوں میں کسی کو کسی کی طرفداری کرنے کی اجازت نہ تھی۔

خانہ بدوشوں کے اس نئے قانون کی رُو سے بُدھمت والا ہو یا عیسائی یا تاؤ کا پیرو یا معمولی کافر سب کا مرتبہ برابر تھا۔ اس معمولی کی اہمیت کو اس ذہین مغل فاتح نے اچھی طرح محسوس کیا۔ اُسے متمدّن قوموں کے مذاہب کا سامنا کرنا پڑا تھا، یا یوں کہیئے کہ اپنے بیابان سے نکل کے اُس نے دیکھا تھا کہ متمدن علاقوں میں رہنے والے جو اس کے دشمن تھے وہ سب کے سب کسی نہ کسی مذہب کے پیرو تھے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس سے اور زیادہ کشمکش پھیلنے کا امکان ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اس کے اپنے خانہ بدوشوں کا کفر، ان کا اپنا قدرتی مسلک تھا اور ان کے لیے بہت موزوں تھا۔ اُس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ دوسرے مسالک بھی سرسبز رہیں کہ اُسی خدائے لایزال کے ہیں جس کو تم جاودانی آسمان کی طاقت سمجھتے ہو۔ کسی عینی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے خاندان اور اپنے قبیلے کی بہبود کے لیے اُس نے مذہبی رواداری کی روش ان پر عاید کی۔

اس نے تاؤمت کے واعظوں کو محاصل اور بیگار سے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ یہی حقوق اس نے یاسا کے ذریعے بدھ فلسفیوں اور لاماؤں، بُدھمت کے بونزوں یہاں تک کہ مسلمان اماموں اور خطیبوں تک کے لیے بھی فراہم کردیے۔ لیکن وہ مقامی شامانوں کی جادوگری کو بڑے شک کی نظر سے دیکھتا تھا، پھر بھی یاسا میں مقامی توہم پرستی کے بہت سے آثار باقی تھے۔ آگ مانگنے کی ممانعت تھی۔ بہار اور گرما میں بہتے پانی سے ہو کر گزرنا منع تھا (اس کا سبب یہ تھا کہ آگ اور ہوا کی دیویاں ناراض نہ ہونے پائیں)۔

اگر کسی یورت پر بجلی گرتی، تو اس یورت کے سارے کے سارے رہنے والے تین سال کے لیے جلاوطن کردیے جاتے۔ اُن کو واپسی کی اجازت ایک رسم کے بعد ملتی جس میں انھیں دو جلتے ہوئے الاؤں کے درمیان ہو کر گزرنا پڑتا۔ یہ بلاشک وشبہ مانا جاتا تھا کہ بجلی اور رعد تینگری یا جاودانی آسمان کے غضب کی ظاہری علامت ہے۔

یاسا میں موت کی سزا اُس شخص کے لیے مقرر کی گئی تھی، جو حکم کی خلاف ورزی کرتا یا کم درجہ ہونے کے باوجود کوئی ایسا کام کر گزرتا جس کی طاقت صرف خاقان کو تھی۔ آپس میں لڑنے، ایک دوسرے کا بھید لینے کے لیے تاک جھانک کرنے اور اگر دو لڑ رہے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کی طرفداری کرنے کی بھی یہی سزا تھی (اس کا مقصد یہ تھا کہ خانہ بدوشوں کی آپس کی پُرانی رقابتیں ختم کردی جائیں، جن کی وجہ سے صدیوں سے آپس میں خانہ جنگی کا

سلسلہ جاری تھا)۔

اس کے برعکس بڑے بڑے خطابات اختیار کرنے یا اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بھی ممانعت تھی۔ عہدہ داروں کو صرف اسی خطاب سے مخاطب کرنے کی اجازت تھی جو انھیں باقاعدہ دیا جاتا۔ خاقان کا خود اپنا اور کوئی خطاب نہ تھا۔

اگر کسی شخص پر کسی خطا کا الزام لگے تو اس کو اپنے گناہ یا بے گناہی کا اعلان کرنا پڑتا۔ اس طرح پہلے وہ خود اپنے متعلق فیصلہ صادر کرتا، لیکن اگر بعد میں پتا چلتا کہ اُس نے جو کچھ کہا وہ غلط تھا، تو دروغ گوئی کے جُرم میں اُسے موت کی سزا دی جاتی۔

اپنی زندگی ہی میں چنگیز خاں نے مغلوں میں باہمی جرائم کا خاتمہ کردیا تھا۔ یاساکی رُو سے غداری، جھوٹ، مالِ غنیمت میں دوسروں کو شریک نہ کرنا سب مستوجب سزا خطائیں تھیں۔ مغلوں کو اتنی دولت مل گئی تھی جو ان کے خواب وخیال میں بھی نہ آسکتی تھی، اس لیے چوری کی تحریک باقی نہ رہی تھی۔ یاساکی رُو سے آپس میں امن سے رہنا ان پر فرض تھا۔ اس کے سوا وہ خاندانی رشتوں اور قبائلی رسوم کے پابند تھے۔

یاسا جو مغلوں کے امیر گلّہ بان طبقہ کے لیے اس قدر موزوں تھی، مفتوح قوموں اور اسیرانِ جنگ کے لیے بڑی سخت تھی۔ وہ ایک فرد کے خاندان کا قانون تھا۔ ایک مسلمان مؤرخ لکھتا ہے: "وہ ان لوگوں کے لیے مذہب کا حکم رکھتی تھی اور وہ اس وقت تک اس کی پابندی کرتے رہے، جب تک اللہ تعالیٰ نے انھیں تباہ نہ کیا۔"

ایک بات جس کا چنگیز خاں اندازہ نہ لگا سکا تھا، یہ تھی کہ مغل اپنا خانہ بدوشی کا طرزِ زندگی بدل ڈالیں گے۔ نہ اس نے اس کا لحاظ کیا تھا کہ اس کی سادہ مزاج قوم پر تعلیم کا کیا اثر پڑے گا۔ شاید اُس نے یہ سوچا تھا کہ وہ پڑھے لکھیں گے اور پھر بھی خانہ بدوش رہیں گے، لیکن شاید سب سے پہلے یلیو چت سائی نے اس کا اندازہ لگایا تھا کہ یہ خانہ بدوش جو کسی طاقت سے زیر نہیں کیے جاسکتے، تعلیم حاصل کرسکیں گے۔

قانون کا محافظ، چغتائی

اپنی ذمہ داری کی حد تک شاید کوئی استاد اپنے شاگرد سے اس قدر قریب ہو، جتنا چغتائی اپنے چھوٹے بھائی خاقان سے قریب تھا۔ چغتائی کو یاساکی ترویج کا اس قدر خبط تھا کہ کبھی کبھی اوغدائی تنگ آجاتا، جس کی اپنی رائے یہ تھی کہ اس کی ساری رعایا کو بہ شمول عورتوں اور قیدیوں کے اس کا حق تھا کہ اس کی سلطنت کی خوش حالی اور فارغ البالی کا لطف اٹھائیں۔

ایک بار یہ دونوں بھائی اُردو کو واپس آ رہے تھے کہ انھوں نے ایک مسلمان کو ـــــ جو محکوم رعایا میں سے تھا اور مغلوں کے حقوق کا حقدار نہ تھا ـــــ کھڑے ہوئے ایک بہتے چشمے میں وضو کرتے دیکھا تاکہ نماز ادا کر سکے۔ گرمیوں کے زمانے میں بہتے پانی میں ہاتھ منہ دھونا یاسا کے قانون کے خلاف تھا۔ چغتائی کو مسلمانوں سے نفرت تھی، اُس نے کہا اس مُجرم کو قتل کر دینا چاہیئے۔

اوغدائی نے دیکھا کہ یہ مسلمان بیچارا غریب اور نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ خاقان پانی کو دیکھنے کے لیے گھوڑے سے اُترا اور چپکے سے اس میں چاندی کی ایک سلاخ ڈال دی اور پھر بے صبر چغتائی سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ یہ مجرم کل خاقان کی پیشی میں پیش ہو۔ عدالت کا یہی طریقہ ہے نا؟

اُدھر چپکے سے اُس نے اس مسلمان کے کان میں کہا "وہاں یہ کہنا کہ تمھارے ہاتھ سے چاندی کی ایک سلاخ نالے میں گر گئی تھی اور تم اس کو تلاش کر رہے تھے۔"

دوسرے دن جب مقدمے کی سماعت ہوئی تو مسلمان نے اپنی بریت میں وہی کہا جو اوغدائی نے اسے بتایا تھا۔ خاقان نے افسروں کو بھیجا کہ اس کے قول کی تصدیق کریں۔ وہ چاندی کی سلاخ ڈھونڈ لائے۔ اوغدائی نے یہ حجت پیش کی کہ چونکہ مُلزم بہت غریب ہے اس لیے اس کا پانی میں اپنی چاندی ڈھونڈھنے جانا جائز تھا اور اپنی اس ترکیب سے خوش ہو کر اُس نے اس مسلمان کو چاندی کی دس سلاخیں انعام میں دیں۔

چغتائی اپنے اوپر قانون کی سختیاں عائد کرنے سے نہیں جھجکتا تھا۔ ایک دن جبکہ وہ اور اوغدائی دونوں نشے میں مدہوش تھے، دونوں سوار ہو کے چراگاہوں کی طرف نکل گئے اور ان کے خدام ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ چغتائی نے چاہا کہ اپنے بھائی سے زیادہ تیز گھوڑا دوڑائے اور اُس نے اوغدائی سے کہا۔ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ اوغدائی نے یہ مقابلہ منظور کر لیا اور اوغدائی ہار گیا۔

شام کو جب چغتائی اردو واپس پہنچا اور نشہ اُتر کے اس کا دماغ صاف ہُوا تو وہ سوچنے لگا کہ اس نے دنیا بھر کے خاقان کو مقابلے کی دعوت دی تھی اور اس مقابلے میں اسے شکست دی تھی۔ اس طرح وہ چغتائی، خاقان کی عزت نہ کرنے کا خطاوار تھا، پھر اپنے بھائی کے مقابل گھوڑ دوڑ میں آگے نکل جانے سے اُس نے اپنے بھائی کے رُتبے کی تحقیر کی تھی۔ اس لحاظ سے اپنی نظر میں وہ دو جرائم کا مرتکب ہُوا تھا اور وہ رات بھر یہ سوچتا رہا کہ اس جُرم کی پاداش میں اُسے کیا کرنا چاہیئے۔

دوسرے دن صبح کو اوغدائی کے چاکروں نے اسے یہ کہہ کے جگایا کہ چغتائی خان اس کے بیٹے، اس کے سالار

اور اس کے گھرانے کے سپاہی، خاقان کے خیمے کے سامنے کھڑے ہیں۔

حیرت اور کسی قدر پریشانی کے عالم میں اوغدائی اپنے بھائی سے ملنے باہر نکلا۔ دیکھا تو چغتائی کا سر برہنہ ہے اور اس کی پیٹی اس کے کاندھوں پر پڑی ہوئی ہے۔

اُس نے کہا: "کل مَیں نے خاقان کی توقیر میں کمی کی۔ اب مَیں اپنے لوگوں کے ساتھ سزا پانے کے لیے آیا ہوں، جو سزا مناسب ہو مَیں اس کے لیے تیار ہوں۔ میرے لیے لاٹھیوں سے مارے جانے کی سزا مناسب ہو گی۔ مَوت کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔"

اوغدائی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا: "حماقت کی باتیں نہ کرو، تم میرے بھائی ہو۔"

بہت دیر تک حجت کرنے کے بعد چغتائی معاف کیے جانے پر رضامند ہُوا، پھر بھی اس نے خیمہ کی دلیز کے سامنے سر جھکایا اور اکیاسی گھوڑوں کا تحفہ پیش کیا اور یہ بھی شرط لگائی کہ عدالت کے منشی اردو سے عطلے کا گشت لگائیں اور اس کے قصور کی معافی کا اعلان کریں۔ چغتائی نے کہا کہ وہ یہ الفاظ دہرائیں: "خاقان چغتائی کی جان بخشی کرتا ہے تاکہ سب لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ چغتائی خاقان کی شکر گزاری میں زمین پر اس کو سجدہ کر رہا ہے۔"

اوغدائی کی فطرت کے وحشی پن کا شاذ و نادر ہی اظہار ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک قبیلے نے نافرمانی کی اور اس کی انھیں ایسی سزا ملی کہ وہ کبھی اسے فراموش نہ کر پائے۔

اوئرات قبیلے نے جو جنگلوں میں رہتا تھا اور جو اُن اولین قبیلوں میں سے تھا جو مغلوں کے حلقہ بگوش ہوئے یہ خبر سُنی کہ خاقان ان کی لڑکیوں کی شادیاں کسی اور قبیلے میں کرانا چاہتا ہے۔ یہ تجویز انھیں پسند نہیں آئی، مگر وہ احتجاج کرنے سے بھی ڈرتے تھے اس لیے فوراً چپکے سے انھوں نے اپنی لڑکیوں کی منگنیاں اپنے قبیلے ہی میں کر لیں اور بہت سی شادیاں بھی ہو گئیں۔

جب اوغدائی کو اس کا علم ہُوا، تو اُس نے حکم دیا کہ اوئرات قبیلے کی ساری کنواری لڑکیاں جن کی عمر سات سال سے اوپر ہو اور وہ ساری لڑکیاں جن کی شادیاں اسی سال کے اندر ہوئی ہوں، اُس کے سامنے حاضر ہوں۔

چار ہزار لڑکیاں بھڑکدار کپڑے پہنے اردو کے سامنے میدان میں حاضر ہوئیں۔ ان کے خاندان والے پیچھے ہراسانی کے عالم میں کھڑے تھے کہ دیکھیئے کیا ہوتا ہے۔ خاقان نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ لڑکیوں کو دو قطاروں میں کھڑا کیا جائے۔ وہ قطاروں کے درمیان سے ہو کر گزرے اور اُسے خود جو لڑکیاں اچھی معلوم ہوئیں، اُس

نے اپنے لیے چن لیں۔

اس کے بعد اس نے جو لڑکیاں چنیں وہ اپنے اعلیٰ افسروں کو دے دیں، جو باقی بچی تھیں اُن میں جو زیا خوب صورت تھیں وہ اس نے قحبہ خانوں کے مالکوں کے حوالے کیں۔ اس کے بعد محافظ دستوں اور تماشائیوں کو دیا: "جو باقی بچی ہیں اُن میں سے جو جس کو چاہے پکڑ لے جائے۔"

باپ، بھائی اور شوہر دیکھتے رہ گئے اور سپاہی دوڑ دوڑ کر لڑکیوں کو پکڑ لے گئے۔ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ کچھ کہتا اویرات قبیلے نے خاقان کے حکم سے نافرمانی کی کوشش کی تھی اور خونریزی کے بغیر انھیں سبق مل گیا۔

سب سے پہلے اوغدائی کی ملکہ تورا کینہ نے یہ تجویز پیش کی کہ خاقان کو اور زیادہ شان و شوکت سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اُس نے کہا کہ دنیا کے اور بادشاہ محلوں میں رہتے ہیں، جن میں پچی کاری کا فرش ہوتا ہے۔ اُن کی خوابگاہیں خوشبوؤں میں بسی ہوتی ہیں اور اِدھر اوغدائی جتنا بڑا خاقان ہے، اپنے آباؤ اجداد کی طرح اب بھی خیموں میں رہتا ہے، جیسے چرواہا ہو۔

اوغدائی نے جواب دیا کہ اب یہ خیمے بہت بڑے بڑے ہو گئے تھے اور ان میں ریشمی پردے لٹک رہے تھے

لیکن تورا کینہ نے پتے کی بات کہہ دی کہ زریں شہنشاہ کے غلام بھی اس سے اچھے گھروں میں رہتے ہیں۔ بھی کسی طرح وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکی کہ اوغدائی کو چار دیواروں والے مکان کے اندر رہنے پر رضامند کرے۔ مورثِ اعلیٰ نے مغلوں کو یہ نہیں جتا دیا تھا کہ وہ خانہ بدوشی کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور انھیں ہرگز ایک مقام پر نہ چاہیے۔ شہریوں یا تاجروں کی طرح مکان بنانے سے اس کے باپ کی روح ناراض ہو جائے گی اور وہ ایسا کو کام ہرگز نہ کرے گا۔

پھر بھی اس نے اپنے بڑے شامیانے کے ستونوں پر سونے کے پتر جڑوا دیے اور اس نے چراگاہ میں اینٹوں کی ایک لمبی سی بل کھاتی ہوئی دیوار بنوا دی۔ جب وہ شکار کھیلتا، اس میں شکار ہنکا دیا جاتا اور سب مغلوں کی طرح اوغدائی کو بھی شکار کا بہت شوق تھا۔

شاید اس وقت وہ یہ چاہتا تھا کہ تورا کینہ ایسی فرمائشیں کرنا چھوڑ دے۔ وہ اس کے سامنے قانون کے مسئلے اور اپنے حوصلے اور اُمنگوں کا صاف صاف اظہار کرتی۔ جب وہ اپنی یورت سے نکلتی تو پالکی میں سوار ہوتی اور اس سر پر چینی عہدہ داروں کی سواری کا سا چتر لگا ہوتا۔ یا اس شان سے جیسے خود اوغدائی کی سواری نکلتی تھی۔ اُس کے آگے

کالے غلاموں کا ایک جمِ غفیر لال کپڑے پہنے دوڑتا جاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک چالاک نستوری پادری ہوتا جو جادو ٹونکے لکھتا جاتا اور ایک سیاہ چشم ایرانی کنیز ہوتی جس کا نام فاطمہ تھا۔ کبھی کبھی معلوم ہوتا کہ تورا کینہ کا اپنا الگ دربار لگ گیا ہے۔ بہرحال وہ اس کی حقدار بھی تھی۔

اس کے برعکس تولوئی کی بیوی اپنے آپ کو اور زیادہ حسین بنانے کے لیے چین سے آئے ہوئے رنگ و روغن استعمال کرتی۔ جب وہ اپنے بہادر شوہر کے بائیں ہاتھ پر اس کے ساتھ ساتھ نکلتی تو اس کا چہرہ سنگِ عقیق کی طرح دمکتا۔ وہ دھیمی نرم آواز میں بات کرتی اور اوغدائی اور تولوئی کے ہر فیصلے کی تائید کرتی۔ وہ ہر طرح انھیں آرام پہنچاتی۔ اوغدائی خلقی کو دیکھ کر اور اس کی باتیں سن کر بہت خوش ہوتا۔

رکن کا زوال

اس درمیان میں اوغدائی نے جنگ چھیڑ دی۔ اگر وہ چاہتا تو آبائی چراگاہ میں اردوئے معلیٰ ہی میں گزار دیتا۔ تولوئی کا یہی اصرار تھا۔ وہ کہتا تھا کہ نئے خاقان کو اپنی سلطنت کے مرکز میں بیٹھ کر احکامات صادر کرنے چاہئیں اور وہ خود اور مغل ان چنگیز خاں کی تجویز کے مطابق فتوحات کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

اس کے لیے اوغدائی تیار نہ تھا۔ زین پر بیٹھنے سے زیادہ اُسے تخت پر آرام سے بیٹھنا پسند تھا، مگر اس نے پر بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

پہلی قرولتائی کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی مغلوں نے متمدن قوموں پر چڑھائی کرنے کی تجویزیں مکمل کر لی تھیں۔ تولوئی اس فکر میں گھلا جا رہا تھا کہ پھر سے میدانِ جنگ میں جا پہنچے اور کہنہ مشق سپہ سالار اس کے حکم کے منتظر تھے کہ انھیں سرحدوں پر واپسی کی اجازت ملے۔

کچھ ایسے بھی تھے جو یہ کہتے تھے کہ اب مغلوں کو اتنی چراگاہیں مل گئی ہیں کہ بے شمار آنے والی نسلوں کے لیے کفایت کریں گی۔ مغل بڑے سمندر (بحرالکاہل) تک پہنچ چکے ہیں، انھوں نے سو منزلوں (۳۲۰۰ میل) تک مغرب کا علاقہ فتح کر لیا ہے۔ جنوب میں وہ ہندوکش تک پہنچ گئے ہیں۔ ان کی چوکیاں بحیرۂ خزر کے کنارے تک پھیلی ہوئی ہیں۔ انھوں نے شمالی میں بڑے بڑے شہر مسمار کر دیے ہیں، دیواریں اس طرح منہدم کر دی ہیں کہ جہاں پہلے شہر تھے وہاں اب گھوڑے گھاس چر سکتے ہیں۔ انھوں نے دُور دُور تک دشمن قوموں کی فوجوں کا زور توڑ دیا ہے اور شہریوں کے مجمعوں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ ایک جمِ غفیر ان کا غلام ہے۔ ان کے گلّے چراتا ہے اور ان کی خدمت کرتا ہے۔ جو ہے وہ کافی ہے ——

یہ وہ دلیلیں تھیں جو چینی مشیر اور الیغوری پیش کرتے تھے۔

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مورثِ اعلیٰ نے ہندوکش سے اپنی لگام پھیر لی تھی، اُس نے دونوں اور لوگوں کو گند وشت سے واپس بلوا لیا تھا اور حکم دیا تھا کہ مزید فتوحات کے بجائے، جو سلطنت حاصل کی گئی اور جتنی دور تک کے گھوڑوں کی ٹاپیں پڑ چکی ہیں، اُتنے علاقے کو مستحکم کیا جائے۔ اس سے آگے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

ان ہچکچانے والوں کو وہ شخص جواب دیتا جس نے انتخابات یا ضیافت میں کوئی حصہ نہ لیا تھا، یہ چنگیز خ باقی ماندہ اور تُوق رشہباز، سوبوداؤ بہادر تھا جس کی عیّاری سے مغلوں نے بے شمار جنگیں جیتی تھیں۔ وہ پرا کا مغل تھا۔ رین ڈیر رشمالی آہو) والے قبیلہ کا، خاموش، بے حد حریص اور سخت کڑ۔ اس نے ظفریاب فوج سپہ سالاروں اور نوئیونوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ ان کا کام ابھی مکمل نہیں ہُوا۔ جب تک دنیا میں ایسے ڈ ہیں، جن کا زور ٹوٹنے نہیں پایا، مغلوں کا علاقہ محفوظ نہیں۔

اس نے انھیں یاد دلایا کہ خِتا کے دور دراز گوشے میں زرّیں شہنشاہ اب بھی اپنے قلعے میں رہتا ہے۔ اس آگے جنوبی چین میں قدیم چین کی سلطنت ہے جس کو ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔

اسی طرح ڈوبتے ہوئے سُورج کے علاقے میں رُوسی اور اُس دُور دراز براعظم یورپ کے رہنے والے ہیں جو ایسے جنگ جُو وحشی ہیں کہ مغلوں کے نام کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ وہ خود ان کے علاقے میں گھس گیا تھا لیکن چنگ نے اسے واپس طلب کر لیا، لیکن اب کے سُوبوداؤ اُس وقت تک واپس نہ لوٹے گا جب تک وہ ڈینیوب کا پار کر کے مغرب کو فتح نہ کر لے۔

سوبوداؤ نے بڑے زور کے لہجے میں بات کی اور مغلوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔ اوغدا زرّیں خاندان کی ایک شہزادی سے اس کی شادی کر دی اور اُسے تولوئی کے ساتھ کن کے مقابلے پر جانے کا حکم دیا۔

لیکن ان مباحث سے زیادہ جو چیز مغلوں کو مغرب اور سُورج کی گرمی کی طرف کھینچے لیے جا رہی تھی وہ جبلّت تھی۔ انھوں نے دشت کی آندھیوں اور سائبیریا کے چیل کے جنگلوں میں پرورش پائی تھی۔ ان سب قبیلوں ——— مغل، اوات، تائی جوت، تاتار، اوئرات، اُوریان گوت۔ سوبوداؤ خود شمالی آہو (رین ڈیر) والے قبیلے سے تھا۔ اپنے اجداد کی طرح وہ اس لیے نکل کھڑے ہوئے تھے کہ طویل راتوں اور برف کے دیوتاؤں کے سے باہر کہیں نکل چلیں۔ وہ اس وطن کو چھوڑنا چاہتے تھے، جہاں جنگلی پرندے شور مچاتے ہیں اور کالی چٹانیں سیاہ

طرح اُبھرتی ہیں، گویا شیطانوں نے انھیں اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے۔

متمدن دنیا پر اس دوسری یورش کی تجویز سوبوداؤ اور فوج کے آزمودہ کار سپہ سالاروں نے تیار کی، جن کو اس کا جنرل اسٹاف کہا جا سکتا ہے۔ اوغدائی اور تولوئی نے محض افراد کی حیثیت سے اپنی رائے ظاہر کی اور سوبوداؤ کی تجویز یہ تھی کہ شروع شروع میں احتیاط سے قدم اٹھایا جائے۔

نوجوان باتو کو مغربی دستوں کے ساتھ واپس بھیج دیا گیا کہ یورال کے پہاڑوں تک مغرب کی چراگاہوں پر پھر سے قبضہ کر لے۔ یہ اس کے گمراہ باپ جوجی کے ورثے کا ایک حصّہ تھا۔ ایک چھوٹی سی فوج کوریا کو مطیع کرنے کے لیے بھیجی گئی۔ مغل سپہ سالار چارمغان کی سرکردگی میں ایک فوج شمالی ایران میں مسلمانوں کی مقاومت ختم کرنے کے لیے روانہ کی۔ یہ محض گزشتہ فتوحات کو مستحکم کرنا تھا۔

تجویز سوبوداؤ کی یہی تھی۔ چنگیز خاں کی عجیب و غریب راہبر جبلّت کے بغیر یہ ان کی پہلی یلغار تھی، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ چنگیز خاں نے انھیں سمجھا دیا تھا کہ اس کی موت کے بعد انھیں کیا کیا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی زندگی کے آخر میں اس نے چین کے پہلو میں ہسیا کی طاقت توڑ دی تھی اور وہ جنوب میں چین پر حملہ کرنے کا راستہ صاف کر گیا تھا۔ اور اصل فوج کا یہی میدانِ عمل تھا۔ اس کی ساری جد و جہد کا مقصود یہ تھا کہ خِتا کے بچے کھچے قصبوں کو فتح کر لیا جائے۔

خِتا کا صرف ایک گوشہ باقی رہ گیا تھا۔ تاکن یا زرّیں شہنشاہ جسے ین کنگ اور شمالی علاقے سے نکال دیا گیا تھا، ہونان کے زرخیز صوبے میں جو دریائے زرد کے جنوب میں جا بسا تھا۔ یہاں قدرتی رکاوٹیں کنوں کی قلعہ بندی کیا کرتیں۔ شمال میں دریائے زرد، مغرب میں نیلے پہاڑوں کا سلسلہ اور ٹونگ کوان کا حصن حصین اور جنوب میں دریائے یانگ تسی۔

کن اب بھی بے شمار دولت اور بے حد مضبوط شہروں کے مالک تھے۔ ان کا نیا دار السلطنت کائی فونگ فو (پین کنگ یا جنوبی دربار) ایک چالیس میل لمبی فصیل کے اندر آباد تھا اور اس کی آبادی چالیس لاکھ تھی۔ اس لیے جنگجو ہونے کے باوجود کن شہنشاہ نے میدان میں لڑنے کے لیے فوجیں نہیں تیار کی تھیں، وہ اپنے خطِ مدافعت کے استحکام کی تیاری کر رہے تھے اور تجربے نے انھیں سکھا دیا تھا کہ مغل دریا اور قلعہ بندیوں سے روکے جا سکتے ہیں، بلکہ دریا وہیج کاٹنے والی فوج کو نیست و نابود کر ڈالتے ہیں۔

اس کے مقابل سوبوداؤ اس کے لیے تیار نہ تھا کہ قلب فوج کو دریاؤں، سیلاب زدہ میدانوں اور قلعہ بند

شہروں کے جال میں جا پھنسائے۔ چنگیز خاں نے یہ اصول قائم کر دیا تھا کہ مغل جنگ میں دشت کے سے لڑیں، بے کار جانیں ضائع نہ کریں اور بے کار لڑائیوں میں نہ اُلجھیں۔ اس طرح کے نقشۂ جنگ کا کہ دشمن کو نقل و حرکت سے ایسی جگہ لا کے پھنسایا جائے، جہاں وہ بے بس ہو کر رہ جائے اور پھر مغل اس طرح کے داؤں کے لیے ضرورت تھی کہ دو فوجیں دونوں طرف سے بڑھ کے دشمن کو گھیر لیں اور وقت آ جائے تب دھاوا بول دیں۔

کِن کے مقابلے میں اس طرح کی کوئی کامیابی حاصل کرنا ناممکن تھا کیونکہ بارہ سال کے بعد ان تھا کہ وہ مغلوں کو ہونان سے نکال باہر کریں گے۔ اس کے علاوہ مغل اس لیے بھی چوکنے تھے کہ کِن کے تھا۔ وہ پیچھے تو ہٹ نہیں سکتے اس لیے جان توڑ کر لڑیں گے۔

لیکن چنگیز خاں مغلوں کی مشکل حل کر گیا تھا۔ اپنے بستر مرگ پر اس بوڑھے مغل نے تولوئی کو بتا لوگوں کو نیست و نابود کیا جا سکتا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ کِن پر شمال اور مغرب سے حملہ نہ کرنا چاہیئے جو اچھی طرح قلعہ بند ہیں، بلکہ جنوب کی طرف سے حملہ کرنا چاہیئے، جہاں انھیں کسی دشمن کے نمودار ہونے کی توقع فوجوں کا رُخ شمال میں دریائے زرد کی جانب ہوگا۔ اس لیے مغل فوج انھیں گھیر کے جنوب مغرب سے گھس

اوغدائی نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ اس نقل و حرکت کے سب سے خطرناک حصّہ کی کمان سب کے سپرد کی گئی۔ اوغدائی اور سوبودائی نے مغلوں کے میسرے کی کمان سنبھالی جو شمالی مظاہر چھائی ہوئی تھی کی منجنیقوں کے ساتھ وہ آہستہ آہستہ دریائے زرد کے خطِ مدافعت کی طرف بڑھے اور شمال کے قلعوں شروع کر دیا اور اس کا انتظار کرتے رہے کہ تولوئی چکر کاٹ کے دشمن کو گھیرے میں لے لے۔

تولوئی نے سوبودائی سے پوچھا کہ جب میں اس علاقے میں پہنچ جاؤں تو کیسے کیوں کر حملہ کروں۔

مغل شہباز نے جواب دیا۔ "وہ شہروں میں پلے ہوئے لوگ ہیں۔ تھکن برداشت نہیں کر سکتے۔ انھیں خ کرو اور تم آسانی سے ان پر غالب آ جاؤ گے۔"

تولوئی نے یہ بات یاد رکھی اور جب وقت آیا تو اس پر عمل کیا۔ چونکہ جس راستے سے وہ جا رہا تھا، اُدھر بڑی فوج نہ گزر سکتی تھی اس لیے اُس نے صرف ایک چھوٹی سی فوج ساتھ لی۔ قُل یا قلب لشکر کے صرف تین جن کی تعداد تیس ہزار تھی۔ دو تجربہ کار سپہ سالار جو باقی دونوں دستوں کی کمان کر رہے تھے اور اس نے ساتھ غائب ہو گیا۔

میں اس نے جنوب کی طرف، گوبی کے ریگستانی حصّے کے اُس پار کوچ شروع کیا۔ وہ ویران دیوارِ چین کے ہو کر گزرا، جو اب مغل شاہراہ بن چکی تھی اور پہاڑوں میں گھس گیا۔ جنوب میں دُور تک چلا گیا۔ جب وہ مشرق کی تو چیل کی تاریک پہاڑیوں کے اُس پار افق پر تبت کی برف پوش چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ سیچواں کے پہاڑی بڑھتا ہوا وہ دفعتہً سُنگ سلطنت کے غیر جانبدار علاقے میں نمودار ہوا۔ تیزی سے بڑھ کے اس نے دریائے کا حصّہ عبور کیا۔ اب اُسے سُنگ سلطنت کی اجازت مل گئی تھی کہ وہ اس علاقے میں اپنا کوچ جاری رکھے کوچ تو وہ بہرحال کر ہی رہا تھا —— وہ شمال کی طرف پلٹا اور ان پہاڑیوں میں گھستا چلا گیا جن سے کوئی فوج نہیں گزری تھی۔

کسی نے مزاحمت نہیں کی، کیونکہ کسی کو اس کی توقع نہ تھی کہ وہ اس خطّے میں نمودار ہوگا۔ اب کِن سپہ سالاروں نے ساتھ نے کے اُس کے مقابلے کے لیے جنوب کی طرف کوچ کیا۔

سردی کا موسم تھا اور بڑی سخت سردی تھی۔ اس سخت گیر کوچ کی وجہ سے تولوئی کے پہاڑی دستوں کی تعداد گھٹ گئی، وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ کِن فوجیں اُس کے تعاقب میں پہاڑوں پر چڑھتی گئیں اور نان کنگ کے دربار کو سمجھنے لگیں کہ انھیں فتح حاصل ہو رہی ہے، لیکن تولوئی نے ان کا سارا سامانِ رسد لُوٹ لیا اور بیچ کاٹ کے زیادہ بلند اور دشوار گزار پہاڑوں میں گھس گیا۔ دونوں فوجوں پر جاڑے کا طوفان ٹوٹ پڑا۔ مغل جو سموروں کے پہنتے تھے، کِن فوج کے مقابلے میں زیادہ محفوظ تھے جس کو اس قدر تیزی سے جھونک دیا گیا تھا۔ رسد کا سلسلہ گیا اور سپاہی بھوک کے مرنے لگے۔ مغلوں نے مُردہ گھوڑوں اور مُردہ انسانوں کا گوشت کھانا شروع کیا۔ بلندیوں بھوک پیٹ کے تھکے مارے دشمن پر دھاوے کرتے۔

اس کٹی پھٹی سرزمین میں محض تعداد کی زیادتی کی وجہ سے کِن سواروں کے ایسے دھاووں سے وہ اپنے آپ کو تھے۔ اس دوران میں اوغدائی اور سوبودائی نے دریائے زرد کے خطِ مدافعت کو شمال میں عبور کر لیا تھا۔ کِن قلعہ بند فوجیں اس نئے خطرے کے مقابلے کے لیے اکٹھا کی گئیں اور قلب فوج کو جلدی سے واپس لیکن اُسے تولوئی کے متواتر چھاپوں سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا اور اس کی واپسی تیز پسپائی بن گئی۔ تولوئی فراست سے سوبودائی کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

شمالی محاذ پر کِن سپہ سالاروں نے دریاؤں کے بند کاٹنے کی کوشش کی تاکہ نان کنگ کے اطراف کے علاقے کا پانی پھیلا دیا جائے، لیکن سوبودائی کے ہراول دستے بندوں پر پہلے ہی سے پہنچ گئے اور سیلاب کو روک

دیا۔ اُس کی فوجوں نے ختائیوں کو اپنے دارالسلطنت کی طرف پسپا کر دیا۔

تولوئی کے آگے آگے بھاگتی ہوئی کن کی باقی ماندہ اصل فوج نان کنگ کے قریب قریب تک پہ کے دستوں اور سوبودائی کے ہراول کے درمیان گھس گئی اور گھر گئی۔

محض اپنے داؤں پیچ سے مغلوں نے دشمن کے قلب فوج کو مفلوج کر دیا تھا اور اُسے مویشیوں کی طرح گھیر لیا تھا جس کے ذبح کرنے کا وقت آگیا ہو۔ ختا کی فوج نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تو لڑائی میں اُسے نیست و نابود کر دیا گیا۔

اب نان کنگ کی کئی لاکھ کی آبادی نے دیکھا مغل محاصرے کی تیاری کر رہے ہیں۔ خوشی کے عا سنغا نے اپنے خیمے میں اپنے بھائی کا خیر مقدم کیا اور اُس سے اُس کی طویل یلغار کا حال سُنا۔ تولوئی نے برسبیلِ تذکرہ کامیابی محض اُس کے سپاہیوں کی قوتِ برداشت کی وجہ سے ہوئی۔

اب لڑائی کا داؤں پیچ ختم ہو چکا تھا اور محاصرے کی لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ اوغدائی نے فوج کو کے سپرد کی۔ اس علاقے میں کڑی گرمیوں کی شدت شروع ہو چکی تھی اور بھاری بھرکم خاقان شمالی چراگاہ ہوا کا متلاشی تھا۔ وہ دیوار کے راستے، تولوئی کو اپنے ساتھ لیے واپس لوٹا اور شہنشاہِ زریں سے جواب صلح تحفے طلب کیے۔ حسب دستور اوغدائی نے غیر معمولی تحفے طلب کیے مثلاً ایک فاضل جو کنفوشس کی اولاد سی لڑکیاں جو کاڑھنا جانتی تھیں، مرد نوکر جو بازوں سے شکار کھیل سکتے تھے۔ یہ سب تحفے اُسے بھیج د لیکن سوبودائی نے محاصرہ اٹھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اُس نے تو صلح کی کوئی خبر نہیں سُنی۔

دیوارِ عظیم کو عبور کرنے کے بعد اوغدائی ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ یے لیو چیت سائی موجود نہ طبیب نہ مل سکا اور اوغدائی نے اپنے "تام" یعنی ایسے شامان ساحر طلب کیے جو بیماری کے آسیبوں کو کرتے ہیں۔

شامانوں نے مریض کے خیمے پر جھریں لگا دیں اور مینڈھے کے ڈھول بجانے لگے۔ ایک چشمے سے پانی ا کے نازک نازک پودوں سے ریت میں چھڑک دی تاکہ زمین پاک ہو جائے۔ انھوں نے پانی میں شراب اور بکری اُنڈیلا اور اُپلوں کی آگ پر لکڑی کی ہانڈی میں اسے جوش دیا۔ اس مرکب سے انھوں نے اوغدائی کے جسم اعضا کو دھویا تاکہ ان آسیبوں کو دھو کے بہا دیں، جو خاقان کے گوشت سے چمٹ گئے تھے۔

پھر تولوئی نے جو خاموشی اور پریشانی سے یہ سب دیکھ رہا تھا، ہانڈی اُن سے لے لی۔ اس نے طلا

وہ اپنی طاقت سے اوغدائی کو اچھا کر دے۔

بھائی کی طرح تولوئی بھی شامانوں کی ساحری کا قائل تھا۔ اس نے یہ کہہ کے اس مرکب کو پی لیا: "تو جانتا ہے کہ خون میری گردن پر ہیں۔ میں نے اس سے زیادہ انسانوں کا خون بہایا ہے اور لاکھوں کو غلام بنایا ہے؟ یہ بھی کہو: "اگر تو اس لیے اُسے اٹھا لینا چاہتا ہے کہ یہ حسین ہے، تو یہ مجھ سے بھی زیادہ بدشکل ہے۔ اس دے اور اس کی جگہ میری جان لے لے۔"

اسے بالکل مناسب معلوم ہوئی۔ اگر بُری بلائیں ایک جان ہی لینا چاہتی تھیں تو تولوئی کی جان سے بھی ان پوری ہو سکتی تھی، جیسے اوغدائی کی جان سے۔ تولوئی جس نے ہزاروں کو مرتے دیکھا تھا، اوغدائی کی موت خوف کھاتا تھا۔

اوغدائی صحت یاب ہونے لگا اور انھوں نے پھر سے اردو کی سمت سفر شروع کیا۔ وہ صیائے اونن قریب کی تاریک پہاڑیوں کے پاس پہنچ چکے تھے کہ تولوئی سخت بیمار پڑا اور چند دنوں کے اندر مر گیا۔ ں کو فخر تھا کہ ان کی ساحری سچی نکلی۔ انھوں نے کہا کہ تولوئی نے اوغدائی کی بیماری پی لی تھی۔

5

شراب پی پی کے بھائی کے مرنے کا غم غلط کرتا رہا۔ چھوٹا بھائی آسمان کے دروازے سے باہر نکل گیا بھی والد کی روح کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہوگی جو نو دُموں والے پرچم میں حلول کر گئی ہے۔ موت کا ان کی چراگاہوں میں آبائی الاؤ سے دھواں بلند ہو رہا تھا۔ مگر الاؤ کا رکھوالا اوغدائی کا ساتھ چھوڑ چکا تھا ختا کی نئی نئی شرابوں کا ذائقہ چکھا جن میں لونگیں اور شکر ملی ہوئی تھی۔ جب وہ پیتا تو اس کے اعضا کی جاتی۔ اس کے سر میں خون گرمی سے دوڑنے لگتا۔ اس کے پاؤں اس طرح چلتے گویا وہ خود بخود ناچ رہا ہے۔ خود اپنی آواز سنتے۔ ایسے وقت میں جب وہ بالکل مدہوش ہوتا، اس کے قبیلے کا جد اعلیٰ نیلا بھیڑیا نمودار ہوتا انت اور طاقت کو محسوس کرتا۔ اُسے ناچنے والی لڑکیوں کی آوازیں یوں سُنائی دیتیں گویا چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں اور ان کی سفید جلد چکنے کپڑے کی طرح دمکتی۔

اردو میں واپس آگیا تھا۔ تیز رفتار قاصدوں نے اُسے تولوئی کی موت کی خبر پہنچائی تھی۔ چغتائی نے اوغدائی بھر میں شراب کے چھ سے زیادہ جام نہ پیا کرو۔ خاقان اپنے بڑے بھائی کے غصے سے اس قدر ڈرتا تھا

کہ اس نے سرتابی کی جرأت نہ کی۔ اس کے علاوہ چغتائی نے ایک افسر کو اس خدمت پر مقرر کیا کہ کھانا کھائے یا شراب پیئے تو وہ حاضر رہے اور اُسے چھ جام سے زیادہ شراب نہ پینے دے۔

اوغدائی اس پر عمل کرتا رہا لیکن اُس نے بڑے بڑے جام بنوا لیے تاکہ ان میں وہ دُگنی شرا نے یہ دیکھا مگر چغتائی کو اس کی اطلاع نہ کی۔

لیکن یولیوچیت سائی سے کسی بات کو چھپانا بہت مشکل تھا۔ یہ عاقل ختائی جانتا تھا کہ تولوئی خوری اور عیش کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ ایک پشت پہلے خانہ بدوش جوش کرکے سڑائے ہوئے کم کے علاوہ اور کوئی شراب نہ پیتے تھے۔ اب ہر طرف شراب کے خُم کے خُم جمع تھے اور وہ نشے کے عاد

ایک دن یولیوچیت سائی اپنے آقا کے پاس لوہے کا ایک گھڑا اٹھا لایا جس میں شراب رہی تھی اور دکھایا کہ الکحل سے لوہا زنگ کھا کے گل گیا تھا اور تنبیہ کی کہ "اگر شراب سے لوہے کا یہ حا تم اپنی آنتوں کا کیا حال کرتے ہو گے۔"

اس مثال کو دیکھ کر اوغدائی بہت متاثر ہوا اور اس نے پینا کم کر دیا۔ یہ کہا "میں تولوئی کا لیے مقدار سے زیادہ پیتا تھا۔"

اوردو میں وہ اکثر سیورقوقطنی کو اپنے سامنے موجود پاتا۔ بیوہ نے ماتم میں کوئی خاص آفت نہ ا شامان اور پجاری ماتم پرسی کے لیے آئے تو اس نے خاموشی سے انھیں تحفے دیے۔ اس کو ماتم پوش اوغدائی کا دل دُکھتا تھا۔ اُس نے اس سے کہا جو تمھارا جی چاہے مانگو میں انکار نہ کروں گا۔ اس نے ایک کو اپنی خدمت کے لیے مانگا جو خاقان کی خدمت پر مامور تھا۔ یہ بڑے کام کا آدمی تھا اور خاقان اسے تھا۔ تب غصے کے عالم میں سیورقوقطنی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے کہا۔

"میں تولوئی سے محبت اور عشق کرتی تھی۔ دیکھو کس کے لیے اُس نے اپنے آپ کو قربان کیا اس نے اپنی جان دی۔"

اوغدائی کو صدمہ اور پشیمانی ہوئی اور اس نے سوچا۔ "سیورقوقطنی ٹھیک کہتی ہے۔ وہ مجھ سے جو وہ چاہتی ہے وہی ہوگا۔"

جب خاقان کی پہلی بیوی تورگینہ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو اس نے ہنگامہ برپا کیا۔ کیا گھاس کے تنکے کی طرح ہے کہ ایک عورت کی پھونک سے اُڑ جاتا ہے۔ اس کے تیز لفظوں سے معلو

سیورقوقطنی نے خاقان کی تحقیر کی ہو۔

خاقان نے تولوئی کی بیوہ کو آزمانا چاہا۔ اس سے یا خاندان زریں کے شہزادوں سے مشورہ لیے بغیر اس نے قبیلے کے دو ہزار سوار اپنے ایک بیٹے کی تحویل میں دے دئے۔

اس پر تولوئی کی زیر کمان فوج کے ہزاری اور دہ ہزاری سوار تولوئی کی بیوہ کے پشت میں بیٹوں اور خاندان زریں کے دوسرے شاہزادوں کے سامنے جمع ہوئے۔

اور کہا: "یہ دو ہزار سُولدو سوار چنگیز خاں کے فرمان کے لحاظ سے ہماری فوج کے حصے کے تھے۔ اب اوغدائی نے انھیں اپنے بیٹے کے حوالے کر دیا ہے کون یہ برداشت کر سکتا ہے؟ ہم چنگیز خاں کی یرلیغ کے الفاظ کیونکر پامال کر سکتے ہیں۔ ہم خاقان کے روبرو یہی کہیں گے۔"

سیورقوقطنی نے آہستگی سے اُن سے کہا: "تمھارا کہنا ٹھیک ہے لیکن سوچو تو سہی کیا ہمیں کچھ کم مال و دولت ملا ہے؟ ہمارے ساتھ کس بات میں کمی کی گئی ہے اور پھر فوج اور ہم سب خاقان ہی کے تو ہیں۔ ہم سب اس کے چاکر ہیں اور وہ جانتا ہے کہ کون حکم مناسب ہے اور ہم اُس کی مرضی کے آگے سر جھکا دیں گے۔"

یہ سُن کر سردار خاموش کھڑے رہے اور ہر ایک کا اطمینان ہوگیا۔

خاص طور پر اوغدائی کا اطمینان ہوگیا۔ اُس نے شہزادوں سے پوچھا "بھلا عورتوں میں کوئی اس کی نظیر بھی ملی ہے؟" اُس نے کچھ دیر سوچ کے فیصلہ کیا کہ سیورقوقطنی بیگی کی دوبارہ شادی کرا دینا چاہیئے اور اپنے سب سے بڑے بیٹے تیوق کا پیغام بھیجا (قبائل کا دستور یہی تھا کہ اگر کوئی مر جاتا تو اس کا بھائی یا بھتیجا اس کی بیوی سے نکاح کر لیتا)۔

اوغدائی نے سوچا کہ تیوق ہمیشہ افسردہ اور تنہا رہتا ہے۔ بیماری کی بلائیں اور آسیب اُسے ستاتے رہتے ہیں۔ سیورقوقطنی اس کے لیے نعمت بن جائے گی اور اس شادی سے اُس کا گھر اور تولوئی کا گھر ایک ہو جائے گا۔

جب اُس کے قاصد نے یہ پیغام سیورقوقطنی کو سُنایا تو اُس نے خاقان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ دوبارہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اُس نے کہا "خاقان کا حکم میرے سر آنکھوں پر مگر میری تمنا صرف یہ ہے کہ میں اپنے بچوں کو پال کے بڑا کروں، انھیں آداب اور تمیز سکھاؤں، انھیں ایک دوسرے سے نفرت نہ کرنے دوں، ایک دوسرے سے بیگانہ نہ بننے دوں — تاکہ ان کی وفاداری سے سب کو فائدہ پہنچے۔"

اوغدائی ایک ماں کی اس آرزو سے بہت متاثر ہوا۔ اُس نے طے کیا کہ تولوئی کا سارا ورثہ اُسے ملنا چاہیئے۔

گھر اور مغلوں کا الاؤ، جو اصلی قبیلوں کا مرکز ہے اور پُرانی کار آزمودہ فوج کا زیادہ تر حصّہ۔ وہ اُسے باعفت، عاقل سمجھتا تھا اور سیور قوقطنی نے تشکّر کے ساتھ اپنے شوہر کی وراثت کا حق قبول کیا۔

رشیدالدین لکھتا ہے: "چونکہ اس کے بعض بچّے بہت چھوٹے تھے اس لیے وہ ان کی رہنمائی کر طرح سے ان کی تربیت کی کوشش کرتی اور ان بڑے بڑے سرداروں اور جنگی قبیلوں کی نگرانی کرتی جو ا چنگیز خاں سے ورثے میں پائے تھے اور یہ سردار یہ دیکھ کر کہ وہ کسی بات میں مردوں سے کم نہیں، اس کی تعمیل سے نہ ہچکچاتے تھے۔"

تولوئی مر گیا تھا، اوغدائی زندہ تھا۔ اس کے لڑکے خاندانِ زرّیں کی سرداری کے امکان سے اور چکے تھے، لیکن سیور قوقطنی نے ان کی طاقت برقرار رکھی اور خود تولوئی کے خاندان کی سردار بنی رہی۔ یلیوچ کی عقل و فراست سے زیادہ جبلّت نے اُسے یہ سبق سکھا دیا تھا کہ مغلوں کی اس نئی دنیا میں کمزوروں کا کو

اوغدائی کا محل

ختا کی جنگ سے واپس ہونے کے بعد اوغدائی میں اس کا حوصلہ نہ رہا کہ وہ قراقرم کی ہٹ کا مقا وہ ختا کے آرام دہ مکانوں میں کچھ عرصہ گزار چکا تھا اور ان کے صحن اور باغوں کے حوض اسے بہت پسند تھے۔ پھ کی زندگی اُسے بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اوغدائی نے بڑی ہوشیاری سے ایک درمیانی راستہ ڈھونڈھ نکالا۔ وہ ا بنانے لگا کہ ان کے درمیان گشت لگاتا رہے۔

رشید کا بیان ہے: "اس نے ہر قسم کے مکانات کی تعمیر کی طرف توجہ کی۔

اپنے شہری قیام کے لیے اس نے جھیل بیکال کے جنوب میں جہاں سے ایک دریا پھوٹ نکلتا تھا، کی زمین منتخب کی۔ یہاں اُس نے سوکھی ہوئی مٹی کی ایک دیوار کھنچوا دی جو شہر پناہ کی نشانی بھی تھی اور جس میں گھ بھی اکٹھا کیے جا سکتے تھے۔

اس مقام کو قراقورم کہتے تھے، جس کے معنی ہیں کالی دیواریں۔ اس کا دوسرا نام اردو بالیغ تھا یعنی خ والا شہر۔

رشید کا بیان ہے "چونکہ وہ ختا کے علاقے سے ایسے کاریگر ساتھ لایا تھا جو اپنے فن کے ماہر تھے، اُس حکم دیا کہ قراقورم میں جہاں اس کی اپنی یورت تھی اور جہاں وہ اقامت پذیر ہونا چاہتا تھا، ٹھوس بنیاد اور اونچے

ا محل بنایا جائے، جو اس جیسے شہریار کے شایانِ شان ہو۔ یہ محل ایک تیر کی اُڑان کے برابر وسیع تھا اور اس میں تصویریں اور مجسّمے نصب تھے۔ اسی میں اُس کی تخت گاہ اور اس کا دربار تھا۔ پھر یہ فرمان جاری ہوا کہ اُس کا ائی اور بیٹے اور دوسرے شاہزادے بھی اس کے قریب اپنے اپنے محل بنائیں۔ سب نے اس حکم کی تعمیل کی۔ سب حل بنے اور مکمل ہوئے۔ لوگوں کا جمِ غفیر جمع ہو کے ان محلوں کو دیکھا کرتا۔

تب خاقان نے حکم دیا کہ بڑے بڑے اُستاد سنار شراب نوشی کے کمرے میں ضیافت کے لیے فوّارے بنائیں اور کلیں ہاتھی، شیروں اور گھوڑوں کی سی ہوں۔ ان جانوروں کے جسموں میں شراب یا گھوڑی کا دودھ بھر دیا جاتا ہے، کے آگے ایک چاندی کا ظرف دھرا ہوتا جس میں یہ شراب یا گھوڑی کا دودھ گرتا۔

اور اُس نے حکم دیا کہ "روزانہ پانچ سو چھکڑے، جن میں سے ایک ایک کو چھ چھ بیل کھینچتے اور جن میں شراب، غلّہ لات بھرا ہوتا، اس کے محل پر گودام سے سامان لے کر آیا کریں۔"

قراقورم میں اپنے صحرائی دار السلطنت سے دن بھر کی مسافت پر اوغدائی نے ضیافت کے لیے ایک شاہیانہ کا ل تیار کرایا۔ جب ضیافت کرنی منظور ہوتی وہ وہاں چلا جاتا اور بہار میں ایک مہینہ وہ اپنے محل میں قیام کرتا۔

رشید لکھتا ہے: "سب کو حکم تھا کہ ایک ہی رنگ کے کپڑے پہنیں۔ مہینہ بھر وہ محل کی مسرّتوں میں گزارتا نے کے دروازے کھول دیتا اور گدا اور امیر سب اُس کی فیاضی سے مالا مال ہوتے۔ ہر شام وہ اپنے تیر اندازوں واروں کو ایک دوسرے کے مقابل تعینات کرتا اور جو جیتتے ان کی داد دیتا اور انھیں انعام بخشتا۔"

قراقورم کو تو چینیوں نے بنایا تھا، لیکن چراگاہوں میں اور آگے ایرانی معمار ایک ایسے مقام پر ایک اور محل ہے تھے جس کے متعلق اس نے شکارگاہ کے محافظوں سے سنا تھا کہ بہت پہلے یہاں کوئی بادشاہ رہا کرتا تھا۔ وہ ہار میں آیا کرتا جب کہ جاڑوں کے گزر جانے کے بعد بالور ادھر اُدھر پھرنے لگتے۔ اس مقام کا نام اس نے خان (گرگِ سفید) رکھا تھا۔

رمیاں گزارنے کے لیے اوغدائی نے نیلی جھیل کے پاس ایک مقام کا انتخاب کیا تھا، جہاں جنگلی پرندے جمع ۔ یہاں اس نے ایک بڑا سا خیمہ نصب کیا تھا، جو باہر سے طلائے منقّش تھا اور جس کے اندر دیواروں پر غالیچے لٹکے تھے۔ اس خیمے میں ہزار آدمی جمع ہو سکتے تھے۔ اس کا نام اس نے سیرا اردو یا طلائی اُردو رکھا تھا۔

جاڑے وہ شکار والی دیوار کے پاس گزارتا اور اس کے ساتھ فوج کا بیشتر حصّہ ہوتا جو شکار کو ہنکاتا۔

رشید نے لکھا ہے: "ایک مہینہ تک وہ سب مل کے آدمیوں کا ایک حلقہ بناتے اور سپاہی کندھے سے کندھا ملا

کے اس حلقے کو تنگ کرتے جاتے یہاں تک کہ شکار کے جانور دیوار کی زد میں آجاتے۔ پہلے اوغدائی اور اس کے ساتھی محصور جانوروں کے ہجوم میں داخل ہو کے صید و شکار کا لطف اٹھاتے۔ جب اس کا دل بھر جاتا تو دوسرے شہزادے اور امرا شکار کھیلتے۔ اس کے بعد سپاہیوں اور عام لوگوں کو شکار کھیلنے کی اجازت ملتی۔ بیچا باقی ماندہ جانوروں کو اگلے سال کے شکار کے لیے چھوڑ دیا جاتا۔ منتظمین شکار کی تقسیم اس طرح کرتے کہ کوئی شخص رہنے پاتا۔ نو دن کی ضیافت کے بعد ہر قبیلہ اپنی اپنی یورت کو واپس آجاتا۔

ختا کا حل

چراگاہوں میں اوغدائی کے مدتوں کی تکمیل سے بہت پہلے، سوبودائی کے حملوں کے آگے ختا کے شہر مل چکے تھے۔ اس سے ایک پشت پہلے جب مغلوں نے پہلے ختا پر یورش کی تھی، تو انھوں نے شہروں کو جوں کا دیا تھا کیونکہ اس وقت وہ محاصرے کی جنگ کے فن سے ناآشنا تھے۔ اب ان کی خدمت کے لیے انجینیئر موجو فصیلیں سر کرنے کے لیے نقب لگا سکتے تھے۔

نان کنگ کے قریب فصیل کے مقابل سوبودائی نے اپنے مورچے تیار کیے تھے جن کا محیط پچپن میل تھا لکڑی کے بُرج اس بدبخت شہر کی فصیلوں سے زیادہ بلند تھے۔ ہر دیوار پر محاصرے کی مشینیں چرچراتیں اور کا مغلوں کی آتش باری سے شہر کی چھتوں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے رہتے، لیکن ختائیوں کے پاس ایک آگ کی منجنیقیں تھیں جو ہو پاؤ کہلاتی تھیں اور جو بارود کی وجہ سے قیامت ڈھاتی تھیں۔ ان مشینوں کی نالیاں، فصیل کے روزنوں سے مغلوں کی خندقوں پر اس زور سے بارود کے گولے برساتیں کہ زمین میں غار جس کا رنگ سیاہ ہوتا اور ان سے دھواں نکلتا۔ مغل اپنی جنگی توانائی کے باوجود ہو پاؤ سے اس وقت تک جب تک کہ انھوں نے خود ان مشینوں کو استعمال کرنا نہ سیکھ لیا۔

چھ روز تک سوبودائی فصیلوں پر حملہ کرتا رہا۔ اس مقصد کے لیے قیدیوں نے دیواروں کے مقابل لکڑی کھانچے بلند کیے تھے اور کھانچوں کے ساتھ ساتھ انسانی جسم بلند ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اپنے خیمے میں خاموش لمحے لمحے کی خبریں سنتا رہتا۔ اس کی چھوٹی سی سرخ داڑھی تھی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھیں اور سر کی ہڈیاں بہت ہلکی تھی۔ اس خیمے میں کہیں کوئی لکھی ہوئی تحریر یا جنگ کا نقشہ نہ تھا۔ اس علاقے کا نقشہ اور فوج کی نقل و حرکت کے مقامات اس کے ذہن میں محفوظ تھے اور وہ خود موت کی طرح اٹل تھا۔

جن قیدیوں کو موت کی سزا ملی تھی اُن میں ایک کن جنرل بھی تھا، اس نے درخواست کی کہ اُسے بتایا جائے کہ سوبودائی کون سا ہے۔ سوبودائی آگے بڑھ آیا اور پوچھا: "تجھے لمحہ بھر بھی اور نہیں جینا ہے۔ بتا تجھے مجھ سے کیا غرض ہے؟"

قیدی نے جواب دیا: "تجھ جیسے فاتح اتفاق سے نہیں تقدیر سے بنتے ہیں۔ تجھے دیکھنے کے بعد اب میں مرنے کو راضی ہوں۔" اور اسے قتل کر دیا گیا۔

جب حملہ ناکام ہوا، تو مغل سردار نے تحمل سے انتظار کرنا شروع کیا کہ اب فاقہ کشی سے شہر خود بخود تنگ آجائے شہر کے اندر جو ہجوم غفیر تھا، پہلے تو انھوں نے رہے سہے گھوڑوں کا گوشت کھایا۔ گھاس ملا کے زین کے چمڑے اور ان کی ہڈیوں کا شوربہ پیا۔ بیمار اور مُردہ قیدیوں کا گوشت کاٹ کاٹ کے پکایا جاتا۔ پھر وبا پھوٹ پڑی اور زندوں کی تعداد اور کم ہو گئی۔ سوبودائی نے اعلان کیا کہ اب وہ صلح کی گفت و شنید سننے کو تیار ہے اور یہ امید دیکھ کے کن لوگوں نے اناج کے انبار کے انبار اس کے پاس بھیجنے شروع کیے۔ اس پر سوبودائی نے فصیلوں کی حدِ نظر سے دُور اُس پر سے فوجیں ہٹا لیں، مگر زیادہ دُور نہیں۔

وہ وبا سے دُور اپنے سپاہیوں کو آرام دینا چاہتا تھا۔ جب وہ پھر تیار ہو گیا تو اُس نے دھاوا بول دیا۔ سنگ سلطنت چینی سپاہیوں کا ایک دستہ اس کی مدد کر رہا تھا۔

نوجوان اور تنومند کن شہنشاہ نے جو ان پے در پے مصائب سے نقشِ حیرت بن گیا تھا، سنگ شہنشاہ کو یہ خط کہ مغلوں نے ہیا اور چالیس سلطنتوں پر قبضہ کر لیا ہے، کن کے بعد سنگ کی باری آکے رہے گی۔ تم برا کر رہے ہو ان کی مدد کر رہے ہو؟"

اس شہنشاہ زر ہی کی سمجھ میں یہ بات نہ آنے پائی تھی کہ اُس کے خانوادے کا دور ختم ہو چکا ہے۔ پیدائشی طور پر ملکوں کا سرتاج تھا اور یہ رعایا مختلف درجوں میں اس کی تابع فرمان اور غلام تھی۔ بچپن ہی سے اس کی تعلیم اس کی جاتی ہے گویا اس کا وجود آسمان کی سلطنت کی طرح ہے۔ اب بھی وہ نظمیں لکھ دیتا تھا اور موسیقی اور کنیزوں کے ساتھ نان کنگ کی جھیل پر سیر کی کشتی میں جی بہلایا کرتا ___ یہاں تک کہ مغلوں نے اس جھیل کو خشک کر دیا۔

وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر سے نکل گیا کہ ایک نئی فوج تیار کرے، لیکن اُس نے دیکھا کہ اور شہر یا تو تباہ ہو چکے یا اُن پر مایوسی کا عالم طاری ہے اور مغل سواروں سے بچنے کے لیے اس نے ایک قلعہ میں پناہ لی۔ عورتوں نے مردوں کے کپڑے پہن لیے کہ اپنے شہنشاہ کی جان بچائیں۔ یہ اس وقت، جب یہ اطلاع ملی کہ مغل نان کنگ کی فصیل توڑ کے اندر گھس آئے ہیں۔

اُس نے خاتمِ سلطنت اُتار دی اور اپنے عزیزوں کے حوالے کی کہ اگر زندہ رہو تو خاندان کا نام باقی رکھ
اُس نے حکم دیا کہ اُس کے حرم کی جو جو عورتیں ساتھ تھیں اُن سب کو قتل کر دیا جائے۔ جس بُرج میں اُس نے تھی حکم دیا کہ اس میں خشک گھاس بھر کے آگ لگا دی جائے اور اس گھاس کے اوپر اُس نے اپنے گلے ڈال کے خودکشی کر لی۔

اُس کے خادم اس کی خاک کو مقدس پانی کے چھینٹوں سے ٹھنڈا بھی نہ کر پائے تھے کہ سُنگ سپاہ ساتھ مغل سپاہی یہاں گھس آئے۔ سُنگ سپہ سالار نے اس کی خاکستر سے ایک کاسہ بھر لیا کہ اسے چینیوا شہنشاہ کے مندر کو لے جائے۔

شہنشاہ نوزدیں جسے شاعری کا ذوق تھا، اس کاسہ میں جس پر کچھ حروف درج تھے خاکستر بن کر رہ گیا۔ ا
خاندان کے باقی ماندہ افراد نے دریا میں کود کر خودکشی کر لی، جو بچے انھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔

اس طرح کِن خاندان کا خاتمہ ہُوا۔ یلیو چیت سائی نے اس کے تمدن کو باقی رکھا اور اس تمدن کے باقی ماندہ بچے کھچے انسانوں کو زندگی بخشی، جن کا کوئی ملجا و ماوا باقی نہ رہا تھا۔

جہاں جہاں مغلوں نے لوٹ کھسوٹ مچا رکھی تھی، وہاں حسبِ معمول فتح کے بعد یلیو چیت سائی نے قبل اس کے کہ مغلوں کی غارت گری اور آتش زنی سے علم و فنون کے جواہر پارے ہمیشہ کے لیے نیست و نابود یلیو چیت سائی اور اس کے ختائی ملازمین نے بہت سے ایسے کار آمد شاہکار بچا لیے جنھیں مغلوں اُدھر پھینک رکھا تھا۔ مثلاً نقشوں کے مجموعے، مُو قلم کی تصویروں کے مُرقّعے، پُرانے سکّے وغیرہ اور کا کے گٹھے کے گٹھے

جب اس نے نان کنگ کے سقوط کی خبر سنی تو وہ سیدھا اوغدائی کی خدمت میں حاضر ہُوا اور یہاں ایک کام کر گزرا۔ وہ جانتا تھا کہ ہونان کی زیادہ تر آبادی اس شہر میں پناہ گزین ہے۔ اُس نے خاقان سے درخوا کئی لاکھ باقی ماندہ افراد کی جان بخشی فرمائی جائے۔

اُس وقت تک مغل فوجوں کا دستور تھا کہ جو قلعہ بند شہر ان کا مقابلہ کرتا، اُسے وہ بالکل تباہ و تار سوبودائی حسبِ معمول اپنے دستوں کو نان کنگ میں عام لوٹ اور قتلِ عام کی اجازت دینے ہی والا تھا۔ ا کی سخت مقاومت کی وجہ سے مغل سردار بہت برہم تھے۔

شروع شروع میں اوغدائی نے اس پرانے معمول کو توڑنے سے انکار کر دیا۔

ختائی نے اُس سے سوال کیا: "کیا آپ دس سال کی مسلسل جنگ کا ثمرہ اتنی آسانی سے کھو دینے پر تُلے ہوئے یں؟" اُس نے پوچھا کہ ختا کی زمین میں اُس کے باشندوں کے سوا کیا رکھا ہے جو غلہ اور چاول اُگاتے ہیں، ریشمی ڑوں اور شہتوت سے ریشم حاصل کرتے ہیں۔

اوغدائی پھر بھی اپنے انکار پر قائم رہا۔

اُس کے وزیر نے بحث کرنی نہ چھوڑی: "یہ بھی تو سوچیے کہ ختا میں آپ نے جو خزانہ حاصل کیا ہے سارا سونا ندی، بیش قیمت اشیا، تلواروں اور تیر کی نوکوں کی بے مثل افراط یہ صرف چند ہُنر کاروں کی محنت کا نتیجہ ہے اگر آپ اس پشت کے آدمیوں کا خاتمہ کر دیں گے تو آپ کے لیے اور خزانے کا سامان کیسے بنے گا؟"

یہ بات اوغدائی کی سمجھ میں آ گئی۔ اُس نے سوبودائی کو حکم بھیج دیا کہ شہری آبادی کی جان بخشی کر دی جائے۔ ائی فوجوں کا تو خاتمہ ہو ہی چکا تھا، ان کے افسروں اور شاہی خاندان کے افراد کو قتل کیا جا چکا تھا، لیکن کسان اشت کار، شہروں کے کاریگر اور اہلِ علم و کمال اس طوفان میں زندہ بچ گئے۔ یلیو چیت سائی نے اس کا پکّا انتظام اس طرح کر لیا کہ ان سب کو ایسی جھنڈیاں تقسیم کر دیں جن پر خاقان کا یرلیغ (فرمان) درج تھا۔ اُس نے بڑی شفقت اٹھا کے پناہ گزینوں کو پہاڑوں سے واپس بلا بھیجا تاکہ وہ وہاں بُرے قزاق بن کر نہ رہ جائیں۔

اُس نے اوغدائی سے وعدہ کیا تھا کہ ایسا وقت آ ہی جائے گا کہ وہ ختا کی مال گزاری سے ہر سال دس لاکھ اونس چاندی وصول کر سکے گا۔ اوغدائی کو اس پر یقین تھا کیونکہ یلیو چیت سائی کا کوئی وعدہ اب تک جھوٹا نہ ثابت ہُوا تھا۔

لیکن قراقورم کے بہت سے مغل اُمرا کا اس بات سے اطمینان نہ ہُوا تھا۔ پہلے تو انھیں تعجب ہُوا کہ کس قدر مال محاصل کے ذریعے آ رہی ہے لیکن پھر انھوں نے اوغدائی سے شکایت کی کہ محصول بہت کم لگایا گیا ہے۔ اگر محاصل سے اتنی آمدنی ہو سکتی ہے، تو یہ دوگنے کیوں نہ کر دیے جائیں تاکہ دُگنی آمدنی ہو۔

یلیو چیت سائی نے انھیں سمجھایا، حکومت کا کام ذرائع دولت کو بچانا ہے، یہ حرص بے نہیں چل سکے گی۔ اس نے کہا: "اگر حریص لوگ ان محصولوں سے امیر ہوتے جا رہے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ محصول بہت زیادہ ہیں۔"

جس ہمت سے یلیو چیت سائی چینی تمدن کے تحفظ اور بقا کی لڑائی لڑ رہا تھا، اس کے لیے ہمت سے زیادہ کسی اور شے کی ضرورت تھی۔ صرف فولاد جیسی قوتِ ارادی سوبودائی جیسی قوتِ ارادی جسے کوئی توڑ یا موڑ نہ سکتا تھا اور غیر معمولی حاضر جوابی اور فراست سے وہ ان فاتحوں کو قائل کر سکتا تھا کہ

جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ٹھیک ہے۔ مزید براں ان کی عظیم الشان سلطنت کے تمام خطوں کے متعلق ساری معلومات نوکِ زبان تھیں۔

اہلِ ختا نے ین کنگ اور ایسے ہی دوسرے مقام پر مدرسے کھولنا شروع کر دیے تھے جن میں مغل شہزا[دے] لڑکے جغرافیہ، علمِ ہیئت اور تاریخ کی تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اُس نے انھیں سمجھایا کہ علم کے ذریعے کی سیاحت سے پہلے اُس کے متعلق معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں، ستاروں کی رفتار کے متعلق قیاس آرائی کی جا سکتی اب تک مغل ستاروں کو بڑی توہم کی نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب تعلیم کا سلسلہ شروع ہُوا، تو مغل اپ[نے] لڑکوں کو اِن نئے مدرسوں میں داخل کرانے لگے۔

"چکن تو دیلمی نودں اُن چی" بڑے بوڑھے اپنے لڑکوں کو سمجھانے لگے۔ اس کے معنی تھے: "کان دھوکا د[یتے] ہیں۔ آنکھیں ٹھیک راستہ بتاتی ہیں۔"

سخت تنظیم کا دَور شروع ہو گیا۔ مفتوحہ علاقوں کے مغل سرداروں کے فرائض گورنروں سے بڑھ کر تھے۔ [و]ہ خانہ بدوش تھے جو صرف حاضر کے لمحوں کی فکر کرنا جانتے تھے اور جلب منفعت کے سوا اور کسی بات پر اُن کی نظ[ر] زراعت پیشہ ختا پر انھوں نے دشت کے دستور اور آئین مسلّط کرنا چاہے۔ اگر شاہراہوں پر قزّاق ڈاکا ڈا[لتے تو] قریب کے دیہاتی باشندوں پر جرمانہ عائد کر کے نقصان پورا کر لیتے۔ چوکیوں کے لیے انھوں نے زبردستی گھوڑے لیے، کیونکہ انھیں چوکیوں سے اس نئی سلطنت کے رسل و رسائل کا ربط قائم تھا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ چینی گاؤں کے نمبردار، جن کو چاندی میں محصول ادا کرنا پڑتا، قرض دینے والوں سے قرض رقم ادا کرتے۔ سال بھر کے عرصے میں محصول کی تعداد اصل قرض سے دوچند ہو جاتی۔ اگر ادائگی کے بغیر ایک سال او[ر] تو قرض اور سُود کی تعداد دوچند ہو جاتی اور قرض خواہ گاؤں کی رعایا کے مویشی قرض میں وصول کر لیتے۔ اس پر گا[ؤں کے] لوگ گھر بار چھوڑ دیتے، یا اپنے بچوں کو غلامی میں بیچ دیتے اور خود اس خستہ حال و سرگرداں جمِ غفیر میں گم ہو جو ہر جنگ کے بعد وجود میں آتا ہے۔

یے لیوچت سائی نے اوغدائی کو سمجھایا کہ ان مظلوم کسانوں کے قرض کا بار شاہی خزانے کو اُٹھانا چاہیئے۔ ا[س نے] خاقان سے کہا: "یہ لوگ آپ کی اولاد کی طرح ہیں۔"

اوغدائی کے دل میں ایک نیا خیال آیا۔ اُس نے یے لیوچت سائی سے کہا: "مَیں نے سُنا ہے کہ چین م[یں زر] بنانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک بیکار سی چیز پر جسے کاغذ کہتے ہیں کچھ عبارت چھاپ دی جاتی ہے اور ا[س]

[ل]ہٰذا اِن کاغذوں کا رواج ہے۔ ہم اس طرح کے کاغذ کیوں نہ چھاپیں؟"

[ی]ے [لیوچت سائی] مُسکرایا: "بے شک ایک زمانے میں یہ دستور تھا اور جس وزیر نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا، اُسے رَدّی والے وزیر کا لقب دیا گیا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس کاغذ کی قیمت اتنی گر گئی کہ دس ہزار تاٹل کے داموں ایک روٹی ملنے لگی۔ آپ یہ تو نہیں چاہتے کہ ہمارا بھی یہی حشر ہو؟"

اُس نے سمجھا کہ کاغذی زر کی ایک خاص خصوصیت ہے۔ اگر اسے کم تعداد میں چھاپیئے تو یقیناً اس کی قیمت بہت ہے، لیکن اگر اُسے زیادہ چھاپیئے تو یہ رَدّی بن جاتا ہے۔ اُس نے کہا: "پہلے پہل ایک لاکھ تولے چاندی کے [بد]لے ایک لاکھ کاغذی نوٹ جاری کرنے چاہئیں۔" جب نوٹوں کے جاری کرنے کا وقت آیا، تو اُس نے صرف پچاس [ہزار تو]لے کے نوٹ جاری کیے۔

اس بات کی طرف اوغدائی نے کوئی خاص توجہ نہ کی۔ یہ یے لیوچت سائی کا معاملہ تھا۔ خاقان کو شام کے وقت [گھوڑوں کی] ریس کے کھیل اور اکھاڑے میں کُشتی دیکھنے کا زیادہ شوق تھا۔

یے لیوچت سائی کو اُن مغل سرداروں کا بڑا تلخی سے مقابلہ کرنا پڑا جنھوں نے اوغدائی سے مفتوحہ اضلاع کا سردار [بنائے] جانے کی درخواست کی تھی۔ خاقان اس کے لیے بالکل تیار تھا کہ اپنی سلطنت کے اس طرح حصّے بخرے کر دے [لیکن د]انائے چین خوب جانتا تھا کہ ملک میں اس طرح کے جاگیرداری نظام کے جاری کر دینے کے کیا نتائج ہوں گے۔

اُس نے مشورہ دیا: "انھیں جتنا چاہیئے سونا اور کپڑا دیجئے، لیکن زمین نہ تقسیم کیجئے۔"

اوغدائی نے عذر کیا: "مَیں وعدہ کر چکا ہوں۔"

"تو ان شہزادوں اور امیروں کو ان اضلاع کا ایک سال کا محصول انعام میں دے دیجئے، لیکن زمین اور رعایا کو [اپنے ہا]تھ سے نہ نکلنے دیجئے۔"

اُس کی رائے تو مان لی گئی، لیکن اس سے اُس کے دشمنوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ جب اُس نے ایک ملزم کے [خلاف] فیصلہ کیا جس نے ایک پجاری کو قتل کیا تھا، تو اوغدائی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اُس نے حکم دیا کہ یے لیوچت سائی [کو نظر ب]ند کر لیا جائے۔ لیکن چند دن ہی میں اُسے اپنا وزیر آنا یاد آنے لگا کہ اُس نے اس کی رہائی کا حکم صادر کیا، [لیکن] یے لیوچت سائی قید سے باہر نہ نکلا۔

اُس نے اوغدائی کو کہلا بھیجا: "آپ نے مجھے اپنا وزیر بنایا، پھر آپ نے مجھے قید کر دیا، جس کے معنی یہ ہیں [کہ مَیں م]جرم تھا، پھر آپ نے مجھے رہا کیا، جس کے معنی ہیں مَیں بے گناہ ہوں۔ مگر اب مَیں سلطنت کا کاروبار کیسے

انجام دوں۔"

خاقان نے قاصد کے ہاتھ جواب میں کہلا بھیجا: "دن بھر میں میری زباں سے بھولے سے ہزاروں نکل جاتی ہیں، میں کس کس کا الزام اپنے سر لوں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ تم بے گناہ ہو، اس لیے تمھیں اپنے عہدے پر کیا جاتا ہے۔"

۱۲۳۵ء کے موسمِ بہار میں، جو مغلوں کی جنتری کے لحاظ سے بکری کا سال تھا، اوغدائی نے دو قورلتائی طلب کی، تاکہ قراقورم کے محل کی تیاری اور آبادی کی تقریب میں ضیافت کی جائے اور پہلی شام کی ضیا سب سے پہلے اس نے یے لیوچت سائی کا جامِ صحت تجویز کیا۔

کہنے لگا: "دیکھو تو سہی، یہاں میرے پاس بیٹھے بیٹھے یہ شخص دُور دُور سے میرے لیے سونے اور جوا کے خزانے کھینچ منگاتا ہے۔ آج تک کسی شہریار کو ایسا وزیر کہیں ملا ہے؟"

اور اس نے یے لیوچت سائی کو ختا کا حاکمِ اعلیٰ مقرر کیا۔

اس موقع پر اوغدائی کا دل گرم تھا۔ اُس کے پہلو میں بائیں جانب بڑی شان و شوکت سے تورا کی تھی اور شراب نوشی کے طویل ایوان میں اس کے ہزاروں عزیز اُس کے سامنے بیٹھے تھے۔ چمکتے ہوئے گھوڑ ہاتھیوں کے منہ سے شراب اور گھوڑیوں کے دُودھ سے چاندی کے خُم کے خُم بھرے جا رہے تھے۔ سامنے نیلے رنگ کے کپڑے پہنے تھے جو آسمان کا رنگ سمجھا جاتا ہے۔ جب اُس نے پینے کے لیے جام اٹھایا، تو م کی صف نے راگ چھیڑا۔

اوغدائی نے ایران سے پہلوان بلوائے تھے۔ مغان سے تیس پہلوان آئے تھے جن میں سے ایک پیلہ نامی پر اوغدائی کی نظر پڑی۔ یہ حد سے زیادہ تنومند تھا۔ اوغدائی نے شرط لگائی کہ پیلہ دشت کے ہر ہرائے گا اور وہ یہ شرط جیت گیا کیونکہ پیلہ نے ایک فوجی سُورما کی پسلیاں چُور چُور کر دیں۔

اوغدائی نے خوش ہو کے پیلہ کو ایک بڑی خوب صورت کنیز انعام میں دی۔

اس دوسری قورلتائی کے شامیانے میں کئی نئی نئی صورتیں نظر آ رہی تھیں۔ کاروانوں کے سوداگر جنھیں قراقورم کی مٹی کی فصیلوں میں دنیا بھر کی دولت سمٹ آتی ہے۔ من چلے لاما جو تبت سے نئے خانہ بدوش شہ صورت دیکھنے آئے تھے، چالاک اور ذہین لوگ جو ان مغل وحشیوں کی سادگی سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں اب لوگ اوغدائی کے سامنے بڑی چرب زبانی دکھانے لگے تھے، لیکن چت سائی اور یلواچ کی

اس کا تحفظ ہو جاتا اور وہ خود اتنا ذہین تھا کہ جو اُسے فریب دینا چاہتا، خود فریب کھا جاتا۔

ایک اجنبی نے اوغدائی کی مسند کے سامنے سربسجود ہو کے عرض کی کہ روحوں کی دُنیا میں چنگیز خاں کی روح اُسے ایک خاص ہدایت اور بشارت ملی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ مغل اپنے مورثِ اعلیٰ کے ہر حکم کے آگے سر ادیں گے۔

اُس شخص نے کہا کہ خواب میں اُس پیرِ مغل نے اُسے ہدایت کی کہ "میری جانب سے جا کے میرے بیٹوں کو یت دیجیو کہ وہ مسلمانوں کو قطعاً نیست و نابود کر ڈالیں، کیونکہ ان کی ملت بڑی خراب ہے۔"

اوغدائی نے حسبِ معمول کچھ دیر غور کیا۔ پھر پوچھا: "میرے والد نے تم سے کسی ترجمان کے توسط سے ت چیت کی تھی؟"

اُس شخص نے انکار میں سر ہلایا اور کہا کہ فاتحِ اعظم کی روح اُسے تنہا نظر آئی۔

اوغدائی نے پوچھا: "تم مغل بولی سمجھتے ہو؟"

"نہیں، جیسا کہ خاقان پر روشن ہے میں صرف تُرکی جانتا ہوں۔"

"تب تو تم بڑے جھوٹے ہو کیونکہ میرے والد کو مغل بولی کے سوا اور کوئی زبان نہیں آتی تھی۔"

اور اوغدائی نے اس شخص کو قتل کروا دیا۔

چغتائی، جو اب بوڑھا ہوتا جا رہا تھا، اس قورلتائی سے مطمئن تھا۔ یاسا کے احکام کی پابندی سے تعمیل ہو رہی تھی۔ امانِ زریں کے سارے افراد، اقوالِ دانش سُننے کے لیے جمع تھے۔ مورثِ اعلیٰ کے عہدنامے کی تکمیل ہو رہی تھی گزشتہ سالوں کی فتوحات میں ختا کا نام و نشان مٹایا جا چکا تھا اور ایران میں مغل سلطنت کی سرحد بحیرۂ خزر کے آگے ک پہنچ چکی تھی۔ کوریا نے بغاوت کی تھی، لیکن کین کے نابود کیے جانے کے بعد کوریا کی بغاوت آسانی سے فرو کی جا سکتی تھی۔

مغلوں کے اپنے وطن میں سالہا سال کے امن اور فراغت کی وجہ سے فوج کی طاقت بہت مضبوط ہو گئی تھی۔ مال و دولت سے خیمے گوداموں کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کے گلّوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی ان کا شمار ناممکن تھا۔ اس میں شک نہیں کہ چغتائی کو قراقورم میں اوغدائی کی معماری پسند نہ آئی تھی۔ وہ خود خیموں میں رہنے کا قائل تھا، لیکن جب تک اوغدائی دشت ہی میں بود و باش رکھے، اچھا ہے جتنے محل بنا ڈالے، کوئی مضائقہ کی بات نہیں کیوں کہ خانہ بدوشی کا آئین یہی تھا کہ شہروں کی دولت صحراؤں میں کھینچ لائی جائے۔

مغل جانتے تھے کہ نئی مہم کا وقت آگیا ہے اور اب یہ بہت بڑے پیمانے پر ہوگی۔ یہ تو نہیں معلوم کہ فیصلہ کس نے کیا لیکن یہ اصل میں سوبودائی کی بڑی پرانی تمنا تھی کہ مغرب کی طرف بہت بڑے پیمانے پر یلغار کی اور دریائے ڈینیوب کے اُس پار یورپ کے برِاعظم میں رہنے والی جنگجو قوموں کی سرکوبی کی جائے۔ یہ عرصے سے یہ تجویزیں تیار کر رہا تھا۔

حسبِ معمول فوج کا میسرہ چین کی طرف بڑھے گا ——— اس بار دریائے یانگ تسی کے اُس پار سنگ کے مقابلے میں۔ ایک اور دستہ ہراول کے طور پر کشمیر اور شمالی ہند میں گھس جائے گا لیکن اصل فوج سوبودا سرکردگی میں مغرب کا رُخ کرے گی۔

شامانوں اور لاماؤں نے لامحالہ اس تجویز سے ہاں میں ہاں ملائی۔ اسی لیے تو چنگیز خاں کی روح میں موجود ہونا عیاں اور ثابت تھا اور خود اس روح میں جاودانی نیلگوں آسمان کی ساری طاقت مضمر تھی۔

تورا کینہ نے بھی اس تجویز کو اپنی منظورِ نظر کنیز فاطمہ سے مشورہ کر کے منظور کر لیا کیونکہ تولوئی کی موت کے اب اوغدائی خود تو اس کے ساتھ قراقرم ہی میں قیام پذیر رہے گا۔ خاقان کی جگہ اس کا بڑا بیٹا تویوق جائے گا۔ تک تویوق نے مغلوں کے لیے کوئی خاص معرکہ نہیں سر کیا تھا چت سائی یا یلواچ یا سوبودائی کی عظیم الشان شخصیتو آگے وہ ابھی طفلِ مکتب تھا لیکن اگر اُسے مغلوں پر حکومت کرنا تھی تو ضروری یہ تھا کہ وہ لڑائی میں نام پیدا کرے۔ ہے کہ دنیا کے اس پار اس یلغار میں تویوق فوجوں کی سرداری کرے۔

اوغدائی بنفسِ نفیس خود جانا چاہتا تھا لیکن ہر ایک نے اصرار سے اُسے منع کیا۔ کن یلغار میں خاقان کا جاتے جاتے بچی تھی اور اب وہ دوبارہ یہ خطرہ نہیں مول لینا چاہتے تھے۔ کیوں نہ اس کے گھر کا سب سے چھوٹا قائدو، جو بڑا ذہین تھا، سوبودائی کے ساتھ ساتھ اس معرکے پر جائے اور اس کے تجربے سے فائدہ اٹھائے۔

چغتائی نے اعلان کیا کہ اس کے گھرانے سے اس کے دونوں بیٹے اس یلغار پر روانہ ہوں گے۔ ان کتنی شیر بچے، اس شکار میں دانت تیز کرنا سیکھیں گے۔ اُسے یہ نہ معلوم تھا کہ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، کیونکہ اس فوج کی برائے نام کمان تویوق کے نہیں بلکہ باتو کے سپرد کی گئی ——— اگرچہ اس یلغار کی اصل سرداری سوبودائی کا دماغ کر رہا تھا ——— کیونکہ اس یورش کا آغاز مغرب میں باتو کے علاقوں سے ہو تھا اور نئی پود میں باتو خاں ہی سب سے بڑا تھا۔

یلیو چت سائی نے بھی اوغدائی سے گرم بحث کے بعد اس تجویز کو مان لیا، اوغدائی کی رائے پہلا

مطلب پر یورش کے لیے جو فوج بھیجی جائے وہ میسرے کے آزمودہ کار دستوں اور بھرتی کی چینی فوج پر مشتمل ہو اور کام کے لیے باتو اور مغرب کے کرغیز اور ترک قبیلوں کو طلب کیا جائے۔ اوغدائی نے بڑے تدبر سے یہ سوچا طرح میں مغرب کی فوجیں لڑیں اور مغرب میں مشرق کی۔

لیکن چت سائی نے احتجاجاً عرض کی کہ "یہ بہت مشکل ہے۔ مسافتیں بہت دور دراز کی ہیں۔ پھر آپ ترکوں کو دیں گے کہ وہ بحیرۂ چین تک یلغار کریں اور چینی اُن دشمنوں اور صحراؤں کو کیسے فتح کریں گے جن کے متعلق کوئی معلومات نہیں؟"

اصل میں یہ ہوشیار اور دانا چینی ترکوں کو، جو ابھی اچھی طرح متمدن نہیں ہونے پائے تھے، اپنے محبوب وطن میں دینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ چاہتا تھا کہ مغلوں کے وہ شورہ پشت عناصر جو ہمیشہ "جنگ جنگ" کا نعرہ لگاتے، کچھ عرصے کے لیے دربار سے دُور رہیں تو اچھا ہے (در اصل اس یورش میں پانچ سال صرف ہوئے)۔

سیور قوقطنی، جس کی رائے کا اور سب عورتوں کے مقابل زیادہ لحاظ کیا جاتا تھا اس تجویز کی حامی تھی۔ چت سائی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے بیٹے قبلائی کے لیے زیادہ بہتر اُستاد مقرر کرے گا۔ اس نے بوڑھے ترک وزیر کا مشورہ منظور کر لیا کہ مغلوں کو بڑا نے وحشی ترکوں کی شاہراہ پر مغرب کی جانب یلغار کرنا چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ یہیں جمے رہیں اور زین پر بیٹھے بیٹھے حکومت کیا کریں۔ جتنے جی چاہے اتنے محل بنا ڈالیں، مگر مسلمانوں کا استحصال ان کو اپنا دوست بنائیں۔

سیور قوقطنی نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ "تاکہ قافلوں کے راستے ان کے قبضے میں رہیں۔" کیا وہ مسلمانوں رہتی ہ؟ کیا وہ ان کے ساتھ المالیق کے باغیچوں میں نہیں رہی تھی، جہاں اُس کے بچوں کی تعلیم ہو رہی تھی اور بڑا بیٹا منگو، تورا کینہ کے بڑے بیٹے تویوق کے مقابل مغرب کے ملکوں سے زیادہ آگاہ نہ تھا؟ یلواچ کو اس سے اتفاق کرنا پڑا کہ تویوق کے مقابل منگو سپہ سالاری کا زیادہ اہل تھا۔

منگو بھی یلغار کرنے والی فوج میں شامل ہو کے جا رہا تھا۔ اس طرح سیور قوقطنی نے چینی اور ترک دونوں مانوں میں اپنے ایک ایک لڑکے کو پیش پیش رکھا کیونکہ اپنے دوسرے بیٹے قبلائی کو اُس نے اس مہم پر جانے اور اُسے یہ کہہ کر روک لیا کہ خاندان کے الاؤ کو روشن رکھنے کے لیے اور نوجوان طالب علموں کے ساتھ کے لیے تمہارا یہیں رہنا ضروری ہے۔

قبلائی بڑا تیز نظر اور طبعاً خاموش تھا۔ اُس نے حجت نہ کی۔ قبلائی سچ مچ اب جوان ہو چکا تھا۔ اس کی پہلی

شادی ہو چکی تھی، اُس کی بیوی شہزادی جامُوی بُوٹے سے قد کی بڑی حلیم الطبع لڑکی تھی۔ اُس کا تعلق کونگرات قبیلہ جس کا حسن وجمال مشہور تھا اور جس میں اور ختائیوں میں آپس میں اکثر شادی بیاہ ہوتا تھا سیور قوقطنی جانتی تھی کہ جامُوی خاند کے رسم ورواج سے خوب واقف ہے۔ وہ چینیوں کی طرح نہ پردہ نشین تھی، نہ اپنے پیر چھوٹے کرنے کے لیے تنگ جُو تھی البتہ اپنے گالوں پر سُرخی لگاتی تھی اور اپنے خوشبودار عرق سے غرارہ کرتی تھی تاکہ اپنے شوہر کو بھلی لگے۔

قبلائی اب یورت (خیمہ) میں نہیں رہتا تھا۔ اس کا مکان سیدار کی لکڑی کا بنا ہوا تھا، چینی یامن کی طر کا فرش بھی کا بی کا تھا۔ دروازے پر لکڑی کا ایک پردہ تھا کہ شیاطین گھسنے نہ پائیں۔ اس دروازے پر ایک ایسا شخص تھا جسے قبلائی نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

یہ اجنبی ایک بوڑھا چینی تھا جس کے پیر میں جُوتے نہ تھے۔ اُس کے نوکر لکھنے پڑھنے کا سامان اور کتا ساتھ ساتھ تھے اور کوئی ساز وسامان نہ تھا۔ اُس کا نام یاؤ چاؤ تھا اور وہ سیور قوقطنی کے حکم سے اس نوجوان مغ ساتھ رہنے کے لیے آیا تھا۔ اُس نے یہ نہیں بتایا کہ چِت سائی نے اس کا انتخاب کیا تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ یاؤ چاؤ نے تولوئی کے فرزند کے آگے سر نہ جھکایا۔ اس کا اس مکان سے کوئی سروکار نہ تھ اس کی انسانیت اس مکان میں آباد تھی۔ اُس نے مُسکرا کے یہ بات مان لی کہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ غریبوں کے لیے لکھے، لیکن اور لوگ یاؤ چاؤ کو "لِن یا" یا شمس العلماء کہتے تھے۔

اُس نے جلد ہی قبلائی سے کہا: "ضروری ہے کہ آپ حکومت کے نظم ونسق کے طریقے سیکھیں۔"

مغل جس کی طبیعت میں ظرافت تھی، ہنس کے کہنے لگا: "مَیں یوں بھی کام چلا سکتا ہوں۔"

یاؤ چاؤ کو اس رائے سے اتفاق نہ تھا۔ اُس نے کہا کہ کئی عالی مرتبت شہزادے اور بھی ہیں مغل بھی قوموں کے بھی، لیکن بہت ہی کم ایسے ہیں جنھیں اعتماد کے ساتھ انسانوں پر حکومت کرنے کا سلیقہ ہو۔

قبلائی کو ان باتوں سے کوئی خاص دل چسپی نہ تھی۔ اُس زمانے میں اُسے اگر دل چسپی تھی تو اپنی نئی نویلی دلہ اپنے شکاری شہبازوں سے، اُس خانہ باغ سے جو اُس نے اپنے "یامن" میں لگوایا تھا۔ ایک عجیب طرح سے اُ "لِن یا" اُستاد ان دل چسپیوں کو پسند کرتا تھا۔

اُس نے کہا: "پھر بھی یہ ممکن ہے کہ ساری دنیا پر تمھاری حکومت ہو۔"

ایک لمحے کے لیے قبلائی نے اپنے دادا اور یے لیو چِت سائی کی ذہانت کا تصور کیا۔

کتابوں کے مصنف نے اسے سمجھایا: "لیکن پہلی شرط یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اپنا تابع فرمان بنانا سیکھو

(۴)

مغربی یلغار کا تذکرہ

معربی یلغار کا تذکرہ

۱۲۳۶ء کے موسم گرما میں نئی مغل فوج یورپ کا انتہائی مغربی خطہ تسخیر کرنے کے لیے جمع کی گئی تھی۔ جس طرح برف کا تودہ بڑھتا ہے، پہلے یہ آہستہ آہستہ بڑھی۔

فوج کے آگے آگے ہراول کے قاصد تھے، جو فوج کے راستے پر مویشی اکٹھا کرتے جاتے۔ سڑک سے تمام رکاوٹیں صاف کر دی گئی تھیں۔ تیز ندیوں پر پُل بنا دیے گئے۔ تھوڑی تھوڑی دور پر گھوڑوں کے لیے چارہ کے گودام بنا دیے گئے تھے۔ سڑک کے کنارے جہاں اچھی اچھی چراگاہیں تھیں، اُنھیں اسی لیے محفوظ کر دیا گیا کہ جب فوجی تومان گھوڑے اِدھر سے گزریں تو ان کے چرنے کے کام آئیں۔

ان کے پیچھے بیل گاڑیاں چرچراتی چلی آ رہی تھیں، جن پر منجنیقیں اور آتش بار گولہ بارود لدا تھا۔ ان کے ساتھ چینی انجینیروں کی ایک جماعت تھی جو کنگ پاؤ یا آتش باری کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ گنہ حک اور دوسرے پیادے، ان پُر اسرار اور نئے آتشیں اسلحہ کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔

جب گوبی کے شمال میں گھاس مُرجھانے لگی تو مختلف اُردوؤں کے تومان اکٹھا ہوئے اور مغرب کا رُخ کیا۔ طول بلد کے ساٹھ درجے طے کرنا تھے اور یہ سفر انھوں نے اطمینان سے کیا۔

تومان کے سواروں کے پاس ذاتی استعمال کا سارا ساز و سامان تھا، ہر ایک کے پاس ایک یا دو زیادہ گھوڑے تھے۔ اس کے سر پر سمور کی ٹوپی تھی۔ ہر شخص سردی سے بچنے کے لیے سمور کی صدری پہنے تھا جس میں بھیڑ کے چمڑے کا استر لگا ہوا تھا۔ گھوڑوں کے ساتھ ساتھ کمندیں اور رسیاں تھیں۔ دلدل سے گزرتے میں یا چڑھائی پر یہ رسیاں گاڑیاں میں اوپر کھینچنے کے لیے باندھ دی جاتیں۔ ہر سوار کے ساتھ جَو کے تھیلے تھے، ایک پیالہ اور پکانے کا برتن، ایک چھوٹی سی کلہاڑی، نمک کی ایک تھیلی، موم اور سُوئی دھاگہ وغیرہ۔

چنگیز خاں کی یاسا میں یہ حکم درج تھا: "سرداروں کا فرض ہے کہ وہ دیکھ لیں کہ سپاہی اپنے ساتھ ضرورت کی تمام چیزیں لیے جا رہے ہیں۔ سُوئی تاگے تک وہ ہر شے کی طرف سے اطمینان کر لیں اور معائنے میں اگر انھیں کوئی سپاہی ایسا ملے جس کے پاس ضرورت کی تمام چیزیں نہیں ہیں، تو اسے سزا دیں۔"

اس فوجی بھرتی میں کوئی چیز مقدر کے حوالے نہ کی گئی تھی۔ فوج کشی سال کی یلغار کے لیے کیل کانٹے

سے درست تھی۔ طوفانوں سے پناہ لینے کے لیے بھاری خیمے تھے، جو دستوں کے چھکڑوں میں قطار در قطار
ہوتے تھے۔ مغل سردیوں کے آرام وہ پڑاؤ کے تصور سے نا آشنا تھے کیونکہ ان سے توقع کی جاتی تھی کہ
سخت سردی اور برف باری میں لڑائی کے جوہر دکھائیں۔ دشت کے پلے ہوئے گھوڑے سردیوں میں اپنے
چارہ ڈھونڈھنا جانتے تھے۔ وہ ہلکے برف کو اپنے سُموں سے کُھرچ کے گھاس یا کائی یا جو کچھ ملتا، چر لیتے۔

اس کے علاوہ سوبوداٹی کی فوج کے دستے وسط مغربی ایشیا کے جنگلوں کے کناروں کے لوگوں پر مشتمل
تھے۔ ان میں زیادہ ترک تھے۔ ان کے علاوہ کرغیز اور ایغور، قورلوق، اور خانہ بدوش ترکمان۔ مرکزِ قلب
تھوڑے سے مغل تھے، تاکہ نئی فوج کی تنظیم کو قائم رکھیں۔

جب تک وہ سفر کرتے رہے، بہت کم ہتھیار دکھائی دیتے تھے۔ ان کے خاص ہتھیار، یعنی ان کی بھاری
کمانیں، جنھیں سینگوں کے ذریعے کڑا کیا گیا تھا اور جو بڑی طاقت ور کمانیں تھیں اور چھوٹی شکاری کمانیں جو
پر بیٹھے بیٹھے بڑی سرعت سے کھینچی جاسکتیں —— روغن لگا کے کمان خلانے میں رکھ دی گئی تھیں۔ کمان تو
کے بائیں جانب لٹکتا ہوتا اور ترکش دائیں جانب۔ لڑائی میں سپاہی بڑی حیرت انگیز سُرعت سے چٹکی میں تیر پکڑ
کمان سے تیر چلایا جاتا۔ اس کے پاس تین طرح کے تیر ہوتے تھے۔ لمبے لمبے تیز رفتار تیر، تین اُنگل موٹے بھاری
تیر جن کے سرے پر لوہا منڈھا ہوتا، جو فولاد کی زرہ میں گھس جاتا۔ ہر سپاہی رکاب میں پاؤں جمائے تیزی سے
تر کی کمان سے یہ بھاری تیر برساتا چلا جاتا اور پیچھے مُڑ کر بھی اسی آسانی سے تیر اندازی کر سکتا۔

لیکن کوچ کے عالم میں یہ بھاری تیر، بار برداری کے جانوروں پر لاد دیے جاتے۔ مغل سپاہی اپنی عجیب
غریب لمبی، تیز، کسی قدر خم دار تلوار نیام میں، روغن میں ڈوبی ہوئی، بائیں کاندھے پر لٹکائے ساتھ لیے
یہ تلوار ایک طرح سے انیسویں صدی کی فوجی کرچ کی پیش رو تھی۔

بعض پرچم دار دستوں کو چھوٹے چھوٹے نیزے دیے جاتے، جن میں برچھے کے نیچے، گھوڑوں کی دُم
کے بال لگے ہوتے یا انھیں کانٹے دار کمندیں دی جاتیں، جن کے ذریعے وہ دشمنوں کو گھوڑے سے نیچے کھینچ
لیکن یہ دست بدست لڑائی کے ہتھیار بہت کم کام آتے تھے۔ جب تیر اندازی سے دشمن کی طاقت ٹوٹ جاتی
ہتھیار آخری قتلِ عام کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ مغلوں کے نزدیک ان ہتھیاروں کی وہی حیثیت تھی
آج کل کے بندوقچی کے لیے سنگین کی۔

ہتھیاروں کی طرح مغلوں کی زرہ بکتر بھی ہلکی پھلکی اور کارآمد ہوتی۔ بیل کے چمڑے کے ٹکڑے اُبال

سوار کی ناپ سے کندھے اور جسم پر چرمی زرہ کی شکل میں سی دیے جاتے اور کبھی کبھی بیچ سے کٹا ہوا زیر جامہ بھی ساتھ
ساتھ ہوتا جو گھٹنوں تک لٹکتا ہوتا۔ نمی سے بچنے کے لیے چمڑے پر خوب دباغت کی جاتی۔ چرمی خود پر مضبوطی کے لیے
لوہے کی پٹیاں لگا دی جاتیں، لیکن ان کی وجہ سے خود وزنی نہ ہونے پاتا اور خود سے لٹکتا ہوا چمڑا گردن کی حفاظت کرتا۔
کئی پرچم بردار دستوں میں گھوڑوں پر بھی چرمی ساز تحفظ کے لیے پڑا ہوتا، لیکن یہ اتنا ہلکا پھلکا ہوتا کہ اس سے
گھوڑے کی سُبک رفتاری میں کوئی فرق نہ آتا۔ شاذ و نادر گھوڑے کے سر کے بچاؤ کے لیے لوہے کی ہلکی پٹیاں پہنا دی
جاتیں۔ صرف قشُن یا محافظ دستے کو مدافعت کے لیے ڈھالیں استعمال کرنے کی اجازت تھی اور یہ دستہ اکثر زانوں
پیدل لڑتا۔

ہر مغل سپاہی کا فرض تھا کہ جو ہتھیار اُس کی تحویل میں ہیں، انھیں روغن سے ہمیشہ صاف اور چمکدار بناتا رہے۔
عمومی طور پر اس کا سارا جنگی ساز و سامان محض حرب و جنگ کے لیے بنایا گیا تھا اور اس کا مقصد محض یہ تھا کہ تیزی
سے حرکت کی جا سکے اور اس تیز حرکت کے دوران میں بڑے زور شور سے حملہ کیا جا سکے۔

انسانوں کے اس جمِ غفیر کو فولادی نظم و ضبط اکٹھا اور منظم رکھتا تھا۔ بغیر حکم میدانِ جنگ سے بھاگنے کی سزا موت
تھی۔ دستے کے ساتھی کو مدد نہ دینے کی بھی یہی سزا تھی۔ یہی سزائے موت اس صورت میں بھی دی جاتی تھی اگر کوئی سپاہی
صفِ اوّل کے سپاہی کا افتادہ سامان نہ اٹھائے۔

ہر دستہ دس دس کی اکائیوں میں منقسم تھا اور ان دس دس سپاہیوں کا سالہا سال تک ساتھ رہتا۔ ہر سوار جانتا تھا
کہ اس کے باقی ساتھی کہاں ہیں اور کن حالات میں کس طرح لڑیں گے۔ ان دس سواروں کا جمعدار جس پر باقی نو کی بہبود و
حفاظت کی ذمہ داری ہوتی تھی اُونگ خان کہلاتا تھا۔ پہلے دس سواروں کا افسر یکصدی دستے کا سردار بھی ہوتا، جو
ہزاری کے تابع ہوتا اور ہزاری، دس ہزاری تومان کے سپہ سالار کے۔ اگر یک صدی رسالے کا سردار مارا جاتا، تو
دوسرا یک صدی سردار بلا پس و پیش اُس کے رسالے کی کمان سنبھال لیتا۔

اس نظم و ضبط کی بنیاد تمام درجے کے سپاہیوں کی مساوات پر تھی۔ جب یلغار کا آغاز شروع ہو جاتا تو پرانے
قبائلی زمانے کے جاہ و مراتب یک قلم منسوخ ہو جاتے۔ سڑک پر جنگی ہرکارے کو اس کا حق تھا کہ وہ تومان کے
سپہ سالار کو گھوڑے سے اُترنے کا حکم دے اور خود اس کے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ محافظ دستے کے پُرانے سپاہیوں کو
فوج کی دوسری شاخوں کے سالاروں پر فوقیت حاصل تھی۔

چنگیز خاں نے اعلان کیا تھا: "میرے محافظ دستے کے ایک ایک سپاہی کا رتبہ دوسرے دستوں کے

سپہ سالاروں سے زیادہ بلند ہے۔ اگر میری صفوں کے کسی دستے کا سپہ سالار میرے کسی قشقتو سے لڑے جھگڑے گا اُسے سزا دی جائے گی جو قتل کا مستوجب ہوگا اُس کا سر اُتارا جائے گا۔ جو زدوکوب کا سزاوار ہوگا، اُسے زدوکو کیا جائے گا۔"

عام طور پر دستے کے سپہ سالار سپاہیوں کے رشتہ دار یا برادری کے لوگ ہوتے تھے۔ ہر پرچم بردار دستہ ایک قبیلے کے افراد پر مشتمل ہوتا تھا اور اس طرح پرانی قبائلی اکائی کا سلسلہ برقرار رکھا گیا تھا۔ افسر اپنے سپاہیوں کے ساتھ عمر گزار دیتے۔ اگر کوئی افسر کسی مہم میں ناکام ہوتا تو ساری عمر کے لیے ذلیل ہو جاتا اور اس کی صفوں سے کسی اور سپاہی اس کی جگہ ترقی دے دی جاتی۔

بہت سے افسر، جو اب مختلف رسالوں اور دستوں کے کماندار تھے، فتح و اقبال کے ستارے کے نیچے بڑھ کر وہاں تک پہنچے تھے۔ چنگیز خاں کہتا تھا۔ "انھوں نے برف اور باراں اور میدانِ جنگ میں میرے ساتھ جاں نثاری کی، میرے وارثوں کا فرض ہے کہ وہ میرے بعد میری یادگار سمجھ کے ان کی توقیر کریں اور انھیں ناراض نہ ہونے دیں۔"

ایک پشت کی مسلسل فتح و ظفر کی وجہ سے سپاہیوں کو اپنے سپہ سالاروں پر غیر متزلزل اعتبار تھا۔ ان کا اعتقاد کہ چنگیز خاں کی رُوح نو گھوڑوں کی دُموں والے عسکری پرچم میں حلول کر چکی ہے۔ اس اعتقاد کی وجہ سے انھیں اپنے ... کا یقین تھا۔ فوج کا سب سے پہلا اصول یہ تھا کہ جس طرح ہو جنگ سے سپاہی زندہ واپس لوٹیں۔ منگولوں نے جس خوں ریزی اور قتلِ عام کیا اُس کے مقابل خود ان کی بہت کم جانیں تلف ہوئیں۔ سالاروں کی تعلیم و تربیت کا ایک جزو تھا کہ وہ اپنے سپاہیوں کی جان کی بڑی سختی سے حفاظت کریں۔

جدال و قتال کے معرکوں ہی میں منگولوں نے رزم آرائی کے گُر سیکھے تھے۔ ان کو دشمن کی نقل و حرکت کا پتا لگا مگر اپنی نقل و حرکت کو سربستہ رکھنے کا ہُنر آتا تھا۔ اس طرح کی نقل و حرکت میں وہ سپہ سالاروں کی آواز نہیں سُنا کرتے تھے۔ بہر حال سواروں کے کوچ کے شور و غل میں کسی کی آواز سُننا مشکل ہی تھا۔ دستے اپنی نقل و حرکت کا نشان ایک دوسرے کو سمجھانے کے لیے دن کو سفید اور کالی جھنڈیاں ہلاتے اور رات کو رنگین قندیلوں کے نشیب و فراز سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے۔ مزید جنگی نشان دہی کے لیے وہ سنسناتے ہوئے تیر چلاتے، جن کے سرے چھدے ہوئے ہوتے۔

کبھی کبھی وہ ایک طرح کے دھوئیں کے بادل کے پیچھے اپنی فوجوں کی ترتیب کو چھپائے رکھتے۔

مسلح تومانوں کے ساتھ ساتھ دوسری عسکری خدمات انجام دینے والے لوگ ہوتے۔ مثلاً طرح طرح کی بولیاں

ال کرنے والے ترجمان، چینی طبیب اور مغل شامان جو اپنی اپنی لیاقت اور انداز کے مطابق مریضوں کا علاج کرتے۔ ... جو قراقرم کے خانِ اعظم کے لیے مفتوحہ علاقوں کا حساب کتاب تیار کرتے۔ گم شدہ اشیاء کی تلاش کے محکمے کا بھی ایک ... ساتھ ہوتا۔

فوج کے پیچھے پیچھے چرواہے ہوتے، بڑھئی ہوتے جو یام یا گھوڑوں کے قیام کی منزلیں اور سرائیں بناتے جاتے ... سے مغربی محاذ سے ان کے وطن تک رسل و رسائل کا سلسلہ قائم رہ سکے۔

یہ فوج جس میں ابھی وولگا کے کنارے سے باتو خاں کے دستے آ کے شامل نہیں ہوئے تھے اور جس کی تعداد ... کے قریب تھی، نقشوں اور جغرافیائی پیمانوں کے بغیر کوچ کر رہی تھی۔ اُسے یہ بھی پتا نہ تھا کہ اس راستے ... پر کس قسم کا علاقہ ہے اور سینکڑوں، ہزاروں مربع میل کے رقبے میں کس کس طرح کے اور کس تعداد کے دشمنوں ... سے سابقہ پڑے گا لیکن کوچ کرنے والی فوج کو اپنے اوپر کامل اعتماد تھا اور شکست کا تصور اس کے حاشیۂ خیال ... میں نہ آتا تھا۔

سوار دستے آہستہ آہستہ التائی کے دروں سے ہوتے ہوئے میدانوں سے برآمد ہوئے اور ای بیر سی بیر ... ایکا، یا گھنے جنگل میں داخل ہوئے لیکن ساز و سامان اور مویشی اصل تومانوں کی واپسی کے انتظار میں اصل ... راہ سے نہیں ہٹے۔ کئی پرے اِدھر اُدھر شکار کے لیے منتشر کر دیے کیونکہ اب یہاں جھیل اور دیو دار کے ... زیادہ تھے اور شکار مشکل سے ملتا تھا۔

اب سارا میمنہ جو باراں غار کہلاتا تھا، کوچ کر رہا تھا۔ عورتیں بھی بیلوں والے چھکڑوں کے خیموں میں ساتھ ساتھ ... رہی تھیں تاکہ یلغار کے دوران میں گوشت اور دوسرے کھانے پکائیں اور سی بیر کے تاریک و تنہا جنگل میں ... جہاں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا اور کوئی آبادی نہ تھی، مردوں کی خدمت انجام دیں۔

کبھی کبھی خیمہ و خرگاہ میں کھیل تماشے بھی ہوتے۔ ایکٹر مصنوعی داڑھیاں لگا کے فرضی بادشاہوں کا رُعب جماتے ... چلا کے پُرانے گیت گاتے جو قبائلیوں کو ازبر تھے۔

بیدال کی نیچی چوٹیوں پر سے گزر گزر کے فوجوں کے دستے مغربی دشت میں اُترنے لگے۔ یخ بستہ دریاؤں کو ... گیا۔ شکاری اس کی پر دُور دُور تک گہری برف پر شکار کی تلاش میں پھیلتے چلے گئے۔ جب برف پگھلی اور ... پھوٹنے لگی تو بھورے دریائے وولگا کے کنارے انھیں مجتمع مغل فوج کے دُبلے گھوڑے ملے۔

یہاں وہ سوبودائی اور دوسرے مغل شہزادوں سے ملے جنھوں نے باتو خاں کے یورتوں میں سرما کا موسم بسر

کیا تھا۔ شہزادوں اور سوبوداؤی نے ان کا معائنہ کیا۔ باقاعدہ طور پر تاجروں اور جاسوسوں سے مغربی علاقوں کا پتہ لگایا۔ وہاں کا مرتع، سڑکیں، چراگاہیں، شہروں کی فصیلیں اور وہاں کے بادشاہوں کی باہمی سیاست۔

رُوسیوں کا خاتمہ

زرّیں خیل کا خان باتو ایک حد تک معتوب تھا، ایک لحاظ سے وہ جلاوطنی کے عالم میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اُس کا باپ حرام کی اولاد تھا۔ اُس کے باپ نے ساری عمر کسی اور باپ کا بیٹا ہونے کا داغ برداشت کیا تھا۔ اپنی عمر کے آخری برسوں میں جوچی دوسرے بھائیوں سے الگ تھلگ اسی مغربی دشت میں رہا کرتا تھا۔ بعضوں کا خیال تھا کہ یہاں وہ اپنی الگ سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھا۔ یہ شرم کا داغ اس کے بیٹے باتو سے بھی وابستہ تھا۔ اوغدائی نے بڑی خوشی سے اُسے مغرب کے جنگل والی قوموں کا خان بنا دیا تھا اور اسے کا برائے نام سپہ سالار اعظم مقرر کیا تھا۔

باتو خان نے شرمیلے پن سے سوبوداؤی اور خاقانی شہزادوں کا استقبال کیا تھا۔ وہ اپنے عالی قدر مہمانوں کے استقبال کے لیے پیادہ پا بڑھا تھا۔ ان کی ضیافت کے لیے مویشی ذبح کیے تھے، انھیں اپنے زیرِ سایہ میں مہمان ٹھہرایا تھا۔ طلا کار کپڑے کا یہ جگمگاتا ہوا شامیانہ، جو دریائے وولگا کے کنارے نصب تھا، سرا یا زرّیں خیل کا شامیانہ کہلانے لگا۔

وہ اپنے مہمانوں سے بڑی نرمی سے پیش آیا اور جب اُس کے من چلے رشتے کے بھائی اُسے ستاتے تو اس کی سمجھ میں نہ آتا کیا کرے۔ وہ خوش طبعی سے اُس کا مذاق اُڑاتے مگر قوریلتائی کو اُس سے حسد بھی تھا، کیونکہ باتو سپہ سالارِ اعظم مقرر کیا گیا تھا۔

اُس کے رشتے کے بھائی کہتے تھے۔ "باتو کو دیکھو تو سہی کتنا عالی شان آدمی ہے اور کوئی شہزادہ شوکت میں اُس سے ٹکر نہیں لے سکتا۔"

یہ باتو کا عُرف ہو گیا۔ مغل اُسے سائیں خاں یا عالی شان خاں کہنے لگے۔ بظاہر تو وہ خوش طبع تھا، کے پردے میں اُس کی طبیعت بڑی ضدی اور خود دار تھی۔ وہ حرامی کی اولاد تھا، اس لیے کبھی خاقان نہیں بن سکا پھر بھی وہ مغلوں کے درمیان طاقت ور بن کر رہنا چاہتا تھا۔

خاص طور پر چغتائی کے شریر بیٹے، جو طبعاً اپنے باپ کی ضد تھے، باتو کی نیک فطرتی کا مذاق اُڑاتے۔

وہ پوتا بوری محض حرب و شکار کے لیے زندہ تھے اور شہزادوں میں سب سے زیادہ کم سن قائدو، جو اوغدائی کا پوتا تھا، ان کی ریس کرتا۔

وہ کہتا۔ "باتو سائیں خاں بڑا اچھا میزبان ہے۔ ہم قزاقوں کو کتنا اچھا کھانا کھلاتا ہے۔ طبیعت کا کتنا بھلا ہے کہ کبھی ہم سے ناراض نہیں ہوتا۔"

سوبوداؤی کو قائدو پسند تھا۔ یہ بوڑھا تجربہ کار جنگ جو دیکھتا تھا کہ اس وحشی لڑکے میں مغلوں کے حرب و ضرب کی قدرتی جبلت خاص طور پر موجود ہے اور وہ بڑے تحمل سے اُسے جنگ کے گُر سکھاتا۔ قائدو میں ایک چیز کی کمی تھی، وہ بڑا بے صبر تھا۔

باتو سمجھتا تھا کہ اس پر اوغدائی نے بڑا احسان کیا کہ ان جلیل القدر شہزادوں پر سپہ سالاری کے منصب پر اسے فائز کیا ہے، لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ ان شہزادوں سے کس طرح اطاعت کرائے۔ وہ پریشان رہتا تھا کہ کہیں اس کے محبوب مرغزاروں پر قبضہ نہ جما بیٹھیں۔ خوش قسمتی سے سوبوداؤی اس کے ساتھ تھا اور اس وجہ سے ان شہزادوں سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

سوبوداؤی نے جلد بازی نہ کی۔ وہ اور اس کے مغل ساتھی دشتِ روس کی وسعت اور گیاہ کی زرخیزی دیکھ دیکھ کے حیران تھے۔ یہاں کی کالی مٹی سے اناج خود رَو طور پر اُگ آتا تھا۔ سوار خانہ بدوشوں کے لیے یہ سرزمین جنت تھی۔ اب وہ سمجھے کہ کیوں جوچی اور باتو مغربی دشت میں جمے رہنے پر مُصر تھے۔

اس سال کی ابتدائی گرمیوں میں سوبوداؤی نے مغرب کی طرف مزید پیش قدمی نہ کی۔ پہلے تو اس نے میمنہ اور میسرہ کی جانب اپنے دونوں پہلوؤں کو صاف کرنے کی فکر کی، ساتھ ہی ساتھ اس نے باتو خاں کی کمان کے قبائلی دستوں کو یکجا کر دیا جن میں تُرگانی کے علاقے کے بشکیر اور سائبیریا کے کرغیز شامل تھے اور انھیں مغلوں کے آہنی نظم و ضبط کا پابند بنا دیا۔ اسی اثنا میں اس نے بالائی وولگا کے کنارے بسنے والے بلغاریوں کی سرکوبی کی اور ان کے تجارتی مرکز بلغار کو تباہ و تاراج کر ڈالا۔

جنوب کی طرف وحشی قپچاقیوں کی مزاحمت توڑنے کے لیے اُس نے منگو خاں کو روانہ کیا۔ منگو خاں اور اُس کے ساتھی لاپروائی سے اس شاہراہ پر روانہ ہوئے جس کے کنارے ایک اور نسل کے لوگوں نے باباؤں کے سنگین مجسمے قدیم زمانے میں نصب کیے تھے۔ وہ اور اس کے مغل عجیب و غریب ... بابالاؤں کے بُتوں کے عادی ہو چکے تھے۔ قپچاق اس کے آگے اس طرح بھاگے جیسے بھیڑیے کے سامنے لومڑیاں

ادھر اُدھر دبک جاتی ہیں۔ بعض ترک قبیلوں نے مغلوں کی اطاعت قبول کرلی، لیکن زیادہ تر قبیلے مغرب میں دریا
طرف بھاگ نکلے۔ منگو نے ان کا پیچھا نہ کیا بلکہ پٹ کے ان قزاقوں کا قلع قمع شروع کیا، جنھوں نے زیریں
کنارے آفت مچا رکھی تھی۔

سخت برف باری کے آغاز سے پہلے سوبودائی نے روسیوں کے مقابل کوچ نہیں شروع کیا۔

کیونکہ چنگیز خاں نے یہ اصول مقرر کیا تھا کہ مغل فوجیں دشت سے برآمد ہو کے آہستہ آہستہ درجہ بڑھاکریں، جب ایک خطّے میں فتح حاصل ہو چکے تو وہاں کی بچی کھچی آبادی اکٹھا کی جائے، گھوڑوں کے گلّے جائیں، ان کے ساتھ آدمی یا تو فوج میں زبردستی بھرتی کرلیے جائیں یا اسیرانِ جنگ کی طرح ہنکائے جائیں خطّوں میں اور دوسرے مغلوں کے ساتھ ساتھ چلیں۔

اس دوسرے خطّے میں مغل ان اسیرانِ جنگ کو اپنی سپر بناتے اور ان کی آڑ میں پیش قدمی اور حملہ اس طرح مغلوں کے دستوں کی زیادہ جانیں تلف نہ ہونے پاتیں اور ان کے عقب میں، پہلے مفتوحہ خطّے میں باقی ہی نہ رہتی جو اُن کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرے۔ صرف سڑک پر چند چوکیاں ہوتیں جو امن اور انتظا اور اگر کچھ لوگ بچ کھچ جاتے تو انھیں مغلوں کے دوبارہ حملے کا ڈر لگا رہتا۔

اس طرح سوبودائی نے باقی ماندہ بلغاریوں اور اہلِ وولگا کو ایک جگہ جمع کیا، انھیں سوار دستوں میں حرب وضرب کی تعلیم دی اور انھیں اپنے ساتھ رُوس لے چلا۔ اس سے پہلے اُس نے رُوس کے رئیسوں قاصد بھیجے کہ اگر صلح چاہتے ہو تو ہمارے آگے ہتھیار ڈال دو۔

یہ اجنبی مغل قاصد جب شہر پناہوں کے دروازوں کے سامنے پہنچے تو رُوسیوں نے انھیں قتل کر اس انداز سے کہ گویا وہ اس حرکت سے غیر محتاط حد تک مشتعل ہو گیا ہے سوبودائی نے شمال مغرب میں بڑے رُوسی شہروں پر حملہ کیا۔ بظاہر یہ حماقت کی بات معلوم ہوتی تھی کہ وہ کھلے ہوئے دشت کو چھوڑ کے جو کے حملوں کے لیے ہمیشہ سے موزوں چلا آتا تھا، گھنے جنگل کے علاقے میں حملہ کر رہا ہے اور اُس نے میں حملہ شروع کیا، جب کہ سردی بہت ہی سخت تھی۔

اصل میں مغل سپہ سالاروں نے بہت سمجھ بوجھ کے یہ قدم اٹھایا تھا۔ زیادہ محفوظ علاقے پر حملہ کیا مگر یہ تھا کہ روسیوں کو اور وقت مل جاتا تو وہ اس علاقے میں جنگلوں میں اپنی مدافعت اچھی طرح کر پاتے۔ اس جا نے پہلی ہی یلغار میں اس دشوار گزار علاقے کو ایسے وقت میں اپنے لیے صاف کر دیا کہ روسی ان کا اصل مطلب

کر بھی نہ پائے۔ کھلے ہوئے دشت تو خانہ بدوشوں کی جولاں گاہ تھے ہی، جنوب پر حملے میں انھوں نے جلدی نہ کی۔

وسطِ سرما میں یلغار سے فائدہ یہ تھا کہ یخ بستہ دریاؤں کو عبور کرنا آسان تھا۔ اس زمانے میں روسیوں کو ان کے حملے کی توقع نہ ہو سکتی تھی اور وہ شہروں میں غلّے اور گوشت کے گوداموں کے ساتھ جمع ہوں گے۔ مغلوں نے درخت کاٹ کاٹ کے جنگلوں میں اتنا چوڑا راستہ بنایا کہ اس سے ہو کے تین چھکڑے دوش بدوش گزر سکتے تھے۔

مورخوں کا بیان ہے: "انھوں نے اس طرح پیش قدمی کی جیسے کوئی شکار کے لیے گھیرا ڈالتا ہو۔"

روسی سردیاں گزارنے کے لیے اپنے شہروں اور گاؤں کی چوبی فصیلوں میں اطمینان سے جمع تھے۔ ان کی قوم تنومند، پست اور جنگجو تھی، ان کے رئیس شمال کے رہنے والے وایاگ یا سویدی تھے۔ ریازان کے زرخیز خطّے کے شہر غلاموں اور سموروں کی تجارت کی وجہ سے بڑے خوش حال تھے اور آپس میں ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے۔ ان کی طویل فصیلیں لتھوانیوں اور بلغاریوں کے دھاوے روکنے کے لیے کافی مضبوط تھیں اور اس سلاف قوم میں بہادروں کی وہ احمقانہ کمزوری بھی تھی کہ انھوں نے کبھی اپنے وطن سے دُور سفر نہ کیا تھا۔

وہ شہسوار تو نہ تھے، البتہ سوار ہو کے جنگ کرتے تھے۔ لوہے کی بھدی زرہیں پہنتے تھے۔ ان کے پیچھے سمیردی اور چود قوم یعنی فن لینڈ کے رہنے والوں کا اور مسلّح کسانوں کا جمِ غفیر ہوتا تھا۔ اب تک وہ دست بدست تلواروں سے لڑتے آئے تھے اور کسی اور طرح کی لڑائی سے ناواقف تھے۔

انھیں مغلوں کے خطرے کی خبر مل چکی تھی، یہ اس وقت جب دریائے خالکا کے کنارے سوبودائی نے ایک معرکے میں جنوبی رئیسوں کی فوج کا خاتمہ بالخیر کر دیا تھا، لیکن اس خطرے کی انھوں نے کوئی خاص فکر نہ کی تھی۔

اس سال گرمیوں کے ختم پر سورج گرہن کی وجہ سے وہ زیادہ پریشان تھے۔ نودگورود کے راہبوں نے اپنے صحیفے میں لکھا تھا کہ "اگست کی تیسری تاریخ کو سورج میں ایک خاص نشان نمایاں ہوا۔ اس نشان کی صورت یہ تھی کہ سورج کی مغربی جانب تاریکی سی تھی اور سورج ایسا نظر آتا تھا جیسے پانچویں تاریخ کا چاند۔"

مغل فوجیں یخ بستہ دریاؤں کو پار کرتی ہوئی شمال کی جانب بڑھیں اور اپنے آگے آگے قاصد بھیجے کہ رُوسی خاقان کے آگے سر جھکائیں اور خراج ادا کیا کریں۔

نودگورود کے صحیفے میں درج ہے "انھوں نے ریازان کے کنیاؤں (رئیسوں) کے پاس قاصد بھیجے، جن میں ایک جادوگرنی تھی اور اس کے ساتھ دو آدمی تھے اور یہ پیغام بھیجا ہمیں ہر چیز کا دسواں حصہ بطور خراج دو۔ دس فی صد آدمی، دس فی صد رئیس، دس فی صد گھوڑے۔ ہر چیز کا ایک عشر۔ رئیسوں نے انھیں فصیل کے اندر داخل

نہ ہونے دیا۔ باہر جا کے ان سے ملاقات کی اور جواب میں کہا۔ جب ہم سب ختم ہو جائیں گے تو پھر تمہاری باری
ہو جائے گی اور ریازان کے اعلیٰ خاندان رئیسوں نے ولادی میر کے رئیس یوری سے مدد مانگی کہ خود آئے
کمک بھیجے۔ لیکن یوری نہ خود آیا نہ ریازان کے رئیسوں کی درخواست کی طرف دھیان دیا۔ وہ خود الگ جنگ
کرنا چاہتا تھا۔

"لیکن قہرِ الٰہی کے مقابلے کے لیے اب بہت تاخیر ہو چکی تھی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں روسی رئیسوں کو پوری طرح خطرے کی اہمیت کا احساس نہیں ہوا
انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کے لیے قدم نہیں اٹھایا۔ جب سست رفتاری سے برف دیا
میں وہ آگے بڑھے تو ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ دوسرے محاذوں پر کیا ہو رہا ہے۔ مغل سوار دستوں نے علیحدہ علیحدہ
ان کا قلع قمع کر دیا۔

مغل منجنیقوں کی شعلہ باری سے ریازان کی کاٹھ کی فصیلیں خاکستر ہو گئیں۔ روسیوں کو ابھی اچھی طرح یہ
بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ان کی فصیلیں جواب دے چکی ہیں کہ مغل سوار شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

ریازان مقتل بن گیا۔ مردوں کو تعاقب کر کے برف و خون سے سرخ گلیوں میں پکڑا جاتا، اور زندہ سیخوں پر
دیا جاتا۔ سیخوں سے چھد کے تلملا تلملا کے وہ مر جاتے۔ پادریوں نے کلیساؤں میں روپوش ہو کے دروازے بند کر
لیے تھے، انھیں بھیڑوں کی طرح ذبح کیا گیا۔ ان کے ساتھ جو عورتیں کلیساؤں میں پناہ گزین تھیں، ان کی
عصمت دری کی گئی اور پھر انھیں قتل کر دیا گیا۔

ایک سوانح نگار نے نوحہ کیا ہے۔ "آنکھیں ہی باقی نہ رہیں جو مرے ہوؤں کو رو سکتیں۔"

بڑی سرعت سے روسی شہر سُوزدال، روستوف اور یاروسلاول تسخیر اور منہدم کر دیے گئے۔ مغل منجمد دریاؤں کے کنارے ایک قلعے سے دوسرے قلعے تک بڑھتے رہے۔ اُس زمانے میں ماسکو بلندی پر ایک
چھوٹا سا شہر تھا اور اس جگہ واقع تھا جہاں اب بلندی پر کریملن کی عمارتیں ہیں۔ جہاں ماسکووا اور نگلی ندی
کا سنگم ہے۔ ماسکو کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور نووگورود کے صحیفے میں درج ہے۔ "ماسکو کے لوگ اس طرح بھاگ
نکلے کہ انھوں نے کچھ اور نہ دیکھا۔"

کولومنا ندی کے کنارے ایک روسی فوج بڑی بے دردی اور عذاب سے تباہ ہوئی۔

زرخیز وسطی روس کا سب سے مستحکم قلعہ ولادی میر عین اس وقت تسخیر ہوا جب اس کا شاہی خاندان

کلیسا میں مورچوں کے پیچھے جمع ہو کے اپنے سر منڈوا رہا تھا، تاکہ زندگی کی آخری گھڑیوں میں رہبانیت
اختیار کرے۔ کلیسا ہی کے اندر ان کو جلا کر خاک کر دیا گیا۔

رئیس اعظم یوری جسے چاہیے تھا کہ اپنے باجگذار امیروں کو جمع کر کے مغلوں کا سامنا کرتا شہر میں تھا ہی نہیں۔
طرف آ رہا تھا کہ اسے ولادی میر کی تباہی و بربادی کی خبر ملی۔

صحیفہ نگار لکھتا ہے "اور کنیاز یوری نے دوروژ کو تین ہزار ہراول کے سپاہیوں کے ساتھ بھیجا۔
دوڑتا ہوا آیا اور اس نے اطلاع دی۔ "اے کنیاز! مغلوں نے ہمیں گھیر لیا ہے۔" رئیس نے اپنی
فوج کو جمع ہونے کا حکم دیا ہی تھا کہ اتنے میں دفعتہً تاتاری سر پہ آ گئے اور کنیاز مقابلہ تو نہ کر سکا، بھاگ
لیکن جب دریائے سیت کے کنارے پہنچا تو انھوں نے اُسے آ لیا اور قتل کر ڈالا۔

ہر جگہ یہی صورت پیش آئی۔ رئیسوں کی جاگیروں کے بھرتی کیے ہوئے دستے اپنے لکڑی اور مٹی کے بنے
قلعوں سے نکلتے، برف میں آہستہ آہستہ بڑھتے اور قبل اس کے کہ انھیں خطرے کا احساس ہوتا ان پر دشمن
آتش باری کرتا اور ابھی وہ فاصلے ہی پر ہوتے کہ مفلوج ہو جاتے۔ مغل فوج دو حصوں میں منقسم ہو گئی تھی اور
یلغار میں اس طرح قلعہ پر قلعہ سر کرتی جاتی گویا یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

صحیفہ نگار نے یہ لکھا ہے۔ "اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ذریعے ہمیں اپنی طاقت سے محروم کیا،
خوف و اضطراب میں اس طرح مبتلا کر دیا جیسے کوئی صاعقہ آسمانی سے خوف کھاتا ہو۔"

روسی کافی بہادر تھے۔ ان کے زیادہ جمری سپاہی، گھر کر بھی دست بدست لڑائی کے بعد ہی جان دیتے۔
بھاگ نکلتے انھیں مغل اس وقت نکل جانے دیتے، لیکن بعد میں جنگلوں کے راستے میں ان کا تعاقب کر کے
مار ڈالتے، یا انھیں غلاموں کے روز افزوں جم غفیر میں بھرتی کر لیتے۔ تیز رفتار مغل دستوں سے بچ نکلنا
تھا۔ مغلوں کے دشت میں پلے ہوئے تیز رفتار مستنگ گھوڑے، بھاری بھرکم روسی گھوڑوں کے مقابل
تیزی سے حرکت کرتے۔

فروری کے مہینے میں بارہ قلعہ بند شہر منہدم کر دیے گئے۔ دسمبر اور ختم مارچ کے درمیان کے مختصر عرصے میں یاد وسطی
روس کے آزاد باشندوں کا خاتمہ ہو گیا اور سلاف قوم، جس کے سردار واریاگ خاندان کے شہزادے تھے، اپنی توانا
مکمل آزادی کھو بیٹھے۔ لفظ سلاف کے معنی ہیں "شاندار"۔ لیکن اب سلاف قوم کی مملکت زندان خانہ بن گئی
بہت عرصہ تک اُس کا یہی حال رہا۔

ایک تبدیلی اور رونما ہوئی۔ شہر کی آبادیوں کے خاتمے کے بعد باقی ماندہ لوگ چھوٹے چھو... بسنے لگے، جہاں روزی کمانے کے لیے انھیں زراعت کی طرف توجہ کرنی پڑتی۔ جانوروں جیسے "... مقتول سپاہیوں کے بچوں کے لیے غلّہ اُگانے لگے۔

اب برف پگھل چکی تھی اور بہار کی بارشیں شروع ہو گئیں۔ باتو کی صفیں شمال کے دیوداروں ا... جنگلوں سے بہتی ہوئی بحیرۂ بالٹک اور نوو گورود کے عظیم شہر کی جانب بڑھنے لگیں۔

خوش قسمتی سے شمالی روس بچ گیا۔ نوو گورود کی جمہوریت نے، جہاں تاجروں کا بڑا اثر تھا، ریاناا... کی حمایت میں کوئی قدم نہ اٹھایا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ تاجر اپنے رقیبوں کو تباہ ہوتے دیکھنا چاہ... امکان اس بات کا ہے کہ وہ اپنے کشتہ گاہوں، شہد کی مکھیوں اور گھنے جنگل والے شہر کی چھوٹی مو... باہر نکل کے معرکہ آرائی نہ کرنا چاہتے تھے۔

بالٹک کے قریب جھیل ایلمن کے کنارے نوو گورود کے آزاد شہری جرمنوں کی ہانزیائی بند... تجارت میں خوب نفع کما رہے تھے اور سویڈیوں اور تیوتانی سرداروں سے، جن سے سموروں کی تجارت ... رقابت تھی، چھوٹی موٹی مگر سخت لڑائیاں لڑتے رہتے تھے (جنوبی بالٹک کے کنارے کنارے رومۃ آ... قوموں پر دباؤ ڈال رہے تھے اور پولینڈ اور لتھونیا کی چھوٹی چھوٹی قومیں اس شکنجے میں دبی جا رہی تھی... میں پروشیا کے باشندے وحشی تھے اور تیوتانی سرداروں کے قتل و غارت یا تبلیغ کا شکار رہتے ... مغلوں نے بڑی درشتی سے، یورپ کے مشرقی دریائی خطّے پر تسلط کرنے کی اس پرانی سلافی... کش مکش کو درہم برہم کر دیا)۔

منہدم شدہ پلے سے یا سلاول سے باتو کے دستے نوو گورود کی طرف بڑھے۔ اب برف ... تھی اور حملہ آور شہسواروں کے گھوڑے دلدلوں اور جنگلوں کی بھول بھلیاں میں پھنس پھنس جاتے۔ ا... باشندوں کا غیر معمولی طور پر تقدیر نے یوں ساتھ دیا کہ اس سال موسم بہار اور گرما میں مسلسل بارش ... مسلسل بارش اور چراگاہوں کے فقدان سے مغل شہسواروں کو بڑی دشواری پیش آئی کیونکہ وہ ایشیا... چراگاہوں کے عادی تھے جہاں شاذ و نادر ہی کبھی بارش ہوتی تھی۔ جھیل ایلمن کی جھلک دیکھنے سے پہلے ... بارش سے تنگ آ کے وہ پلٹ پڑے، حالانکہ نوو گورود کا متمول شہر صرف ساٹھ میل دُور رہ گیا تھا۔

باتو سوبوداِئی کے مشورے سے واپس پلٹا تھا۔ اس تجربہ کار سپہ سالار کو اس کا احساس تھا کہ ا...

...لی میں اس نے اپنے عساکر کو بڑی سخت مہم میں استعمال کیا تھا۔ ان کے گھوڑوں کی حالت خستہ تھی۔ اس لیے اُس نے ...کے تمام دستوں کا رُخ جنوب کی طرف موڑ دیا اور وسطِ ایشیا کے تباہ و خستہ علاقے میں صرف محافظ دستے باقی چھوڑے۔ ...اب جنوبی دشت کی زرخیز چراگاہوں کی تلاش تھی۔

اس کے علاوہ مغلوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ شہروں کے رہنے والے سلاف، ایشیائی خانہ بدوشوں سے مختلف قسم ...ک ہیں۔ انھیں اردو کے سوار عساکر میں بھرتی کرنا اور مغلوں کے آدابِ جنگ سکھانا مشکل ہے۔ وہ محض محنت ...ی کے کام کے تھے، اس لیے اب جس علاقے میں مغل مقاومت سے دوچار ہوں گے وہاں انھیں بھرتی ...ہونے روسیوں سے مدد نہ مل سکے گی۔ سوبوداِئی بہت ہی محتاط آدمی تھا اور اگلی یلغار کے لیے وہ کچھ وقت ...تا تھا۔

اس میں اُسے توقع سے زیادہ وقت لگا۔

۱۲۳۹ء کی گرمیاں تھیں۔ وہ چراگاہوں ہی کے راستے جنوب کی طرف روانہ ہُوا تا کہ گھوڑوں کا حال درست ...ل نے بحیرۂ اسود کے کنارے کے زرخیز دشت کو دلچسپی کی نظروں سے دیکھا۔ یہاں چراگاہیں دریائے ...ک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ ساحل ان کے لیے ایک نعمت تھا۔ سورج کی حرارت سے گرم اور مویشیوں کیلئے موزوں۔ بعضوں نے کریمیا میں تگ و تاز شروع کی اور یہاں ایک عجیب طرح کے عیسائیوں سے ان کا سابقہ پڑا جو ایک ...معلوم زبان بولتے تھے، لمبے جُوتے نہیں پہنتے تھے اور عرب قافلوں کے تاجروں کی طرح سامان کے ادل بدل ...کرتے تھے۔ یہ اہلِ وینس تھے اور چونکہ انھوں نے مغلوں کے مقابلے میں ہتھیار نہیں اٹھائے اس لیے ...و قتلِ عام نہیں کیا گیا۔ اس کے برعکس انھوں نے اِن خانہ بدوشوں سے روسی غلام اور سامانِ غارت خریدنا ...ع کیا۔

اسی زمانے میں سوبوداِئی کے کچھ دستوں نے کوہِ قفقاز کی بلندیوں تک گھس کے اس پار شمالی ایران کی ...مغل لشکر سے ربط قائم کر لیا۔ چار سال بعد یہ دونوں فوجیں ملیں، ایک دوسرے کو خبریں بہم پہنچائیں اور پھر ...اپنا راستہ لیا۔

...حسبِ معمول باضابطہ طور پر مغل وسطِ روس کا انتظام درست کر رہے تھے۔ دارغہ چی نے اہو خاقان کی طرف ...ہ مقرر ہُوا تھا، جنوب کے کالی مٹی کے خطّے میں غلّہ کی پیداوار اور سموروں کی قیمتوں کا اندازہ لگایا۔ یہ طرح طرح ...شمال سے آتے تھے۔ روس کی دولت ان سموروں، چمڑوں، موم، یورال کی چاندی اور اُن انسانوں پر

مشتمل تھی جو یا تو غلام بنا کے پیچھے چلتے یا لگان ادا کرتے۔

وارد فرچی نے دیکھا کہ روس میں سکوں کا رواج نہیں ہے، اس لیے اُس نے اِس نئی رعایا پر کے جانوروں کا محصول لگایا۔ بھیڑیں، گھوڑے، گائیں، بیل اور سُؤر۔ اس نے اپنے ایغوری اور چینی منشی مدد سے مردم شماری شروع کرہی دی تھی۔ اُس نے ہرکاروں کی نئی شاہراہیں بنوانا شروع کر دیں اور اناج کے لیے غلّے کے گودام۔ وہ باتو خاں کی اس نئی سلطنت اور مشرقِ بعید میں خاقان کے دربار سے ربط قائم

یہ بھی رہا تھا کہ تاجروں کا ایک مسئلہ اور پیدا ہو گیا اور اس پر سوبوداٹی کا بس نہ چل سکتا تھا۔ یہ کہ خاندان شہزادوں میں آپس میں چشمک ہونے لگی۔ وہ اب یورال کی پرانی سرحد سے ایک ہزار میل آگے بڑھ آئے تھے فائدے کے لیے انھوں نے دشتِ روس کا بیشتر حصّہ فتح کر لیا تھا۔ باتو کے زریں خیمے اور اس کی بے تھما فوج کے ساتھ چلی آ رہی تھیں۔ تویوق اور چغتائی کے بیٹوں کے خیال میں تو باتو کو بجائے خود ایک بہت بڑی کا علاقہ مل چکا تھا، لیکن اُٹل سوبوداٹی یورپ پر یورش کرنے کے ارادے کو ملتوی نہ کرنا چاہتا تھا اور وہ اس کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ سائین خاں باتو کی ماتحتی میں محض ایک عسکر کا سپہ سالار رہے، کیونکہ باتو کی نسل سے تھا۔

اس کے برعکس سیور توقلتی کے مشورے کے بموجب منگو خاں باتو سے محبت سے پیش آتا تھا اور منگو کے زرخیز علاقے میں پے در پے فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ منگو نے بہادر قپچاق ترکوں کا ایک دستہ ہم لیا تھا، حالانکہ قپچاق قوم کی زیادہ تر تعداد جو کوئی چالیس ہزار خیموں پر مشتمل تھی، اپنے سردار قطیان کی سرکردگی کی طرف، دریاؤں کے اس پار، ہنگری کے میدانوں میں بھاگ گئی تھی۔ یہ مہن سال قطیان عرصے سے منغلوں تھا اور چاہتا تھا کہ اُس کے اور مغلوں کے درمیان جتنا زیادہ فاصلہ ہے اتنا ہی اچھا ہے۔

سوبوداٹی اس پر برہم تھا کہ ایسا طاقتور دشمن زندہ بھاگ نکلا۔ اب یہ جا کر یورپ والوں کو ہونے والی یورش سے خبردار کر دے گا، لیکن تویوق اور شورش مزاج شہزادے اس کے احتجاج پر کان نہ دھرتے تھے۔ وہ اوغدائی کے پاس واپس پہنچنا چاہتے تھے، جو بیمار تھا۔ اس نازک موقع پر باتو نے فوج کے سپہ سالاروں کی قرولتائی منعقد کی لیکن تویوق اور اُس کے ساتھی اُس کا مذاق اڑانے لگے۔ باتو خاں نے مجبوراً کے پاس احتجاجاً یہ پیغام بھیجا۔

"اے میرے چچا خاقان! ابدی آسمان کی برکت سے ہم نے گیارہ قوموں پر فتح پائی۔ جب

...میں نے تمام شہزادوں کی ضیافت کی۔ چونکہ میں عمر میں سب سے بڑا ہوں، اس لیے میں نے دوسروں سے پہلے ایک دو جام پیئے۔

اس پر تویوق اور بوری کو غصہ آ گیا۔ وہ محفل سے اٹھ کے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کے چلے گئے۔ مجھے ... بوری نے چیخنا شروع کیا "باتو کسی طرح ہم سے افضل نہیں۔ اس نے مجھ سے پہلے شراب کیسے پی۔ ... ہے جیسے کسی بڑھیا کے منہ پر داڑھی لگا دی جائے۔ میں ایک لات ماروں تو گر کے لوٹنے لگے!"

"تویوق کہنے لگا۔ "نہیں باتو ایسا ہے جیسے کسی بڑھیا کو زرہ پہنا کے اس کے ہاتھ میں تلوار دے دی جائے۔ ...وں گا کہ اس کے ڈنڈے لگائے جائیں۔

کسی اور نے چلا کے کہا کہ میرے لکڑی کی دُم لگائی جائے۔ ان شہزادوں نے اس قسم کی باتیں اس موقع پر کہیں ... مغرب کی مختلف قوموں سے لڑائی کے بعد اہم معاملات پر بحث کرنے کے لیے قرولتائی میں جمع ہوئے تھے۔ ... معاملات پر بحث کیے بغیر ہی منتشر ہو جانا پڑا۔ اے میرے چچا خاقان! یہ میری عرضداشت ہے، جو میں ... خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔"

مہینوں بعد سوار قاصد اوغدائی کا جوابی پیغام لائے۔ جسے اس پر سخت غصہ تھا کہ خاندان کے آپس کے جھگڑے کی ... فتح کی اصل اہمیت دلدل میں پڑ گئی تھی۔ خاقان نے اپنے بیٹے تویوق کو سخت لعنت ملامت کی اور لکھا کہ ... خود اپنے بیٹوں بوری اور بائیدار سے سمجھ لے گا۔

... اوغدائی نے یہ فہمائش کی "یہ رہ گئے تم، تو تم بھی اپنی فتوحات کی زیادہ شیخیاں نہ بگھارو، یہ فتوحات سوبوداٹی ... حاصل کی ہیں۔"

مزید برآں اوغدائی نے تویوق، بوری اور دوسروں کو واپس طلب کر لیا اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ... منگولیا کے سفر پر روانہ ہو گئے، لیکن چونکہ وہ اوغدائی کے سامنے جاتے ہوئے اس کی خفگی سے ڈرتے ... اس لیے راستے میں شکار کھیلتے ہوئے آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔

باتو خود بھی پریشان تھا اور واپس ہونا چاہتا تھا۔ منگو کو اپنی ماں سے اطلاع ملی تھی کہ خاقان بہت بیمار ... اور زیرک سردار اپنے مفاد کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کم سے کم وہ یہ چاہتا تھا کہ وولگا کے کنارے ... مستقر تک واپس پہنچ جائے، لیکن سوبوداٹی نے اس سے کہا "میں آپ کو واپس جانے سے تو نہیں ... روک سکتا، لیکن میں اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک میرے گھوڑے دریائے ڈینیوب کا پانی نہ پی لیں۔"

باتو جانتا تھا کہ اس کے اپنے سپاہی بھی جنگ کا ارادہ ترک کر کے اس کے ساتھ واپس جانے کو تیار [illegible] گئے۔ اس لیے وہ اپنے ساٹھ سالہ جنرل کے ساتھ ہی ٹھہرا رہا لیکن وہ یہ سمجھتا تھا کہ زیادہ آگے بڑھنے سے تنگ[illegible] کا خطرہ ہے کیونکہ اس وسیع رقبے میں جو وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے، ایسی قومیں آباد تھیں جو ضرب سے مفلوج [illegible] تھیں لیکن مغل حملے کی وجہ سے تباہ نہیں ہوئی تھیں۔ رسل و رسائل کے ربط کے لیے سوبودائی نے پچاس ہز[illegible] پیچھے چھوڑے تھے، وہ وہاں کے باشندوں کی آبادی کے عشر عشیر سے بھی کم تھے۔ اس نئی یلغار کے لیے و[illegible] سوبودائی ان کے نوّے ہزار سے زیادہ سپاہی فراہم نہ کر سکتے تھے۔

اس کے علاوہ قپچاقیوں کے فرار کی وجہ سے یورپ اس خطرے سے آگاہ، مسلح اور حملہ برداشت کرنے کے لیے تیار ہو چکا ہوگا۔ دریائے ڈان کے شمال میں مغلوں نے دو سال کی تاخیر کر دی تھی۔

لیکن سوبودائی کوئی حجت سننے کے لیے تیار نہ تھا۔

زرّیں سروں کا دربار

سوبودائی نے دسمبر ۱۲۴۰ء میں دوبارہ حملے کا آغاز کیا۔ اس مرتبہ روس کے قدیم ترین حصے کے علا[illegible] یہاں اُم البلاد کیف کے اطراف بہت سے تجارتی مرکز بن گئے تھے۔ یہاں صدیوں سے جنوبی سلاف قوم بازنطینی تمدن سے ربط چلا آتا تھا۔ دریائے نیپر اور بحیرۂ اسود سے ہو کے قسطنطنیہ کو راستہ جاتا تھا لیکن مغرب میں یہاں کے رئیس اور اس کے رقیبوں کے درمیان مخاصمت تھی۔ تباہ شدہ شمال کی طرح یہاں بھی ہم[illegible] نے ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیا۔

منگو اور باتو نے منجمد دریائے نیپر کے اُس پار اس یورش کا آغاز کیا۔ زرّیں خیل کا متفکر سردار اور تو[illegible] خاموش طبیعت فرزند آپس میں بڑے دوست بن گئے تھے۔ سوبودائی بھی یہی چاہتا تھا کہ باتو کے ساتھ ساتھ [illegible] ذہین شہزادہ دھاوے میں ساتھ ساتھ رہے۔

شہر کیف کا پہلا منظر دیکھ کر یہ لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اس کے زرّیں گنبد اور سفید دیواریں دیا[illegible] تھیں۔ اس کا نام انھوں نے "زرّیں سروں کا دربار" رکھا۔

منگو نے حسبِ معمول اہلِ کیف کے نام اطاعت کا پیغام بھیجا اور ساتھ ہی ساتھ کہلا بھیجا "زمانہ [illegible] نہیں جانے کیا پیش آئے گا، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

شہریوں نے ناعاقبت اندیشی سے مغل ایلچیوں کو قتل کر دیا اور جب جلتی ہوئی جھونپڑیوں کے اُس پار سے دریا کے [illegible]امنے مغل ہراول نظر آیا تو فصیل کے دروازے بند کر لیے۔

مغل قہقہہ لگانے لگے: "ان چھوٹے چھوٹے سوروں کو دیکھو، قتل کیے جانے کے لیے کس طرح اپنے ڈربے [illegible] جمع ہو گئے ہیں۔"

فتح کے بعد کیف بالکل تاخت و تاراج کر دیا گیا۔ فصیل چھوڑ چھوڑ کے روسیوں نے کلیساؤں میں پناہ لی اور ایک کلیسا [illegible]ٹ کر کھچا کھچ بھرے ہوئے مجمع کے سر پر گر پڑی۔ مغلوں نے ایک بڑے کلیسا کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ [illegible]کاری کے شاہکار اور قبلہ گاہوں کے خزانے غائب ہو گئے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ جب کیف کے شہر کی دوبارہ [illegible]لی تو یہ پرانے شہر کی محض پرچھائیں تھا۔

یہاں کا رئیسِ اعظم مائیکل خود پولینڈ بھاگ گیا، لیکن اس کی رعایا کی جلی ہوئی لاشیں بے گور و کفن، منہدم دیواروں [illegible] نیچے پڑی رہیں، یہاں تک کہ اُن کی بدبو سے شہر کی بچی کچی آبادی بھی شہر چھوڑ کے بھاگ نکلی۔

مغلوں نے معزز اُمرا کا تعاقب شروع کیا اور ان کے آگے آگے قپچاقی اور سلاف بھاگے جاتے تھے۔ روسی شہزاد[illegible] [illegible]نھوں نے کبھی اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہ کیا تھا، چکیاں پیستیں اور مغلوں کے گھوڑوں کو پانی پلاتیں۔ ایک مسیحی لکھتا [illegible] حکومت کرتے تھے، اب غلام تھے۔ انھیں دیکھ دیکھ کر عبرت ہوتی تھی۔"

تعاقب کرتے کرتے مغل کارپیتھین پہاڑوں کی حدِ فاصل تک جا پہنچے اور یہاں اپنے گھوڑوں کو آرام دینے کے [illegible] انھوں نے کچھ روز دم لیا۔

[illegible]تو کو روسی لوگ پسند تھے اور وہ ان کے ساتھ رعایت کرنا چاہتا تھا۔ ایک قیدی جو حسین اوڈیگ کہلاتا تھا اسے [illegible] آنکھیں عورتوں کی طرح نیلی اور بال لانبے اور زرد تھے۔ کیف کی تسخیر کے بعد اس نے بہادر دیمتری کی جان [illegible] گلیشیا کا رہنے والا تھا۔ دیمتری سے اس کی بہت دوستی ہو گئی اور وہ زور دیا کرتا کہ مغرب کے لوگوں [illegible]

[illegible]ی کا بیان تھا کہ کوہ کارپیتھین کے مغرب میں بڑے جنگجو وحشی لوگ ملیں گے جو جنگلوں اور شہروں میں رہتے [illegible] بادشاہ اور ایسے اسقف جن کا مرتبہ بادشاہوں سے کم نہیں۔ زرہ بکتر سے مسلح سردار اور جنگ آزمودہ سپاہی۔ [illegible] بعد ان کے کلیسا قلعوں کی طرح مستحکم ہیں۔ تیز دریا ہیں جو آج کل برف کی وجہ سے طغیانی پر ہوں گے، خطرناک [illegible] شہر۔ غرض مغل شہسواروں کے لیے بہت سی رکاوٹیں ہوں گی۔

اس کے علاوہ وسطِ یورپ کے باشندے اپنے خدا کی خوشنودی کے لیے جنگ کرنے کے عادی ہیں کے پار کے سلاف، پول، بساود، کروآٹ اور ہنگری، بوہیمی، میگیار اور ان قوموں کی مدد کے لیے اور حملہ آور کے لیے ٹیوٹانی نائٹ اور فرانسیسی ٹمپلیر جمع ہوں گے۔ ان کے پیچھے جرمن شہنشاہ اور کلیسائے روم کی دو سلطنتیں کل ایک دوسرے سے لڑائی میں مبتلا ہیں۔

(اس وقت ان مغلوں کے مقابل جو کارپیتھین کے پہاڑوں کی حدِ فاصل کے پار خیمہ زن تھے، پولینڈ، ہنگری اور یوگوسلاویا کے ممالک تھے اور ان کے ساتھ جنوبی جرمنوں، آسٹرویوں اور چیکوں کی قومیں تھیں میں وہ ممالک تھے جو ہٹلر کے زمانے میں تیسری جرمن سلطنت اور سلطنتِ اطالیہ کہلانے لگے تھے)۔

ان اہلِ یورپ کو مغلوں کے حملے کے خطرے کی خاطر خواہ اطلاع مل گئی تھی۔ وہ موسمِ سرما تک برف باری میں وہ اپنی طاقت مجتمع کر رہے تھے۔ انھیں اطلاع ملی کہ مغل ہراول کا ایک دستہ پولینڈ کے علاقے تک گھس آیا ہے اور اطلاعات فراہم کرنے کے لیے یہاں کے کچھ لوگوں کو قید کر کے لے گیا ہے۔ قطیان نے شاہِ ہنگری کو مغلوں کے لڑائی کے طریقے سے آگاہ کر دیا تھا۔ قپچاق مغلوں سے اس قدر ڈرتے تھے کہ تیار ہو گئے کہ عیسائی بن جائیں اور ہنگریوں کی طاقتور فوج میں بھرتی ہو جائیں۔

مزید برآں گیلیشیا کے میدانوں کے پار جوق در جوق روسی پناہ گزین آ رہے تھے اور کیف کی بربادی تھے۔ بیان کرنے میں مبالغہ کا عنصر بڑھتا جاتا اور اہلِ یورپ سمجھنے لگے تھے کہ شیطانوں کا غول ان پر حملہ کر آ رہا ہے۔ ناربون کے آئیوڈ نے بڑی متانت سے یہاں تک لکھ دیا کہ ان کافروں کے سر کتوں جیسے ہیں کھائی ہوئی لاشوں کو گدھ تک منہ نہیں لگاتے۔ آئیوڈ نے یہاں تک لکھ دیا کہ یہ کتوں کے سر والے مغل جب عورتوں کی عصمت دری کر چکتے ہیں تو ان کی چھاتیاں کاٹ ڈالتے ہیں اور انھیں کچا چبا جاتے ہیں۔

جولیان نامی ایک راہب نے روس کا دو مرتبہ سفر کیا تھا، اس نے اپنے اُسقف پیروز کے سامنے کہا: مغل جرمنی پر حملہ کرنے والے ہیں اور روم الکبریٰ اور اس کے پار کی سرزمینوں کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن اہلِ یورپ ان حملہ آوروں کی اصل فطرت، ان کے آئینِ جنگ اور ان کے مقاصد سے ناواقف تھے۔ روسیوں کی طرح ان کا بھی یہی اٹل اعتقاد تھا کہ وہ ہر طرح کے کافروں پر فتح حاصل کر کے رہیں گے۔

انھوں نے اس باقاعدہ پیغام کی طرف توجہ نہ کی جو باتو خاں نے ہنگری کے بادشاہ جیلا کے نام بھیجا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ خط ایغوری رسم الخط میں لکھا ہوا تھا اور اس کے دربار میں کوئی یہ زبان نہ جانتا تھا۔

لیکن قپچاق اس تحریر کو پڑھ سکتے تھے اور اس راہب جولیان نے یہ خط ان سے پڑھوا کر سنا۔ اس وقت تو یہ معلوم ہوا ہوگا، مگر اب دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ یہ مغلوں کی چالاکی کا ایک نمونہ تھا۔

خط یہ تھا: "میں سائین ہوں۔ جاودانی آسمان والے آقا کا (خاقان) جو زمین کا حاکم ہے، قاصد ہوں۔ جو میرے مخالف ہیں انھیں میں خاقان کے حکم سے سرفراز کر سکتا ہوں اور جو مجھ سے سرتابی کریں اُن کی میں اس کے حکم سے سرکوبی کر سکتا ہوں۔ مجھے تعجب ہے کہ اے ہنگری کے بادشاہ تُو نے میرے قاصدوں کے پیغام کی طرف توجہ نہ کی۔ اطاعت کرنا تجھے ناگوار ہے لیکن اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں۔"

یہ تو وہ عام دھمکی تھی جو عام طور پر مغلوں کی اطاعت قبول کرنے کے لیے دی جاتی تھی۔ اصل کھٹک کی بات اس کے بعد تھی:

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے قپچاقیوں کو جو ہمارے نوکر ہیں، اپنی ملازمت میں قبول کر لیا ہے۔ ان سے دست بردار ہو ورنہ ان کی وجہ سے میں تمہارا دشمن ہو جاؤں گا۔ وہ گھروں میں نہیں خیموں میں رہتے ہیں، بچ کر نکل جائیں گے لیکن تم جو گھروں میں رہتے ہو، تم میرے چنگل سے بچ کر کیسے نکل سکو گے؟"

باتو کے پاس کئی ترجمان تھے۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے ایک انگریز کے ہاتھ جو سات زبانیں جانتا تھا ایک اور پیغام بھیجا۔ وہ چاہتا تو روسی یا ہنگری زبان میں بھی خط لکھوا سکتا تھا لیکن اس نے ایک ایسے رسم الخط میں خط لکھنا مناسب سمجھا جسے قپچاق پڑھ سکتے تھے (اور یہ محض اتفاق کی بات نہیں تھی کیونکہ حملے کے بعد جب بیلا کی شاہی مُہر اس کے ہاتھ آگئی، اس کے ذریعے اور قیامت مچائی)۔

اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ہنگریوں کو یہ شک ہوا کہ اس نے قپچاق خاں کو کوئی پوشیدہ پیغام بھیجا ہے، حالانکہ وہ اس کے ساتھ ہنگریوں کے ساتھ مل کے مغلوں سے لڑنا چاہتا تھا، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ پھر یہ پتہ لگا کہ خط میں لکھا تھا کہ قبائلی بچ کر نکل جائیں گے اور اہلِ یورپ جو گھروں میں رہتے ہیں، ان کا قتلِ عام کر دیا جائے گا۔

ایک امیر آسٹروی آمیچ ڈیوک نے، جو اس لڑائی کے لیے رضاکار بن کے آیا تھا قپچاقیوں کے خان کو قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قپچاقی جو بڑے ہی قابلِ قدر حلیف ثابت ہوتے، پہاڑوں میں روپوش ہو گئے اور بھیڑیوں کی طرح ہنگریوں کو مارنے لگے۔

چار عساکر کی یلغار

فروری ۱۲۴۱ء کا زمانہ تھا۔ سوبوداٸی اور باتو اپنے گھوڑوں کو گیلیشیا کے میدانوں میں کارپیتھی پہاڑ وا[illegible] حدِ فاصل کے اُس پار آرام دے رہے تھے اور اُن قیدیوں سے سوال وجواب کر رہے تھے جو سانڈومیر سے [illegible] بلوائے گئے تھے۔ اب سوبوداٸی کو جاسوسوں اور وینس کے مہربان تاجروں سے بہت سی معلومات فراہم ہو چکی ہیں کے اور اُس کے سپہ سالاروں کو ان اطلاعوں سے اُن ملکوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو چکا ہے جو اور آگے ہیں اُس فوجی طاقت کا اندازہ ہے جو اُن کے مقابلے کے لیے جمع ہو رہی ہے۔ سوبوداٸی باتو کو یقین دلاتا ہے کہ اس تک روس کے میدان محفوظ نہ رہیں گے جب تک کہ وسطِ یورپ کی طاقت کا خاتمہ نہ کر دیا جائے گا۔

باتو تذبذب کے عالم میں ہے، کیونکہ دشمن کی تعداد ان کے مقابلے میں دُگنی تگنی ہے اور اگر مغرب [illegible] ہو جائے تو اس کے لیے قیامت کا سامنا ہوگا۔

سوبوداٸی شکست سے بچنے کے لیے تیز رفتاری پر پورا اعتماد رکھتا ہے۔ مغلوں کے گھوڑے دشمن کے مقا[بلے] دوہری تہری رفتار سے کوسے کاٹ سکتے ہیں۔ وہ اپنی فوج کے چار ٹکڑے کرنا چاہتا ہے جو کارپیتھین کے پہاڑ[وں] اُس کے بازوؤں سے گھوم کر حملہ کر سکیں۔ اُس کا خیال ہے کہ یہ چاروں عساکر اُن مقامات کا پتہ چلا لیں گے جہاں [یورپ] اپنی فوجوں کو جمع کر رہے ہیں اور انھیں تہس نہس کر ڈالیں گے۔ اس یلغار یا کوچ میں یہ چاروں عساکر اُس جگہ پر آ[کر] اکٹھا ہوں گے جہاں یورپی فوجوں کا قلبِ لشکر جمع ہو رہا ہے، یعنی ڈینیوب کے کنارے پسٹ کے مقام پر۔ اگر [اسی] رفتاری سے کوچ جاری رہا تو چاروں عساکر مہینے سے پیشتر تو وہاں پہنچ ہی جائیں گے۔

چونکہ سائین خاں باتو تذبذب کے عالم میں ہے اس لیے سوبوداٸی اسے قلبِ لشکر میں سپہ سالارِ اعظم [illegible] سے اپنے ساتھ ہی رکھتا ہے۔ میمنے اور میسرے کے عساکر پر وہ نڈر جنگجو دو قائد اور قادان کو مقرر کرتا ہے [illegible] قراقرم واپس بلا لیا گیا تھا)۔

اُس کے اندازے کے مطابق ان چاروں عساکر کو ڈینیوب کے کنارے ۱۷ مارچ کو جمع ہو جانا چاہیے۔ مارچ کے شروع میں وہ میمنہ کے مغلوں کو سب سے پہلے روانہ کرتا ہے۔ یہ ایک بڑا طاقت ور عسکر ہے [جو] قائدو کی سرکردگی میں کوئی تیس ہزار سوار ہیں۔ اس کے سوا اس عسکر کو سب سے بڑا چکر کاٹنا ہے، اسے کارپیتھین کے شمال سے ہو کر چکر لگانا ہے یہاں برف پگھلنی شروع ہو گئی ہے۔

پہلے ہفتہ میں یہ سبار رفتار عسکر آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور سانڈومیر سے ہو کر گزرتا ہے جسے مغل جاڑوں میں ایک [حملے] کے دوران میں تاراج کر چکے ہیں۔ پھر یہ دو دستوں میں بٹ جاتا ہے اور پتہ لگاتا ہے کہ دشمن پہلا مقابلہ کہاں کریں گے۔ اُسے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ پولینڈ بولیسلاس ضعیف کے پرچم تلے جمع ہو رہے ہیں اور شاہ میسلاس کی سرکردگی میں سلا[و] [قب]ائل بھی ان کے ساتھ ہے۔

پرے جا کے زیدلاؤ کے قریب مغل حملہ کرتے ہیں۔ پولینڈ کی فوج کے ان دو حصوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیتے [ہیں۔ ا]یسے سلاس اور اُس کے باقی ماندہ مسلاؤں کو مغرب کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ آج مارچ کی اٹھارہ تاریخ ہے۔

قائدو ایک دن ضائع کیے بغیر مغرب میں تعاقب جاری رکھتا ہے۔ کراکاؤ پہنچ کے مغل یہ دیکھتے ہیں کہ اہلِ شہر بھاگے جا رہے ہیں۔ ۲۴ مارچ کو وہ کراکاؤ کو تباہ کر کے شہر میں آگ لگا دیتے ہیں۔ اوڈر کو کشتیوں اور تختوں کا پُل بنا کے پار کرتے ہیں [اب] یہ عسکر جرمنی کی سرزمین میں داخل ہوتا ہے، بریزلاؤ پر قبضہ کر لیتا ہے اور اسے پتہ چلتا ہے کہ شمال میں لیگ نتز کے مقام پر دشمن مقاومت کی تیاری کر رہا ہے۔

یہاں سائلیشیا کا پول ڈیوک ہنری زاہد اپنی فوج کو جمع کر رہا ہے اور اس کے ساتھ موراویا کا مارگریو ہے، کراکاؤ کے [ب]ستہ ہیں۔ کل تیس ہزار فوج ہے، جس کو تیوتانی نائٹوں سے مزید تقویت پہنچی ہے۔ ذرا اور جنوب میں نیک دل شاہ وین سس [ل]اس ——— وہ زندہ دل بادشاہ جس کی عیساٸی گیتوں میں بڑی تعریف کی جاتی ہے ——— اپنی بوہیمین قوم کے طاقت ور [دستوں] کے ساتھ تیزی سے کوچ کرتا ہوا ڈیوک ہنری کی کمک کو چلا آ رہا ہے۔

یہ دیکھ کر کہ اس قدر طاقت ور غنیم کا سامنا ہے، مغلوں کا سبار رفتار عسکر اپنی رفتار اور تیز کر دیتا ہے کہ بوہیمیوں کی کمک [پہنچ]نے سے پہلے ہی لیگ نتز کی فوج کے مقابل جا پہنچے۔

۹ اپریل کی صبح کو متحدہ پولش جرمن لیگ نتز سے آگے بڑھتی ہے تاکہ بوہیمی فوج سے جا ملے۔ قائدو کی پیش قدمی [ک]ی وجہ سے اسے سطح زمین پر صف آرا ہونا پڑتا ہے۔ پیدل زرہ بند فوج پہلے مغل دستوں کے مقابل بڑھتی ہے جو اس کے سامنے سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں مگر میمین و یسار سے اور مغل دستے نمودار ہو کے تیروں سے اس گھری ہوئی فوج کا قتلِ عام شروع کر دیتے ہیں۔

پولینڈ کے دستے بدنصیب پیدل فوج کو بچانے کے لیے پیش قدمی کرتے ہیں لیکن بدلباط دھوئیں میں گھر جاتے ہیں [جس] کی وجہ سے اُن کی آنکھیں جلنے لگتی ہیں، انھیں دکھاٸی نہیں دیتا کہ مغل کہاں ہیں۔ اس دھوئیں کے اوپر اگر کوئی چیز نظر آتی ہے تو ایک بڑی سی داڑھی والی صلیب ہے۔ اصل میں یہ مغلوں کا گھوڑوں کے بالوں والا پرچم ہے۔ سخت لڑاٸی ہو رہی

ہے، دھوئیں میں گھمسان کا رن پڑا ہے کہ ایک عجیب و غریب سوار پولینڈ والوں کی صفوں کے پاس سے یہ چلاتا ہوا گزر جاتا ہے "بھاگو سب ۔۔۔ بھاگو" پولینڈ کے سوار گھبراہٹ میں ہاتھ کھینچ کے پلٹنے لگتے ہیں اور مغلوں کے حملے سے منتشر ہو جاتے ہیں۔

یہ دیکھ کر ڈیوک ہنری اپنے باقی ماندہ سواروں، اپنے سائلیشی اور پول بکتر بند نائٹوں اور شہسوار ٹیوٹانی صلیبیوں کو ساتھ لے کے حملہ کرتا ہے ان کے دائیں بائیں مغلوں کا محفوظ دستہ نمودار ہوتا ہے اور وہ اس کثیر فوج میں گھر جاتے ہیں ہنری چار ساتھیوں کے ساتھ جان بچانے کو بھاگ نکلتا ہے۔ اس کے ساتھی مارے جاتے ہیں وہ خود گرفتار ہوتا ہے اس کا سر قلم کر دیا جاتا ہے۔

بہت کم عیسائی لیگ نتز کے میدان سے زندہ بچ کر نکل پاتے ہیں۔ مغل لاشوں کے سیدھے کان کاٹ لیتے ہیں ان انھیں بعد میں گن کے مقتولین کی تعداد معلوم کرنے کے لیے تھیلوں میں باندھ لیتے ہیں۔ قائدو لیگ نتز کے شہر کی طرف بڑھتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ اس کے باشندے بھاگ چکے ہیں اسے نذرِ آتش کر دیتا ہے۔

وین سس لاس اور اس کے ساتھی بوہیمین ابھی ایک منزل کی مسافت پر ہیں وہ اس شکستِ فاش کا حال سنتے ہی اور تیزی سے واپس لوٹ کے جنوب کی پہاڑیوں میں گلاتز کے ناہموار ٹیلوں میں مورچہ جماتے ہیں۔ مغل اس علاقے کا چکر کاٹتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ مورچہ کافی مضبوط ہے اس لیے اس پر حملہ نہ کرنا چاہیے۔ اپنے گھوڑوں کو آرام دے کے وہ آہستہ آہستہ پرے ہٹ جاتے ہیں اور بوہیمیا میں جدھر سے گزرتے ہیں شہروں کو تباہ و تاراج کرتے چلتے ہیں۔

وین سس لاس یہ سن کر اپنے وطن کے تحفظ کے لیے واپس لوٹتا ہے لیکن مغلوں کی یہ نقل و حرکت محض ایک بہانہ [illegible] وہ پلٹ کے اپنی رفتار تیز کر دیتے ہیں اور بلا مزاحمت گلاتز کے ناہموار ٹیلوں سے ہو کر موراویا کی زرخیز وادیوں میں پہنچ جاتے ہیں قبل اس کے کہ موراویا کی حفاظت کے لیے کوئی فوج جمع ہو سکے وہ اس پورے علاقے کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں اور پھر قائدو کے سوار ہنگری کی سمت اپنا کوچ جاری رکھتے ہیں۔

بوہیمیا کا نیک دل بادشاہ وین سس لاس جرمن شہنشاہ فریڈرک کو لکھتا ہے کہ میں نے تاتاریوں کو مار بھگایا ہے ایک ماہ کے عرصہ میں اس شمالی عسکر نے چار سو میل کے قریب مسافت طے کی ہے، دو فیصلہ کن لڑائیاں جیتی ہیں، پانچ شہر مسمار کیے ہیں اور دریائے وسچولا سے لے کر لیگ نتز تک پولینڈ اور سائلیشیا کی ساری مقاومت کا خاتمہ کر دیا ہے اور اب یہ عسکر موراویا کی وادی میں اپنے گھوڑے چرا رہا ہے، بوہیمیا کی فوج کی نقل و حرکت پر نظریں جمائے ہے اور سوبوتائی کے احکام کا انتظار کر رہا ہے۔

پونس دو بون، فرانس کے ٹمپلر نائٹوں کا سردار اپنے آقا بزرگ دین لوئی شاہِ فرانس کو تحریر کرتا ہے: "معلوم ہو کہ تاتاریوں نے اس علاقے کو تاراج کر دیا ہے جس پر پولینڈ کے ڈیوک ہنری کی حکومت تھی۔ اس کو اس کے بہت سے سرداروں، ہمارے چھ بھائیوں، تین نائٹوں، دو سارجنٹوں اور پانسو زرہ بند سپاہیوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ ہمارے تین بھائی بچ کر نکل آئے۔

اور واضح ہو کہ جرمنی کے تمام سرداروں اور پادریوں اور اہلِ ہنگری نے تاتاریوں کے مقابلے کے لیے صلیب بلند کی ہے اور اگر ان کا بھی خاتمہ ہو گیا تو پھر خدا کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ تاتاریوں کے اور آپ کے ملک کے درمیان کوئی روک باقی نہ رہے۔"

سوبوتائی اپنے نظام العمل کے مطابق آگے بڑھ رہا ہے۔ قائدو کے روانہ ہونے کے بعد ہی وہ اپنے دوسرے عسکر کو بھی روانہ کرتا ہے کہ وہ کارپتھین کے پہاڑوں کے کنارے کنارے چھوٹے سے دریا مارچ کے ساتھ پست جا پہنچے۔ اس دوسرے عسکر کو بڑا دور دراز کا سفر کرنا ہے۔ وہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہے۔ کوچ کے دوران میں وہ قاصدوں کے ذریعے مسلسل ربط قائم کیے ہوئے ہے۔

پھر سوبوتائی تیسرے عسکر کو روانہ کرتا ہے کہ گلیشیا سے ہوتا ہوا جنوب کا علاقہ صاف کرتا جائے۔ اس کا کام یہ تھا کہ جنوبی بازو کو دشمنوں سے پاک کر کے دوسرے عساکر سے پست میں، ار مارچ کو آن ملے۔ اس کی سرداری قادان کے سپرد تھی۔

اسے بھی بڑی دور کا چکر کاٹنا تھا۔ دوسرے عسکر کی طرح اسے بھی حلقہ بنا کے پست میں، ار مارچ کو پہنچنا تھا یہ چھوٹے چھوٹے دستوں میں بٹ کے برفانی جنگل میں جو کچھ گھاس چارہ مل سکے حاصل کر لیتا ہے۔ غذا حاصل کرنے کے لیے قصبوں پر حملہ کرتا ہے لیکن مستحکم قلعوں کو ہاتھ لگائے بغیر آگے بڑھ جاتا ہے اور راستے میں جو چھوٹی موٹی مسلح فوجیں ملتی ہیں انھیں تہس نہس کرتا جاتا ہے۔

ٹرانسلوے نیا سے گزرتے ہیں، اس کے راستے میں جو دریا آتے ہیں، ابھی ان میں برف کے پگھلنے یا بہار کی بارش سے طغیانی نہیں آئی ہے۔ مغل سوار پایاب گھاٹ ڈھونڈھ لیتے ہیں، ورنہ تیر کے اور اپنے گھوڑوں کو رسیوں سے باندھ کر پار کر لیتے ہیں۔ آدمی گھوڑوں کے ساتھ ساتھ تیرتے جاتے ہیں اور اپنے چمڑے کے تھیلوں کو جن میں انھوں نے ہوا بھرلی ہے، سہارے کے لیے تھامے ہوئے ہیں۔ وہ کہیں نہیں ٹھہرتے کیونکہ اس برفانی علاقے میں انھیں روزانہ چالیس میل کی مسافت طے کرنی ہے۔

آس پاس کے سراسیمہ باشندے صرف یہ جانتے ہیں کہ جنگلوں سے کافر شہسوار اُبلے پڑتے ہیں اور غلبہ پا
کی طرح کسی نامعلوم منزلِ مقصود کی طرف اندھا دھند چلے جا رہے ہیں، کہیں تو ذرا مذاق کا کھیل ہو۔

روداں کے متمدن شہر میں چاندی کی ایک کان کے قریب لوگ مغل شہسواروں کو دیکھتے ہیں کہ گھوڑے اُٹھا
چلے جا رہے ہیں۔ اس شہر کے رہنے والے توی ہیکل جرمن ہیں جو اپنے بکتر بند سپاہیوں کو جمع کرتے ہیں کہ حملہ آوروں سا
لڑیں۔ مغل دستہ جو قبضے پر چھانے کے لیے الگ کر دیا جاتا ہے بناوٹی طور پر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور یہ اس خوش اسلوبی سا
کہ جرمن یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے دشمن کو مار مار بھگا دیا۔

خوش ہو کے جرمن بکتر بند سپاہی واپس لوٹتے ہیں اور فتح کی خوشی منانے شہر واپس پہنچتے ہیں۔ شراب خانوں میں جا
کے، اپنے ہتھیار کھول دیتے ہیں اور جیسا کہ اچھے تیوتانیوں کا قاعدہ ہے، بیئر پینے بیٹھ جاتے ہیں۔ جب وہ پی کے مدہوش
ہو چکتے ہیں تو مغل واپس پلٹتے ہیں۔ شہر کے کھلے ہوئے دروازوں سے گھس آتے ہیں بلا کسی حملے یا لڑائی کے، وہ کانوں
تک آس کا لڈ اور چھ سو بکتر بند سپاہیوں کو پکڑ کے جنگلوں میں لے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کلہاڑیاں پکڑوا دیتے ہیں
تاکہ وہ ان کے لیے جنگل کا راستہ صاف کرتے جائیں۔

بعض شہر اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں اور مدافعین مغلوں کی نقل و حرکت دیکھنے کے لیے فصیلوں پر چڑھ جاتے
ہیں۔ یہاں تک کہ ان عجیب سواروں کے تیر دُور سے نشانے پر آ آ کے لگتے ہیں۔ سراسیمہ ہو کے عیسائی مدافعین کا ٹھٹ کے ٹھٹ
پُتلوں کو فصیلوں پر تیروں کا نشانہ بننے کے لیے چھوڑ کے خود دیواروں کے پیچھے جا چھپتے ہیں اور حیرت سے دیکھتے ہیں
مغلوں کے لوہے کے تیر لکڑی کو چھید ڈالتے ہیں۔ کبھی کبھی مغل اس طرح تیر چلاتے ہیں کہ ایک بادل سا بلند ہوتا ہے اور فصیل
کے اندر جا گرتا ہے یا وہ پھوس کی چھتوں پر آتش گیر تیر چلاتے ہیں اور بڑھتے جاتے ہیں۔

لیکن یہ جنوبی عسکر جو جھاڑی دار پہاڑیوں میں راستہ کاٹتا چلا جا رہا تھا، نظام العمل کے لحاظ سے اب تباہ
ہوتی جا رہی تھی۔

اس دوران میں سوبوداٹی باقی ماندہ چالیس ہزار قلبِ لشکر کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کے ساتھ بالتو خاں
ہے اور چھوٹی چھوٹی منجنیقیں ہیں جو آتار کے بغیر پہیوں والے چھکڑوں پر باندھ دی گئی ہیں۔

وہ کارپیتھی پہاڑوں کی حدِ فاصل کے اس درے تک چڑھ جاتا ہے جو عام طور پر روسی دروازہ کہلاتا ہے
یہاں وہ دیکھتا ہے کہ ہنگری کے ایک سرحدی دستے نے درخت کاٹ کے راستہ روک رکھا ہے۔ مغل ہراول
درے پر قبضہ تو کر لیتا ہے مگر راستہ صاف کرنے میں اسے دیر لگ جاتی ہے۔ ۱۲ مارچ کو سوبوداٹی بلندیاں پار کر لیتا

ہراول کے دستوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کے وہ بھاگتے ہوئے ہنگریوں کا تعاقب کرتا ہے اور تعاقب میں
رفتار خوف ناک ہے۔

درے سے نیچے اتر کے سوبوداٹی کے تومان، ہنگری کے میدان میں ۱۸۰ میل کی مسافت تین روز میں طے کر لیتے ہیں۔
تاریخ سے دو روز پہلے ۱۵ مارچ کو اس کے ہراول دستے دریائے ڈینیوب کے کنارے مقررہ مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔
۱۷ مارچ کو باتو قلبِ لشکر کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ دوسرا عسکر ڈینیوب کے کنارے راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے
آتا ہے اور شمال میں قائدو کی پیش قدمی کی اطلاع ملتی ہے اور اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ سوبوداٹی کا میمنہ محفوظ ہے۔
عسکر جو جنوب سے آتا ہے، ابھی تک نہیں پہنچا لیکن دو مغل عساکر پست کے سامنے صف آرا ہیں اور بیلا اور اس
ہنگریوں سے جنگ کرنے کو تیار ہیں۔

اہلِ ہنگری کا خاتمہ

ہنگری کا بادشاہ اس وقت اپنے سرداروں اور پادریوں کی مجلسِ مشاورت میں بیٹھا کارپیتھین پہاڑوں کے
یہ مغلوں کے حملے کے خطرناک امکان پر غور کر رہا ہے۔ دریا کے اس پار بودا کے مقابل پست کے شہر میں یہ
لوگ مشورے کر رہے ہیں۔ بودا میں فوجیں جمع کی جا رہی ہیں کہ اتنے میں سرحدی دستے کا کمانڈر کاؤنٹ ژول لوک نمودار
ہوتا ہے۔ وہ مجلسِ مشاورت کو یہ خبر سناتا ہے کہ کارپیتھیا کے پہاڑوں کی سرحد کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے تعاقب میں
مغل یہاں پست تک آن پہنچے ہیں۔

سوبوداٹی پست کے دروازوں کو مقفل پاتا ہے اور وہ اس قدر محتاط ہے کہ چوڑے ڈینیوب کو فوراً پار
کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس لیے وہ ملک کا اندازہ لگانے کے لیے اِدھر اُدھر چکر کاٹتا ہے اور اس کی کوشش
کرتا ہے کہ اس کے مقابلے کے لیے اہلِ ہنگری خود دریا کا گھاٹ پار کر کے آئیں۔

بیلا بھی اسی قدر محتاط ہے۔ اپنے دروازے پر حملہ آوروں کے اچانک نمودار ہونے سے وہ سراسیمہ ہو
گیا ہے۔ وہ یہ حکم جاری کرتا ہے کہ کوئی مغلوں کے مقابلے کے لیے آگے نہ بڑھے۔ ایک جنگ جو اُسقف جس کی
علمداری اگولین پر تھی، اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا۔ وہ اپنے زرہ پوش سواروں کے ساتھ ان چرم پوش کافروں
کے ایک گروہ پر ٹوٹ پڑتا ہے جو فصیل کے باہر اس کی نظروں کے سامنے دیہات سے غلہ چارہ جمع کر رہے ہیں۔
بکتر بند عیسائیوں نے ان اجنبی سواروں پر حملہ کر دیا جو بظاہر ڈر کر بھاگ نکلے۔ اگولین اور اس کے ساتھی

ڈھالیں سنبھالے ہوئے، بھالے جھکائے ہوئے تعاقب کرنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد یہ محسوس کیا کہ وہ دلدل میں پھنسے جا رہے تھے، جس پر ہلکے پھلکے مغل سوار آسانی سے گزر گئے تھے۔ وہ دلدل سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے کہ مغلوں نے انھیں اپنی تیر اندازی کی زد میں لے لیا۔ اُن میں سے صرف تین بچ کر غیر محتاط اسقف سانتھ پست پہنچے۔ باقی دلدل میں مارے گئے۔

اگرچہ بیلا اور اس کے سرداروں کو اس کی خبر نہیں مگر یہی وہ دن ہے جس دن میسرہ کا عسکر جو بچھڑ گیا ڈینوب میں یکجا ہونے کے مقام پر آپہنچا تھا اور سوبوداؤ کو یہ خبر ملی کہ اُس کے صبا رفتار میمنے نے شمال میں پولینڈ کو منتشر کر دیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے مغلوں کو پیچھے ہٹاتا ہے تاکہ بیلا پست سے باہر نکل آئے۔

اور ہنگری کا بادشاہ اس طرح اس چکمے میں آگیا جیسے کوئی کسی کا ہاتھ پکڑ کے کہیں لے جائے۔ عیسائیوں کے پاس بہت بڑی فوج ہے کیونکہ بادشاہ کا بھائی کولومان سلاونیا اور کروشیا سے فوج کے دستے لے کے کمک کے لیے آگیا ہے اور فرانس کے ٹمپرنائٹ بھی مدد کے لیے آگئے ہیں۔ غالباً کل ایک لاکھ فوج ہے جس میں سوار، اسقف صلیبی، بکتر بند سپاہی سبھی شامل ہیں اور فوج کا پشت پناہ طاقتور پیدل دستہ ہے، جیسے جیسے وہ پیش قدمی کرتے جاتے ہیں اُن کی ہمت بڑھتی جاتی ہے۔

مغل پسپا ہی ہوتے نظر آرہے ہیں۔ ان کا قلب لشکر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ اہلِ ہنگری کے مقابلے میں ان کی تعداد کم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ارادہ مطلق نہیں کہ مقاومت یا جنگ کریں۔

چھٹے روز اہلِ ہنگری موہی کے میدان میں پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ ان کے آگے ایک تیز رفتار ندی سایو بہتی بہہ رہی ہے۔ اُس کے اُس پار گھنے تاریک جنگل ہیں۔ دونوں طرف توکے کی انگور کی بیلوں سے لدی پہاڑیاں اور جھاڑیوں سے لدی ہوئی بلندیاں ہیں۔ آج ۹ اپریل کی شام ہے اور شمال میں لیگ نتز میں بھی کام آچکا ہے۔

اہلِ ہنگری موہی کے میدان میں پڑاؤ ڈالتے ہیں، الاؤ جلاتے ہیں اور گھوڑوں کو ندی کا پانی پلاتے ہیں تجربہ کار لوگ ہیں آسانی سے دھوکا نہیں کھا سکتے۔ ان کے ہراول کے سپاہی ندی کے اُس پار سوکھی جھاڑیاں گھستے چلے جا رہے ہیں اور انھیں مغل کہیں نظر نہیں آتے۔ صرف گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشان نظر آتے ہیں۔ ایک قیدی جو باتو کے پڑاؤ سے بچ کر نکل آیا تھا اور ہنگریوں کے لشکر تک پہنچ گیا تھا انھیں خبردار کرتا ہے کہ غیر مرئی ہی میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔

اس لیے اہلِ ہنگری احتیاط برتتے ہیں کہ اُن پر اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ ان کے دونوں طرف جھاڑیوں سے لدی ہوئی پہاڑیاں ہیں۔ پھر بھی وہ اپنے چاروں طرف چھکڑوں کو باندھ کے مورچہ سا بنا لیتے ہیں۔ کولومن خود ہزار جوانوں کے ساتھ سایو کا واحد پُل پار کر کے ندی کے اُس پار جاتا ہے۔ اس کا یہ ہراول دستہ چوکیداری کرتا ہے اور ان کے حصار میں اصل فوج رات بسر کرنے اور سونے کی تیاری کرتی ہے۔

صبح ہونے سے پہلے ہی مغلوں کی نقل و حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ پانچ میل دور اپنے پڑاؤ سے ہو کر اندھیرے میں ہوتے ہوئے ندی کے پاس آپہنچتے ہیں۔ باتو کی سرکردگی میں ایک دستہ سایو کے پتھر کے پُل کا رُخ کرتا ہے۔ دوسرا سوبوداؤ کی سرکردگی میں دریا کے نشیب کی طرف روانہ ہوتا ہے کہ اہلِ ہنگری کے پڑاؤ پر عقب سے حملہ کرے۔

صبح سویرے باتو کے سوار پُل کی طرف جھپٹتے ہیں اور یہاں کولومن کے ہزار ہنگری سوار ان کا رستہ روکے ہوئے ہیں۔ مغل سات منجنیقیں ساتھ لائے ہیں اور پُل پر سخت سنگ باری کر رہے ہیں۔ اہلِ ہنگری پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور مغل شہسوار اس پار آجاتے ہیں تاکہ میدان میں آسانی سے نقل و حرکت کر سکیں۔

اس درمیان میں سوبوداؤ سایو ندی کو عبور کر رہا ہے اور ہنگریوں کو اس کی خبر ہی نہیں۔ اُس نے دریا پر کشتیوں اور لکڑی کے تختوں کا ایک پُل بنا لیا ہے۔

پڑاؤ میں جب اہلِ ہنگری اپنے خیموں سے باہر نکلتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے اطراف بلندیوں پر اجنبی سوار اکٹھے ہو رہے ہیں۔ مغل آہستہ آہستہ نقل و حرکت کر رہے ہیں۔ ہنگریوں کو قطعاً نہیں چھیڑتے، لیکن باقاعدگی سے ان کے پڑاؤ کے اطراف گھیرا ڈال رہے ہیں۔

ان کے مقابلے میں ہنگری کی سوار فوج یکجا ہو کر حملہ کرتی ہے۔ مغل عیسائیوں کے حملے کے مقابلے میں پسپا ہوتے ہیں، لیکن دراصل وہ اس کے دونوں بازوؤں کو گھیر کے اُس پر تیروں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔

اس آتش باری سے ہنگری والوں کا حملہ مفلوج ہو جاتا ہے اور اس کا ترکی بہ ترکی جواب نہیں دے سکتا۔ اسی کے عالم میں وہ پڑاؤ کی جانب واپس لوٹتا ہے۔ اب سوبوداؤ کا عسکر چلا آرہا ہے اور حلقے کی تکمیل کر رہا ہے۔ مسلح آدمیوں کا جمِ غفیر، بھوکا، پریشان ایک دوسرے کو کہنیوں سے ہٹاتا ہوا حیرت سے یہ دیکھ رہا ہے کہ پڑاؤ سے بچ کر نکلنے کا رستہ مسدود ہو چکا ہے۔ مغل اونچی زمین سے تیروں کی بارش کرتے ہیں۔

اب ہنگری کے سردار کولومن اور منچلا اگولین، اپنے سواروں کو چھکڑوں کی فصیل سے باہر نکال کے حملہ کرتے ہیں

لیکن بہت کم لوگ ان کے ساتھ جانے کو تیار ہیں۔ ہر ٹمپلر ناٹ ضرور جاتا ہے۔ پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بعد اُنھیں مورچے کے اندر واپس دھکیل دیا جاتا ہے۔ ٹمپلر ناٹ اب ان کے ساتھ نہیں ہیں کیوں کہ اُن میں سے ہر ایک مارا جا چکا ہے۔

اب پڑاؤ کا حجم غفیر بے ترتیب ہو چکا ہے۔ اُس کے سردار باقی نہیں رہے۔ بیلا جیسے سپہ سالاری کا تجربہ نہیں کر سکتا۔ کولومن زخمی ہو چکا ہے۔ مغل نشیب کی طرف بڑھتے ہیں اور ہنگریوں کے جمِ غفیر میں آتش بار تیر اور نفتا کرتے ہیں۔ اسی وقت مغل سوار مغرب کی طرف اپنا حلقہ کھول دیتے ہیں جہاں ہموار میدان دریائے ڈینیوب تک جاتا ہے۔ ہنگری والے تذبذب کے عالم میں اس کھلے ہوئے راستے کی طرف بڑھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ نقصان اُٹھا کر اس کھلے ہوئے حصّے سے پار نکل آتے ہیں، ان کے بعد بھگدڑ مچ جاتی ہے۔

خیموں کے درمیان سے وہ اس کھلے ہوئے حصّے کی طرف اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ ان کی صف بندی نہ رہی۔ راستہ بنانے کے لیے انھوں نے خیموں کی طنابیں کاٹ ڈالی ہیں۔ بیلا پہلے یہ خیال کرتا ہے کہ اُس کی فوج دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہی ہے لیکن پھر یہ دیکھ کر کہ فوج پسپا ہو رہی ہے، وہ خود بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ ایک لاکھ آدمی اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہے ہیں اور اب ان کے سردار انھیں روک نہیں سکتے۔ انھیں خیال نہیں کہ ڈینیوب کے ادھر کہیں حفاظت کی صورت نہیں اور ڈینیوب چھ منزل دُور ہے لیکن وہ مغل کے کھلے ہوئے حلقے سے باہر بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔

دو دن تک اس ہلکی ہلکی اور مہیب بھگدڑ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مغل اس وقت تک تاک میں لگے رہتے ہیں کہ فوج تھک جائے۔ پھر وہ ان کا تعاقب کر کے انھیں دست بدست ہتھیاروں سے اس طرح قتل کرتے ہیں کہ [illegible] کی جاتی ہیں۔ بہت سے ہنگریوں کو دلدلوں میں ہنکا دیا جاتا ہے تاکہ وہاں ان کے قتل کرنے میں آسانی ہو۔ بیلا پہچان نہیں پاتے، اپنے تیز رفتار گھوڑے پر بچ کے نکل جاتا ہے۔

دو دن کی مسافت تک کے سارے فاصلے پر لاشیں ڈھیر ہیں۔ ستر ہزار آدمی مارے گئے، جن میں دو اُسقف اعظم اور ہنگری کے اکثر و بیشتر اُمرا شامل ہیں۔ جو زندہ بچے ہیں، جان بچاتے پھر رہے ہیں۔ بیلا کا شکار ہو رہا ہے۔ خوف سے ان کے اوسان ٹھیک نہیں۔ بیلا کوہ کارپیتھیا کی بلندیوں پر ایک خانقاہ میں پناہ لیتا ہے۔ اس کا کل تک کا ہم عصر بادشاہ بولے سلاش عفیف بھی پناہ گزین ہے۔

زخمی کولومن شہر پسٹ سے گزرتے گزرتے یہاں کے باشندوں کو خبردار کرتا جاتا ہے کہ اگر ہو سکے تو وہ

بھاگ کے اپنی جان بچاؤ۔ لیکن اس کے برعکس وہ اپنے شہر کی مدافعت کی تیاری کرتے ہیں۔ مغل اس شہر کو تسخیر کر کے نذرِ آتش کرتے ہیں اور آبادی کا قتلِ عام کرتے ہیں۔

مورخ ٹامس ساکنِ ہسپالاتو نے جرمنوں اور ہنگریوں کے متعلق لکھا ہے: "ان کا حجم غفیر کتنا ہی عظیم سہی، اور عظیم جنگ میں ان کی سخت کوشی تھی۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ دنیا کی قوم مغلوں کے برابر کھلے میدانوں میں جنگ کرنا اور تدبیر اور جنگی مہارت سے دشمن پر غلبہ پانا جانتی ہے۔"

دنیا کے دوسرے سرے پر قُرولتائی میں سایو کی اس جنگ کا تذکرہ بھی چھڑ گیا۔ باتو نے سوبوداتی کو ملامت کی: "جب ہم سایو کے پاس لڑ رہے تھے تو تم نے آنے میں دیر کر دی جس کی وجہ سے میرا دست بھاتو اور تیس آدمی مارے گئے۔"

سوبوداتی نے جواب دیا: "آپ اچھی طرح جانتے ہیں جہاں آپ نے پُل پار کیا، وہاں ندی گہری نہ تھی اور ایک پُل پہلے سے موجود تھا۔ آپ کو یاد نہیں رہا کہ جہاں میں نے ندی کو پار کیا ندی گہری تھی اور مجھے خود پُل بنانا پڑا۔" باتو نے مان لیا کہ سوبوداتی ٹھیک کہہ رہا ہے اور اس نے یہ بھی مان لیا کہ اہلِ یورپ پر فتح پانے کا سہرا بوڑھے جنرل کے سر ہے۔ اس نے خود اُس شاہی خیمے پر قبضہ کر لیا جس کو چھوڑ کے بیلا سوہی کے میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا تھا۔ یہ آتنا شاندار تھا، اس کی آرام پسند طبیعت کو بہت پسند آیا۔

یورپ ۱۲۴۱ء کی گرمیوں میں

جب ہنگری کی مہم کامیاب رہی، تو قدان اپنے دستوں کے ساتھ نیچے اُترا۔ پہلے تو اُس نے یہ حیلہ گری کی کہ ایک مغل شاہ زادہ کوس لاس کے بوہیمیا کے فوجی دل پر اور سیکسنی کے ڈیوک کی مسلح فوج پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ اس نے بُودن کو تسخیر کر کے نذرِ آتش کر دیا۔ اُس نے ان تیز رفتار دستوں کو طلب کیا جو اس کے مہینے پر متعین کیے گئے تھے اور اہلِ پرشیا اور اہلِ لتھونیا کے ملکوں میں سے ہوتے ہوئے بحیرۂ بالٹک کے قریب تک جا پہنچے تھے۔ اس کی سطح مرتفع پر سوبوداتی اور باتو خاں کی فوجوں سے جا ملا۔

گھاس لہلہا رہی تھی اور مغل گھوڑوں کے لیے چراگاہوں کی افراط تھی۔ مغلوں کا ارادہ تھا کہ ہنگری کے میدانوں سے اگلے حملے کا آغاز کریں، جس طرح گزشتہ گرمیوں میں انھوں نے رُوسی یوکرین سے اپنی یلغار کا آغاز کیا تھا۔ دسمبر کو فتح ہوا تھا۔ چار مہینے کے اندر اندر اُس کے دستے وسطی یورپ میں نیپر سے لے کر بالٹک کے

کنگ وریانے دیچولا تک یلغار کر آئے تھے۔ دو مہینے کے عرصہ میں اس نے کارپیتھین پہاڑوں سے لے کر دریا
کا سارا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ تین دن کے اندر اس کے دستوں نے جنگجو پولینڈ، ہنگری، برانڈن برگ، سیکسو
بوہیمیا کی ان مسلح فوجوں کا خاتمہ کر دیا تھا جو اس کے مقابلے میں میدان میں آئی تھیں۔ ان کے قلعے مسمار کر دیا
دیے تھے اور گاؤں غارت کر ڈالے تھے۔

حریفوں کی تعداد مغلوں سے کہیں زیادہ تھی، لیکن مغلوں کا نقصان اس قدر کم ہوا تھا کہ ان کے د
قوی تھے اور وہ جرمنوں اور اطالویوں پر آگے بڑھ کے یورش کرنے کو بالکل تیار تھے۔ یہ کارنامہ مغلوں
ضبط، اپنی تیز رفتاری اور اپنے سپہ سالاروں کی لاجواب سرداری کی وجہ سے انجام دیا تھا۔

سنہ ۱۲۴۰-۴۱ء کی اس یورش کے صدمے کے زمانے میں حقیقی معنوں میں وحشی یورپ کے باشندے
کے یہ شہسوار۔

یورپ حملہ آوروں کے ڈر سے لرز رہا تھا۔ اس صدمہ کا اہلِ مغرب پر ایسا اثر تھا جیسے کسی سیلا
ہے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

ان کے جاگیردار امیر اور کلیسا کے عہدہ دار خس و خاشاک کی طرح غائب ہو گئے تھے۔ ان میں
تاب باقی نہ رہی تھی۔

اس وحشی نسل کا خوف اسپین اور برگنڈی جیسے دور دراز ملکوں تک پھیل گیا جنھوں نے پہلے
نام تک نہ سنا تھا۔ یہ خوف بحیرہ شمالی تک پہ طاری تھا۔ ڈنمارک کے ماہی گیر اس سال مچھلیاں پکڑ
یورپ بھر میں مچھلیوں کی قیمت بڑھ گئی۔

مغلوں نے [illegible] مقامات پر تروج کیا تھا اور اس لیے اہلِ یورپ سمجھنے لگے کہ ان کی
سے زیادہ ہے، جو تباہی اور بربادی انھوں نے برپا کی وہ اہلِ یورپ کو محض خدا کا قہر معلوم ہوتی
فرانس کی ملکہ مادر شاہ لوئیس نے اپنے بزرگ منش فرزند سے پوچھا "میرے بیٹے تو کیا کرے
نے اہلِ تقویٰ کے سچے لہجے میں جواب دیا "ہمیں یہ روحانی سکون حاصل ہے کہ جب تاتاری حملہ کر
انھیں مار کے تاتار واپس بھگا دیں گے یا شہادت کا درجہ حاصل کر کے سرخرو ہوں گے۔

جو پناہ گزین تباہ شدہ شہروں کے ویرانوں سے زندہ بچ نکلے انھوں نے مغرب کا رخ کیا اور دیا
پہاڑیوں میں جانوروں کی سی زندگی گزارنے والے انسانوں کا ذکر سنانے لگے۔

پیرس میں راہب اور صحیفہ نگار میتھیو نے اپنی بڑی سی کتاب میں یوں لکھا: "یہ لوگ روئے زمین پر ٹڈی دل کی طرح
ہیں۔ انھوں نے مشرقی علاقوں میں بڑی تباہی مچا رکھی ہے اور آتش زنی اور خوں ریزی سے اسے ویران کر دیا
لوگ وحشی اور جنگلی ہیں۔ انسانوں سے زیادہ شیطان ہیں اور انسان کا خون پیتے ہیں۔ ان کے یہاں کوئی انسانی
کسی طرح کے آرام کے وسائل نہیں۔ یہ لوگ ریچھوں سے زیادہ خوف ناک ہیں۔"

میتھیو آف پیرس کو وہ سرگرم تخیل حاصل تھا جو ان مصنفوں کا حصہ ہوتا ہے جو خود میدانِ جنگ سے دور رہتے
خیالات اس کے دل میں تھے ان کی صدائے بازگشت ایک اور زیادہ متجسس اور معاملہ فہم ذہن میں سنائی دیتی
ہوہن اشتاؤفین جو اس زمانے میں جرمنی کا شہنشاہ تھا، تفہیم و درخواست کے پیرائے میں "فرانس سے جو
بہادر، جنگجو اسپین سے اور انگلستان سے جو پیدل سپاہ اور جہازوں کی وجہ سے بہت طاقت ور
خطاب کرتا ہے:-

"قوم دنیا کے آخری سرے سے خروج کر کے آئی ہے۔ اب تک وہ وہاں کی خوف ناک آب و ہوا میں پنہاں
نے دفعتہً اور بڑے ہیبت ناک انداز سے شمال کے ملکوں پر قبضہ کر لیا ہے اور وہاں ان کی آبادی ٹڈی دل
اچھل گئی ہے . . . . . اس میں خدا کی مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ اس نے اس قوم کو انسانوں کے اعمال کی
کے لیے اور شاید عالمِ عیسائیت کو فنا کرنے کے لیے باقی رکھا تھا۔

اور وحشی قوم انسانی قوانین سے ناواقف ہے۔ ان کا ایک سردار ہے جس کی وہ بہت تعظیم کرتے ہیں اور اسے
کے اس کے احکام کی بسر و چشم تعمیل کرتے ہیں۔ اپنے سردار کے معمولی سے اشارے پر یہ لوگ بڑی بہادری سے
بے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے چل پڑتے ہیں . . . . . .

ان کے پاس بے جوڑ بھدی آہنی زرہ سے بڑھ کر کوئی زرہ بکتر نہیں، لیکن مجھے آہ بھر کے یہ کہنا پڑتا ہے
کے اسلحۂ جنگ لوٹ کے وہ بہتر زرہ اور جوشن سے مسلح ہو رہے ہیں اور بہت جلد خدا کے غضب سے وہ دن آ
خود ہمارے ہتھیاروں سے ہمارا قتلِ عام ہوگا۔

کے پاس بہترین گھوڑے ہیں۔ اب وہ بہت اچھے کھانے کھاتے ہیں، بڑے بیش قیمت کپڑے بڑی
چلتے ہیں۔ بے مثل تیر انداز ہیں۔"

مقدس سلطنتِ روما کا تاجدار تھا۔ اس کی سرحد مغل یورش کے خطے سے قریب تھی۔ قدرتی امر تھا کہ
کے مقابلے میں یورپ کے بادشاہوں کے اتحاد کا مطالبہ کرے۔ وہ عیسائیوں کا بنیادی سردار تھا، جیسے

روحانی سردار معمر پاپائے روم گریگوری نہم تھا جو روستہ الکبریٰ کے قصر لیٹرن میں رہا کرتا تھا۔ وہ دونوں مل کر اتنی کثیر کر سکتے تھے کہ وہ مغلوں کی یورش کو روک سکے۔ مفتوحہ علاقوں سے پناہ گزین آ آ کر بوہیمیا کی وادیوں اور شمالی اط جمع ہو رہے تھے اور بدقسمت بیلا اپنی روپوشی کے مقام سے دونوں درباروں کو مدد کی درخواستیں روانہ کر رہا تھا۔

لیکن پاپائے روم اور قیصر دونوں اپنی برتری منوانے کے لیے عرصے سے ایک دوسرے کے حریف تھے کو مغلوں کی پیش قدمی کا زیادہ احساس تھا۔ اس نے جون ۱۲۴۱ء میں یہ کہہ کے صلح کا پیغام بھیجا کہ "ہم ان معا ایک عرصہ سے واقف ہیں۔" لیکن پاپائے روم کی ساتھ دینے والی طاقتوں نے صلح کی تجویز رد کر دی۔

گریگوری نے اس حد تک رعایت کی کہ مغلوں کے خلاف جہاد کی تبلیغ کی اجازت دے دی۔ اس سا فریڈرک کے خلاف جہاد کی تبلیغ کر چکا تھا۔ پاپائے روم نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہنگریوں کے اس حشر کا اُسے بڑا اس کے گریلف ساتھیوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ فریڈرک کے سفیر مغلوں کے ساتھ نظر آ چکے ہیں اور خود اُس نے یورپ پر حملہ کرنے کے لیے طلب کیا ہے۔ اس زمانے کے ایک تنگ نظر شاعر نے اس افواہ کو یوں بیان کیا: ۔

"یہ شہنشاہ فریڈرک کی اپنی حرکت تھی
کہ اُس نے ان کو یہاں بُلا بھیجا
کہ سارے عیسائیوں پر یورش کریں۔"

پاپائے روم کی مددگار طاقتیں خانہ جنگی پر تلی ہوئی تھیں۔ اس لیے فریڈرک نے مغلوں کے خلاف پیش سے انکار کر دیا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا: "اگر میں تاتاریوں کے خلاف یلغار کرتا ہوں تو میدان خالی دیکھ علاقہ پر حملہ کر دیا جائے گا۔ اٹلی کا معاملہ ٹھیک کرنے کے بعد میں مغل حملہ آوروں کے مقابلے میں پیش قدمی کر

بوڑھے گریگوری نے بیلا کے سفیر کو جو مدد طلب کرنے آیا تھا، یہ جواب دیا: "اگر فریڈرک صدق دل مادرِ کلیسا کے آگے سر جھکا دے تو تمہیں امداد مل جائے گی۔"

پیرس کا میتھیو تاسف کے لہجے میں لکھتا ہے: "یہ دیکھ کر کہ عیسائیوں میں آپس میں اس قدر پھوٹ خداوندی کی انتہا نہ رہی۔"

جولائی میں فریڈرک نے اپنے برادر نسبتی ہنری سوم شاہ انگلستان کو لکھا: "اگر تاتاری جرمنی میں گھس یہاں ان کی مزاحمت نہ ہو سکی تو دوسری قومیں اس عذاب عظیم سے محفوظ نہ رہ سکیں گی۔ . . . . اس لیے تدبر سے کام لے کر امداد بھیجو کیونکہ مغلوں کی یہ قوم اپنے وطن سے یہ ارادہ کر کے نکلی ہے کہ سارے مغرب کو

عیسائیت کا نام اور مذہب مٹا دے۔

گرمیاں ختم ہو رہی تھیں اور مغلوں کی روک تھام کا کوئی مناسب بندوبست نہ ہو پایا تھا۔ سوابیا کے دو اہیوں نے نگ کے حکم کی بناء پر چار ہزار سپاہ کے ساتھ مشرق کی طرف پیش قدمی کی تھی اور ایک مغل ہراول دستے کو روک دیا تھا۔ ان برگ کا یارو سلاف پانچ سو بوہیمین سپاہیوں کو لے کر اول موتز کے مضبوط حصار کی کمک کو جا پہنچا تھا۔ اشترن ا تجربہ کار سردار تھا۔ اُس نے اول موتز کے شہریوں کو حصار کے اندر رکھا اور مغلوں کو باہر ہی رکھا۔ رات میں مرتبہ اُس نے قلعہ سے نکل کے شبخون مارا اور بہت سے حملہ آوروں کو مار ڈالا۔ لیکن مغلوں نے اول موتز کا محاصرہ کی کوشش نہ کی۔

پھر گریگوری کا اگست میں انتقال ہو گیا۔ اب یورپ میں کوئی پاپا نہ تھا۔ اٹلی میں روحانی اور دنیاوی طاقتوں کے خانہ جنگی موقوف ہو گئی۔

اس درمیان میں دریائے ڈینیوب کے اُس پار مغرب میں پیش قدمی کرنے کے لیے مغلوں نے اپنے سپہ سالاروں یہاں کی فوجوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ کوئی یورپی فوج ان کے مقابلے کے لیے منظم اور تیار نہ تھی۔

"کارمن مزرابلے"

ان گرمیوں میں ہنگری کی سطح مرتفع کی وادیوں میں مغلوں نے پھر سے اپنی قوت مجتمع کر لی تھی، ان کے گھوڑے کے "پُستاؤں" یعنی زرخیز چراگاہوں میں چر چر کے خوب توانا ہو گئے تھے۔ روسی میدانوں کی طرح یہ علاقہ بھی روں کے لیے بہت مناسب تھا۔ یہاں کے رہنے والے میگیار بھی ترک خانہ بدوشوں کی اولاد تھے اور کی بولی بھی مغلوں کی بولی سے مختلف نہ تھی۔ یہاں مغلوں سے قپچاق اہل قبائل آن ملے تھے، جنھوں نے عیسائی کا حشر دیکھ لیا تھا اور اب حملہ آوروں کے آگے سر جھکانے کو تیار تھے۔

اس اثناء میں باتو خاں مزید خط و کتابت کر رہا تھا۔ اُس کے سپاہیوں کو ہنگری کی شاہی مُہر سایو کے میدانِ میں پڑی ہوئی مل گئی تھی۔ سائین خاں نے اپنے مترجموں کی مدد سے ہنگری زبان میں ایک جعلی فرمان تیار کر دیا اس پر شاہی مُہر ثبت کر دی۔

اس فرمان کا مضمون یہ تھا: "ان کُتّوں کے غضب اور وحشی پن سے نہ ڈرنا اور ہرگز ہرگز اپنے شہر چھوڑ بھاگنا۔ اگرچہ ہم اپنے پڑاؤ سے نکل گئے، کیونکہ ہم یک لخت خطرے میں گھر گئے تھے، لیکن ہمیں خدا سے امید ہے کہ ہم بہت جلد ہاتھ میں تلوار لیے اپنے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیں گے۔ اس لیے خدا سے

یہ دُعا مانگنے پر اکتفا کرو کہ وہ ہم کو اپنے دشمنوں پر ظفریاب کرے۔"

اس فرمان پر مغلوں نے بیلا کا نام لکھ دیا اور اس کو ہنگریوں میں گشت کرایا۔ اس کی وجہ سے لوگ اپنے گاؤوں سے نہیں نکلے جہاں مغل ہراول دستے آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔ یہ دستے سارا علاقہ چھان رہے ہر جگہ بڑے اصول سے مویشیوں اور گھوڑوں کو اکٹھا کرتے، قیدیوں کو صف در صف جمع کرتے اور انھیں کام لگاتے۔ کسانوں کی اکثر و بیشتر آبادی کو انھوں نے نہیں چھیڑا اور اسی طرح کھیتوں میں رہنے دیا کیونکہ وہ چاہتے کہ فصلوں کی کاشت کی جائے اور اناج جمع کیا جائے۔ مورا دیا سے لے کر ٹرانسلوے نیا تک رسد و رسائد کی فرا اور آبادی کے استیصال کا یہی سلسلہ جاری رہا۔

واردِن کے ایک اُسقف نے جس کا نام راجر تھا، گرمیوں بھر موت سے آنکھ مچولی کا حال اپنی کتاب "کا رمزرابلے" میں یوں درج کیا ہے:-

"جب تاتاریوں نے واردِن کو تاراج کیا تو میں قریب کے ایک جنگل میں جا چُھپا۔ اسی رات میں دریا کوریدیش کے کنارے ایک جرمن قصبے پونٹ ٹوماس جا پہنچا اور یہاں بھی اپنے آپ کو خطرے کی زد میں محسوس کر یہاں سے نکل بھاگا اور دریا کے درمیان، ایک حصار بند جزیرے میں پناہ لی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے پونٹ ٹوماس تاراج ہو جانے کی اطلاع ملی تھی تو مَیں نے پھر گھوڑوں پر زین کسی اور جزیرے سے نکل کے ایک جنگل میں جا گھ اگلے روز جزیرے پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ جتنے آدمی انھیں وہاں زندہ ملے انھوں نے ان سب کو ذبح ڈالا۔ کچھ بھاگ کے کنارے پر جنگلوں میں آ چُھپے۔ تین دن بعد یہ سوچ کے کہ دشمن جا چکا ہو گا وہ کھانے کی تلاش واپس پہنچے، لیکن جو تاتاری مکانوں میں چُھپے ہوئے تھے، انھوں نے نکل کے ان لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

مَیں بلا رسد جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بُھوک کے مارے رات کو جزیرے گیا تاکہ لاشوں کو ٹٹولوں۔ مجھے گوشت اور اناج مل گیا جو وہاں چھپا ہُوا تھا۔ اس طرح مَیں نے پانچ دن گزارے۔ دن کو گھاٹیوں میں اور درختو کے کھوکھلے تنوں میں چُھپ جایا کرتا۔

جب تاتاریوں نے یہ منادی کی کہ جو لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس آ جائیں گے انھیں اذیت نہ دی جائے تو مَیں نے اُن کی بات پر اعتبار نہ کیا۔ مَیں نے طے کیا کہ اُن کے خیموں میں جانے میں زیادہ خیر ہے بہ نسبت اس کہ کوئی اپنے گھر کو واپس جائے، اس لیے مَیں نے اپنے آپ کو ایک ایسے ہنگری کے سپرد کیا جو تاتاریوں کی ملازمت اختیار کر چکا تھا۔ اس نے مجھ پر بڑی عنایت فرمائی کہ مجھے اپنے نوکروں میں بھرتی کر لیا۔

مَیں جس زمانے میں اُس کے پاس تھا، تن ڈھانپنے کو کافی کپڑے میسّر نہ تھے۔ اس کے چھکڑوں کی حفاظت کیا کرتا اور دن رات موت آنکھوں کے سامنے پھرتی دکھائی دیتی۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ ہر سمت سے تاتاری اور قپچاق جوق در جوق چلے آ رہے ہیں۔ اُن کے چھکڑے مالِ غنیمت سے بھرے ہوئے ہیں اور آگے آگے مویشیوں اور گھوڑوں کے بے شمار گلّوں کو ہنکائے لیے آ رہے ہیں۔ مجھے پتہ چلا کہ ایک رات پہلے انھوں نے قرب و جوار کے دیہات کے سارے باشندوں کو قتل کر ڈالا تھا، لیکن اناج کو اور گھوڑوں کے چارے کو آگ نہیں لگائی۔ مجھے خیال ہُوا کہ وہ آس پاس کہیں موسمِ سرما وہاں گذارنا چاہتے ہیں اور میرا خیال ٹھیک نکلا۔

انھوں نے دیہاتیوں کو صرف اتنے عرصے تک زندہ رہنے دیا تھا کہ وہ اناج اور چارے کی فصلیں کاٹ سکیں لیکن قتلِ عام میں اتنی دیر نہ کی کہ یہ بدقسمت لوگ اپنا اُگایا اور کاٹا ہُوا غلّہ کھا سکیں۔

اس کے بعد کافر شہزادوں نے ہمیں ملک سے باہر نکلنے کا حکم دیا اور گھوڑوں، گلّوں اور مالِ غنیمت سے لدے ہوئے چھکڑوں سمیت ہم نکل کھڑے ہوئے۔ تاتاری خود گھوڑوں سے اُتر اُتر کے جنگلوں میں گھس گئے تاکہ اگر کوئی چیز ان کی نظروں سے چُھپی رہ گئی ہو تو اب اُن کو مل جائے۔

فوج اس طرح آہستہ آہستہ جنگلوں سے واپس چلی۔ پڑاؤ میں جو پہلے سے تیار تھے اور بہت سے تاتاری اور قیدی ملے۔ ہنگری کو پیچھے چھوڑ کے یہ متحد فوج دشتِ قپچاق میں داخل ہوئی۔ اب اس کی ممانعت ہو گئی کہ قیدیوں کی غذا کے لیے مویشی کاٹے جائیں ہمیں صرف جانوروں کی آنتیں اور سرے پائے کھانے کو دیے جاتے اور باقی سارا گوشت تاتاری کھاتے۔ اس کے بعد ہمیں ڈر معلوم ہونے لگا کہ اب وہ ہمیں مار ڈالنا چاہتے ہیں اور مترجم نے اقبال کیا کہ ہاں یہی بات ہے۔

مَیں نے سوچا کہ کس طرح بچ کر نکل بھاگوں۔ مَیں رفعِ حاجت کے بہانے نکل کے جھاڑیوں میں گُھس گیا۔ میرا نوکر بھی ساتھ آ گیا۔ مَیں ایک گہرے کھڈ میں جا چُھپا اور گھنی شاخوں میں چھپ گیا۔ میرا نوکر بھی قریب ہی چُھپا پڑا تھا۔

اس طرح ہم دو دن تک چُھپے رہے، گویا تابوتوں میں ہیں۔ دو دن تک ہمیں جنبش کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ہم تاتاریوں کے کرخت نعرے سُنتے جو جنگل میں مویشیوں اور چُھپے ہوئے قیدیوں کو تلاش کرتے پھرتے تھے۔ بالآخر بھوک سے بے تاب ہو کے ہم اپنی جائے پناہ سے نکل پڑے۔

فوراً ہی ہمیں ایک آدمی نظر آیا۔ مارے ڈر کے ہم نے بھاگنا شروع کیا۔ وہ دوسری سمت بھاگنے لگا۔ ہم میں

ے کسی کے پاس ہتھیار نہ تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہم ٹھہر گئے۔ اشارہ کیا کہ ہم دوسرے آدمی سے بات کرنا چاہتے ہیں کے بعد ہم نے ایک دوسرے سے تلخ تجربے دہرائے اور مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔

ہم نے خدا پر بھروسہ کرکے اپنے دلوں کو ڈھارس دی اور جنگل کے کنارے پہنچ کے ایک اونچے سے درخت پر گئے۔ ہم نے دیکھا کہ کھلا علاقہ جو تاتاریوں کے آنے سے پہلے آباد تھا، اب ویران ہے۔ ہم اس ویرانے کے پار چلتے اور کلیساؤں کی گھنٹیوں کے میناروں سے اپنا راستہ تلاش کرتے رہے۔ ویران دیہاتوں میں اگر کہیں ہمیں لہسن یا پیاز مل تو ہم بہت خوش ہوتے، ورنہ محض جڑی بوٹیوں پر ہمارا گزارہ تھا۔

جنگل سے نکلنے کے آٹھویں روز ہم آلبا پہنچے۔ یہاں ہمیں انسان کی ہڈیوں اور ڈھانچوں اور محل اور گرجا دیواروں پر عیسائیوں کے خون کے دھبوں کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ یہاں سے ہزار قدم کے فاصلے پر دیہات کا وہ مر تھا جو نزانا کہلاتا تھا اور جو جنگل کے کنارے واقع تھا۔ جنگل کے اندر چار میل کے فاصلے پر ہم ایک پہاڑ پر پہنچے جہ بہت سے پناہ گزین عورتیں اور مرد جمع تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے، ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آئے اور انھوں نے ہم سے ان خطروں کا حال پوچھنا شروع کیا جن سے گزر کر ہم یہاں تک پہنچے تھے۔

انھوں نے ہمیں کھانے کے لیے کچھ کالی سی روٹی دی جو آٹے کی تھی اور جس میں ذائقہ کے لیے کتے کا گوشت تھا لیکن جو اُس وقت ہمیں دنیا کی لذیذ ترین غذا معلوم ہوئی۔ ہم اس مقام پر مہینہ بھر ٹھہرے اور یہاں سے باہر نکلا جرأت نہ کی۔ لیکن اکثر ہم کسی نہ کسی کو بھیج کے معلوم کرتے کہ اور کہاں کہاں لوگ چھپے ہوئے ہیں اور تاتاری ملک میں کہیں نہیں رہ گئے، کیونکہ ہمیں یہ خوف مسلسل لگا رہتا کہ تاتاریوں کی پسپائی محض ایک بہانہ ہے اور وہ پھر واپس آکے ان لو قتل کرڈالیں گے جو پہلے ان کی بہیمیت سے بچ گئے ہیں۔ غذا کی حاجت سے مجبور ہو کے ہمیں ان گاؤں کو جانا پڑتا پہلے کبھی آبادی نہ تھی، لیکن ہم اپنی جائے پناہ کو نہ چھوڑتے۔ اُس وقت تک ہم یہاں سے نہ نکلے جب تک کہ ہمارا بیلا واپس نہ آگیا۔"

راجر کی کہانی اس یورش سے بچے ہوئے پچاس ہزار پناہ گزینوں کی کہانی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ جن کی طاقت اٹھاتے اٹھاتے سلب ہو چکی تھی، بالکل ناامید ہو گئے کہ اب مقاومت محال ہے۔ اب انھیں مقاومت لاحاصل معلوم ہوتی تھی۔ بجائے اس کے ایک نیا دھندلا اور خوف ناک سا آسرا نظر آنے لگا کہ ان کافروں کی غلامی میں شاید ان کو بچ جائے۔ خود راجر کا بیان ہے کہ جب وہ آباد بستیوں کو واپس آیا تو اسے اور اس کے ساتھی پناہ گزینوں کو امن، باز جھگڑوں کے تصفیے کے لیے عدالت کا آرام میسر ہوا۔

دوسرے صحیفہ نگار اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہنگری لوگ بازار میں اپنی لڑکیاں لا لا کے بیچتے اور ان کے عوض مویشی لا خریدتے۔ مغلوں کو ہنگری کی لڑکیاں بڑی دل کش معلوم ہوتیں اور یہ صورت اور جسم میں ان کی اپنی عورتوں سے ملتی جلتی تھیں مغل داروغہ چی اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ مردم شماری کرنے والے ہنگری کے ذرائع و وسائل کو قلم بند کر رہے تھے۔ روس کی طرح ہنگری کا میدان بھی ان دشت کے ساکنوں کا وطن بننے والا تھا۔ بلغاریوں اور قپچاقوں کو اردو میں داخل کیا جا رہا تھا اور اسی طرح قفقاز کے گرجستانیوں اور آرمینیوں کے مغل سکے بازاروں میں رائج تھے۔

اہل ہنگری بھی اپنے عجیب و غریب آقاؤں سے واقف ہونے لگے تھے۔ انھیں احساس ہوا کہ اہل ہنر، خاص کر کاریگروں اور سناروں کو مشرق میں ایک جگہ بھیجا جا رہا ہے جس کا نام قراقرم ہے، اور وہیں مفتوحہ خزانے بھی روانہ کیے جا رہے ہیں۔ زیادہ حسین لڑکیاں رنڈیاں بن کے خوب کما رہی ہیں۔

اب مغلوں نے کلیساؤں کو منہدم کرنا چھوڑ دیا۔ خانقاہوں اور کلیساؤں کو اب تک تحفظ کے مرکزوں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور مغل اپنے حملوں میں کلیساؤں کو اس لیے جلاتے تھے کہ مقابلہ کرنے والوں کو ختم کرنے کی آسان صورت یہی تھی کہ جس عمارت میں وہ پناہ گزین ہیں اُسے آگ لگا دی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسائی سپہ سالاروں کو عجیب طرح قتل کیا جاتا تھا۔ سمور کے کپڑوں میں ان کا منہ لپیٹ کے اُن کا دم گھونٹ دیا جاتا تھا، لیکن اس کی وجہ محض یہ تھی کہ مغل کسی بہادر کا خون نہیں بہانا چاہتے تھے۔ اس طرح سے مار دینے سے اگلے جنم میں وہ ان کی خدمت کے لیے پیدا ہوتا۔ باتو کے حکم سے ان تمام عیسائیوں کے سیدھے کان کاٹ لیے گئے تھے جو لیگ نتز کے محاصرے میں کام آئے تھے۔ یہ دشمن مقتولوں کی تعداد معلوم کرنے کا ایک سیدھا سادا بھونڈا سا طریقہ تھا۔

امیر قیدیوں کو شکنجے میں کسا جاتا تا کہ وہ بتائیں انھوں نے اپنی دولت، خواہ اس کا وجود ہو یا نہ ہو، چھپائی ہے تو کہاں چھپائی ہے۔ راجر اور اس کے ساتھی جانتے تھے کہ اس دور میں یہ طریقہ محض مغلوں کی حد تک محدود نہ تھا۔

ہنگریوں پر رفتہ رفتہ یہ واضح ہونے لگا کہ اگر وہ حملہ آوروں کو پابندی سے محصول ادا کرتے رہیں ——— مغلوں کے ایجنٹ اس تاوان کو ادا کرنے کے لیے جو آمدنی کا دس فی صد ہوتا ہے انھیں سکے ادا کرتے تھے ——— اور بیگار کے کام کو اچھی طرح کرتے رہیں تو وہ اگر کامل تحفظ سے نہیں تو کم سے کم امن سے زندہ بچے رہ سکتے ہیں۔ مغرب کے لوگوں کے لیے یہ خانہ بدوشوں کے امن کا پہلا تجربہ تھا، جس میں خان کی رعایا کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے لڑنے بھڑنے کی ممانعت تھی۔

راجر اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں نے جو جو نقشے دیکھے تھے، ان کے بعد وہ احکامات کی تعمیل کرنے کے

لیے بالکل آمادہ تھے۔ آپس میں وہ سرگوشی کرتے کہ اگر اطاعت کرتے رہے تو جان بچ جائے گی۔

پولینڈ اور جرمنی کے باشندوں کو یہ چین بھی نصیب نہ ہوا۔ مغلوں کا قاعدہ تھا کہ جس علاقے کو وہ فتح کرتے اُ ہر کارآمد چیز کو باقی رکھتے بشمول گاڑیوں اور انسانوں کے، لیکن اس کے بعد کا علاقہ جہاں ان کے خلاف مزاحمت جاتی، وہاں وہ زندگی کو نیست و نابود کر ڈالتے۔ اس طرح وہ اپنی سرحد کے کنارے کنارے ایک مصنوعی ویرانہ بنا د اس ویران علاقے میں اتنی سکت نہ ہوتی کہ کسی ایسی فوج کی رسد کا بار اُٹھا سکے جو ان پر یورش کرنے کے آگے بڑھ سکے۔

ہنگری والوں کو اس کا اندازہ تو نہ تھا، لیکن ان پر مغلوں کی غلامی کا جُوا مسلط کیا جا رہا تھا اور جو علاقہ ویرا جانے والا تھا، وہ ان کے عین مشرق میں ڈینیوب کے اُس پار کا علاقہ تھا۔

یہ ایک عجیب قالوگری تھی۔ اس کی بنیاد خانہ بدوشوں کی جبلت پر تھی کہ اپنے آپ کو دنیا کی نامعلوم طاقتوں کے ن میں محفوظ رکھیں۔ یہ ایک نسل پہلے کے ساکنانِ دشت ہر ایسی شے پر قابو پا رہے تھے جو اُن کے کام آ سکے اور ا اپنے گھر کی طرف لیے جا رہے تھے، جیسے ڈبلاؤ اپنی دیوار کی طرف لکڑیاں گھسیٹ لے جاتے ہیں۔ نالی سونا یا چمکتے جواہرات نہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ یورپ کے بہترین بُنے ہوئے کپڑے، بہترین لوہا اور پڑھے لکھے آدمیوں دماغ لیے جا رہے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ جو اہلِ ہنر مر چکے ہیں اُن کی رُوحیں ان میں حلول کر جائیں۔

ساکنانِ دشت بڑی عجلت سے، بہت بے روک ٹوک دیتے ہوئے سُورج کی سمت بڑھتے چلے جا رہے۔

جب مغلوں کے یہاں سے فرڈی ننڈ کو ایک خط موصول ہوا کہ ہماری اطاعت کرو، تو وہ ہنسا اور کہنے لگا میں کم از کم اس قابل تو ہوں کہ خانِ اعظم کے شہبازوں کی حفاظت کی نوکری کر سکوں۔

ڈینیوب پر برف

خزاں کے ختم پر وسطِ یورپ میں برف جمنے لگی۔ برف سے پہاڑوں کے راستے بند ہونے لگے۔ کھلیانوں میں جو کے سلسلے میں ڈھیروں غلہ جمع تھا اور سوبوداؤ سرما کی یلغار کے لیے بالکل تیار تھا۔

رُوس کی طرح یہاں بھی اُس نے سرما کو حملے کے لیے انتخاب کیا کیونکہ بڑے بڑے دریا منجمد ہو جاتے ہیں ا برف پر سے آسانی سے عبور ہو سکتے ہیں۔ پھر سرما کی وجہ سے دشمنوں کو فوجیں جمع کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن وہ مضطرب پر نظریں جمائے بہت آہستہ آہستہ بڑھا۔ معلوم ہوتا تھا یہاں اس کے مقابلے کے لیے کہیں فوجیں جمع نہ تھیں کم سے

بلا مزاحمت اس نے ڈینیوب پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ حیران ہوا اور اس وجہ سے محتاط بھی ہو گیا۔

اس نے دو لشکر الگ الگ روانہ کیے۔ ایک شمال میں باتو خاں کی سرکردگی میں، دوسرا نوجوان تومان باشی قدآن کی سرکردگی میں۔ یہ وہی تھا جس نے اس موسمِ بہار میں رُوڈان میں چھ سُو شراب کے متوالے جرمنوں کا استحصال کیا تھا۔

یہ دیکھ کے کہ ڈینیوب پر برف جمی ہوئی ہے، باتو خاں نے امتحان کرنا چاہا کہ برف کتنی سخت ہے، لیکن اس میں اس نے اپنے آدمیوں کی جانیں خطرے میں نہیں ڈالیں۔ اس کے ہراول نے مویشیوں کے ایک بڑے گلّے کو دریا کے کنارے تک ہنکا دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ مویشیوں کو وہیں رہنے دیا۔ دو دن بعد دوسرے ساحل کے یورپی لوگوں نے ہمت کر کے دریا پار کیا اور مویشیوں کو اپنی طرف ہنکا لے گئے۔ مغل چوکیدار بلندیوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور انھوں نے دیکھا کہ برف اتنی گہری اور سخت ہے کہ یہ پورا ہجوم بغیر آسانی سے اس پر سے چل کے دریا پار کر گیا۔ اس پر مغل سواروں نے دریا پار کیا۔ اتفاق سے وہ دن کرسمس کا تھا۔

وہ گران کے عظیم شہر کی طرف بڑھے، جہاں بجائے شہر کا تخلیہ کرنے کے فرانسیسی اور لمبارڈی تاجر شہریوں کے ساتھ کاٹھ کی فصیل کے اندر جمع ہو گئے۔ مغل انجینیروں نے تیس منجنیقیں نصب کر کے فصیل میں رخنہ ڈالا اور ابھی وہاں کے شہریوں کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پایا تھا کہ قلعہ کا محاصرہ ہو رہا ہے کہ اتنے میں گران کا قلعہ سر بھی ہو گیا۔

تاجروں نے اپنے لکڑی کے گوداموں میں آگ لگا دی۔ کارآمد مال کے اس طرح ضائع ہونے پر غصہ ہو کے مغلوں نے ان تاجروں کو ہلکی ہلکی آنچ پر بھوننا شروع کیا کہ وہ جلدی سے بتا دیں کہ انھوں نے اپنا بقیہ مال متاع کہاں چھپایا ہے۔ تین سو اعلیٰ خاندان آسٹریا اور ہنگری کی عورتیں ایک عمارت میں جمع کی گئیں۔ انھوں نے اپنے درباری ملبوسات پہنے اور منت کی کہ ہمیں باتو خاں کے پاس لے چلو۔ اس سے انھوں نے التجا کی کہ ہم اس کے لیے تیار ہیں کہ ہمیں مغلوں کی لونڈیاں بنا کے اپنے پاس رکھ لو۔ مگر اس کے بجائے باتو خاں نے حکم دیا کہ انھیں برہنہ کر کے قتل کر دیا جائے۔ ان کے بیش قیمت کپڑے، جن پر خون کے دھبّے نہ لگنے پائے تھے، احتیاط سے سنبھال کر رکھ لیے گئے۔

ایک دستہ ٹیرول کے کنارے کنارے ہو کر نکلا اور بحیرۂ ایڈریاٹک کے آخری سرے پر اُودینے تک جا پہنچا۔ یہاں سے وی نس کے جزیرے تھوڑی دور رہ گئے۔ فروری میں مغل پولینڈ میں ایک نئے خطِ دفاع کے اندر گھس گئے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ کن مرکزوں پر مقاومت زیادہ ہو رہی ہے۔

اس عرصہ میں قدآن ایک بادشاہ کا تعاقب کر رہا تھا۔ مغل جاسوسوں کو پتا چل گیا تھا کہ ہنگری کا بادشاہ بیلا، سایو کے قتلِ عام سے زندہ بچ کر نکل گیا تھا۔ مغلوں کے دستور کے مطابق کسی دشمن قوم کے بادشاہ کو زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔

بادشاہوں کے قتل کی فہرست بہت طویل تھی۔ کراُمتی کے وانگ خاں سے لے کر قراختا کے گوچلوک زریں، سلطان محمد خوارزم شاہ، سلطان جلال الدین، دوگنا کا سردار گوچان، ریازان کا رئیس اعظم زرسی اور ہنری تو تک، ان میں سے بعض کا مہینوں تک تعاقب ہوتا رہا، لیکن ان میں سے کوئی زندہ بچنے نہ پایا۔

بیلا کارپیتھین پہاڑوں میں اپنی خانقاہ سے نکل کے آسٹریا کے دربار میں جا پہنچا۔ یہاں سے ۱۲۴۲ء میں د کے ڈالمیشیا کے ساحل پر جا پہنچا۔ مغل شکاریوں نے سمندر کے کنارے اپنے شکار کو جا لیا، لیکن بیلا وہاں سے بھاگ کے ایک جزیرے میں جا چھپا۔ ساحل پر قدآن رُک گیا، کیونکہ اس کے شہسوار نے پانی کا ایسا بڑا سمندر نہیں دیکھا تھا۔ ان کے گھوڑے تیر کے اُس پار نہیں جا سکتے تھے، لیکن اس نے دوسروں کی کشتیاں ضبط کر لیں اور جزیروں میں ا تلاش شروع کی۔ ڈر کے مارے بیلا ساحل پر آگیا تھا۔

قدآن نے یہاں پھر سے اس کا تعاقب ساحل کے کنارے کنارے شروع کیا اور ہنگری کے قیدیوں کے ایک دستہ عام کیا، کیونکہ وہ اس تعاقب میں مزاحمت کر رہا تھا۔

پہلے تو بیلا نے کلیسا کے قلعے میں پناہ لی، لیکن پھر مغل سواروں کی آمد کی خبر سُن کر سپالاتو جا پہنچا، جہاں ہنگری کے امراء پناہ گزین تھے۔ اس مستحکم بندرگاہ سے بھی دہشت کھا کے وہ ٹراؤ بھاگ گیا۔

قدآن کا ہراول دستہ کلیسا کے سامنے نمودار ہوا اور گھوڑوں سے اُترنے یا قلعہ پر حملہ کرنے سے پہلے قلعے کے تیر برسائے، لیکن یہ معلوم کر کے کہ اب بیلا اس فصیل میں نہیں ہے، تعاقب کرنے والے ٹراؤ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ نے قصبے میں ایک قاصد بھیجا جو سلاف زبان بولتا تھا۔

اس قاصد نے اعلان کیا: "اُس فوج کا سردار قدآن، جس نے کبھی شکست نہیں کھائی، تمہیں آگاہ کرتا ہے کہ تم بھی ایسا حشر ہوگا جو اس شخص کا ہوگا جو تمہارا رشتہ دار نہیں، اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو اُسے ہمارے حوالے کر دو۔"

لیکن بیلا نے پھر سمندر پار کا رُخ کیا اور ٹراؤ کے باہر ایک چھوٹے سے جزیرے میں پناہ لی تھی جہاں مغل اُس کا تعاقب نہیں کر سکتے تھے۔

قدآن نے جنوب تک ساحل کو تاخت و تاراج کیا۔ جو جہاز بیلا کو اُس پار لے گئے تھے طوفان میں گھر کے ساحل پر تو قدآن کے سپاہیوں نے ان پر حملہ کیا۔

ڈینیوب کے اُس پار سوبوتائی اس انتظار میں ٹھہرا رہا تھا کہ دشمن کی فوج کی نقل و حرکت کا ذرا بھی اندازہ ہو تو آگے بڑھے، لیکن فروری ۱۲۴۲ء کے ختم پر دنیا کے دوسرے سرے سے بوڑھے مغل جنرل کے پاس ایک قاصد آیا اا

ساری جنگی کارروائی ختم ہو گئی۔ اس قاصد کے پاس فرمان کی سنہری تختی تھی اور وہ سوبوتائی کے پاس یہ پیغام لے کر آیا تھا۔

ایک رات، نیلی جھیل کے کنارے

چار ہزار میل کی مسافت پر خاقان، اوغدائی نیلی جھیل کے کنارے موسم گرما گزارنے کے محل میں فروکش تھا۔ جھیل کے کنارے آبی پرندے جمع ہو رہے تھے۔ جنگلی مُرغابیاں ٹنڈرا کے علاقے سے اپنے گرمائی مسکن کو چھوڑ کے چلاتی ہوئی جنوب کی طرف پرواز کر رہی تھیں۔ بھاری ہواؤں پر ریتیلے گراؤز کے دَل کے دَل، طوفان کے جھکڑوں کے درمیان گر ہو جاتے۔ اوغدائی اپنے زرنگار خیمے میں شراب پی رہا تھا۔ پہلی برف باری کے بعد بھی وہ شکار کے لیے جھیل کے کنارے ٹھہرا رہا۔ کبھی کبھی کثرتِ شراب نوشی کے بعد وہ خاموش اور مدہوش ہو کے لیٹ رہتا، لیکن پرندوں کے ساتھ ساتھ اس نے موسم سرما والے محل کا رخ نہ کیا۔

اُس کا بڑا بھائی چغتائی اُس کے ساتھ نہ تھا۔ اس "جنگلی گھوڑے" چغتائی کو اب اپنے بڑھاپے کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس کا دل خانہ بدوش تھا۔ وہ وسط ایشیا کے پہاڑوں میں اپنے علاقے میں تھا۔ پہاڑی سلسلوں میں وہ نئی سڑکیں بنا رہا تھا جو پانچوں شہروں تک بل کھاتی ہوئی جا نکلتیں اور جو مختلف مغل علاقوں کو ایک دوسرے سے منسلک کر رہی تھیں۔ اس کے کھلیان غلّے سے بھرے تھے۔ اس کی رعایا چنگیز خاں کی یاسا کی پابند تھی۔ اُسے کوئی اور فکر دامن گیر نہ تھی۔ وہ اپنی پہاڑی خیمہ گاہوں کے پاس مصنوعی جھیلیں بنا رہا تھا تاکہ اوغدائی وہاں جمع ہونے والے پرندوں کو دیکھ دیکھ کے لطف اٹھائے۔ مغربی فوج سے آنے والے قاصدوں سے وہ اپنے جنگ جُو بیٹے اور پوتے بائیدار اور بوری کے کارنامے سُنا کرتا۔

پھر بھی یہ جنگلی گھوڑا ایک جادوگر کے کہنے میں تھا جس کا دعوٰی تھا کہ وہ پہاڑوں اور دور دراز کے علاقوں کی ہواؤں کو مطیع کر سکتا ہے اور ستاروں کو اپنا معتقد بنا سکتا ہے۔ اس جادوگر کا نام سکا کی تھا۔

اگر سکا کی کسی شہر پر سحر کر دیتا تو وہاں آگ نہ جلنے پاتی۔ راتوں کو وہ چغتائی کے خیمے میں آتشیں روحوں کو بلا سکتا جن کے پاس آتشیں اسلحہ ہوتے۔ اگر کسی کو سکا کی کی طاقت پر شک ہوتا تو وہ اس پر ایسا جادو کرتا کہ اُسے کُتے کی دُم کو چُومنا پڑتا۔

ایک مرتبہ کچھ پرندے ہوا میں اوپر اُڑے چلے جا رہے تھے۔ چغتائی نے ان کے شکار کے لیے کمان کھینچی۔ جادوگر نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کہا: "ان میں سے کن چڑیوں کا شکار کرنا چاہتے ہو؟"

چغتائی نے سر اٹھا کر دیکھا تو پانچ پرندے تھے۔ اس نے کہا: "ان میں سے پہلا اور آخری اور بیچ والا۔"

اس پر سکاکی نے اپنی انگلی سے زمین پر ایک نقش کھینچا اور تالی بجائی۔ جن تین پرندوں کی چغتائی نے فرمائش کی پھڑپھڑاتے ہوئے زمین پر آن گرے۔ چغتائی نے حیرت سے انگلی اپنے دانتوں میں دبالی۔ وہ اس جادوگر کی طاقت کو نہیں پاتا تھا مگر اس سے ڈرتا تھا۔ سکاکی اس کی پوری کوشش کرتا تھا کہ یہ بوڑھا مغل اپنے بھائی سے دور دور رہے۔

مشرق میں نظم و نسق کا پورا بار اُس دانا ختائی، یلے لیو چیت سائی کے شانوں پر آن پڑا تھا۔ اوغدائی کی بیماری کے زمانے میں اس پر دُہرے کام کا بار تھا اور اسے بہت کم وقت ملتا کہ وہ ان ایک درجن بانسریوں سے بہلائے، جو اس نے اپنے شوق سے جمع کی تھیں یا اپنے ساتھیوں کو منظوم خطوط لکھ لکھ کے بھیجے۔ اسے ان اجنبیوں برابر مقابلہ کرنا پڑتا جو اس کے اوغدائی کی قدم بوسی کے بعد حصولِ دولت و جاہ کی انوکھی انوکھی تجویزیں پیش کرتے۔

بڑی احتیاط سے وہ میانہ روی کی حکمت عملی پر قائم تھا کیونکہ ایک طرف تو بوڑھے مغل اور ترک تھے جو زین پر بیٹھے حکومت کرنے کے قائل تھے اور دوسری طرف وہ بڑھتا ہوا چینی عنصر تھا جو چاہتا تھا کہ مغل خاقان کو چینی دربار کے مطابق سلطنت کے سانچے میں ڈھال لے۔

خانہ بدوش مغلوں کے حلقے میں محبوب ملکہ تورا کینہ کا عروج بڑھتا ہی جارہا تھا کیوں کہ اوغدائی بڑے صبر سے اس کی ہر بات پوری کرتا اور تورا کینہ کہتی تھی کہ آخر مغل دربار اور زیادہ امیر کیوں نہ بنے۔ اس ساری امارت اور دولت کا سرچشمہ اُس کی اپنی ذات تھی۔ وہ ایک ہوشیار مسلمان عبدالرحمان پر بہت مہربان تھی، جس کا دعویٰ تھا کہ اگر بجائے یلیو چیت سائی کے لگان کی فراہمی کا انتظام اس کے سپرد کیا جائے تو وہ چین کے مفتوحہ علاقوں سے بیس لاکھ تولے چاندی لگان میں جمع کرسکتا ہے۔

یہ ختائی بڑی شدومد سے عبدالرحمٰن کی تجویز پر جرح کرتا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لگان کی زیادتی سے چینیوں پر کس قدر سخت مصیبت پڑے گی۔

اوغدائی نے بے صبری سے پوچھا "کیا تم ہماری مخالفت کر رہے ہو؟ کیا تم ان لوگوں کے لیے رو رہے ہو؟" چیت سائی نے جواب دیا "میں اس لیے رو رہا ہوں کہ اس لمحہ سے لوگوں کے لیے آفت اور مصیبت کا آغاز ہو رہا ہے۔"

سنہری خیمہ گاہ میں اوغدائی اپنے گدّے پر بے حال پڑا تھا کہ تورا کینہ چیت سائی کے خیمے میں یہ پوچھنے آئی کہ خاقان تو بے حس و حرکت پڑا ہے، اب حکومت کا نظم و نسق کیسے چلے گا؟

ختائی نے جواب دیا "تیس سال تک میں نے نظم و نسق اس اصول پر چلایا ہے کہ جو سمجھ کی بات تھی وہ میں نے

اس نے غلطی کی تو میں نے سزا دی اور خاقان نے مجھ پر ہر معاملے میں اعتماد کیا۔"

تورا کینہ نے یہ تجویز پیش کی کہ اب تو وہ بیمار ہے۔ "نئے قانونوں کی ضرورت ہے۔"

"خاقان کے فرمان کے بغیر کسی قانون میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔"

وہ اصرار کرتی رہی لیکن ختائی نے ایک نہ مانی، نہ تورا کینہ کے حامیوں کی سرگوشیوں کی کوئی پروا کی جب دشت پر موسم بہار آیا تو اوغدائی کو کسی قدر افاقہ ہوا لیکن اب بھی وہ خیمہ گاہ کو چھوڑ کے زیادہ آرام دہ محل میں منتقل نہ ہوا اور اپنے اطبا کے مشورے کے خلاف وہ پھر سوار ہو کے شکار کھیلنے نکل گیا۔

جب وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا تو ایک مغل چرواہا اس کی رکاب کے پاس آکر فریاد کرنے لگا کہ ایک بھیڑیا بھیڑوں کو مار رہا ہے۔ یہ سُن کے مغل طبلچیوں نے خاقان کے آگے ایک بھیڑیا پیش کیا جس کو انھوں نے ابھی ابھی جال میں پکڑ لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک اوغدائی اس جانور کی طرف دیکھتا اور اپنی لگام کو مروڑتا رہا۔

پھر اس نے حکم دیا کہ انعام کے طور پر اس چرواہے کو کچھ بھیڑیں دے دی جائیں اور اس کے دل میں کچھ یہ ترنگ آئی کہ طبلچیوں کو حکم دیا کہ اس بھیڑیے کو جو بندھا ہوا تھا کھول دیں۔

اوغدائی نے سنجیدگی سے کہا "میں اس بھیڑیے کو اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ یہ واپس جاکے اپنے ساتھیوں کو خبردار کرے گا کہ میں کیسے سخت خطرے میں گرفتار ہوا تھا اور پھر سارے بھیڑیے اس علاقے سے نکل جائیں گے۔"

انھوں نے اوغدائی کی بات سنی وہ سمجھ نہ پائے کہ وہ ابھی تک نشے کے عالم میں ہے یا اس کے دل میں یہ انوکھی بات آئی ہے۔ انھوں نے بھیڑیے کو چھوڑ دیا لیکن وہ ابھی خیمے سے باہر بھی نکلنے نہ پایا تھا کہ خیمہ گاہ کے کتوں کے غول نے اس پر حملہ کردیا اور اُسے مار ڈالا۔

اس واقعے سے اوغدائی کا دل بیٹھ گیا۔ گھوڑے سے اتر کے وہ اپنے شامیانے میں گیا اور بہت دیر تک خاموش رہا اور شکار کا خیال ترک کردیا۔ بالآخر اس نے کہا "میری طاقت سلب ہو رہی ہے۔ میرا خیال تھا کہ جاودانی آسمان مجھے اور زندہ رکھے گا لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ کوئی اب آنے والے موت کے دن کو نہیں ٹال سکتا۔ یہ شگون اچھا نہ نکلا۔"

اس کے بعد اس نے پھر شراب نوشی شروع کردی۔ بارھویں مہینے کے آغاز میں ایک رات اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بہت دیر تک پیتا رہا۔ ان میں سے ایک سیور قوقلتی کی بہن تھی اور دوسرا اس کا بھتیجا تھا۔ دونوں ختا

سے بطور مہمان آئے تھے۔ اوغدائی نے انھیں خوش آمدید کہا اور ان کے ساتھ گرم اور سرد شراب کے جا
شروع کر دیے۔ اُسی رات سوتے میں وہ مرگیا۔

صبح کو دوسری عورتوں نے اوغدائی کو مُردہ پایا۔ ماتم شروع ہُوا اور اُن دونوں پر الزام لگایا جانے لگا جو
شراب پی رہے تھے۔ بعضوں نے کہا کہ سیور تو قطنی کی بہن نے خاقان کو زہر دے دیا ہے۔

جلائر خانوادے کے ایک طاقت ور سردار ایلچی دائی نویان نے اس کے برعکس رائے دی اور کہا:
"خاقان ہمیشہ ضرورت سے زیادہ پیتا رہا۔ خاقان کو بدنام کرنے سے فائدہ کہ اُس نے کسی اور کے ہاتھ
لیا۔ اُس کا وقت آ چکا تھا۔ کسی کو ایسی بیہودہ باتیں نہ کرنی چاہئیں۔"

جن مغلوں نے ایلچی دائی کی بات سُنی تائید میں سر ہلایا۔ انھیں یاد آ گیا کہ ان کا خاقان اوغدائی بیل والے
تخت نشین ہُوا تھا۔ اب بارہ سال گزر چکے تھے اور وہ پھر اس بیل والے سال میں فوت ہُوا تھا۔ یہ با
بات تھی۔

دستور کے مطابق انھوں نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا۔ صبح تڑکے جبکہ اوغدائی نیلی جھیل کے کنارے
یہ حکم نافذ کیا گیا کہ ڈاک کے راستے بند کر دیے جائیں۔ کسی تاجر یا اجنبی کو قراقورم کے دروازوں کے اندر آ
اجازت نہیں تھی۔ کوئی مغل نیلی جھیل کے خیمہ گاہ کے باہر نہ جا سکتا تھا، بجز ان قاصدوں کے جنھیں یہ خبر خاندا
کے قریبی رشتہ داروں تک پہنچانے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ سراؤں پر مسافروں کو روک لیا گیا اور تیز گام
پر قاصد دوڑے جا رہے تھے۔ ایک نے تلاش کر کے تو لوئی کو ڈھونڈ نکالا جو گوبی کے علاقے میں بازگشت
دوسرا قاصد اُس زریں تختی کو لیے ہوئے جس پر خاقان کی طاقت ور مُہر ثبت تھی، کڑاکے کے جاڑوں
کے اس پار گھوڑا دوڑاتا چلا جا رہا تھا۔ رات کو زین ہی پر سو رہتا۔ وہ یہ خبر سوبدائی اور باتو خاں کو سنانے
اوغدائی نے ۱۱۔ دسمبر ۱۲۴۱ء کو وفات پائی تھی۔ یہ قاصد ڈینیوب کے کنارے سوبدائی کی خیمہ گاہ
کے ختم پر پہنچا۔ اس نے پانچ ہزار میل لمبے برفانی راستے ڈھائی مہینے میں طے کیے تھے۔

یہ قاصد باتو خاں اور چنگیز خاں کے خانوادے کے دوسرے شہزادوں کے نام یہ حکم نامہ لایا تھا
کہ وطن کو واپس چلے چلیں، جہاں عزیزوں کی قوریلتائی منعقد ہونے والی ہے۔ سوبدائی کے خیال میں بھی یہ بات
تھی کہ اس حکم نامے سے سرتابی کی جائے۔

مزاحمت کرنے کی باری باتو خاں کی تھی۔ اوغدائی کی موت سے گویا اسے آزادی مل گئی تھی۔ اب

باتو چنگیز خاں کے خانوادے میں سب سے زیادہ بزرگ تھا، کیوں کہ چغتائی بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور کثرتِ شراب
سے اس کی صحت جواب دے چکی تھی۔ مزید برآں باتو مغرب کی ظفر یاب فوج کی سپہ سالاری کر چکا تھا۔ ہر سال کی یلغار
سے اس کا علاقہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا تھا۔ اس کا مطلق ارادہ نہ تھا کہ وہ ڈینیوب کا ساحل چھوڑ کے قراقرم واپس جائے
اور اپنے کسی رشتے کے بھائی کو خاقانِ اعظم کے تخت کا وارث بننے میں امداد دے۔ تو لوئی کو تو ہرگز نہیں، جو
داڑھی والی بڑھیا کہا کرتا تھا۔ باتو کا یہ ارادہ تھا کہ جنگ جاری رکھے۔ اوغدائی کا تو یہی حکم تھا نا؟

سوبدائی کو سیاسیات سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ یاسا کا فرمانبردار تھا، جس کے الفاظ چنگیز خاں کے الفاظ تھے اور
حکم تھا کہ وطن واپس چلے چلو۔ اب اسے خود اپنی اس آرزو کا بھی پاس نہ تھا کہ وہ ڈینیوب کے اس پار گھس کر حملہ
کرے۔ اب واپسی ضروری تھی اور اس نے یورپ کو خالی کرنے کا حکم دیا۔

قدآن اپنے شکار سے واپس بلایا گیا۔ اردوئے اعظم نے رخ بدل دیا اور آہستہ مشرق کی طرف دشت کی
جانب روانہ ہُوا، لیکن سوبدائی نے بڑی محنت سے اہلِ یورپ کو یہ ذہن نشین کرا دیا کہ یہ واپسی پسپائی نہیں۔
اس نقل و حرکت پر پردہ ڈالنے کے لیے قائدو کو ایک صبا رفتار دستے کے ساتھ وی آنا کا محاصرہ کرنے اور
اس کے علاقے میں لوٹ مار کے لیے بھیجا گیا۔ جاتے ہوئے قائدو کے سواروں نے اعلان کیا: "ہمیں واپس بلایا
گیا ہے اور ہم جرمنوں کو جنگ کی آفت سے بچا رہے ہیں۔"

مغلوں نے ہنگری کی سطح مرتفع کے علاقے کو چھوڑنے کا تصفیہ کیا۔ وہ اس علاقے کے سارے مویشیوں کو مشرق
کی طرف ہنکالے گئے۔ یہ علاقہ جہاں انھوں نے پہلے قیام کرنے کا ارادہ کیا تھا، اب محض ویرانہ ہو کے رہ گیا۔ قدآن کی
فوج کو بلقان سے ہوتے ہوئے واپس ہونے کا حکم ملا تا کہ وہ سربیا اور بلغاریہ والوں کا سر کچلتی ہوئی آئے۔ گزرتے
ہوئے اس فوج نے بلگریڈ کو آگ لگا دی اور بلغاریوں کو مجبور کیا کہ وہ خاقان کے باجگزار بن جائیں۔ پھر روس کے
میدانوں میں یہ فوج سوبدائی کی فوج سے جا ملی۔

مغلوں نے اپنی نئی سرحد بلقان کے کنارے ٹرانسلوینیا اور کارپیتھیا کے پہاڑوں کے کناروں کی
جانب مقرر کی۔ اپنے بھاری بھرکم چھکڑوں سمیت وہ مغرب کی طرف غائب ہو گئے۔ یورپ کو کچھ دیر کے لیے
اطمینان ہُوا۔

مگر اوغدائی نہ مرتا تو کیا ہوتا۔ کیا مغربی یورپ مغلوں کی غلامی سے بچ جاتا!
کم سے کم اس کا تو یقین ہے کہ سوبدائی کو جرمنوں کی جنگی طاقت کا سامنا کرنا پڑتا اور مغلوں کی فتح کا نقشہ

ہی یہ ہوتا تھا کہ کسی طاقت ور دشمن کو کچلے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ان دشت کے ساکنوں کو
کے پار کے پہاڑی علاقے سے اور یہاں کی چھوٹی چھوٹی وادیوں اور ندیوں سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ رُوہ
دشت، پولینڈ کے میدان اور ہنگری کی سطح مرتفع ان کے لیے زیادہ کشش رکھتی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت آسانی سے فریڈرک اور اُس کے جنگجو دستوں کا خاتمہ کر سکتے!
بدنصیب لوئی کی سرکردگی میں فرانس کی سوار سُورما فوج شاید ہی زیادہ جوہر دکھا سکتی۔ یورپ کے تاجدار آپس
ہو کے لڑنے کی اہلیت نہ رکھتے تھے۔ تعداد اور بہادروں میں یورپ والے مغلوں سے کم نہ تھے، لیکن مغل سر
کے مناوروں کے مقابلے میں، خصوصاً جبکہ ان کی کمان سوبوداٹی جیسے آزمودہ کار سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی، ا
کے نقشے بنانے کا خاص ملکہ تھا، یورپ والوں کی ساری شجاعت بے کار تھی۔

سوبوداٹی کے حملے کا مشرقی یورپ کے نشو و نما پر بڑا فیصلہ کن اثر پڑا۔ اس کی فوج نے مغربی سلاو
ہنگروی فوجوں کا قلع قمع کر دیا۔ ہنگری کے اطراف کے علاقوں کی آبادی کا نصف حصہ قتل ہو چکا تھا۔ ان
فصلیں نہیں لوٹی گئیں اور باقی ماندہ لوگوں کی آبادی قحط اور ٹائیفائیڈ کی وجہ سے اور بھی کم ہو گئی۔ اس کے برعکس
مغرب کے جرمنوں کو مقابلۃً کم نقصان پہنچا۔ نئے جرمن مہاجروں نے سائلیشیا اور زرخیز موریویا کے علاقے
سے آباد کر دیا۔

جرمن نسل کی آسٹریا نے با سانی ہنگری کے باقی ماندہ لوگوں پر تسلط حاصل کر لیا جن کی نسل بے حد مخ
یورپ میں ایشیائی نسل کے قبیلے، بلغاری اور قپچاق یا تو بلقان میں پناہ گزین ہوئے، جو اقلیتوں کی پناہ گا
دشت میں تاتار ان زریں خیل کی وسیع اور منضبط سلطنت کا جزو بن گئے۔

اقوام میں یہ تلاطم برپا کر کے مغلوں نے یورپ کے اس حصے کا نسلی نقشہ بدل دیا اور یہ نسلی اختلاط ما
اہلِ دشت ان علاقوں میں آباد ہونے سے احتراز کرتے تھے۔ طبعاً وہ اب بھی خانہ بدوش تھے۔ وہ مفتوحہ علا
لوٹ کا مال گھسیٹ کے چل دیے اور کسی کو اپنا جانشین نہ بنایا۔ جو عورتیں وہ اپنے ساتھ مشرق لے گئے ا
بچے دشت میں پلے اور بڑے ہوئے۔

کیونکہ زریں خیل کے ساتھ لینے سے پہلے باتو خاں دولگا کے کناروں تک پیچھے ہٹ گیا۔

واپسی میں مغل دفعۃً اہلِ یورپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ۱۲۴۲ء کے موسم گرما میں اہلِ یورپ
مبہوت تھے۔ مجبور اور حیران تھے۔ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے "یہ تاتاری کون تھے اور کہاں

سے وہ آخر کیوں آئے تھے۔ کیا اب وہ پھر یورش کریں گے۔ کلیساؤں میں ایک نئی دعا مانگی جانے لگی کہ یا خدا
تاتاریوں کے غضب سے محفوظ رکھ۔

...پاپائے اعظم انوسنٹ چہارم نے اہلِ یورپ کو خبردار کیا کہ مغلوں کے خطرے سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش
اس نے سُنا تھا کہ یہ کافر حملہ آور اب ارضِ مقدس کے شمال میں نمودار ہوئے ہیں۔ رُوس کا وجود باقی نہیں رہا۔ اس نے
...کو حکم دیا کہ مشرق کی طرف جانے والی تمام سڑکیں بند کر دی جائیں۔ اس نے اپنے راہبوں کو قاصد بنا کے واپس ہوتی
...ان کے پیچھے پیچھے دشت کے اس پار کی نامعلوم سلطنت کی طرف بھیجا تاکہ وہاں جا کے یہ تبلیغ کریں کہ "انسانوں
...کا قتلِ عام ترک کر دو۔"

لیکن اسی زمانے میں پولو برادران کی طرح کے تجار، شہر کیف کے ویرانے کے اُس پار کے کاروانوں والے راستے کا
...رہے تھے تاکہ پھر سے کافروں کے ساتھ تجارت کا سلسلہ شروع کریں۔

...تو وولگا کے ساحل پر رُک گیا۔ یہاں اس کی چھبیس بیویوں والا دربار اس کا منتظر تھا۔ ساری عمر وہ ایک طرح کی
...عالم میں خانوادۂ زریں سے دُور رہا تھا۔ اب اس کے خیموں کے زریں گنبدوں کے تلے یورپی لڑائیوں کا مالِ غنیمت
...اپنا لا ڈھیر کر دیا گیا۔ اس کا ایک وسیع سمندر تھا۔ وہ ہر دشمن سے محفوظ تھا۔ اتنی غذا موجود تھی کہ اس کی قوم عرصۂ دراز تک
...محفوظ تھی۔ اب اس نے سیر چم کے سائیں خاں کی حیثیت سے سلطنت شروع کی۔ اس کی سلطنت ایسے علاقے میں
...کے مقابلے میں خانہ بدوشوں کے لیے زیادہ موزوں تھا اور اس نے ایک ایسی بات کی جو کسی کے سان گمان میں نہ تھی۔
اس نے سوبوداٹی سے کہا کہ میں تو قورولتائی میں شریک نہ ہوں گا۔

...سوبوداٹی نے کہا "آپ ہی سب سے بڑے شہزادے ہیں، انکار کرنا مصلحت کی بات نہیں۔"
...اس نے بہانہ کر دیا "میرے پاؤں میں گٹھیا کا درد ہے۔ میں جانے سے معذور ہوں۔"
...سوبوداٹی نے اس کی یاد دہانی کی "یہ چنگیز بزرگ کا قول تھا، جو رشتہ دار اس کی قورولتائی میں جمع نہ ہوں گے، اُن کی حالت
...ایسی ہو گی جو گھاس میں جا پڑیں۔ وہ غائب ہو جائیں گے۔"
...اس نے مان لیا کہ اچھا میں بھی مشرق کو چلوں گا، لیکن جب اپنے ساتھیوں سمیت سوبوداٹی چلا گیا تو باتو خاں اس کے پیچھے
...روانہ نہیں ہوا، بلکہ یہ پیغام بھیج دیا کہ میری گٹھیا بدتر ہے اور میں آنے سے معذور ہوں۔
...اس کے بغیر قورولتائی منعقد ہوئی۔

۵

تین عظیم خواتین

جب اوغدائی نے دم توڑ دیا تو تورا کینہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ وہ فوراً یلیوچت سائی سے مشورہ کرنے لگی۔ اب خاقان باقی نہیں رہا تھا۔ تاج و تخت کا کاروبار کیسے چلے؟

اس نے جواب دیا۔ "خاقان نے مرنے سے پہلے ایک وصیت نامہ تحریر کیا ہے۔ ہم اس کی تعمیل کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ ہم اجنبیوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ نہیں دے سکتے۔"

تورا کینہ کو اور کسی جواب کی توقع تھی، لیکن اس خاتون کی آہنی طبیعت ایسی تھی کہ وہ اس عورت کا لوہا ماننے کو قطعاً تیار نہ تھی۔ مقتدر ہو کے بیوہ نے اپنے اور مشیروں سے رائے طلب کی، جنھوں نے اس کی یاد دہانی کی کہ مغلوں کے دستور کے مطابق سردار کی پہلی بیوی اس وقت تک اس کی رعایا اور اس کی املاک کی نگہبان ہوتی ہے، جب تک کہ اس کا جانشین نامزد نہیں ہوتا۔ اس لیے اب وہ خود اوغدائی کے گھرانے کی سربراہ ہے اور عنانِ حکومت اس کی اپنی گرفت میں ہے۔

چت سائی نے اعتراض کیا۔ "سلطنت، مردہ خاقان کا حق تھی۔ جو حق اس کا تھا اس پر آپ کو کیسے اختیار حاصل ہو سکتا ہے؟"

اس نے سمجھایا کہ اب مغل محض ایک ایسا قبیلہ نہیں ہیں جن کی ساری املاک محض چند گلوں اور ریوڑوں پر مشتمل ہو۔ شہزادوں، سپہ سالاروں اور بہادروں نے آپس میں مشورہ کیا اور بوڑھے چغتائی سے استدعا کی کہ تخت و تاج قبول کر لے لیکن اسے اپنے بڑھاپے اور کمزوری کا بہت احساس تھا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ چغتائی جانتا تھا کہ قبائلی دستور کے مطابق تورا کینہ کا دعوےٰ صحیح تھا۔ اس نے اتفاق کر لیا کہ جب تک قرولتائی کسی اور خاقان کا انتخاب نہ کر لے، وہی حکومت چلائے گی۔

اس دوران میں اس کے ایرانی وزیر عبدالرحمٰن نے خزانوں کے منہ کھول دیے اور خاندانِ زرّیں کے عزیزوں کو مالا مال کر دیا۔ ان تحائف میں مزید اضافے کے لیے تورا کینہ نے یہ فرمان نافذ کیا کہ عبدالرحمٰن کو سلطنت کا صاحبِ مختار مقرر کیا جاتا ہے۔ چت سائی اور دوسرے عہدہ دار اس کے ماتحت ہوں گے۔ اس نے اپنے ہاتھ کے جبے سے اس ... لا کر دیے۔

خاقائی نے بڑے غصے سے کہا کہ "ان احکامات کی تعمیل نہیں کی جاسکتی۔ کیا بیوہ ملکہ یہ چاہتی ہے کہ مجھے کی خدمات کے عوض مجھے سزائے موت ملے۔"

وہ بھی اپنی دُھن کا پکا تھا اور تورا کینہ چت سائی کو موقوف نہ کرنا چاہتی تھی کیونکہ چنگیز خاں اور سو بودائی ساتھ ساتھ اُس کا شمار بھی مغل سلطنت کے بانیوں میں تھا۔ چت سائی نے مغلوں کی سلطنت کے لیے ایسا آئین کیا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت متمول ہو گئے تھے لیکن محکوم قومیں نیست و نابود نہیں ہونے پائی تھیں۔ اس نے ایک نئے طریقے سے شہروں اور دشت کے درمیان ربط کا سلسلہ قائم کیا تھا۔ اس لیے تورا کینہ اس کی تعریف اور عزت کرتی تھی۔

پھر قانون ساز چغتائی کا انتقال ہو گیا۔ اب تورا کینہ اپنی طاقت کو اور زیادہ مستحکم پانے لگی۔ عبدالرحمٰن محصول میں اضافے دوگنے اضافے کی تجویزیں وضع کیں اور چت سائی احتجاج کرتا رہ گیا۔ مایوسی کے عالم میں چت نظم و نسق سے کنارہ کش ہو گیا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ایک عورت کا ہاتھ مغلوں کی دنیا کا روبار چلایا جا رہا تھا۔ یہ عورت تورا کینہ تھی جو لا کے سوا ہر ایک کو بدشکل نظر آتی اور جس کی عمر اب ساٹھ سال تھی لیکن تورا کینہ میں دشت کی عورتوں کا کڑا پن تھا بڑھاپے میں بھی بڑی ہمت اور حوصلہ رکھتی ہیں۔

اس کے علاوہ وہ فتوحات کے ایام سے پہلے ہی پختگی کو پہنچ چکی تھی۔ اوغدائی کی طرح اس کی بھی جبلت خا کی سی تھی۔ اُسے انتظام کی بڑی مہارت تھی۔ مورخ یہ بات مانتے ہیں "کہ وہ بڑی دانشمند تھی اور اپنی مرضی کے مطا حکومت کرتی تھی۔"

عورت ہونے کی وجہ سے اس میں اوغدائی کے مقابلے میں، اپنے آپ کو ضرورت کے لحاظ سے ڈھالن ملکہ زیادہ تھا۔ اگر وہ آسانی سے دن بھر گھوڑے پر سواری کر کے سفر کر سکتی تھی تو اس کے یہ معنی تو نہ تھے کہ وہ لوگوں کی طرح سواری پر سفر کرے۔ اُسے بڑی شان و شوکت سے پالکی میں سوار ہو کے نکلنا زیادہ پسند تھا۔ وہ چاہتی آسانی سے اپنے خیمے میں گوبر کی آگ کے الاؤ کے پاس بھی سو سکتی تھی لیکن اسے قراقورم کے محل میں آرام کرنا جہاں انگیٹھیاں تھیں اور شاندار پچی کاری کے فرش پر موٹی موٹی توشکیں اور لحاف تھے۔ اُسے ایک طرح سے کہ طاقت اور قوت اُس کا پیدائشی حق ہے۔ کیا وہ اوغدائی کے خاندان کی سردار نہ تھی؟ بیوہ ملکہ نہ تھی؟ خاندان کی سرتاج نہ تھی؟ چغتائی نے بھی تو یہ بات مان لی تھی۔

تورا کینہ، جس کی جلد پر موسم کی سختیوں نے جھریاں ڈال دی تھیں اور اسے جھلسا دیا تھا، جس کو سالہا سال کی خانہ بدوشی کی زندگی نے سخت جان بنا دیا تھا، اپنے شوہر سے بھی زیادہ شاہانہ مزاج اور آرام پسند بن گئی۔ اُسے گانے والیوں کی پھڑپھڑاہٹ اور گرم شراب پسند نہ تھی۔ وہ اپنے جنے ہوئے بچوں کے لیے اطمینان اور طاقت کی خواہاں تھی۔ اُس کے خیال میں اس کے لڑکے ہی خاندانِ زرّیں تھے۔ اُس کے خیال میں دور دراز رعایا جس کو اُس نے کبھی نہیں دیکھا تھا، محض کروڑوں غلاموں پر مشتمل تھی جس کا کام اس خاندان کی خدمت کرنا تھا۔ تورا کینہ شکوک اور رکاوٹوں سے نہیں رُکتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس نئی سلطنت کا کاروبار چلانے کے قابل سمجھتی تھی، جو زین پر بیٹھے بیٹھے فتح ہوئی تھی، لیکن جس زین پر بیٹھے بیٹھے حکومت نہیں کی جا سکتی تھی۔

اور دوسرے مغلوں کی طرح تورا کینہ کا دل کافر تھا۔ اگرچہ اس کی مرضی سے دشت کے پادری اس کے دولت پر اپنا فرضِ عبادت بجا لاتے ـــــ گندے، گھنی داڑھی والے وسط ایشیا کے نستوری سنکھ بجاتے اور عیسائی ماس کی رسم انجام دیتے، جو ان تک محض یادِ پارینہ کی طرح پہنچی تھی۔ جنگلوں کے رہنے والے شامان ڈھول بجا بجا کے خاندانِ زرّیں کے بیماروں کا علاج کرتے اور اوپری ہوا کے آسیبوں کو بلاتے، لیکن یہ عملی طبیعت والی مغل ماں، اپنی روحانی زندگی کی کوئی خاص فکر یا پروا نہ کرتی۔

اُسے صرف اپنے بڑھتے ہوئے خاندان کی فکر تھی۔ خانوادۂ اوغدائی میں تیزی سے اضافہ ہو گیا تھا۔ اس عظیم خاندانِ چنگیزی کے رکن اب سائبیریا کے شمالی طوفانوں سے محفوظ تھے اور انھیں اتنا کھانا کھانے کو ملتا کہ اس کا ہضم کرنا مشکل تھا، اس لیے نوجوانوں کے بے شمار اولاد پیدا ہو گئی تھی۔ قبائلی خانہ جنگی یا سرما کے خطرناک شکار کی صورت میں اب کسی کی جان نہ تلف ہوتی تھی۔ اُس کا سب سے نڈر پوتا قائدو بھی مغرب کی جنگ سے زندہ سلامت واپس آ گیا تھا۔

اور یہ نوجوان جن کے پاس بے شمار گلے اور بے حد زمین تھی، کئی کئی بیویوں سے شادیاں کرنے لگے۔ تندرست لڑکیاں جن کو اب یورت میں کام کاج نہ کرنا پڑتا۔ جیسے تورا کینہ کا اپنا جسم یورت میں روزمرہ کے کام کاج کی کثرت سے دُبلا اور سخت ہو گیا تھا، ان لڑکیوں کے کثرت سے اولاد پیدا ہوتی۔ آنے والے جنگجو اپنے ساتھ اور قوموں کی لڑکیاں لاتے۔ ہنگری کی مضبوط لڑکیاں، ایران کی نازک اندام لڑکیاں، تیز گفتار، حاضر جواب چینی لڑکیاں۔ قائدو جیسے کمسن نوجوان کے بھی چار بیٹے تھے جو اس کی بیویوں کے شامیانوں میں پاؤں پاؤں چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ادھیڑ عمر کے مغلوں کے چالیس چالیس تک لڑکے تھے۔ چنگیز خاں کے ایک بھتیجے کو فخر تھا کہ اُس کی اولاد کی تعداد ایک سو تھی۔ اس کا نام ہی لنگوٹ والا پڑ گیا۔

جب کوئی لڑکا جوان ہوتا تو اس کی فرمائش کرتا کہ اُس کا اپنا گھر الگ کر دیا جائے اور قبائلی قانون کے مطابق اُسے اُس کے حصے کی عورتیں، نوکر، مویشی اور زمینیں دے دی جاتیں۔ پھر لڑکیوں کی شادی کرنے کا مسئلہ تھا اور سب کو اس نئی دولت کے حصول کی فکر تھی۔

اپنے خاندان کے اس بے اندازہ تموّل کے دَور میں تورا کینہ اپنی ہی بڑھتی ہوئی اولاد کے لیے جہیز اور جائداد فراہم کرتی۔ اُسے پتا چل گیا تھا کہ دولت بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر وہ ایک سادے سے چینی کاغذ پر مُہر ثبت کر دے، جو اس کے وزیر عبدالرحمٰن کی تحویل میں تھی، تو اجنبی ملکوں کے سوداگر نمودار ہو کے اُس کے قدموں پر بڑی تعظیم اور نیازمندی سے سونے چاندی کا ڈھیر لگا دیں گے اور یہ صرف کاغذ کے ایک پُرزے کی وجہ سے۔

یہ چمکتے ہوئے سکے، یہ بیوہ مغل ملکہ اپنے بیٹوں اور پوتوں میں تقسیم کرتی رہی جو ہر وقت اُسے گھیرے رہتے۔ پھر عبدالرحمٰن سے صرف ایک فقرہ کہہ کے وہ کسی کے نام جائداد لکھوا سکتی تھی۔ کئی میل زرخیز زمین، جن میں زندہ غلاموں کے گاؤں ہوتے جو ہل چلاتے اور بھٹی دھونکتے اور ریشم کاتنے میں جُتے رہتے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس دولت کے حصول کی کوئی حد و انتہا ہی نہ تھی جو عبدالرحمٰن کے حُسنِ انتظام سے حاصل ہو سکتی تھی اور جو اس کی ہوشیار بھیدی کنیز فاطمہ کے مشورے سے حاصل کی جاتی۔

ایک مورخ کا بیان ہے: "فاطمہ اس ملکۂ اعظم کے بھیدوں سے آگاہ تھی۔"

اب وہ لیو چت سائی سے مشورہ لینے کی زحمت نہ اٹھاتی تھی، جو قراقورم میں اپنے مکان میں خانہ نشین تھا۔ چت سائی کو اب بھی اس پر اعتراض تھا کہ اوغدائی کا خاندان اس قدر سہولت سے اتنی دولت سمیٹ رہا ہے۔

وہ افسوس کرتا تھا: "مشیرانِ تخت کی نیت ٹھیک نہیں۔ دربار پر حرص کا غلبہ تھا۔ عہدوں کا نیلام ہو رہا ہے۔ ایمان دار لوگ قید میں پڑے سڑ رہے ہیں، جن کی واحد خطا یہ تھی کہ انھوں نے خلافِ قانون لُوٹ کی مخالفت کی۔"

عزیمت (راشد ہے) والے سال کے پانچویں مہینے میں اسی صدمے سے چت سائی کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے تیس سال تک چنگیز خاں اور اوغدائی اور تورا کینہ کی خدمت انجام دی تھی اور جب اس کی زندگی کا سارا کارنامہ اُس سے چھین لیا گیا تو وہ مر گیا۔

عبدالرحمٰن کے رفیقوں نے تورا کینہ سے اشارۃً کہا کہ جو شخص اتنے عرصے تک خاقانوں کا عہدہ دارِ خاص رہا ہو اُس کے پاس بڑی دولت جمع ہو گی۔

اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ "اب یہ دولت خانوادۂ اوغدائی میں منتقل ہو جانی چاہیے۔"

تورا کینہ ہچکچائی۔ وہ صرف چنگیز خاں کی رُوح سے ڈرتی تھی اور وہ اس ختائی وزیر کی دل سے عزت کرتی تھی۔ یہ عزت اس کے دل میں باقی تھی، لیکن اُس نے سرگوشیوں میں اس دولت کا ذکر سنا تھا جو وزیر کے گھر میں جمع ہے اور تورا کینہ کو تجسس ضرور تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ چت سائی کے گھر کی تلاشی لی جائے۔

جس قسم کے خزانوں کی انھیں تلاش تھی وہ تو عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کو نہ ملے۔ تھوڑے سے سکّے تھے۔ ایک دو بانسریاں تھیں جن سے چت سائی اپنا دل بہلاتا تھا۔ پُرانے مسودوں اور کتابوں کی کئی الماریاں تھیں۔ کئی جلدیں تھیں جو اس ختائی نے اپنے چابکدست مُوقلم سے لکھی تھیں۔ پُرانے سکّوں اور دھاتوں کا ذخیرہ تھا جن پر پتھر اور سنگ مرمر کے نقوش تھے ——— مال ڈھونڈنے والوں کے لیے یہ سب چیزیں بے کار تھیں۔

دوسری عورتوں کو تورا کینہ بڑے شک کی نظروں سے دیکھتی تھی، بخاص کر سیورقوقطنی بیگی کو، جو خود بھی چنگیز خاں کے ایک بیٹے کی بیوہ اور ایک بڑے خاندان کی سردار تھی۔ بیگی دیکھنے میں بڑی جاذبِ نظر معلوم ہوتی کیونکہ وہ نت نئے کپڑے پہنتی اور اپنی حیا کی وجہ سے اس نے قویوق کی بیوی بننا منظور نہ کیا تھا۔ قویوق جس کو اس نے اپنا دوسرا شوہر بنانے سے انکار کیا تھا تورا کینہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ سیورقوقطنی بیگی یاسا کے آگے اپنا چمکتا ہوا سر جھکاتی۔ وہ تورا کینہ سے کئی سال چھوٹی تھی اور تورا کینہ کے ہر حکم کی پابندی کرتی۔ اپنے بچوں کی تعلیم کے سوا اور کسی بات کی اُسے پروا نہ تھی پھر بھی وہ سمجھتی تھی کہ اس کے بیٹے بھی خاندانِ زرّیں کا ایک حصّہ ہیں۔ اُسی طرح جیسے اوغدائی کے شہزادے کے لڑکے۔

رشید الدین کا بیان ہے: "وہ دنیا کی عظیم ترین خاتون تھی۔ اس کے بعض بچے بڑی کمسنی میں یتیم ہو گئے تھے۔ اس نے ان کی تربیت کی بڑی کوشش کی۔ انھیں شائستہ آداب و اخلاق سمجھائے اور اپنے بیٹوں کو کبھی آپس میں لڑنے نہ دیا۔ اس کے بعد اُس نے ان کی دلہنوں کو آپس میں میل جول سکھایا۔ وہ ان تمام بڑے بڑے سرداروں اور بڑی فوجوں کی بھی اسی طرح نگہداشت کرتی رہی جو اُس کی اولاد کو چنگیز خاں اور تولوئی سے ورثے میں ملے تھے۔"

"جس طرح چنگیز خاں کی ماں نے اس کی پرورش کی تھی، کیونکہ چنگیز خاں بھی کمسنی ہی میں یتیم ہو گیا تھا اور اسی طرح اُس نے اُس وقت تک قبیلہ کو یکجا رکھا حتیٰ کہ چنگیز خاں بڑا ہو گیا اور اس نے سلطنت حاصل کی ——— بالکل اُسی طرح سیورقوقطنی بیگی نے اپنے بچوں کی پرورش کی۔ لوگ اُسے اِس لیے ملکۂ جہاں کہتے تھے کہ اُس کا مدِمقابل اور کوئی نہ تھا۔"

جب توراکینہ نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو جنگ میں ناموری حاصل کرنے کے لیے مغرب کی فو
کے ساتھ سوبوداۓ کی کمانداری میں بھیجا ——— اور اس وقت تک کوئی مغل شہزادہ اہلِ دشت کی نظر میں
نہیں حاصل کرسکتا تھا جب تک وہ میدانِ جنگ میں ان کی قیادت نہ کرلے —— تو اس دوسری عظیم الشان خاتو
نے بھی اپنی اولادِ اکبر منگو خاں کو مغربی علاقوں میں روانہ کیا۔

اور منگو بڑے کارہائے نمایاں انجام دے کے آیا۔ اس کے علاوہ منگو کی سائیں خاں باتو سے بڑی دوستی
گئی تھی، جو اب یورپ کا مالک تھا۔ اس کے برعکس تویوق، سائیں خاں سے لڑ پڑا تھا۔ منگو نے نئی دھاؤں میں سرداری
تھی، کئی شہر سر کیے تھے۔ بڈھے مغل کہتے تھے "آہا! اس نے لوگوں کو قتل وغارت کیا اور ہمارے لیے بڑے بڑے
علاقے فتح کیے۔" تویوق نے اس قسم کے کوئی کارہائے نمایاں انجام نہیں دیے تھے۔

توراکینہ اپنے حسد کو چھپاتی تھی اور سوائے کان دھر کے سننے والی فاطمہ کے کسی اور پر اپنے دل کا بھید ظاہر
کرتی تھی کیونکہ شہزادی سیور توقلتی نے سرداروں اور نویانوں کے سامنے کبھی یہ دعوےٰ پیش نہیں کیا تھا کہ منگو کی
عزت تویوق سے بڑھ کر ہونی چاہیئے۔

بیوہ ملکہ شہزادوں اور بڑے سرداروں سے کہتی تھی کہ وہ اس کے اپنے بیٹے تویوق کو جو اوغدائی کی اا
اکبر ہے، مغل تخت کا مالک انتخاب کریں۔

اس کے راستے میں ایک رکاوٹ تھی۔ اوغدائی نے اپنے ایک پوتے شیرامون کو اپنا وارث مقرر کیا تھا۔ اس
ابھی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں اور یہ ایک اور عورت کے بطن سے تھا۔ توراکینہ اس بات کو برداشت نہ کرسکتی تھی۔ نیز
لاکھ اوغدائی کا چہیتا سہی، لیکن ابھی وہ بہت کم سن تھا اور توراکینہ کی حجت یہ تھی کہ ابھی وہ تخت پر بیٹھنے کے قابل
نہیں ہوا۔

وہ پوچھتی تھی "جب بیٹا زندہ ہے تو پوتا کیسے وارث ہوسکتا ہے؟"

مغلوں نے اس کی بات مان لی۔ انھوں نے اوغدائی کے خاندان کی اطاعت کا حلف اٹھایا تھا اور سیور
توقلتی بیگی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

جب تویوق کے انتخاب کے لیے باتو اپنے آبائی ملک کو آیا تو توراکینہ نے حکم دیا کہ خاندانِ زریں کی مجلس
قورلتائی نیلی جھیل کے کنارے اس کے بغیر منعقد کی جائے۔

ایک مورخ کا بیان ہے "اس سے پہلے کسی نے ایسا اجتماع نہ دیکھا تھا۔"

۱۲۴۵ء میں چند ہفتے نیلی جھیل کا پڑاؤ دنیا کا دارالحکومت بن گیا۔ یہاں دو لاکھ سمور کے خیمے سراپردے اور دو کے
دالان نصب کیے گئے تھے، لیکن مجمع اتنا تھا کہ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر گھوڑوں سے اترنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ مہمانوں
کی کثرت سے جنگل میں منگل ہوگیا تھا۔

ختا کے علماء کھلے الاؤ کے سامنے سمرقند کے بے ریش ملاؤں اور تبت کے سرخ لاماؤں کے ساتھ ایک ہی
دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے، چینی وزیر اور منچوریا کے رئیس اور بغداد کا قاضی القضاۃ اور شیخ الجبل کے خاموش قاصد
اپنے ملکوں سے نئے خاقان کے لیے تحائف لائے تھے۔

بیس باجدار تویوق کے آستانے پر سرِ اطاعت خم کرنے کے لیے حاضر تھے۔ بعضوں نے مغرب کے دور دراز
ملک سے یہاں تک سفر کیا تھا: ——— خراسان کا امیر ارغون، ایشیائے کوچک کے ترکوں کا بادشاہ سلطان
رکن الدین، حلب کے اتابک کے دو بھائی، تفقاز سے آرمینیا کا کانسٹیبل سمپڈ اور اس کا حریف سلجوقی سلطان قلیج ارسلان
آئے تھے اور گرجستان کے تخت کا دعویدار ڈیوڈ بھی حاضر تھا۔

روس سے شہزادہ اعظم یاروسلاف آیا تھا۔ باتو خاں نے اسے اپنا نمائندہ بنا کے بھیجا تھا۔
سوبوداۓ بھی آیا اور سیاسیات اور رسوم سے اُکتا کے اس نے چین کی جنگ پہ روانہ ہوجانے کی اجازت چاہی۔
اوغدائی، تولوئی اور چغتائی کے خانوادوں کے تمام اراکین اپنے دور دراز علاقوں سے تویوق کی قورلتائی کی ضیافت
منانے گانے میں حصہ لینے آئے تھے۔

اس سے پہلے خانہ بدوشوں کی سلطنت کو کبھی اتنی وسعت حاصل نہ ہوئی تھی۔ اب وہ معلوم دنیا کے نصف سے
زیادہ حصے پر پھیلی ہوئی تھی، مشرقی ساحل سے جہاں پہلے طلوعِ آفتاب کا منظر نظر آتا ہے مغرب میں چھ ہزار میل تک اور
قطب شمالی کے برفستان سے لے کر جنوب میں دو ہزار میل پر سورج سے جھلستے ہوئے علاقے تک۔ یورپ کے براعظم کے
سرے کی وحشی آبادی اور جنوبی چین میں سونگ خاندان کے علاوہ مغلوں کے علم میں اور کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ان
کے مقابلے کی جرأت کرسکے۔ ان کی فتوحات کا سلسلہ ابھی تک نہیں ٹوٹا تھا۔

ضیافت کے دوران میں بھی تینوں بڑے خانوادوں کی اولاد کے دل میں ایک طرح کا اضطراب اور خوف تھا۔ باتو اپنے
وعدے کی قورلتائی میں نہیں آیا تھا اور انھیں چنگیز خاں کا قول یاد تھا "وہ جو پیچھے رہ جائے گا اور نہیں آئے گا وہ اسی
طرح ہوگا جو گہرے پانی میں گر جائے، اس تیر کی طرح جو لمبی لمبی گھاس میں جا گرے۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوجائے گا۔"

وہ سب تو یوق سے بھی ڈرتے تھے۔ اب جب کہ وہ خاقان بن چکا تھا وہ کسی کو بلا اجازت اصطبل کے اس اپنے تک آنے نہ دیتا اور خود بات کرنے سے پہلے کسی کو بات نہ کرنے دیتا۔ اس کا مزاج بھی اپنے والد کی طرح شاہانہ تھا۔

کچھ بوڑھے مغل یہ سمجھتے تھے کہ چنگیز خاں کی روح عالی شان پرچم سے نکل کے تو یوق کے بیمار جسم میں حلول ہے۔ دونوں کی طبیعت میں وہی بے رحم سختی تھی۔ مغل مستقل کی حد تک شک کے عالم میں تھا اسے پتا نہیں تھ جانب حرکت کا حکم ملتا ہے۔

فرائرجان نے کیا دیکھا

خاقان کے شامیانے کے باہر ایک عجیب الخلقت آدمی کھڑا تھا۔ وہ ایک موٹا بھدا سا بھورا لبادہ پہ جو اس کی کمر کے اطراف ایک رسّی سے بندھا ہوا تھا اُس کا سر مُنڈا ہوا تھا اور اس کے ننگے پیروں میں چپل تھی۔ وہ جانی پہچانی زبان نہ بول پاتا تھا اور نہ اُس کے ساتھ جو جم غفیر کھڑا انتظار کر رہا تھا اُس میں کوئی اُس کا دوست تھ پھر بھی اُسے دروازے کے پاس اچھی جگہ دی گئی کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو دور دراز عیسائیوں کا آقا کا قاصد بتایا تھا۔ دراصل وہ پاپائے روم کا قاصد، ایک فرانسسکی راہب، پلانو کارپی نی کا جان تھا۔ وہ پہلا تھا جو اپنی مرضی سے اس خانہ بدوش دربار میں حاضر ہوا تھا۔ وہ ایک فربہ سا چالاک، پھرتیلا آدمی تھا اور مغلوں کو حیرت تھی کہ گدھے پر سوار تھا۔

پیچھے، دو لنگا کے کنارے اُس نے باتو خاں کو اپنا مطلب سمجھایا تھا: "ہم اپنے آقا پاپائے روم کے قاص وہ عیسائیوں کا آقا اور باپ ہے۔ ہم تاتاری قوم کے پاس یہ درخواست لے جا رہے ہیں کہ تاتاریوں اور عیسائیو درمیان دوستی رہے اور چونکہ پاپائے روم کی یہ آرزو ہے کہ مغلوں کو اور عزت اور عظمت حاصل ہو اس لیے اُنھ اپنے خطوں میں انھیں نصیحت کی ہے کہ وہ عیسائی مذہب اختیار کریں جس کے بغیر انھیں نجات نہیں مل سکے گی۔ پاپائے یہ سُن کر حیرت ہے کہ وہ کس بہیمیت سے بنی نوع انسان کا قتلِ عام کر رہے ہیں۔ اُس نے کہا کہ وہ اپنے کیے پر پچھتائیں کریں اور یہ بتائیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

یہ سُن کے باتو نے اس راہب کو سیر رفتار قافلے کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ کیا، جہاں وہ عین تاج پو وقت حد سے زیادہ تھکا ماندہ آن پہنچا۔

فرائرجان نے لکھا ہے: "ہم نے ایک بڑا وسیع خیمہ دیکھا جس کے اطراف تاتاری سردار اور اُن کے نوکر گھوڑ سوار کھیلتے پھرتے تھے۔ پہلے دن سب نے سفید لبادے پہنے تھے۔ دوسرے دن —— جب تو یوق بڑے خیمے میں —— تو سب نے قرمزی لبادے پہنے۔ تیسرے دن نیلے اور چوتھے روز بغدادی بلادِ چین کے لبادے۔ ان میں سے ...ی زینوں اور گھوڑوں کے ساز پر سونے کے بیس بیس تک سکے جڑے تھے۔

"دوپہر کو انھوں نے گھوڑیوں کا دودھ پینا شروع کیا اور شام تک بے تحاشا پیتے رہے۔ انھوں نے ہمیں بھی اپنے ...پینے کی دعوت دی اور چونکہ ہم گھوڑی کا دودھ نہیں پیتے تھے اہیں شراب دی اور اس قدر زیادہ کہ ہم نے انھیں سمجھایا کہ ...نقصان کرے گی اور تب کہیں جا کر وہ رُکے۔

"انھوں نے ہمیں اور ڈیوک یاروسلاف کو عزت کی جگہ بٹھلایا۔ . . . . . . جب تو یوق خیمے سے باہر نکلا تو تہنیت ...بجائے گئے اور قرمزی اُون سے مرصع عصاؤں سے اُسے سلامی دی گئی۔ . . . . ہمیں بتایا گیا کہ چار ہزار ایلچی ...اس تحائف لے کر آئے ہیں۔ تحفوں میں ریشم کے مرصع طلائی کمر بند، ایک جواہرات سے جڑا ہوا شامیانہ اور بہت سے ...تھے، جن پر بلادِ چین کے محمل کسے ہوئے تھے۔ گھوڑے تھے جن کے چرمی اور آہنی ساز تھے۔ ہم سے پوچھا گیا کہ تم کیا ...نے ہو مگر ہم کوئی تحفہ پیش نہ کر سکے۔"

مغلوں کے لیے یہ ایک بڑا عجیب معمّا تھا کہ یہ عجیب طرح کا لبادہ پہنے ہوئے جو قاصد آیا ہے اور کوئی تحفہ نہیں لایا، ...درخواست کر رہا ہے کہ اپنی فطرت بدل دو۔ اُس کے آگے سرِ اطاعت خم نہیں کرتا۔ کارپی نی جو خود اپنی بولی میں ...سکتا تھا، پولینڈ کے ایک مترجم کی معیت میں مدیرہ ملکہ تورا کینہ کی پیشی میں طلب کیا گیا۔

کارپی نی آگے چل کر لکھتا ہے: "خور و نوش کی حد تک ہمیں تکلیف تھی، لیکن خدا نے ہماری مدد کے لیے ایک رُوسی سنار ...س کا نام کوس ماس تھا اور جس پر شہنشاہ مہربان تھا۔ اُس نے ہمیں کچھ کھانے کو دیا، ہمیں مُہرِ سلطنت دکھائی، جو ...رہا تھا۔ اُس پر یہ نقش درج تھا:

"آسمان پر خُدا، زمین پر خُدا کی طاقت کا مظہر تو یوق خاقان، سارے بنی نوع انسان کے آقا کی مُہر۔"

"جب ہم اس دربار میں تھے تو اس شہنشاہ نے خدا کے کلیسا اور مقدس سلطنتِ روما اور مغرب کی عیسائی قوموں کے ...لافت کا پرچم بلند کیا اور اُن کو اطاعت کا حکم دیا۔ تاتاریوں کا منشا ہے کہ اٹھارہ سال کے اندر ساری دنیا کو فتح کر لیں ...اس مقصد کے اتمام سے پہلے وہ محض اس لیے رُک گئے تھے کہ اوغدائی خان کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اگر وہ کسی قوم ...ڈرتے ہیں تو صرف ہم سے اور اسی لیے وہ ہم سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔"

مغلوں کو تو اس عجیب و غریب قاصد پر حیرت تھی جو وضع قطع سے فقیر معلوم ہوتا تھا، اُدھر فرار رجان بڑی فراخ اپنی آنکھوں کو مغلوں کے اندازِ جنگ کے مطالعے میں لگائے تھا۔ جب خاقان کے معتمدوں نے پوچھا کہ اگر وہ اپنا جواب روسی یا عربی زبان میں لکھیں تو پاپائے روم کے دربار میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو ان زبانوں میں پڑھ سکے۔ کا سمجھانا پڑا کہ پاپائے روم کے دربار میں ایسا کوئی آدمی نہیں جو ان زبانوں میں کسی خط کو پڑھ سکے۔

جب مغلوں نے کارپینی سے اصرار کیا کہ اپنے ساتھ ہمارے قاصدوں کو واپس لیتے جاؤ، تو اپنی وجوہات کارپینی نے انکار کیا اور وہ اپنے صحیفے میں لکھتا ہے۔ "مَیں اس بات کے لیے تیار نہیں ہُوا، اس وجہ سے کہ یہ لوگ ہماری آپس کی کش مکش اور خانہ جنگی کا حال دیکھ لیں گے اور ان کا ہمارے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ اور پکا ہو جائے گا، علاوہ مجھے خوف تھا کہ یہ مغل سفیر اصل میں جاسوس ہوں گے، جو ہمارے ملک تک پہنچنے کے راستے معلوم کر لیں گے۔" دل چسپ بات یہ ہے کہ کارپینی خود جاسوس کا کام انجام دے رہا تھا۔

اُس نے یہ تجویز پیش کی کہ مغل جو جواب دینا چاہتے ہیں، اُس سے کہہ دیں اور وہ اُسے لکھ لے گا۔ معتمدوں کو سفارتی خط و کتابت میں ایسی جہالت بھی برتی جا سکتی ہے۔ پھر بھی بالآخر الغیوری وزیر چنکائی اور نصف درجن خاقان کا جواب لفظ بہ لفظ لکھوا دیا اور جب کارپینی اس کو لاطینی میں لکھ چکا تو اس سے ترجمہ کرا کے سُنا، لیکن اس طریق سے غیر مطمئن ہو کے انھوں نے خاقان کے جواب کی ایک نقل اُسے فارسی زبان میں دی کہ شاید مغرب میں کوئی ایسا مل جائے جو یہ زبان جانتا ہو۔

انھوں نے کہا۔ "اس کی احتیاط کرنا کہ یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔"

ان کا جواب یہ تھا:

"یہ اُس کا حکم نامہ ہے جو جاودانی آسمان کی طاقت سے دنیا کی سب بڑی بڑی قوموں کا خاقان ہے۔ "ہم یہ حکم دیتے ہیں جو درج ذیل ہے اور اسے پاپائے اعظم کے پاس بھیجتے ہیں، تاکہ وہ اسے جانے اور سامنے وضاحت سے بیان دے۔

"اپنے علاقے کے بادشاہوں سے مشورہ لینے کے بعد تم نے اطاعت قبول کر کے ہمیں خط بھیجا ہے، جو ہمیں قاصدوں سے وصول ہُوا۔

"اگر تم اپنے الفاظ کے مطابق عمل کرو، تو تم جو پاپائے اعظم ہو، دوسرے بادشاہوں کے ساتھ بنفسِ نفیس ہمارے دربار میں حاضر ہو اور ہم تمھیں یاسائے چنگیزی کے احکام سمجھائیں گے۔

"باقی رہی اور بات۔ تم کہتے ہو کہ ہمارے لیے عیسائی بن جانا مفید ہوگا۔ یہ قول تمھارا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ عمل ہم کریں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

"اس کے بعد:——— تم نے ہم سے یہ کہا ہے۔ تم نے ہنگری اور دوسرے عیسائیوں کے علاقوں پر حملہ کیا۔ اس پر حیرت ہے۔ بتاؤ انھوں نے کیا قصور کیا تھا؟ یہ الفاظ ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ چنگیز خاں اور اوغدائی خاقان جاودانی آسمان کے احکام الم نشرح کیے ہیں، لیکن بہت سے لوگ جاودانی آسمان کے احکام ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ وہ لوگ جن کا تم نے ذکر کیا ہے، بڑے متکبر تھے اور انھوں نے ہمارے قاصدوں کو تہ تیغ کر دیا۔ جاودانی آسمان کی منشا کے مطابق اُن ملکوں کی آبادی کو تہ تیغ کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔ اگر جاودانی آسمان کی یہ مرضی نہ ہوتی تو وہ کس طرح زیر ہوتے اور قتل ہوتے؟

"اور جب تم یہ کہتے ہو 'مَیں عیسائی ہوں، مَیں خدا کی عبادت کرتا ہوں، مَیں دوسروں کی شکایت کرتا ہوں اور دوسری قوموں کی فکر نہیں کرتا'، تو بتاؤ تمھیں کیا معلوم ہے کہ کس بات میں خدا کی رضا ہے اور تمھیں یہ طاقت کہاں سے ملی کہ ایسی تعلّی کی باتیں کرو۔

"جاودانی آسمان کی رضا سے مشرق سے مغرب تک ساری ارضِ زمین ہمیں عطا ہوئی ہے۔ کوئی آسمانی احکام کے خلاف کیسے کر سکتا ہے؟ تمھیں اب صدقِ دل سے یہ کہنا چاہیے۔ ہم آپ کی رعایا بن جائیں گے، ہم اپنی ساری طاقت آپ کی خدمت میں صرف کر دیں گے۔ تمھیں اور بادشاہوں کا پیشوا بن کے بنفسِ نفیس حاضر ہونا چاہیے۔ جب تم اور سب کے سب ہمارے آگے اطاعت اور فرماں برداری میں سر جھکاؤ ورنہ اُس وقت تک ہم تمھاری اطاعت پر بھروسا نہ کریں گے۔

"اور اگر تم جاودانی آسمان کے احکام سے سرتابی کرو گے اور ہمارا حکم نہ مانو گے تو ہم یہ جانیں گے کہ تم ہمارے دشمن ہو۔ یہی بات ہم جاننا چاہتے ہیں۔ اگر تم اس کے برعکس کوئی بات کرو گے تو ہمیں کیا معلوم کیا پیش آئے گا۔ صرف جاودانی آسمان کو اس کا علم ہے۔"

اس خط پر وہ سُرخ مہر ثبت تھی جو چنگیز خاں اُن حکم ناموں پر ثبت کیا کرتا تھا، جو وہ اپنے سپہ سالاروں کے نام مہموں کی تسخیر کے لیے روانہ کرتا تھا۔

تولیق

تورا کینہ نے اس بہادر راہب کو لومڑی کی کھال کے لبادے دیے تاکہ واپس راستے میں سردی سے نکل جائے۔ اُسے سیورتو قتلق کے پڑاؤ میں طلب نہ کیا گیا، لیکن اِس مختصر سے قیام میں بھی اُس نے اس کا ... میں عظیم ترین خاتون، شہنشاہ کی والدہ کے بعد سب سے زیادہ معزز اور شہنشاہ کی رعایا میں باتو خان کے سے زیادہ طاقت ور۔"

اُسے تولیق کے تخت کے آگے باریاب ہو کر دو زانو ہونے کی بھی اجازت نہ ملی تھی۔ بغداد کے ... الجبل کے وزیروں کی طرح پاپائے روم کے قاصد کو بھی تسلیم نہیں کیا گیا کیونکہ تولیق ان تینوں پیشواؤں کو ختم کرنا چاہتا تھا اور فریبیں راہب اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اِس طرزِ عمل کا کیا مطلب ہے۔

اُس نے تولیق کو محض دُور سے گزرتے دیکھا: ــــ "اوسط قد کا آدمی، اپنے انداز میں بہت محتاط ... اُسے بہت کم ہنسی آتی ہے۔ اُس کا قاعدہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے رُتبے کے اجنبی سے بھی کبھی دو بدو ... ہمیشہ کسی اور آدمی کی وساطت سے۔ سرکاری اور خانگی کام کے لیے اُس کے پاس ہر طرح کے کارندے ... ہیں، لیکن کوئی وکیل نہیں، کیونکہ ہر مقدمہ بلا بحث و حجت اُس کی مرضی سے طے ہوتا ہے۔

نحیف الجثہ تولیق کی غیر متزلزل قوت ارادی اپنے باپ کی طبیعت کے بالکل برعکس تھی جو ہر ... ہر شے کو برداشت کر لیتا تھا۔

رشید کا بیان ہے۔ "تولیق کی صحت فطری طور پر ضعیف تھی اور وہ اکثر علیل رہتا تھا۔ اس کے ... صبح تک وہ شراب کے ساغروں اور پری رخ گل انداموں سے شغل کرتا رہتا۔ اس لیے اُس کی علالت ... وہ اپنی عیاشی سے باز نہ آیا۔ دن کو اُسے مالیخولیا ہو جاتا اور وہ کسی سے بات نہ کرتا۔ فیاضی میں وہ سب ... گیا تھا اور اُس کی تمنا تھی کہ اُسے اپنے والد سے زیادہ شہرت حاصل ہو لیکن اُس نے بہت مختصر عمر پائی ... اُس کے باپ نے اُس کی علالت کی وجہ سے اپنے صبری کے عالم میں اُس کی جگہ اپنے چہیتے پوتے کو ... تھا۔ اس ذلت کی وجہ سے بیٹے کی آرزو تھی کہ میں باپ سے بڑھ کر نکلوں۔ اوغدائی فقیروں اور محتاجوں ... کرتا تھا۔ تولیق سرنگوں فریادی کی درخواست محض کسی وزیر کے توسط سے سُنا کرتا تھا۔

تصویر واضح ہے: نیا خاقان، امراض سے پریشان، اپنے ارادے کی پختگی سے سرگرم، اپنے سا...

... خاتون کو شاہد و شراب میں مشغول۔

... کی قوتِ ارادی میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ اُس نے پانچ سو چھکڑے بھر کے خزانے تقسیم کیے۔ اس نے حکم ... ویلیغ جس پر اوغدائی کی مُہر ثبت ہو، قانوناً مسلّم ہے اور دوبارہ اُس کے پاس پیش ہونے کی ضرورت نہیں۔ ... عبد و باز عبدالرحمٰن کو قتل کرا دیا اور پرانے دیانت دار وزیروں کو پھر سے طلب کیا مثلاً عیسائی الغیوری ... کا ترک بلا چ۔

... نے اس سے شکایت کی کہ ایرانی کنیز فاطمہ کا اس کی ماں پر بہت اثر ہے۔ وہ کہنے لگے کہ "زرا اور معاملہ ... عظیم الشان سلطنت پر اُسی کی حکومت ہو جائے گی۔" انھوں نے تولیق کو تنبیہ کی: "یہ کنیز تم پر اور تمھارے ... بھی جادو کر دے گی۔"

... نے حکم دیا کہ اُس کی والدہ کے خیمے سے فاطمہ کو زبردستی پکڑ کے لایا جائے۔ پھر اُسے برہنہ کر کے کوڑے لگانے ... یہاں تک کہ بچاری نے جادوگری کا اقبال کیا۔ مغل جادو شکنوں نے پہلے یہ اطمینان کر لیا کہ اس کے جسم میں جو ... اس کے مرنے کے بعد نکل کے اوروں کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔ انھوں نے اُس کے سر کے سارے ... اور اُسے ڈوبنے کے لیے ایک ندی میں دھکیل دیا۔ اِس پر تورا کینہ کو بہت غصہ آیا مگر تولیق نے اس ... کوئی پروا نہ کی۔

... کی ضرب جیسے تیز اور فوری فیصلے سے اُس نے اِس خانہ بدوش سلطنت کے معاملات کا رُخ پھیر دیا۔ ... کی طرح وہ اس کا قائل تھا کہ دشت کے رہنے والوں کو خود دشت ہی میں رہنا چاہیے اور یہاں سے ... حکومت کرنی چاہیے۔ تخت، سیاہ دیواروں کی فصیل میں، یعنی قراقرم میں نصب ہونا چاہیے۔ اور دشت میں ... اور ایغوری اور وہ نستوری عیسائی جنھیں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی تعلیم محض تشدد بد یاد تھی، یہاں جس ... میں وہ بہت کافی ہے۔

... عجیب بات یہ ہوئی کہ تولیق ایشیا کے بھولے بسرے عیسائیوں کی بات مانتا تھا، لیکن پاپائے روم ... سخت و سُست لہجہ میں جواب لکھ بھیجا۔

... کی مرضی کے مطابق وہ زین پر بیٹھے بیٹھے حکومت کرنا چاہتا تھا اور چین اور اسلام کے تمدنوں کو مغل ... دشمن سمجھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ شہروں کے خلاف دشت کی جنگ کا سلسلہ جاری رہے۔

... معاملہ میں اس کی حکمت عملی جیت سائی سے مختلف تھی، جو تمدن کا علم و فضل دشت تک پہنچانا چاہتا تھا۔

اس خاقانی نے بہت سے مدرسے قائم کر رکھے تھے جن میں چینی، ایغوری، ایرانی اور عرب اُستاد مغل پڑھاتے تھے۔

اور تولیق ساری دنیا پر مغلوں کی غلامی کا جوا مسلط کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان علاقوں تک پہنچنا چاہتا تھا، جہاں مغلوں کے گھوڑوں کی ٹاپ نہ پڑی تھی۔ جاودانی آسمان کی طاقت نے اسے اس مرتبہ پر پہنچایا تھا لیکن وہ اکیلا پر سرفراز رہنا چاہتا تھا۔ "تولیق، ساری دُنیا کا خان۔"

اُس کا دُور اندیش دماغ سلطنت کی تقسیم کے خطرے سے خبردار ہو گیا تھا، جیسے کہ چنگیز خاں نے خاندانِ زریں کی چار شاخوں میں بانٹ دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ چاروں بڑے اُولوس ختم ہو جائیں اور ان کے ایک بڑا اولوس ہو۔ ان عظیم جاگیروں کا خاتمہ ہو جائے جو باپ کے بعد بیٹے کو ملتی تھیں۔ یہ نہیں کہ کہنہ سال روز افزوں بڑھتے ہوئے شہزادوں کا جمِ غفیر اپنی جاگیروں اور املاک میں غلاموں کی محنت کا پھل کھا کھا کر فربہ ہوتے جائیں۔ نہیں، انھیں سلطنت کے استحکام اور فوج کی افزونی کے لیے خود بھی محنت کرنی چاہیے۔

ان طاقت ور تجویزوں میں تولیق کو اپنی بیوی اُوغول غائمش سے بہت مدد ملتی، جسے توراکینہ بہت پسند اور خود اپنے آپ کو اس شخصی سلطنت میں اوّلین خاتون تصوّر کرتی تھی۔

تولیق اپنی خاندانی جزا و سزا کے معاملے میں نرمی سے کام لیتا تھا۔ اُس نے اس میں بڑی احتیاط کی چیز کو ضبط نہ کرے جو قبائلی قانون کے مطابق تولوئی کے خاندان یعنی سیورقوقتنی اور اس کے ہردلعزیز لڑکے وہ اپنی تجاویز کو پورا کرنے میں ان کی امداد کا جویا تھا۔ اُس نے سیورقوقتنی سے یہ درخواست کی کہ پانچ سو چھکڑوں ہے وہ اُسے اپنے ہاتھ سے مغل زرہوں میں تقسیم کرے۔

اُس نے مختصراً اعلان کیا۔ "اپنی صحت کی خاطر میں دریائے ایمیل کے کنارے تک سفر کرنا چاہتا ہوں" وہاں باتو رہتا تھا اور باتو نے یاسا کے خلاف بغاوت کی تھی۔ وہ قورولتائی میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اُس ایک سلطنت قائم کر رکھی تھی جسے وہ تولیق کی مرضی کے خلاف اپنے جانشینوں کو سونپنا چاہتا تھا۔

تولیق نے اپنے عم زاد بھائی کو پیغام بھیجا کہ ایک قورولتائی میں شریک ہونے وطن کو آؤ۔

باتو اپنے دشت سے نہ ہلا اور یہ جواب کہلا بھیجا۔ "میری ٹانگ میں درد ہے۔"

باہر کے دشمنوں کے خلاف یلغار کرنے سے پہلے تولیق، باتو کے مقابلے کے لیے بڑھا تاکہ اُسے سر جھکانے پر مجبور کرے۔ میمنہ اور مرکز کی فوجیں، شاہی محافظ دستہ، تولوئی کے خاندان کے ارکین اور

کے دستے، اُس کی ماں اور سارا دربار، اس کوچ میں اس کے ہمراہ تھا۔

صرف ایک دماغ ایسا تھا جو تولیق کا اصل ارادہ بھانپ گیا۔ یہ سیورقوقتنی کا دماغ تھا جو اصل مطلب سمجھ گئی اور اب مل گیا کہ اپنے لڑکوں کی بہتری کے لیے قدم اٹھائے۔

رشیدالدین کا بیان ہے۔ "تولیق پر غصہ طاری تھا اور اپنے دل میں وہ باتو خان کے خلاف سازش کر رہا تھا لیکن چونکہ بیگی اُس کی تجویز سے آگاہ تھی، اس نے ایک خفیہ پیغام بھیج کے باتو کو خبردار کر دیا۔"

بہت دُور چین میں سوبودائی نے محسوس کیا کہ اب بڑھاپا اُس پر غالب آ رہا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ تولیق کے اس سے واقف تھا یا نہیں کہ تولیق مغلوں کو مغلوں سے لڑانے لیے جا رہا ہے۔ اُس نے خاقان سے اجازت چاہی میسرے کی قیادت سے مستعفی ہو کر دریائے تولا کی چراگاہوں میں اپنے خیمے میں اپنے آخری دن گزارے۔

جہاں اُس نے اپنے عہدے کے نشان اُتار دیے اور دھوپ کے رُخ بیٹھ کے چراگاہ جانے والے گلوں کو دیکھا تہتر سال کی عمر میں اُس نے وفات پائی۔ جب اُس نے یورپ چھوڑا ہے تو اس کی عمر اڑسٹھ سال تھی۔

روایت ہے کہ اُس نے پینسٹھ معرکوں میں فتح حاصل کی اور بتیس قوموں کو زیر کیا۔ وہ مغلوں کے ہراول کا سردار چنگیز خاں کے علاوہ اور کسی سپہ سالار نے جنگ میں ایسی شاندار کامیابیاں نہیں حاصل کیں۔ مغل اسے ظفر یاب ہوشیار کا پی نی کا بیان ہے کہ "وہ ایسا سپاہی تھا جس میں کوئی کمزوری نہ تھی۔"

شاہینوں کی جھیل کے دوراستے

لدے ہوئے اونٹوں کے قافلے عظیم شمالی شاہراہ پر چلے جا رہے تھے اور اُن کے پیچھے گرد کا بادل اُمڈا چلا جاتا تھا۔ اور قطار، اُن کے منہ پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے، آندھی کی ریت سے بچنے کے لیے۔ ہولے کے نقاروں بلند، جو ریت کے اُٹھتے اور گرتے ہوئے ٹیلوں پر سنسناتی ہوئی چل رہی تھی، مغلوں کے نقاروں کی صدا تھی، پر کسے ہوئے تھے۔ ان نقاروں کے شور سے وہ ریگستان کے بھوتوں کو ڈرا ڈرا کے بھگا رہے تھے۔ چھکڑوں پر ہوئے شامیانے تھے۔ چھکڑے آپس میں رسیوں سے بندھے ہوئے تھے اور ان کے سوری گنبدوں کے سائے میں رہے تھے۔

تولیق گوبی کی سرحد پار کر رہا تھا، آلتائی کی شجر پوش چوٹیوں کا چکر کاٹ رہا تھا اور اپنی مسلح فوج کے ساتھ پانچ شہزادوں کے پڑاؤ کی سمت چلا جا رہا تھا۔

وہ سفید ٹیڈیوں والے علاقے میں ریگستان کو پار کر رہے تھے، جہاں مغل قبیلوں کی یادداشت سے پہلے کوئی نوشتہ تھی، ایک چبوترے پر ایک لکڑی کا کلیسا تھا جس میں بھدّی رنگی ہوئی تصویریں تھیں۔ یہ نسطوری عیسائیوں کی عبادت گاہ

تویوق کے سواروں کی منزلِ مقصود پانچ شہروں کے آگے تھی۔ انھیں دو کوہستانوں کے درّے سے گزر کر ایمیل کے کنارے تک پہنچنا تھا، جہاں وسط ایشیا کی بلندیوں پر اوغدائی کی ایک چراگاہ تھی۔

دریائے ایمیل درّے کے اُس پار شاہینوں کی جھیل میں جا گرتا تھا۔

اور باتو مغرب کی سمت سے بڑھ رہا تھا، دشت کی وسعت طے کر رہا تھا اور نیلی اور زرد جھیلوں کے پاس گزر رہا تھا، جو زرخیز سراب سے مشابہ تھیں۔ وہ تویوق کی منزلِ مقصود سے آگاہ ہو گیا کہ اب اسے شاہینوں آ رہی تھی، جہاں ہوا کی مار سے پانی سے جھاگ بن رہا تھا اور موجیں کناروں سے سر ٹکرا رہی تھیں۔

یہاں دریائے ایمیل کے دہانے پر اپنے لاکھوں ساتھیوں کے ساتھ باتو خاں انتظار کر رہا تھا۔

یہاں تک کہ مشرق سے عظیم شمالی شاہراہ پر ایک قاصد نمودار ہوا، اُس کے منہ اور جسم پر کپڑا کسا ہوا تھا کے جھکڑ کے مقابلے میں دوسری طرف جھکا ہوا تھا۔ قاصد کے ہاتھ میں حکم نامے کی طلائی لوح تھی۔ وہ اُس وقت سے نہیں اُترا جب تک کہ وہ باتو کے خیمے کے دروازے پر نہ پہنچ گیا۔

اُس سے پوچھا گیا کہ کیا پیغام لائے ہو؟ اُس نے جواب دیا "خاقان جو بیمار تھا، مر گیا۔"

باتو کو یہ محسوس ہوا ہو گا کہ تقدیر نے اُسے نئی زندگی دی ہے۔

گوبی کے سرے پر اپنے خیمے میں عورتوں نے تویوق کے مرنے کی خبر چھپانے کی کوشش کی۔ پہلی مرتبہ تو اور تویوق کی بیوی سے مشورہ کرنے لگی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

انھوں نے حکم دیا کہ تمام سڑکیں بند کر دی جائیں۔ منزلوں پر مسافر روک دیے جائیں۔ وہ قراقرم سے کے جنگل سے قریب۔ دونوں فوجوں کے درمیان برف پوش پہاڑ اور اِن کا درّہ حائل تھا۔

پھر دونوں عورتوں نے باتو خاں کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ خاقان کی بیوہ اوغول غامش حکومت کرے گی کرا کے انھیں مشورہ دینا چاہیے۔

سائین خاں نے جواب دیا کہ اُس کے گھوڑے جھیل کے کنارے آرام کر رہے ہیں۔ پھر اُس نے کہا "ہم میں درد ہے، مجھے سواری نہ کرنی چاہیے۔"

سیورقوقتنی نے، جو ان سے بہت زیادہ دانش مند تھی، اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اُس نے منگو سے کہا "باتو بڑا مرتبہ ہے۔ وہ چنگیز خاں کے تمام پوتوں کا آغا ہے اور قرولتائی میں کوئی متنفس اس کی رائے سے اختلاف نہ دوسرے لوگ باتو کے پاس نہیں، حالانکہ وہ ان سب کا آقا ہے اور بیمار ہے۔ تو اُس کے پاس اس کی مزاج کے لیے جا۔"

اِس پر منگو اور اُس کا چھوٹا بھائی سوار ہو کے ریگستان سے ہوتے ہوئے، درّے سے گزر کر جھیل کے کنارے پہنچے اور اپنے شاہزادے کے افسروں کو لیتے گئے۔

سائین خاں نے گرم جوشی سے منگو کا استقبال کیا کیونکہ چھ ہی سال پہلے دونوں نے مدد مِل کر فتح و ظفر نہیں حاصل کیا منگو کی والدہ نے عین موقع پر اُسے خطرے سے نہیں آگاہ کیا تھا؟ اس نے دونوں نوجوان شہزادوں کی کی اور ان کی تعریف کرنے لگا۔

اس کے بعد مغلوں کی بڑی احتیاط کے ساتھ سیاسیات کا دل چسپ کھیل شروع ہوا۔ پہلے باتو نے گوبی میں عورتوں کے پڑاؤ بھیجے اور کہلا بھیجا کہ منگو اور قبلائی میرے پڑاؤ میں ہیں۔ دوسرے پوتوں کو بھی یہیں آنا چاہیے اور یہیں قرولتائی ہونی چاہیے۔

تراکینہ اور اوغول غامش نے جواب دیا کہ دستور کے مطابق قرولتائی صرف مغلوں کے وطن ہی میں منعقد کی جا سکتی کیرولان کے ساحل کے کنارے اور کہیں نہیں۔ قرولتائی وہیں منعقد ہونی چاہیے۔

انھوں نے اپنے حقوق کے ثبوت میں قبائلی قوانین پیش کیے اور دونوں پڑاؤں کے بڑے بوڑھوں نے اس کی معلوم ہوتا تھا کہ باتو خاں کی غلطی ثابت ہو جائے گی، لیکن اس موقع پر سیورقوقتنی نے بلا پس و پیش، بلا رحم و کرم اس نے اعلان کیا۔ "چنگیز خاں کے چاروں بیٹے مر چکے ہیں۔ کیا اب سائین خاں پوتوں کا سردار نہیں ہے؟ اور موت کا مستحق ہے کہ نہیں؟ کس کو حق ہے کہ ایسے وقت میں اُس کے حکم سے سرتابی کرے؟"

راکینہ اور اوغول غامش دونوں جانتی تھیں کہ انھیں یہ حق حاصل ہے۔ ان میں سے ایک بیوہ تمام مغل قبیلوں کی اور دوسری بیوہ سرتاج اور انھیں قبیلوں نے یہ ناقابلِ شکن قسم کھائی تھی کہ جب تک اوغدائی کے خاندان میں گوشت کا ٹکڑا بھی باقی رہے گا، وہ اس کی اطاعت کرتے رہیں گے۔

سیورقوقتنی نے بحث نہ کی۔ باتو اور مغرب کی فوج تو اُس کی طرف دار تھی ہی، وہ خاقان کی گھریلو فوج میں بھی بہت ہر دلعزیز اُس نے سوال کیا۔ "کیا ہمارے مورثِ اعلیٰ نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر اوغدائی کے جانشین نالائق نکلیں تو تخت کے

لیے اور کسی کو تلاش کرو۔"

وہ جانتی تھی کہ تاخیر خطرناک ہے۔ وہ یہ جانتی تھی کہ اگر وطن میں خاقان کا انتخاب ہو تو مغل روایت کی بنا اور اس کا نتیجہ اُس کے خلاف نکلے گا۔ وہ چاہتی تھی کہ انتخاب فوراً ہو اور یہاں وسط ایشیا کے مسلح پڑاؤ میں ہو اچھی طرح جانتی تھی کہ مغرب کا رہنے والا، حرامزادے کا بیٹا باتو خاں ہرگز خاقان نامزد نہ ہوگا۔

بوڑھی توراکینہ غصّہ اور حسد سے تلملا رہی تھی۔ اوغول غائمش جو سیورقوقطنی سے کم ہوشیار تھی۔ شاما پیشین گوئیاں سُن رہی تھی، لیکن منگو کی والدہ نے عملی قدم اٹھایا۔ اُس نے اپنے خانوادے کی سپاہ اور تاکے کو جمع کیا اور گوبی کے ریگستان سے گزر کے پہاڑ کا درّہ پار کیا۔ چغتائی کے دو بیٹے بھی اُس کے ہمراہ روا

اب دونوں لشکروں کا بیشتر حصّہ اُس کے ساتھ تھا اور اس نے یہ فیصلہ کہلا بھیجا کہ قرولتائی باتو کے میں شاہینوں کی جھیل کے کنارے منعقد ہوگی۔

جب وہ باتو کے خیموں میں گھوڑے سے اُتری تو یورپ کے آقا نے تحسین و آفرین سے اُس کا است اور کہا "مجھے منگو میں پختگی، فراست اور طاقت کے آثار نظر آتے ہیں۔ تربیت اور تجربہ کاری کے لح وہی خاقان بننے کا مستحق ہے۔"

یہ الفاظ سننے اور اِس موقع کے انتظار میں سیورقوقطنی نے اُنیس سال کاٹے تھے۔ منگو اور قبلائی دو شہنشاہ بن کر حکومت کرنے کی اہلیت تھی، کیونکہ اُس نے اُس صبر و تحمل کے ساتھ جو دشت کی عورت کا حصّہ ہے، دونوں کی بڑی سختی اور بیدردی سے تربیت کی تھی تاکہ وہ اُس ورثے کو حاصل کرسکیں جو اُس کے شوہر کو نصیب نہ ہوسکا۔

اس کش مکش میں وہ اپنی حریف توراکینہ اور توہم پرست اوغول غائمش کے مقابلے میں جیت گئی۔ اُس دشمن بھی جان گئے کہ وہ جیت گئی۔ توراکینہ نے باتو کے خیمے میں اوغدائی کے گھرانے کی نمائندگی کے لیے قاصد کہلا بھیجا۔ "باتو شہزادوں کا آقا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل اُن پر واجب ہے۔ کوئی اُس کا مشورہ ماننے سے نہ کرے گا۔"

دونوں بیوائیں واپس قراقورم روانہ ہوگئیں اور اپنے ساتھ قویوق کی لاش لیتی گئیں۔ توراکینہ نے یہ اقدا بڑی ہوشیاری کی تھی اور اب تنگ ہوگیا تھا کہ معلوم نہیں قرولتائی کیا فیصلہ کرے۔ اب باتو خاں اس کش مکش مبتلا تھا کہ وہ چنگیز خاں کی یاد سے وفاداری کرے یا سیورقوقطنی کی بات مان لے۔

جب یہ تصفیہ ہوگیا کہ قرولتائی باتو خاں کے خیمے میں منعقد ہوگی تو باہمی خانہ جنگی کا ڈر ختم ہوگیا۔ شہزادے اور نویان اس کے مہمان ہوکر آئے تھے اور انھیں حق تھا کہ وہ جیسے مناسب سمجھیں رائے دیں۔ اوغدائی کے خاندان کا کوئی فرد اس مجلس میں شریک نہ تھا اور قائدو یہاں آنے پر رضامند نہ ہوا۔

باتو صدر نشین بنا مگر بہت دیر تک اس نے خود کچھ نہیں کہا۔ منگو بھی خاموش تھا۔ بہت سے بوڑھے سردار قویوق سے اس لیے ناراض تھے کہ اُس نے اُن کی خاندانی جاگیریں ضبط کر لی تھیں۔ اب وہ اوغدائی کے برسرِ حکومت خاندان کے انتہا پسند طرفدار نہ رہے تھے، لیکن وہ سب کے سب یاسائے چنگیزی اور مغل روایات سے وفاداری کے اصول پر قائم تھے۔

جلائر سردار، کُہن سال ایلچی دائی نے صاف صاف اوغدائی کے خاندان کے حق کی وکالت کی۔ اُس نے کہا "بیس سال پہلے ہم نے عہد کیا تھا کہ اوغدائی کے خاندان سے باہر کسی کو خاقان نہ منتخب کریں گے، جب تک کہ اس خاندان کا ایک لوتھڑا بھی برسرِ حیات ہے۔"

باتو نے اس کا جواب نہ دیا، لیکن قبلائی جو اب پختہ کار ہوچکا تھا، اُس نے اس مسئلے پر بحث کی۔

اور جواب دیا "ہم نے وہی کیا جو تم نے کہا ہے، لیکن اوغدائی کی اولاد ہی نے سب سے پہلے اوغدائی کی وصیت کی خلاف ورزی کی کیونکہ انھوں نے قویوق کو تخت پر بٹھایا، حالانکہ اوغدائی نے کمسن شیرامون کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔"

تب اوغدائی کے طرف دار سرداروں نے حجت کی، تو اب مناسب یہ ہے کہ شیرامون کو خاقان بنا دو۔

اس پر منگوسار نے جو تولوئی کی ماتحتی میں سپہ سالاری کرچکا تھا، کرختگی سے اعتراض کیا "سلطنت کا کاروبار ایک بچے کے ہاتھوں میں نہیں سونپا جاسکتا۔ سلطنت کا کاروبار ہے جنگ کا انصرام۔ کسی ایسے کو خاقان بناؤ جو لڑائی میں سب کی سپہ سالاری کرسکے۔" اُس نے زندہ شہزادوں میں سب سے بڑے شہزادے باتو خاں کا نام تجویز کیا۔

تب باتو نے زبان کھولی۔ وہ صدارت کی مسند پر بیٹھا تھا۔ توجہ سے قطار در قطار لوگ اس کی بات سُن رہے تھے۔ وہ بہت سوچ سمجھ کے تقریر کر رہا تھا اور مغل روایات اور یاسا کا حوالہ دے رہا تھا جو ان کا آخری قانون تھا۔ اس نے اس سے انکار کیا کہ اس کا نام پیش کیا جائے۔

اُس نے کہا "شاہزادوں میں صرف منگو اتنا تجربہ کار ہے کہ ہمارا خاقان بن سکے۔ اُس نے زمانے کا نشیب و فراز دیکھا ہے۔ کئی مرتبہ جنگ اور یلغار میں اس نے سپہ سالاری کی ہے۔ اوغدائی اس کی حکمت اور سخت مزاجی کو بڑی پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا تھا، کیونکہ خاقان نے اس کو میرے اور میرے اُردو کے ساتھ دشتِ قبچاق اور اس کے آگے کے

ملکوں کو روانہ کیا اور ہم نے ان ملکوں کو زیر کیا۔ منگو ہی نے قپچاقوں اور چرکسوں کا زور توڑا اور ان کے ملکوں کو ہماری چراگاہ بنایا۔ اس نے اپنے ہاتھوں وولگا کے سردار کو اسیر کیا۔"

اور بوڑھے سرداروں کی طرف نظریں جما کے باتو نے منگو کی فتوحات کے واقعات دہرائے۔

"اس کے بعد میل والے سال میں اوغدائی خاقان نے اپنی یرلیغ بدلنا کی کہ شہزادے واپس آ جائیں۔ جب وہ واپس آئے تو خاقان کا انتقال ہو چکا تھا۔ یرلیغ کے مطابق اس کے پوتے شیرامون کو اس کا وارث ہونا چاہیئے تھا۔

باتو نے اپنے مخالفوں کو ان کی غلطی یاد دلائی۔ "لیکن توراکینہ خاتون نے اس کا حکم نہ مانا اور اس کے حکم کو بدل کر اس نے ہمارے سروں پر قویوق کو لا بٹھایا۔"

ہوشیاری سے اُس نے انھیں خانہ بدوشوں کا قانون یاد دلایا۔ "یاسا کے حکم کے مطابق اور مغلوں کے رواج کے مطابق باپ کا وارث سب سے چھوٹا بیٹا ہوتا ہے، اس لیے سلطنت کا وارث تولوئی کو ہونا چاہیئے تھا، جو خاندان کے الاؤ کا محافظ اور میرا پیارا چچا تھا۔ منگو تولوئی کا بیٹا ہے چنگیز خاں کا اور کون پوتا اس قابل ہے کہ روشن دماغی اور فراست سے ملک اور فوج کا کام سنبھال سکے۔ قابلیت میں وہ دوسرے شاہزادوں سے ممتاز ہے۔ اس وقت خاقان بننے کا سب سے زیادہ وہی مستحق ہے۔"

باتو کی تقریر کے خاتمے پر کسی نے اس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس پر اُس نے ضیافت کے اختتام کا حکم دیا اور چنگیز خاں کے خاندان کی عظیم الشان خواتین کو یہ پیغام لکھ بھیجا: "منگو ہی وہ شخص ہے جس نے چنگیز خاں کی یرلیغ کو کانوں سے سُنا اور آنکھوں سے دیکھا ہے۔ فوج اور اولوس اور ہم شہزادوں کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ خاقان بنے۔"

پہلے پہل دستور کے مطابق منگو نے انکار کیا۔ ضیافت کے دوران میں قبلائی نے اس سے اصرار کیا۔ چھوٹا بھائی یہ چاہتا تھا کہ منگو منتخب ہو۔ ایک اور نے چلا کے اجتماع کو مخاطب کیا۔

"ہم سب نے عہد کر لیا تھا کہ ہم باتو سائین خاں کا مشورہ قبول کریں گے۔ منگو اکیلا کیسے اس سے انکار کر سکتا ہے؟ کیا اُس پر اپنے وعدے کی پابندی لازم نہیں؟"

منگو نے خاقان بن کے خدمت کرنا منظور کر لیا۔

اب رہ گئی تاج پوشی۔ باتو نے حکم دیا کہ طاقت ور زعیم منگو اور قبلائی کی معیت میں قراقورم جائیں اور اُس دشت کے والیوں کو دعوت نامے بھیجیں کہ وہ منگو کے جشنِ تاج پوشی میں شریک ہوں۔

اُس نے لکھا: "یہ بات پکّی ہو چکی ہے اور ٹوٹ نہیں سکتی۔ اگر منگو کی جگہ کسی اور کا انتخاب ہوتا تو سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑتا اور اگر خاندان کے فرزند دُور اندیشی سے مستقبل کی طرف دیکھیں تو انھیں اندازہ ہوگا کہ اچھا ہی ہوا کہ خاقانوں کی پرانی شاخ کی جگہ نئی شاخ برسرِ حکومت آ گئی ہے، کیوں کہ کم سن بچے سلطنت کا کاروبار نہیں چلا سکتے۔"

پھر بھی اوغدائی کے خاندان کے افراد جشن میں شریک نہ ہوئے۔ ایلچی سوار دشت کی سڑکوں پر ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ تک چکر کاٹنے لگے اور قبیلوں کے سردار اور شہزادے راتوں کو الاؤ کے گرد بیٹھ کے اس صورتِ حال پر بحث کرنے لگے۔

دشت پر شک کا عالم طاری تھا۔ قراقورم کے خالی محلوں میں بیوہ اوغل غائمش اپنے نجومیوں کو طلب کرتی اور مسلمان مہاجنوں کو بڑی بڑی رقموں کی دستاویزیں لکھ دیتی۔ منگو کے خلاف مباحث اور سرگوشیوں کا بازار گرم تھا، لیکن کوئی آگے بڑھ کر کھُلم کھُلا اُس کے خلاف ایک لفظ نہ کہہ سکا۔ باتو خاں اپنے محبوب ملک رُوس کو واپس چلا گیا۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ اسے گٹھیا کی تکلیف جاتی رہی اور تاخیر سے ڈر کے سبوتوقطی نے باتو کو یہ پیغام بھیجا۔

"دو سال سے ہم منگو کو تخت پر بٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر قویوق اور چغتائی کے بیٹے ابھی تک شرکت کے لیے نہیں آئے۔"

باتو نے جواب دیا: "اُسے تخت پر بٹھا دو اور جو یاسا سے انحراف کرے، اُس کا سر قلم کرا دو۔"

خانوادۂ اوغدائی کا خاتمہ

سبوتوقطی نے رسمِ تاج پوشی کی مہمان نوازی کے تمام فرائض بڑی احتیاط سے انجام دیے۔ ہر مہمان جو شامیانے کے دروازے پر آ کے اُترا، اُسے تحفے تحائف دیے۔ عین تاج پوشی کے روز اُس نے قرولتائی کا انتظام نجومیوں سے مشورہ کر کے کیا۔ وہ اس لیے پریشان تھی کہ صبح کو آسمان کالے بادلوں میں چھپ گیا تھا، لیکن عین رسمِ تاج پوشی کے وقت سورج نکل آیا۔

اُس نے بڑی فراست سے مغلوں کی نشستوں کا انتظام کیا۔ باتو کے بھائی برقائی کو جو اپنے خاندان کے پرانے گٹھیا میں مبتلا تھا، آرام دہ گدّوں پر بٹھایا۔ اس کا اُس نے خاص طور پر انتظام کیا کہ اُس کے چھوٹے بیٹے قبلائی کی نظر پڑے۔ اُس نے اُسے برقائی کے آگے بٹھایا "تاکہ سب قبلائی کی تقریر سُن سکیں۔"

منگو کو اپنے مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے دروازے کے قریب بٹھایا اور تیسرے بھائی ہلاکو خاں کو میز کے پاس بٹھایا کہ "کوئی غیر قانونی بات نہ کرنے پائے۔"

پھر پردے کے پیچھے چھپ کے اُس نے دیکھا کہ بگ منگو کو تخت پر بٹھانے لے گئے۔

اُس کی آرزو پوری ہوگئی۔ اُس کے چاروں فرزند سرفراز ہوئے اور تولوئی کے خانزادے کا سردار منگو خاقان بن گیا۔

شہزادے اور نوئین حلقہ باندھے منگو کے اطراف کھڑے تھے۔ ان کے کمربند اظہارِ اطاعت کے ان کے شانوں پر پڑے تھے۔ منگو نے اس انداز میں انھیں خطاب کیا کہ انھیں حیرت ہوئی۔

اس خاموش آدمی نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ہر طرح کی زندہ مخلوق کو امن اور چین نصیب ہو۔ میری یہ ہے کہ آج کے دن کوئی جاندار کسی اور جاندار پر ظلم نہ کرے۔ ہر شخص لطف اٹھائے اور ہر ایک کو اپنے حصے م ملے۔ آج گھریلو جانوروں پر کوئی سواری یا باربرداری نہ کرے۔ انھیں کھول دیا جائے۔ جو جانور آج کھانے جا گے ان کا خون نہ بہایا جائے۔ آج چڑیا یا چرتے ہوئے جانور کا جال یا تیر سے شکار نہ کیا جائے۔ چڑیوں کا جی چاہے اُڑتی پھریں۔"

بوڑھے مغلوں کی رائے تھی کہ خاقان کو ایسی نرم تقریر نہ کرنی چاہیئے۔ اس زریں شامیانے میں ضیافت رہی تھی جو بوڑھے بلواچ نے نوجوان خاقان کو تحفتہً دیا تھا اور شراب اور گھوڑیوں کے دودھ کے چھکڑے کے چھکڑے شامیانے کے دروازے پر آکے خالی ہو رہے تھے کہ ضیافت پر دفعتہً ایک طرح کی اُداسی سایہ افگن ہ ایک خچر ہنکانے والا آیا اور اس نے خاقان سے بات کرنے کی اجازت چاہی۔ اُس نے کہا کہ میں ایک خچر کو تلاش کر رہا جو راستہ بھٹک گیا تھا کہ مجھے سواروں کا ایک دستہ ملا جن کے ساتھ بھرے ہوئے چھکڑے تھے اور وہ قراقرم کی آرہا تھا۔ دستے کے ایک لڑکے نے اس خچر ہنکانے والے کو ایک ٹوٹے ہوئے پہیے کی مرمت کے لیے بلایا، تو نے دیکھا کہ چھکڑے میں ہتھیار بھرے ہوئے ہیں۔ دوسرے چھکڑوں میں بھی ہتھیار بھرے تھے اور اُس نے یہ بھی کہ یہ سوار ادغدائی کے خاندان کے شہزادوں کے بھیجے ہوئے آئے ہیں کہ جب منگو اور مہمان ضیافت میں شراب سے مدہوش ہو جائیں تو انھیں قتل کر ڈالیں۔

منگو اور دوسروں نے اس قصّے کو زیادہ اہمیت نہ دی، مگر خچر ہنکانے والا اپنی کہانی پر اڑا رہا۔ وہ تین سو کی مسافت ایک دن میں طے کر کے محض خاقان کو آگاہ کرنے آیا تھا۔ تب منگو نے بوڑھے جرنل منگوسار کو حکم دیا کہ ان سواروں کو ان کے چھکڑوں سمیت لیتا آئے۔

جب یہ ضیافت میں پہنچے تو ان کا استقبال کیا گیا۔ منگو نے بلا ماسمگی کے انھیں اپنے لوگوں کے ساتھ بٹھا

نے انھیں خچر ہنکانے والے کا ذکر سنایا اور کہا۔ "ایسی باتوں پر آسانی سے اعتبار نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ بھی ضروری کہ تم پر شک باقی نہ رہے، کیوں کہ شک ایسی شے ہے جو وقت سے زائل نہیں ہوتا، بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اگر تم اہ ہو تو جس نے تم پر الزام لگایا ہے اُسے سخت سزا دی جائے گی۔"

اس براہِ راست سوال جواب کے بعد ادغدائی کے خانزادے کے نوئینوں کو اقبال کرتے ہی بن پڑا کہ منگو کے سازش کی گئی تھی۔ ادغول غائمش اور شیرامون یعنی اُس لڑکے کی ماں جسے ادغدائی نے خاقان نامزد کیا تھا شہزادوں کو اُس قسم کا واسطہ دے رہی تھیں، جو انھوں نے خانوادۂ ادغدائی کی وفاداری کے لیے کھائی تھی۔

منگو خاں نے اس مسئلے پر غور کیا۔ جن افسروں کو ہتھیاروں سمیت پکڑا گیا تھا انھوں نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ نے سچی بات بتائی تھی۔ اُن کی خطا ہی کیا تھی۔ اس نے تصفیہ کیا کہ انھیں چھوڑ دے، لیکن اُس نے دیکھا کہ بلواچ، شامیانے میں پیچھے چپکا کھڑا ہے اور کچھ نہیں کہتا۔

اُس نے چڑ کے پوچھا۔ "تم کچھ کہتے کیوں نہیں؟"

بلواچ نے جواب دیا۔ "یہاں میں کیا عرض کر سکتا ہوں، لیکن اگر خاقان میرے ساتھ میرے باغ کو تشریف لائیں انھیں دکھلاؤں کہ باغ کیسے لگایا جاتا ہے۔ میں گہری جڑوں والے پرانے تناور درختوں کو اُکھاڑ پھینکوں اور ان نرم اور سرسبز پودے لگاؤں۔"

منگو نے اس تشبیہ کو سمجھ کے پھر سے غور کیا۔ اُس نے حکم دیا کہ ان افسروں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی ان کے بیٹوں کا تقرر کیا جائے۔

اُس نے تیزی اور سختی سے اس سازش کا انسداد کیا۔ خود ہٹ گیا اور خاندان میں اس استیصال کا فرض بوڑھے سالار منگوسار کے سپرد کیا۔ اُس نے ادغول غائمش اور شیرامون کی والدہ کو سیورقوقتنی کے پڑاؤ میں پکڑ بلایا۔ اُس کی ماں ان قیدی عورتوں پر رحم نہ کیا۔ اُس نے حکم دیا کہ قزیوق کی بیوہ کے ہاتھ چمڑے کے تھیلے میں سی دیے جائیں اور ا منگوسار کو حکم دیا کہ تم انصاف کرو۔

بوڑھے جرنل نے ادغول غائمش کو برہنہ کر کے اُس پر جادوگری کا الزام لگایا۔

اُس نے بڑے غضب سے پوچھا۔ "تم میرے جسم پر کیسے نظر ڈال سکتے ہو جسے سوائے ایک شہنشاہ کے کسی اور کی ھوں نے نہیں دیکھا۔"

منگوسار نے سمور کے کپڑوں میں اُس کی ہڈی پسلی کچل کے اُ ے پانی میں ڈبونے کے لیے پھنکوا دیا۔ جو شامان

اُس کے اور شیرامُون کی ماں کے نوکر تھے اُن کا بھی یہی حشر ہُوا۔

منگو نے کچھ عرصہ کے بعد فرانس کے شاہ لوئی کے سفیر سے اوغول غائمش کا ذکر اِن الفاظ میں کیا: "وہ عورت جو کُتیا سے بدتر تھی، صلح اور جنگ کے مسائل کو کیا خاک سمجھ سکتی تھی۔ وہ اس عظیم دُنیا کو امن اور چین سکتی تھی؟"

منگو کے مسلح جاسوسوں نے ایک ایک کر کے رقیب خاندان کے ارکینِ دولت کا خاتمہ کر ڈالا۔ ان کا لیغ، وزیر چنکائی قتل کر دیا گیا۔ ان کا دوست بُوری پکڑ کے باتو کے پاس بھیجا گیا جس کو اُس سے پُرانی کد تھی۔ بُوری، ساتین خاں کی پیشی میں پیش ہُوا تو اُس نے کہا: "جب مَیں نے آپ کو بڑھیا کہا تو مَیں نشے سے مدہوش تھا۔" باتو نے غُصّہ سے جواب دیا: "تم نے مدہوشی کے عالم میں جو الفاظ کہے تھے تمھیں خوب یاد ہیں۔" اس نے بُوری کو قتل کرا دیا۔

خاقان کے سفیروں نے قدآن کو اپنے پڑاؤ میں اکیلا پایا۔ یہ یورپ کی مہم میں بُوری کا ساتھی تھا۔ اُس نے ان سفیروں سے کہا: "میرے سارے دوست ختم ہو چکے اب میری باری ہے۔"

اُسے اپنے لوگوں سے الگ کر کے قراقرم سے بہت دُور ایک چراگاہ میں بھیج دیا گیا۔ کم سن شیرامون کو درخواست پر اُس کے حوالے کر دیا گیا اور قبلائی اُسے زندہ سلامت اپنے ساتھ چین لے گیا۔ صرف قائدو سازش سے بچا، کیونکہ کوئی ہنگری کے فاتح پر الزام نہ لگانا چاہتا تھا۔ مغلوں کے وطن سے بہت دُور دریائے ایلی کے کا علاقہ اُسے تفویض کیا گیا۔ یہ نوجوان جنگجو احتجاج کے بغیر جلاوطن ہو گیا، لیکن اُس کے دل میں جو غُصّہ اور وہ ہمیشہ باقی رہا۔

چغتائی کے خاندان کا یہ انتشار، خنزیر والے سال یعنی ۱۲۵۱ء میں واقع ہُوا۔ مغلوں کی جانوروں کی لحاظ سے اوغدائی کی تاج پوشی ہوئے قریب قریب دو درجن سال گزر چکے تھے۔

اگلے سال منگو اور قبلائی کی ماں سیورقوقتنی نے مرض الموت سے وفات پائی۔ منگو نے تدفین کے وقت کو ملکۂ جہاں کا خطاب دیا۔ وہ تولوئی کے پہلو میں چنگیز خاں کی قبر کے پاس اُس وادی میں دفن ہوئی جو طاقت کے کے دامن میں تھی۔

رشید کا بیان ہے: "وہ دنیا بھر کی خواتین میں سب سے زیادہ دانشمند تھی۔ اُس نے اس وقت لڑکوں کی نگہداشت کی، جب تک کہ اُس کے حُسنِ انتظام سے سلطنت منگو خاں کے قبضے میں آ گئی۔ اگرچہ کہ وہ

تھی لیکن وہ مُسلمانوں سے بھی فراخ دلی اور فیاضی کا سلوک کرتی تھی۔ مُوش والے سال تک اُس کا یہی دستور ۔ اِلّا ماشاء اللہ۔"

سیورقوقتنی نے اپنے لڑکوں کو اس لیے تعلیم دلوائی تھی کہ وہ نرے خانہ بدوش نہ رہیں۔ منگو نے جنگ کے مکتب تعلیم پائی تھی۔ پُرانے یورچی گون کی طرح وہ خاندان کے دشمنوں کا سر کُچل سکتا تھا۔ قبلائی اپنی ماں سیورقوقتنی کا چہیتا بیٹا ۔ اس بیٹے میں اُسے دانشمندی اور سکون کی وہ رُوحِ عمل نظر آتی تھی جو بلاخطر بڑے سے بڑے امتحان سے گزر قبلائی کو اپنی ماں کا حُسنِ ذوق ورثے میں ملا تھا کیونکہ پوشیدہ طور پر وہ یہ چاہتی تھی کہ اس کے لڑکوں کو بھی وہی شان و نصیب ہو جو اُس کے گھرانے کے پُرانے آقا کو حاصل تھی جس کا لقب ایشیا کا پریسٹر جان تھا۔

سیورقوقتنی نے خانوادۂ اوغدائی کو جس طرح ہزیمت دی تھی، وہ یاسا یعنی مغلوں کے اعلیٰ ترین قانون کی ورزی تھی۔ خاندانِ زرّیں میں نفاق پیدا ہو گیا تھا۔ اوغدائی اور تولوئی کے گھرانوں میں یہ رقابت کئی پشتوں تک ری، حالانکہ اُس وقت منگو نے سخت گیری سے اسے فرو کر دیا تھا، لیکن مستقبل میں ایک نئے طریقے سے اس سے نئے ایشیا کی تعمیر ہونے والی تھی۔

کیونکہ مغلوں کے طرزِ خیال میں ایک نازک تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ یہ خانہ بدوش اب تک چنگیز خاں کے چار بیٹوں لطنت کے چار ستون سمجھتے تھے جنھوں نے آپس میں مل جُل کر امن چین سے فتوحات میں حصّہ لیا تھا۔ اب صرف منگو اور باتو مشرق اور مغرب میں دو شہنشاہوں کی حیثیت سے حکومت کر رہے تھے۔

مغلوں کے دل سے چنگیز خاں کی مُولدہ، خاندانی مُورثِ اعلیٰ خاتون اور نیلے بھیڑیے اور آبائی بورجی گون قبیلے کی قوت کم ہوتی جا رہی تھی۔

اب بھی وطن میں طاقت کے پہاڑ کے قریب جنگ کا عظیم الشان پرچم بلند تھا۔ فوج کے نشانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ بڑے بوڑھے اب بھی پرانی روایات دُہراتے تھے، لیکن منگو کے عروج کے ساتھ ایک نئی طرح کی فراست مغل دنیا کی رہنمائی کرنے لگی۔ اس کی ذات میں قبائلی روایات اور حاصل کی ہوئی تعلیم باہم کشمکش میں مبتلا تھیں۔ وہ طاقت سے زیادہ عقل کا پیرو تھا۔

منگو خاں دراصل یلیو چیت سائی کی انتھک محنت اور صبر کا پھل تھا۔ اُس کی ذات میں اِس ختائی وزیر نے خاں پر فتح حاصل کی تھی۔

۶

بَاتُوَنامہ

(۶)

باتو نامہ

اب باتو جو بننا چاہتا تھا، بن چکا تھا۔ جب صدی کے خاتمے پر سائین خاں اپنے محبوب دریائے . . اتگا کے کنارے
آیا تو اس کا ارادہ ہرگز یہ نہیں تھا کہ پھر مشرق واپس جائے۔ وہ جو محروم الارث تھا، اُس نے صبر و استقلال اور
اور خوش نصیبی سے ایک بہت بڑے ورثے پر قبضہ کر لیا تھا۔

وہ بلاروک ٹوک مغرب میں حکومت کر رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ قراقورم کے خاقان کا فرماں بردار ہے،
منگو خاقان ہے جو اُس کا چھوٹا عم زاد بھائی اور دوست ہے۔ اُسی نے منگو کو تخت پر بٹھایا ہے اور اُسے صلے کا
منگو کا دارو غہ جی یا گورنر باتو کے دربار میں بیٹھتا ہے، مردم شماری کی تنقیح کرتا ہے، قراقورم بھیجنے کے لیے تحائف
کرتا ہے، لیکن خاقان کی سیادت کی لگام ڈھیلی ڈھالی ہے۔

منگو نے یہ منظور کر لیا ہے کہ مغرب کی چراگاہوں کا بحرِ ذخّار باتو خاں کی اولاد کو ورثے میں ملے گا۔ اب باتو کو خاندانِ زریں
ہی اب وہ اپنے خانہ بدوش خاندان کا خود سردار ہے جو آلتین اُردو یا زریں خیل کہلاتا ہے۔ اُس کی رُوسی رعایا ابھی
کہنے لگی ہے۔ یہ لفظ قیصر یا سیزر کا رُوسی تلفظ ہے۔

اپل نی لکھتا ہے: "وہ اپنی قوم سے مہربانی سے پیش آتا ہے، لیکن لوگ اس سے بہت ڈرتے ہیں، کیونکہ وہ جنگ
آزمودہ اور محتاط ہے اور دوسروں سے اُس کا سلوک ظالمانہ ہے۔"

اب کسی کو اس کی فکر نہیں کہ سائین خاں کا باپ حرام زادہ تھا۔ اُس کی طبیعت اپنے باپ جوجی کی بے چین اور وحشی
بہت مختلف ہے۔ اُس کے ٹھاٹھ شاہانہ ہیں۔ جب وہ اپنے خیمے سے برآمد ہوتا ہے تو اُس کے سر کے اوپر
چتر ہوتا ہے۔ اب کسی کی مجال نہیں کہ اُس کی ہنسی اُڑائے یا اُسے "بڑھیا" کہہ کے پکارے۔ جب وہ شراب
تو تاتاری ساز بجتے ہیں۔ اُس کے جام طلائی ہیں، مگر اب بھی اُن میں وہی گھوڑیوں کا دودھ بھرا ہوتا ہے۔
اُس کے پڑاؤ کے ساتھ ساتھ سولہ بیویوں کے چھکڑے چلتے ہیں اور اُسے اپنے سب بیٹوں کے نام اچھی طرح

اس کے حکم سے وولگا کے کنارے ایک شہر آباد ہُوا ہے جس کا نام "سرائے" ہے، جس کی فصیلیں کچی ہیں۔ جس
میں مشرق اور مغرب کے تاجر حاضر ہوتے ہیں، جو بہت بڑی تجارت گاہ ہے۔ بہار کے موسم میں باتو

دریاے وولگا کے بائیں کنارے پر آگے بڑھتا ہے اور اُس کے بیٹے دائیں کنارے پر شمال کی نم چراگاہوں کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ جاڑوں میں جب دریا یخ بستہ ہو جاتا ہے تو وہ دریا پار کر کے اپنے باپ کے پاس جاتے ہیں تاکہ مل جُل کے الاؤ کے گرد گپ شپ کریں۔

وہ اس کی بڑی احتیاط کرتا ہے کہ اپنے گندے ہاتھ بہتے پانی میں نہ دھوئے، کیونکہ اس سے پانی کی ارواح ناراض ہو جائیں گی، لیکن اُسے اس میں بڑا مزا آتا ہے کہ اُس کے فربہ اندام پر کنیزیں مُشک ملیں۔ اس کے چوڑے سر کے پیچھے دو موٹی موٹی چوٹیاں ہیں جن میں اس کے سب سے قیمتی جواہرات گندھے ہوئے ہیں۔ اس کے گٹھیا سے متورم ٹخنوں میں قرمزی کپڑے کی جوتیاں ہیں جیسی ریشم کے زیر جامے پر وہ بھیڑیے کی کھال پہنے ہے۔

اُس کے قبضے میں اب بھی تلوار ہے لیکن تلوار کا قبضہ خالص چاندی کا ہے۔ اس کے کمر بند میں طلائی ٹکے ہوئے جگمگا رہے ہیں۔ اس کے سر کی منڈھی ہوئی ٹوپی پر موتی جڑے ہوئے ہیں۔ باتو خاں چینی "لینیا" سے بہت دُور ہٹ آیا ہے۔ وہ خود مختار ہے۔ خوش حال رئیس بزرگ ہے، اور خیز فردوس میں خانہ بدوش ہے۔

اُس زمانے میں ایک کہاوت عام تھی۔ "سائین خاں کے حکم کے بغیر تو کتا بھی نہیں بھونک سکتا۔"

وولگا کے مشرقی کنارے سے وہ ایک خانہ بدوش حاکم کے انداز سے حکومت کرتا ہے۔ بہت کم وہ اپنی رعایا کے درمیان جانے کی ہمت کرتا ہے۔ اُس کے محصول جمع کرنے والوں کو جو "باش قاش" کہلاتے ہیں، رعایا خون والے کہتی ہے۔ یہ گاؤں گاؤں پھرتے ہیں جن سرداروں کی اتنی ہمت ہوتی ہے کہ بنفسِ نفیس اُس کے حضور میں ہوں، تحفے لے کر آتے ہیں اور اُس کے قدموں کے سامنے قالین پر جبیں سائی کرتے ہیں۔

رئیس اعظم میخائیل کا مقدمہ

ایسی باریابیوں کا کبھی کبھی عجیب و غریب انجام ہوتا ہے کیونکہ محکوم رئیس مغلوں کے طور طریقے اچھی طرح جانتے۔ کیف سے رئیس اعظم میخائیل کی طلبی کا حکم صادر ہوتا ہے۔ باتو کے قاصد اُس سے کہتے ہیں۔ "یہ مناسب ہے کہ تم خاقان اور باتو خاں کی سرزمین میں رہو اور حاضر ہو کے اُن کے آگے تسلیمات نہ عرض کرو۔"

رئیس میخائیل اپنے گورنر فیڈور کے ساتھ اس خوف و ہراس کے ساتھ جاتا ہے کہ معلوم نہیں کیا بے کی جاتی ہے کیونکہ ملک میں یہ افواہ گرم ہے کہ جو باتو کے سامنے حاضر ہوتے ہیں، انھیں جادوگر پکڑ کے دو دہکتے

الاؤوں کے درمیان سے لے جاتے ہیں اور زار باتو کے پڑاؤ میں انھیں غیر مرئی دیوتاؤں کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے اور مذہب کے پابند زاہد دمرتاض رُوسی یہ سمجھتے ہیں کہ کافروں کی دہکتی ہوئی آگ کے جادو سے ہو کر گزرنے یا غیر مرئی دیوتاؤں کے آگے سر جھکانے سے اُن کی روحیں جہنّم واصل ہو جائیں گی۔

(دراصل مغل شامان اجنبیوں کو دہکتے ہوئے الاؤوں کے درمیان سے اس لیے لے جاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی خطرناک طلسم یا تعویذ یا غیر مرئی ہتھیار ہو تو آگ کے دیوتاؤں کے حکم سے اس کا اثر زائل ہو جائے اور آنے والوں کو حکم تھا کہ مشرق کی طرف جہاں خاقان کا پایۂ تخت تھا سجدہ کریں)

میخائیل اور فیڈور کو شامیانے کے دروازے پر لایا گیا، جہاں الاؤ تھے۔ میخائیل نے کہا۔ "عیسائیوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ الاؤ کے درمیان سے ہو کر گزریں یا پادری کے سوا اور کسی کے آگے سر جھکائیں۔"

تب شامان اور مغل چوکیدار باتو خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا۔ باتو کو غصہ آگیا اُس نے حکم دیا۔ "انھوں نے میرے حکم سے سرتابی کیسے کی؟ اگر وہ لوگ میرے حکم کی تعمیل کریں گے تو میں اپنے ہاتھ سے انھیں ریاست دوں گا، اگر انکار کریں گے تو انھیں قتل کرا دوں گا۔"

الاؤ کے پاس یہ پیغام رُوسیوں کو پہنچایا گیا۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ فیڈور نے میخائیل سے کہا۔ "اگر کسی کی روح جہنّم واصل ہو جائے تو اس کے عوض اگر اسے ساری دنیا کی بادشاہی بھی نصیب ہو تو کیا فائدہ؟" دونوں نے قطعی طور پر یہ جواب دیا۔ "ہم زار کے آگے ضرور سر جھکائیں گے کیونکہ خدا نے اسے سلطنت عطا کی ہے مگر ہم اور چیزوں کے آگے سر نہ جھکائیں گے۔"

اس پر باتو خاں کے خانوادے کے افسر نے رئیس کو جتلایا۔ "میخائیل احتیاط کرو۔ تمھارے سر پر موت کھیل رہی ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ چوکیداروں نے جھپٹ کے اُسے گرا دیا، اُس کے دونوں ہاتھ پھیلائے، اس کے دل پر زور سے گھونسے لگائے۔ یہاں تک کہ اُس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی (چونکہ میخائیل کی رگوں میں شاہی خون تھا انھوں نے اس کی بڑی احتیاط کی کہ اس کا خون نہ بہنے پائے)

یہ قصہ نووگرود کے صحیفے میں درج ہے، جس میں کیتانہ میخائیل کو شہیدوں میں شمار کیا گیا ہے۔

زار باتو بڑی احتیاط سے فرمانروائی کرتا ہے۔ وہ سکّے ڈھالتا ہے تاکہ رُوسی جن کے پاس سکّے نہیں،

خراج ادا کرسکیں۔ وہ جنوبی دریاؤں کے دہانوں پر نمک کے کھیتوں کی پیداوار کا حساب لگاتا ہے اور یورال کے علاقے میں چاندی کی کانوں کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ہر انسان پر اُس نے جانور کی پانچ کھالوں کا محصول عائد کیا ہے۔ ایک کھال سفید ریچھ کی، ایک کالی لومڑی کی، ایک بیودر کی، ایک سمور اور ایک کھال منطقۂ شمالی کے پلنگ کی۔

اُس کا خزانہ گھوڑوں پر چلتا پھرتا ہے اور موٹی دُم والی بھیڑوں اور گھوڑوں پر مشتمل ہے جن کی تعداد روز افزوں ہے۔ دشت بھر شکار میں پکڑے ہوئے جانوروں سے گونج رہا ہے۔ اب بھوک نہیں ستائے گی۔

باہر کی دُنیا میں قحط کے آثار ہیں۔ اگر چین کے دریاؤں میں طوفان آجائے یا پانی نہ برسے تو وہ انسان نما جانور یعنی کھیتوں کے کسان بھوکوں مرجائیں۔ نیل کے کنارے اگر پانی کی سطح اونچی نہ ہو تو فلاحین مجبور ہو جائیں کہ اگلے سال کاشت کے لیے جو دانے انھوں نے سنبھال کے رکھے ہیں، کھا پی کے ختم کردیں۔ یورپ میں نچلے طبقے کے محکوم لوگ جڑی بوٹیاں کُوٹ کُوٹ کے کھائیں۔ بہت سے اہلِ قبائل جو باتو خاں کے آگے سرِ اطاعت خم کرنے کو حاضر ہوئے ہیں، اپنے دشمنوں کی لاشیں کھا کھا کے جی رہے ہیں۔ ایشیائے کوچک کے تُرک اپنی جُوتیاں اُبال اُبال کے کھا رہے ہیں۔

جنگ اور طاعون سے زیادہ وحشی قبائل کے اس یلغار و ہجرت کے زمانے میں قحط کا اندیشہ ہے جو انسانوں کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے۔ جب کسی سرزمین پر قحط کی یورش ہوتی ہے تو انسان ہجرت کر جاتے ہیں۔ ماں باپ ایک وقت کے کھانے کے عوض بچوں کو بیچ ڈالتے ہیں تاکہ شاید امیر گھر میں بچے زندہ بچ جائیں یا چلتے چلتے راستے میں آبادیوں پر حملہ کرتے ہیں کہ کھانے کو کچھ گوشت یا اناج مل جائے۔

لیکن اب زرّیں خیل قحط سے محفوظ ہے۔ اُس کے بے شمار گلّے دشت کی چراگاہوں میں چر رہے ہیں۔ تپتی ہوئی گرمیوں میں بھی جب کہ اونچی اونچی گھاس زرد پڑ جاتی ہے اور آندھی سے اس پر خاک برسنے لگتی ہے، دریاؤں اور دلدلوں کے کنارے نرم اور سبز گھاس ہوتی ہے اور یہ دریا، یائک (یورال)، ایتل (وولگا) اور تانا (ڈان) کبھی بھی دھوکا نہیں دیتے۔

باتو کی چراگاہوں میں بھانت بھانت کے جانور جمع ہیں۔ اُس کے شکاریوں نے قفقاز میں شعوری بھینسیں اور شیر [illegible] ہیں۔ اُس کے شاہانوں کے پاس سدھے ہوئے ریچھ ہیں۔ خود خان کے اپنے پاس بہترین شہباز اور کافوری شاہین شکار کے لیے موجود ہیں۔ آنے والے مسلم تاجر مصر سے عجیب طرح کے جانور لائے ہیں۔ زراف جو درختوں کی پھنگیں کھاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے انسان نما جانور بندر۔ —— یہ بندر اپنے کرتبوں سے مغلوں کو ہنساتے ہنساتے ان کے [illegible] میں بل ڈال دیتے ہیں۔

باتو خاں تنہا اور طاقت ور خان، اپنے بے چین تُرک قبیلوں کو ایک واحد خانہ بدوش قوم کی شکل میں ڈھال رہا ہے! امن کا جویا ہے۔ وہ چنگیز خاں کے اس قول پر عمل کر رہا ہے۔ "رزم میں شیروں کی طرح لڑو، امن ہو تو قمریوں کی طرح [illegible]" جب مغل فتوحات کا ڈراؤنا دور گزر چکا تو باتو خاں نے اس کی کوشش کی کہ ہر کارآمد چیز کی حفاظت کی جائے۔ اُس کے حکم سے لڑائی ہو تو ہو ورنہ کسی لڑائی جھگڑے کی اجازت نہ تھی۔ رُوسی رئیس بھی ایک دوسرے سے اس کی اجازت کے بغیر نہ لڑ سکتے تھے اور وہ یہ اجازت نہ دیتا۔ اس طرح مشرقی یورپ کو خانہ بدوشوں کا عطا کیا ہوا یہ عجیب و غریب امن نصیب ہوا اور مفتوحہ قومیں حیران تھیں کہ دیکھیے اب کیا پیش آتا ہے؟

ایک مشہور عورت باتو خاں کے حکم سے سرتابی کرتی ہے۔ یہ گرجستانیوں کی ملکہ رُسُودان ہے، جس پر لوگوں کی نظر بار بار پڑتی ہے۔ گرجستانیوں کی حسین قوم میں وہ سب سے زیادہ حسین ہے۔ اُس کی اُفتادِ طبیعت ایسی ہے جیسے کوئی ایشیائی کلیوپیٹرا!

اُس کے بے شمار عاشق ہیں۔ جب اُس کا کسی عاشق سے جی اُکتا جاتا ہے تو وہ اپنے قلعہ کے بُرج کے سنگین حصار سے اُسے نیچے دھکیل کے قتل کرنے کا حکم صادر کرتی ہے۔ اگر کوئی اُس کی رقیب ہے تو اُس کی اُسی جیسی زاہد فریب بیٹی تھمر۔ کھٹ آجائے تو وہ تھمر پر باپ بھائی سے ملوث ہونے کا الزام بھی لگا سکتی ہے۔

مغلوں کی آمد سے پہلے کسی کی ہمت نہ تھی کہ اُس کی حکومت کی مزاحمت کرے۔ اُس کا بھتیجا داؤد، حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ایک کنوئیں میں قید ہے، جہاں اُس کے ساتھی سانپ بچھو ہیں۔

باتو خاں اُس کے حُسن اور اُس کی طبیعت کا حال سُنتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ قفقاز جیسے شورہ پشت علاقے پر حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں نہ ہونی چاہیئے۔ ممکن ہے کہ وہ اس عیسائی ساحرہ سے جسمانی وصل کا طالب ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اُسے اِس عورت کے متعلق تجسّس اور دلچسپی ہے اور اُسے یہ توقع ہے کہ میخائیل اور دوسروں کی طرح وہ بھی اُس کے دربار میں ناصیہ فرسائی کے لیے حاضر ہوگی۔ وہ اس کی طلبی کا حکم صادر کرتا ہے، لیکن رُسُودان قفقاز کی بلند ترین چوٹیوں میں، تفلیس کی برف گاہ میں جمی بیٹھی رہتی ہے۔ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔

اب باتو خاں طلبی کے ساتھ درخواست اور تحفے روانہ کرتا ہے۔ اس پر بھی رُسُودان نمودار نہیں ہوتی۔ ہوشیار مغل اُس کے بھتیجے داؤد کو جو کنوئیں میں زندہ دفن تھا، نکال کے قراقرم میں خاقان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور وہ اُسے گرجستانیوں کا بادشاہ مقرر کرتا ہے۔

آخر تک رُسُودان باتو خاں کا حکم نہیں مانتی۔ زہر کھا کے مرجاتی ہے۔ شاید اس لیے کہ مغل اُسے پکڑ کے باتو کی

خیمہ گاہ کو نہ لے جائیں شاید اس لیے کہ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اُس کے تخت پر اُس کی جگہ اُس کا بھتیجا بیٹھے۔

اسی زمانے میں سائین خاں کا سب سے بڑا لڑکا اپنی مرضی سے مغلوں کے عام راستے سے انحراف اختیار کر ہے۔ یہ بیٹا سرتاک دولستوری عیسائیوں کا شاگرد ہے، عیسائیوں کو اچھا سمجھتا ہے اور اس کی اجازت دیتا ہے کہ یہ جیسا اس پر بپتسمہ کی رسم انجام دیں۔ بظاہر باتو خاں کوئی مزاحمت نہیں کرتا، حالانکہ وہ خود آخیر تک کافر رہتا ہے۔ اپنی سلطنت کے شمالی گوشے سے وہ اب بھی باب آسمان پر شمالی روشنیوں کا رقص سرما کی راتوں میں دیکھ سکتا ہے۔ یہ روشنیاں بادوا جیسے شعلوں میں بلند ہوتی ہیں اور غائب ہو جاتی ہیں۔

اُس کے بھائی برقائی نے ایک مختلف مسلک اختیار کیا ہے۔ آغا برقائی جس نے منگو خاں کی تاج پوشی کی رسم میر صدارت کا فرض انجام دیا تھا جس کے پیر خود سیور قوقتنی نے بڑی احتیاط سے تکیوں پر رکھے تھے۔ قفقاز کے کنارے کی چراگاہوں کا مالک ہے، جہاں وہ مسلمانوں سے ملتا ہے۔ وہ اسلام اور جہاد کی تبلیغ کرتے ہیں اور برقائی اسلام پر ایمان لے آتا ہے۔

چنگیز خاں کے خاندان میں وہ پہلا آدمی ہے جو کوئی اور مذہب قبول کرتا ہے۔ ڈر کے مارے وہ اپنے بھائی سے اپنا مذہب چھپاتا ہے۔ باتو تک یہ بات پہنچتی ہے کہ برقائی کعبے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے لگا ہے۔ وہ اپنے بھائی کو بلا بھیجتا ہے۔

وہ برقائی کو کوئی سزا نہیں دیتا، صرف خطرناک قفقاز سے ہٹا کے اُسے شمالی چراگاہوں کا علاقہ عطا کرتا ہے تاکہ وہ مسلمانوں سے دُور رہے۔

لیکن اب باتو خاں کے گھرانے میں ایک ایسی تحریک جڑ پکڑ چکی ہے جو زرّیں خیل کی اصل اور فطرت بدل دے گی

راہب ولیم کی سیاحت

اس دوران میں باتو خاں کا نام یورپ کے درباروں میں مشہور ہو چکا ہے۔ متعصب عیسائی شاہِ فرانس لوئی اس زمانے میں مصر میں جنگِ صلیبی میں لڑ رہا تھا، اُس نے ایک ذاتی جاسوس بھیجا کہ معلوم کرے کہ طاقتور باتو خاں کس قماش کا آدمی ہے اور مسلمانوں کے خلاف اس کو بطور حلیف کے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

یہ قاصد ایک برہنہ پا راہب تھا جس کا نام ولیم سا کن رُو برو ک تھا۔ فربہ اندام اور حاضر جواب تھا۔ اُسے سیاحت اور ذہانت دونوں کی ضرورت اس لیے تھی کہ اُس کی سفارت اصل میں جاسوسی ہی تھی۔

اُس سے پہلے ایک اور قاصد قراقورم روانہ ہو چکا تھا۔ یہ راہب انڈریو تھا، جو شاہ لوئی کی جانب سے مغل خاقان کے لیے ایک سُرخ کلیسائی خیمہ تحفتہً لے گیا تھا۔ ہُوا یوں کہ یہ سرخ خیمہ اغول غائمش کے ہاتھ لگا جو اُس زمانے میں برسرِ اقتدار تھی اور اُس نے اِس تحفے کو فرانسیسی بادشاہ کا خراجِ اطاعت سمجھا۔ اُس نے اپنے حاشیہ برداروں سے کہا، دیکھو فرانسیسیوں کے بادشاہ نے اطاعت کے اظہار کے لیے ہمیں یہ تحفہ بھیجا ہے۔

لوئی نے جب یہ سُنا تو اُسے بڑا غصہ آیا اور اُس نے ولیم ساکن رُو برو ک کو تنبیہ کی کہ وہ ہرگز مغلوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہونے دے کہ وہ سفیر بن کر آیا ہے۔

اس وجہ سے یہ مہم راہب ولیم کے لیے اور دشوار ہو گئی کیوں کہ یہ مغلوں کی سمجھ سے باہر تھا کہ ایک شخص جو نہ سفیر ہے نہ تاجر، آخر کیوں عیسائی بادشاہ کے پاس سے خانِ اعظم کی خدمت میں آیا ہے۔ مزید برآں یہ فندی فرانسسکی راہب درویشوں جیسا بھدا سا لبادہ پہنے رہتا۔ وہ مغلوں کے لیے سر بمہر خطوط لایا تھا، لیکن کوئی تحائف نہیں۔ اُس کے ساتھ صرف اس کے اپنے کپڑے، مذہبی کتابیں، خوشبو، پھل، بسکٹ اور ایک مسکیتل شراب تھی جو اُسے مرغوب تھی۔ راہب ولیم کو اپنی ساری ذہانت کام چلانے کے لیے درکار تھی۔

وہ بیان کرتا ہے: "جب ہم پہلی بار تاتاریوں سے ملے تو مَیں یہ سمجھا کہ مَیں کسی اور صدی میں ہوں۔"

اُس نے انھیں اپنی مسکیتل شراب چکھائی اور اُن کے ہاں سے گھوڑیوں کا دودھ پیا، جس سے وہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اُس نے سمجھایا کہ وہ شاہِ فرانس کے پاس سے آیا ہے جو زیارت کے لیے سفر کر رہا ہے۔ وہ سرتاک سے ملنا چاہتا ہے جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ عیسائی ہو گیا ہے۔

یہ آدمی مغلوں کی سمجھ میں نہیں آیا، مگر انھوں نے اسے سواری کے لیے گھوڑے دیے اور چوکیوں کے راستے اسے تیزی سے باتو خاں کے خیمہ گاہ کو دولگا کے کنارے بھیج دیا اور وہاں روسیوں کے انبوہ کے بجائے اُس کا واسطہ بڑے ذہین راہبوں سے پڑا جن میں سے بعض حالاتِ حاضرہ سے اس کے مقابل زیادہ آگاہ تھے۔ وہاں قبرص سے آیا ہوا ایک ٹیمپلر نائٹ تھا۔ یہ چینی تھے، جنھوں نے اُس کے خطوط پڑھ کے، ترجمہ کر کے سرتاک کو سُنائے جس نے اپنی تمام بیویوں کی معیت میں یہ ترجمہ سُنا اور راہب ولیم سے پوچھا کہ کیا ساری سچی باتیں اس کی مجلّد انجیل میں موجود ہیں؟

سرتاک نے اپنے موٹے مہمان کو گھوڑیوں کا دودھ پلایا اور اسے دعا کرنے کا حکم دیا۔ پھر پوچھا کہ فرنگیوں میں سب سے بڑا تاجدار کون ہے۔ راہب ولیم نے جواب دیا: "مقدس سلطنتِ روما کا شہنشاہ۔"

سرتاک نے اصلاح کی: "نہیں، یہ بات نہیں۔ فرانس کا بادشاہ سب سے بڑا ہے۔"

پھر سرتاک کے معتمدوں نے اس راہب کو مشورہ دیا کہ باتو خاں سے سرتاک کے عیسائی ہونے کا ذکر نہ کرنا۔ اُسے پتہ چلا کہ یہ لوگ عیسائی کہلانا نہیں چاہتے کیوں کہ ان کے نزدیک عیسائی فرنگیوں کا فرقہ ہے اور مغلوں کا نام دنیا کے اور سب فرقوں اور قوموں سے زیادہ بلند ہے۔

راہب ولیم کو کشتی پر وولگا کے اس پار پہنچایا گیا جہاں زرین خیل دشت نوردی کر رہا تھا۔ راہب کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہُوا کہ یہ متحرک خیمہ گاہ ایک شہر معلوم ہوتی ہے جس کا رقبہ بہت دور تک پھیلا ہُوا ہے۔

باتو خاں کے افسروں نے فوراً پوچھا کہ کیا تم فرانسیسیوں کے بادشاہ کے قاصد ہو؟

رُوبرُوک نے بہادری سے جواب دیا "میں اس لیے آیا ہوں کہ میرے آقا اور بادشاہ نے تمھارے عیسائی بننے کی خبر سنی ہے اور مجھے تمھیں مبارک باد دینے کو بھیجا ہے۔ وہ تم سے خائف نہیں ہے۔"

جب اسے باتو خاں کی قدم بوسی کے لیے حاضر کیا گیا تب بھی اُس نے اسی بہادری کا اظہار کیا۔ تھوڑی دیر تک شامیانے کے فرش پر اپنے مرصع تخت پر بیٹھے بیٹھے باتو خاں اس ضدی فرانسسکی راہب کو غور سے دیکھتا رہا اور کچھ نہیں کہا۔ پھر اُس نے راہب ولیم کو بات کرنے کا اشارہ کیا۔

رُوبرُوک نے زرین خیل کے خان پر آسمانی رحمتوں کے نزول کی دعا کی اور کہا "تمھیں جاودانی رحمتیں جب ہی نصیب ہو سکیں گی جب تم عیسائی بن جاؤ گے۔"

باتو مسکرایا اور مغل نویون جو یہیں بیٹھے تھے انھوں نے استہزاء کے انداز میں تالیاں بجائیں۔ پھر باتو خاں نے فرانسسکی راہب کو اُٹھ کر کھڑا ہونے کی اجازت دی اور اس سے ایک سوال پوچھا۔ اُس نے سُنا تھا کہ شاہِ فرانس اپنی فوج سمیت اپنے ملک سے باہر کہیں گیا ہے۔ کس سے جنگ کرنے گیا ہے؟

راہب ولیم نے جواب دیا "مسلمانوں کے خلاف، کیونکہ انھوں نے یروشلم میں بیت المقدس پر قبضہ کر لیا ہے۔"

باتو خاں نے از راہِ عنایت حکم دیا کہ شاہی دسترخوان سے، شامیانے کے دروازے پر راہب کو ایک طلائی جام میں گھوڑی کا دودھ پینے کو دیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد جب راہب بیرونِ خیمہ گاہ سے گزر رہا تھا تو کسی نے اُسے لاطینی زبان میں سلام کیا "سالوے ستے دوجی نی!" اُسے یہ معلوم کر کے بڑا تعجب ہُوا کہ جس شخص نے یہ الفاظ کہے وہ ایک قپچاق ترک تھا جسے ہنگری کے پادریوں نے تعلیم دی تھی۔ اس قپچاقی نے رُوبرُوک سے راز میں بتایا کہ باتو خاں نے اسے طلب کر کے دریافت کیا تھا کہ یہ راہب کس قسم کا آدمی ہے اور فرانسسکی سلسلہ کیا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ راہب ولیم سے کہا گیا کہ جب تک وہ خاقان منگو خاں کے حضور میں حاضر نہ ہو لے، اُسے

ان کے درمیان رہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ایک مغل نویون کو مامور کیا گیا کہ اسے اپنے ساتھ خاقان کے دربار میں لے جائے ۔۔۔ت کے اس رئیس نے راہب کے کپڑوں کی طرف دیکھ کے شک کیا اور اُسے جتایا: "اچھی طرح سوچ لو کہ تم یہ سردی برداشت ۔۔۔ کر سکو گے کہ نہیں۔ کیونکہ جاڑوں میں اتنی سردی ہوتی ہے کہ درخت چٹک جاتے ہیں اور چٹانیں ٹوٹ جاتی ہیں۔"

جب راہب ولیم نے دربار کو جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو مغل نے اسے سفر کے لیے بھیڑ کے سمور کے کوٹ اور پاجامے ۔۔۔ سمور کے پائتابے اور چمڑے کے جوتے اور ٹوپیاں عنایت کیں۔ اس طرح راہب ولیم نے دشت کے پار سفر شروع کیا ۔۔۔یہ دشت اُسے ایک بحرِ ذخار سا معلوم ہوتا تھا۔ جب اُس نے زرین خیل اور خاقان کے علاقوں کے درمیان کی غیر مرئی سرحد ۔۔۔ کی تو دیکھا کہ تمام چوکیوں پر لوگ اُس کے مغل رہنما کے اعزاز میں گاتے ناچتے ہیں کیونکہ وہ باتو خاں کے قاصدوں کا اس ۔۔۔ استقبال کرتے تھے۔

راستہ میں مغل معتمد سے باتیں کرنے میں راہب ولیم کو اس کا علم ہُوا کہ باتو خاں نے منگو کو لکھا ہے کہ یہ راہب اس لیے ۔۔۔ کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے میں مغل فوج کی مدد مانگے۔ باتو خاں کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ راہب ولیم کو کیوں بھیجا گیا ہے اور ۔۔۔ نے اُس سے رہا نتیجہ خود اخذ کر لیا۔

منگو خاں کے دربار میں مغل معتمدوں نے دریافت کیا کہ راہب رُوبرُوک صلح کا پیغام لے کر تو نہیں آیا ہے۔ راہب نے یہ ۔۔۔ شرح کی ہے کہ "یہ لوگ اس قدر متکبر ہیں کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ساری دنیا ان سے امن و دوستی کی خواستگار ہے، لیکن مجھے موقع ملا تو ۔۔۔ پوری شد و مد سے ان کے خلاف جنگ کرنے کی تلقین کروں گا۔"

لیکن اس کے بجائے راہب ولیم کو پناہ گزینوں، منچلوں اور ساحروں کے اس جمِ غفیر میں اپنے لیے جگہ ڈھونڈھنی پڑی ۔۔۔ اور دے معلی میں جمع تھے۔ ایک چھوٹے سے مکان میں اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ فام دُبلا پتلا راہب بال دار لبادہ پہنے قندیل ۔۔۔ عیسائی انداز سے عبادت کر رہا ہے۔ اس راہب کا نام سرجیس تھا۔ وہ اس کے پاس جا بیٹھا اور اُسے کھانا ملا۔ ایک اور ۔۔۔ راہب نے جس نے اپنے بیلے عبادت گاہ کے پیچھے سُوکھے ہوئے پھلوں کا ایک ذخیرہ جمع کر لیا تھا، اپنے لیے اسقفِ اعظم کی ۔۔۔ کارسی، مور کے پروں کی ٹوپی اور ایک چھوٹی سی طلائی صلیب بنا لی تھی۔ مغلوں کے سامنے وہ اپنے آپ کو اسقفِ اعظم ظاہر ۔۔۔ تا تھا لیکن فرنسیس رُوبرُوک پر فوراً ظاہر ہو گیا کہ وہ محض ایک آوارہ گرد جُلاہا ہے۔ ان دونوں نے ایک چھڑی پر ایک جھنڈا ۔۔۔ کیا اور اردوئے معلیٰ کے خیموں میں اسے لے کے یہ گاتے پھرے۔ "دکسیلا رے جس پرد دیونت"۔ مسلمان علماء کو یہ ۔۔۔ بات پسند نہ آئی۔

سخت جاڑوں میں بھی راہب ولیم ننگے پاؤں پھرنے کی کوشش کرتا اور ایک ہنگری لڑکے نے مغلوں کو سمجھایا کہ

راہب یہ دیوانی حرکت کیوں کرتا ہے۔ یردن کے اُس پار سے ایک سیلیبی نے اُسے فلسطین کی خبریں سنائیں۔ مستیز کی ایک عورت نے اُسے کھانا کھلایا اور بتایا کہ اب اُس نے ایک رُوسی معمار سے شادی کر لی ہے اور دونوں بڑے چین سے رہ رہے ہیں۔ اُس نے اسے پیرس سے آئے ہوئے ایک سُنار کے پاس بھیجا جس کا نام ولیم بوشیر تھا اور جس نے ایک خوب صورت ہنگری لڑکی سے شادی کر لی تھی۔

یہ سُنار ایک صنّاعی کے شاہکار کی تکمیل کر رہا تھا۔ یہ ایک چاندی کا درخت تھا، جو منگو خاں کے محل کے درمیانی دروازے کے مقابل نصب کیا جانے والا تھا۔ درخت کی جڑ کے پاس چار نقرئی شیروں کے منہ سے گھوڑیوں کا دودھ اُبلتا تھا۔ چار طلائی سانپ اس درخت کی شاخوں سے چمٹے ہوئے تھے، جن میں سے ایک سانپ کے منہ سے شراب بہہ رہی تھی، دوسرے کے منہ سے گھوڑی کا دودھ، تیسرے کے منہ سے شرابِ عسل اور چوتھے کے منہ سے چاولوں کی شراب۔ کچھ عرصہ بعد جب منگو خاں نے ایک بارعب دربار منعقد کیا تو اس فرانسیسی سُنار نے نوکر کی خدمات انجام دیں اور ایک شخص نے جو درخت کے نیچے دبا ہوا تھا ایک آلے کے ذریعے اُس فرشتے سے جو درخت پر تھا، بگل بجوایا۔

جب بوشیر بیمار پڑا تو راہب سرجیس نے اُسے اس قدر لعاب دار دوا کھانے کو دی کہ وہ مرتے مرتے بچا۔ منگو خاں کی محبوب بیوی شہزادی قطقطائی ان راہبوں سے ملنے آئی، انھیں تحفے دیئے اور اپنے جامِ شراب پر ان سے دعا پڑھوائی، اس نے راہبوں کو بآوازِ بلند گانے کا حکم دیا۔

نسطوری پادری قربان گاہ میں قربانی کی بھیڑیں لائے تاکہ منگو خاں کی اس ملکہ کی ضیافت کریں۔ رُوبروک لکھتا ہے کہ جب وہ پی کے مدہوش ہو گئی تو اپنی پالکی میں سوار ہو کے چلی گئی اور اس درمیان میں پادری گاتے رہے۔

جب یہی شہزادی قطقطائی بیمار پڑی تو منگو خاں نے سرجیس کو اس کی دوا دارو کے لیے بلا بھیجا۔ اس راہب نے گریہ و زاری کرتے کرتے اس کے لیے آبِ مقدس کے ساتھ لعاب دار دوا ملائی اور شک کے عالم میں روبروک اس کا ہاتھ سہلاتا رہا۔ خاتون کو قبض کی وجہ سے ہسٹریا کا دورہ پڑا تھا اور اس مرکب سے اُسے افاقہ ہو گیا ——— اور سرجیس کی جان بچی۔ ملکہ نے سرجیس کو بہت انعام دیا اور جب موٹے تازے فرانسسکی نے انعام لینے سے انکار کر دیا تو اس راہب نے اس کا حصہ بھی ہضم کر لیا۔

اپنی ملکہ کی صحت یابی کا حال سُن کر منگو خاں نے راہبوں کو طلب کیا اور تجسّس کے عالم میں ان کی صلیب کو پرکھا، لیکن ولیم نے اس کا اقبال کیا ہے کہ "اس نے صلیب کی پرستش نہیں کی۔"

راہب ولیم کی تیز نگاہوں نے دیکھ لیا کہ منگو خاں کے شامیانے کے پردے زرکار ہیں، لیکن اس کے قدموں کے

پاس الاؤ میں کانٹوں اور اُپلوں کی آگ جل رہی ہے۔ اُس نے دیکھا کہ منگو خاں اوسط قد کا خاموش سا آدمی ہے۔ اس کی ناک چپٹی ہے۔ اس کی عمر کوئی پینتالیس سال کی ہوگی۔ وہ مجمع سے بلند تخت پر جس پہ پیل کے سمور کا فرش تھا، بیٹھا ہوا تھا اور اس کے زانو پر ایک حسین لڑکی بیٹھی تھی۔

صرف ساقیوں کو اس کی اجازت تھی کہ وہ ایک طرف سے خاقان کے تخت پر چڑھیں اور دوسری طرف سے اتر جائیں۔ جب راہب ولیم نے معافی چاہی کہ وہ کوئی تحفہ پیش نہیں کر سکتا تو کچھ سوچ کر منگو خاں نے جواب دیا:

"جس طرح سورج کی شعاعیں ہر طرف پہنچتی ہیں، اُسی طرح ہماری اور باتو خاں کی طاقت دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچتی ہے۔ ہمیں تمھارے سونے چاندی کی حاجت نہیں ہے۔"

پھر بھی اُس نے راہبوں کو حکم دیا کہ ہو سکے تو کوئی معجزہ کر دکھاؤ تاکہ وہ طوفانی برف کی آندھی جس سے خانہ بدوشوں کے گلّوں کو نقصان پہنچ رہا ہے تھم جائے۔ کہنے لگا کہ "بہت سے جانور خطرے میں ہیں۔" گابھن بھی ہیں اور تھوڑے دنوں میں ان کے بچھڑے ہوں گے۔"

پادریوں کی خوش قسمتی سے آندھی تھم گئی اور منگو خاں جس نے بہت سے مذہب کے داعیوں کی بحثیں سنی تھیں، دلچسپی سے ان کی بحث سُننے لگا۔ اپنی روحانی زندگی کے متعلق اُسے بھی وہی تجسّس تھا، جو خانہ بدوشوں کو عام طور پر ہوتا ہے۔ کیا مرنے کے بعد اس کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا؟ کیا وہ "کیلے" بن جائے گا اور پانی یا آگ میں رہا کرے گا؟ اُس نے بُدھ، نسطوری اور مسلمان داعیوں کو آپس میں بحث کرنے کے لیے بُلا بھیجا۔ راہب ولیم نے نسطوریوں کی حمایت میں بحث کی اور اس سُنار کا بیٹا اُس کی ترجمانی کرتا رہا۔

فرانسسکی راہب یہ سوال پوچھ کر اپنے مخالفوں کو خاموش کر دیا کہ خدائے تعالےٰ قادرِ مطلق ہے یا نہیں۔ جب بہت دیر تک سوچنے کے بعد اس کے مخالفین نے انکار کیا تو مسلمان داعی ہنسنے لگے اور مغل حاکموں نے انھیں زبردستی خاموش کیا۔ راہب ولیم نے کہا۔ "کوئی شخص ایک سے زیادہ آقا کی نوکری نہیں کر سکتا تو بتاؤ تم اتنے دیوتاؤں کو کیسے پوج سکتے ہو؟" مغلوں نے نہ انکار کیا نہ اقرار۔ جب منگو خاں نے اشارہ کیا کہ اب بحث ختم ہو گئی ہے تو راہب ولیم کا بیان ہے کہ نسطوریوں اور مسلمانوں نے باہم مل جل کر خدا کی حمد و ثنا کے نغمے گائے لیکن بدھ مت والے خاموش بیٹھے رہے۔

منگو خاں کی تنبیہہ

اس ریگستانی شہر میں جلاوطنوں کی بات چیت سے راہب ولیم نے بہت سی ضروری معلومات حاصل کر لیں۔

داؤد نامی ایک ارمنی اور ایک انگریز نژاد نے جس کا نام باسِل تھا اُسے بتایا کہ منگو خاں نے اپنے ہرکاروں کے ہاتھ ایک ایسا سخت کمان بھیجی ہے جسے دو آدمی بڑی مشکل سے کھینچ سکتے ہیں اور چاندی کے تیر بھیجے ہیں جن کے سرے عجیب شکل کے ہیں اور چھیدے ہوئے ہیں۔ منگو خاں نے مغرب کے درباروں کو امن کا پیغام بھیجا ہے لیکن اگر وہ امن سے انکار کریں تو انھیں یہ کمان دکھا دی جائے اور ان کی تنبیہ کے لیے یہ سنسناتے ہوئے تیر ہوا میں چلا دیے جائیں اور مغل قاصد کہیں "ہمارے پاس ایسی کڑی کمانیں اور ایسے سنسناتے ہوئے تیر ہیں۔"

اُس نے یہ بھی کہا کہ خلیفۂ بغداد کے قاصد کو امن کا پیغام دیا گیا ہے بشرطیکہ اس کے مسلمان ساتھی اپنے ہتھیار اور اپنی منجنیقیں تلف کر دیں۔ قاصد نے جواب دیا ہے کہ "ہم اُس وقت ہتھیار ڈالیں گے جب تم اپنے گھوڑوں کے سُم نکال دو گے۔"

اُس نے دیکھا کہ ہر دشت نورد کے فرائض مقرر ہیں۔ چنگیز خاں کے حکم سے محض معمر لوگ محنت سے مستثنیٰ تھے۔ اس نے چنگیز خاں کی یاسا کی اہمیت کو محسوس کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر ان کے ساحروں نے اس کے خلاف رائے نہ دی ہوتی تو وہ کب کے ہنگری کے خلاف دوبارہ جنگ شروع کر چکے ہوتے۔

یہ ساحروں یا شامانوں کا فیصلہ نہ تھا۔ اس سوال پر منگو خاں خود غور کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تو محض ایک لفظ سے اہل یورپ پر یورش کا آغاز کر سکتا تھا۔ منگو خاں کو یاسائے چنگیزی یا خاندان کے اجتماع سے رائے لینے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جو چاہتا خود کر سکتا تھا۔

خاقان کے اس عقیدی راہب مہمان کو اس کا احساس نہ تھا کہ منگو خاں کے خیالات کا انکشاف بھی وہ کس قدر حیرت سے رہا ہے۔ مغل کارپی نی کے اس بیان سے ششدر رہ گئے تھے کہ پاپائے روم روئے ارض پر خدا کا نائب ہے۔ مغلوں کے ذہن میں اس کا یہی مفہوم تھا کہ مغرب میں ایک اور خاقان ہے جو اُس طرف کی ساری دنیاوی طاقت کا مالک ہے۔ لیکن رُبرُک سے انھوں نے اچھی طرح معلوم کر لیا تھا کہ یہ خدا کا نائب (جو اس زمانے میں انوسنٹ چہارم تھا) محض ایک طرح کا بہت بڑا پادری تھا جس سے بڑے عجیب و غریب معجزے منسوب کیے جاتے ہیں۔ منگو خاں اُسے یا جرمن شہنشاہ کو، جس کا اکثر ذکر آتا تھا کوئی اہمیت نہ دیتا تھا۔ اس کے برعکس وہ بڑی دلچسپی سے فرانس کے بزرگ سیرت بادشاہ لوئی کی زندگی کو جانچ رہا تھا۔ راہب ولیم اُس کے پاس سے آیا تھا۔ کوئی پیغام نہ لایا تھا۔ نہ مدد کی درخواست لے کے آیا تھا نہ رحم کی، تو پھر وہ آیا کیوں تھا؟

منگو خاں نے پھر اپنے ایک معتمد کو یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ رُبرُک نے اس سوال کا صاف صاف جواب نہ دیا اور کہا کہ باتو خاں نے اپنے خط میں سب کچھ لکھ دیا ہوگا۔ معتمد نے اس جواب کو تسلیم نہ کیا۔ خاقان نے خود راہب سے کرنا چاہا۔ ولیم نے ہوشیاری سے اصل بنیادی معاملے کو ٹال دیا اور کہا کہ اس کے بادشاہ نے محض دوستداری کے خطوط ... وہ خود انجیل کی تلقین کرنے آیا ہے۔

... معتمد نے احتیاط سے یہ جواب قلم بند کیا اور منگو خاں کو اس کی اطلاع دی۔ دوسرے دن دوسرا استفسار۔ منگو خاں جانتا تھا ... اس کے لیے کوئی پیغام لے کر نہیں آیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ راہب اس کے لیے دعا کرنے آیا ہے لیکن وہ یہ جاننا چاہتا تھا ... سے پہلے مغل دربار میں لوئی کا کوئی قاصد آیا ہے؟

... معزز راہب نے بیان کیا کہ اُس کے آنے سے پہلے داؤد اور راہب انڈریو سرخ عبادتی خیمہ لا چکے ہیں۔ ... کے ساتھ معتمد نے واپس آ کے منگو خاں کا نیا سوال سنایا۔ کیا ولیم اپنے ساتھ مغل سفیروں کو اپنے ملک لے ...

... اپنے پیش رو کارپی نی کی طرح راہب نے اس سے انکار کر دیا۔ کہا کہ میں ایک غریب راہب ہوں اور میں ایسے خطرناک ... خاقانِ اعظم کے سفیروں کی رہنمائی کی ذمہ داری نہیں قبول کر سکتا۔

اب منگو خاں نے فیصلہ کر لیا۔

... نسار کا بیٹا ترجمانی کر رہا تھا۔ مولا فرانسسکی راہب مغل خاقان کے حضور میں دو زانو تھا۔ لڑکے نے اُسے جتا دیا کہ یہ تصفیہ ... کہ خاقان کی یہ لیغ کے ساتھ اُسے واپس بھیج دیا جائے اور اسے اس فیصلہ کو بلا چون و چرا قبول کر لینا چاہیے۔

منگو خاں نے پوچھا "کیا تم نے میرے منشیوں سے یہ کہا ہے کہ میں کافر ہوں؟"

رُبرُک نے تمکنت سے جواب دیا "میرے آقا! میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ تم نے یہ نہ کہا ہوگا، کیونکہ ایسا لفظ تمھاری زبان سے نہیں نکل سکتا۔" یہ کہہ کے منگو خاں نے ... ما بڑھایا جس پر وہ سہارا لیے ہوئے تھا اور کہا "مت ڈرو مت۔"

راہب ولیم مسکرایا۔ "میں اگر ڈرتا تو یہاں تک آتا کیوں؟"

منگو خاں نے ایک نئے لہجے میں جواب دیا، گویا وہ اپنے دلی یقین کا اظہار کر رہا ہے۔ "ہم مغلوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ہے اور ہم صدقِ دل سے اس کی پرستش کرتے ہیں۔"

"بغیر تائیدِ ایزدی کے یہ توفیق ممکن نہیں۔"

منگو خاں کچھ دیر سوچتا رہا۔ "خدا نے ہاتھ میں پانچ انگلیاں بنائی ہیں اور اتنے ہی مذہب خلقِ خدا کو بخشے ہیں۔ اس ...

نے تم پر انجیل نازل کی مگر تم اس کی پابندی نہیں کرتے۔ یقیناً تمھاری انجیل میں یہ تو نہیں لکھا ہوگا کہ تم ایک دوسرے کی نسبت

"نہیں اور میں کہہ چکا ہوں کہ میں کسی اور سے پرخاش نہ رکھوں گا۔"

"میں تمھارا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ اسی طرح تمھاری انجیل میں یہ بھی نہ لکھا ہوگا کہ روپے کی خاطر انصاف سے منہ موڑ

جب راہب ولیم نے یہ دلیل پیش کی کہ اس نے خود کبھی روپیہ یا انعام نہیں قبول کیا تو خاقان نے اُسے خاموشی کا اشارہ کیا۔

منگو خاں نے کہا: "میں اس کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔" اس نے اپنے جام سے ایک جرعہ شراب پی اور سوچ

"خدا نے تم پر انجیل نازل کی مگر تم اس کے پابند نہیں۔ اُس نے ہمیں ساحر اور شامان دیئے اور ہم ان کی بات سنتے ہیں اور امن چین سے رہتے ہیں۔"

راہب اس کا منتظر تھا کہ منگو خاں کے عقیدے کے متعلق اور کچھ سُنے۔ خاقان سوچ رہا تھا۔ اس نے اپنا فیصلہ

"تم بہت روز یہاں رہ چکے ہو۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ۔ تم کہتے ہو کہ تمھیں اپنے ساتھ کسی سفیر کو لے جانے کا نہیں۔ بتاؤ تم اپنے ساتھ میرے سفیر کو لے جاؤ گے یا میرے خطوط؟"

"اگر مجھے حضور کے الفاظ صاف صاف سمجھا دیے جائیں، تو میں حتی المقدور اس پیغام کو پہنچا دوں گا۔"

منگو خاں نے پوچھا کہ اے راہب کیا تحفہ دوگے؟ سونا یا چاندی یا کپڑے؟ ولیم نے کسی چیز کو قبول نہ کیا۔ اس نے زادِ راہ اور آرمینیا کے راستے خیریت سے سفر کرنے کا پروانہ مانگا۔

منگو خاں نے منظوری دے دی: "میں تمھیں وہاں تک پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد تم خود اپنی خبر گیری کر لینا۔" اس لمحہ بھر سوچ کے کہا: "سر میں دو آنکھیں ہوتی ہیں لیکن دونوں ایک ہی طرف دیکھتی ہیں۔ میرا اور باتو کا رشتہ وہی ہے جو ایک کا دوسری آنکھ کے ساتھ ہے۔ تم باتو کے پاس سے آئے ہو اس لیے اسی کے پاس واپس جاؤ۔"

جب راہب ولیم نے یہ احتجاج کیا کہ وہ امن دوست آدمی ہے، اپنے آقا اور بادشاہ کے دل کے حال سے واقف نہیں اور سارے مغلوں کے درمیان رہ کر تبلیغ کی اجازت دی جائے تو منگو خاں نے صبر سے اس کی بات سُنی اور پھر سوچ کر جواب دیا: "تمھیں بہت دور کا سفر کرنا ہے خوب کھاؤ پیو تاکہ سفر کی تاب لا سکو۔"

رُوبروک کہتا ہے کہ اس طرح وہ خاقان کے حضور سے رخصت ہوا اور پھر کبھی اس دربار میں حاضر نہ ہوا۔

افسوس کی بات ہے کہ اس گرم جوش فرانسسکی راہب کو اس کا احساس نہ تھا کہ منگو خاں یہ چاہتا تھا کہ اُس کے اور اس منچلے فرانسیسی بادشاہ کے درمیان رابطہ کا رشتہ قائم ہو جائے۔ خاقان ایک وجہ سے اس کا خواہشمند تھا مگر ایک لہا

جسے اُس نے خود کبھی نہ دیکھا تھا صرف ان الفاظ میں مخاطب کر سکا:

"حکم سمائے جاوداں جس طرح آسمان صرف ایک ہے، اُسی طرح رُوئے زمین پر صرف ایک فرمانروا باقی رہے گا۔ آسمان کی قوت سے، چنگیز خاں کے فرمان کے مطابق یہ فرمان تمھیں سنایا جا رہا ہے اور ساری دنیا کے لیے جہاں تک سُنا جا سکتا ہے یا گھوڑا پہنچ سکتا ہے۔

مغلوں کے خاقان منگو کا حکم نامہ فرانسیسیوں کے بادشاہ لُوڈ وِیک کے نام اور فرنگیوں کی عظیم دنیا کے دوسرے فرمانرواؤں کے نام امید ہے کہ وہ یہ الفاظ سمجھ سکیں گے۔"

"ایک شخص جس کا نام داؤد تھا تمھارے پاس گیا اور اُس نے مغلوں کا سفیر ہونے کا دعویٰ کیا لیکن وہ جھوٹا تھا۔ اس کے بعد قاصد خاقان کے پاس آیا۔ خاقان (کیوک) کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُس کا قاصد دربار میں حاضر ہوا اور اس کی بیوی نے تمھیں ایک تحفہ بھیجا لیکن وہ بدکردار عورت، جو کتیا سے بھی بدتر تھی جنگ و امن کے امور کیا جانے؟ کیوں کر دنیا کو امن چین سے بسر کرنا سکھا سکتی تھی؟

دو راہب تمھارے پاس سے سرتاک کے پاس آئے تھے، سرتاک نے انھیں باتو کے پاس بھیج دیا لیکن منگو خاں مغلوں میں سب سے سربلند ہے۔ باتو خاں نے اُن راہبوں کو ہماری پیشی میں روانہ کیا۔

اور اب اس خیال سے کہ فرنگیوں کی آبادی اپنے علاقوں میں امن چین سے رہے اور جاودانی آسمان کا حکم نامہ تم تک پہنچے ہم یہ چاہتے تھے کہ مغل قاصدوں کو تمھارے راہب کے ہمراہ بھیجیں لیکن وہ انھیں ساتھ نہ لے جا سکا لیکن وہ تیار ہو گیا کہ اگر ہم شاہ لُوڈ وِیک کے نام حکم نامے کے فرمان روانہ کریں تو وہ انھیں پہنچا دے گا۔ اس وجہ سے سفیروں کو نہیں بھیجا۔ ہم تمھارے راہب کے ہاتھ جاودانی آسمان کا یہ فرمان بھیج رہے ہیں۔

اور جب تم یہ فرمان سُنو اور سمجھ لو تو اپنے سفیروں کو ہمارے حضور میں بھیجو تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ تم کیا چاہتے ہو، جنگ یا امن۔

جب جاودانی آسمان کی قدرت سے ساری دنیا ایک ہو جائے گی اور مشرق سے مغرب تک امن اور چین کی زندگی بسر ہوگی تب یہ واضح ہوگا کہ ہمارا مقصد کیا تھا۔

لیکن اگر تم جاودانی آسمان کا پیغام سُن کے اس کی پروا نہ کرو گے اور اس پر ایمان نہ لاؤ گے اور اس خیالِ خام میں مبتلا ہو کہ ہماری سلطنت بڑے بڑے پہاڑوں اور سمندروں کے اُس پار ہے اور یہ سوچ کر تم ہمارے خلاف فوج کشی کرو گے تو جو مشکل راستوں کو آسان بناتا ہے اور دُور کو نزدیک کر دیتا ہے یعنی جاودانی آسمان ہی یہ جانتا ہے کہ کیا پیش آئے گا؟"

اس خط سے ایک نئے خیال کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ الفاظ باتو خاں کے خطوط کی طرح دھوکے کی ٹٹی نہیں ہے۔ یہ اعلامیہ طلبی نامہ ہے۔ منگو خاں مغربی دنیا سے مفاہمت کی تجویز کر رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ ان دو روایتی راستوں میں سے ایک اختیار کرو۔ جنگ یا صلح۔ لیکن وہ اپنے یورپی دشمنوں کو وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اُن سے کہتا ہے کہ جنگ نہ کرو اور انھیں دعوت دیتا ہے کہ مغلوں کے امن کے زیرِ سایہ اپنے مقبوضات پر قابض رہو۔

وہ جنگ نہیں، بلکہ جنگ کے خاتمے کی تجویز سوچ رہا ہے۔ اس سے ایک طاقت ور ذہن کا پتہ چلتا ہے، جو حالات حاضرہ سے آگاہ ہے۔ منگو خاں کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ ایک سلطنت کے زیرِ سایہ مشرق سے مغرب تک ساری قومیں آباد ہوں۔ وہ خاندانِ زریں کو اور زیادہ امیر بنانے کی فکر نہیں کر رہا ہے۔ نہ اس کوشش میں مصروف ہے کہ پرانے لوگ جو خیموں میں رہتے تھے اب محلوں میں رہنے لگیں۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ ایک شہنشاہ کے زیرِ حکومت ساری مہذب دنیا کیسا ہوگا اور پھر وہ یاس کے عالم میں آخر میں یہ کہتا ہے۔ "پھر یہ معلوم ہوگا کہ ہماری مرضی کیا ہے"

بدقسمت لوئی شاہِ فرانس کے پاس سے اس کے دربار میں کوئی سفیر نہ آیا۔

اپنے بادشاہ کی خدمت میں واپس جاتے ہوئے، راستے میں راہب ولیم کو ایک اور بادشاہ ملا جو قراقرم منگو خاں کے دربار میں حاضر ہو رہا تھا۔ یہ ہیثون تھا، آرمینیوں کا بادشاہ، جو اپنے آپ کو مغل اردو کا فرماں بردار کہتا تھا اور جس کے پاس یرلیغ تھی جس کی رُو سے وہ اور اس کی رعایا جنگ کی آفت سے محفوظ تھے۔

اس طرح مغرب کی سرحد پر آرمنی، گرجستانی اور روسی مغل حکومت کے تابعِ فرمان بن چکے تھے۔ مغلوں کے پاس وہ سپاہیوں کو بھرتی کر کے بھیجتے اور داروغوں کو محصول ادا کرتے۔ تحفظ کی یہ قیمت انھیں ادا کرنی پڑتی تھی

پوتا

ایشیا اور یورپ چنگیز خاں سے زیادہ منگو خاں کے رحم و کرم پر تھے۔ اس کی فطرت عجیب تھی۔ اس کی ... تھی لیکن بیرونی دنیا کی حکمت بھی اس نے سیکھی تھی۔ وہ سختی سے خانہ بدوشوں کے قانون یاسائے چنگیزی کا ... وہ اٹل اور مستقل مزاج تھا اور اسے وہ صبر و تحمل نصیب تھا جو خانہ بدوشوں کا حصہ ہے۔ اُس نے اپنے ... چنگیز خاں کا سا سخت نظم و ضبط عائد کر لیا تھا۔

وہ فاتح کا پوتا تھا اور اس کا واسطہ اب تک صرف فتح و ظفر سے پڑا تھا۔ اُس نے اپنے باپ ... ساتھ میدانِ جنگ کی صعوبت نہیں برداشت کی تھی۔ اُس نے بڑی احتیاط اور فکر سے باتو خاں کے احسان کا

... ہمیشہ اس کی حکومت کو تسلیم کرتا رہا لیکن یورپی یورش کے بعد یہ دونوں عم زاد بھائی محض کچھ مہینوں کے لیے ... منگو خاں کا اور کوئی دلی دوست نہ تھا۔ اس کی محبوب بیوی قُطقُطائی کا نام صحیفوں میں موجود ہے لیکن اس کے متعلق ... ہم جانتے۔

... فرد واحد منگو خاں کو متاثر نہ کر سکتا تھا۔ وہ سب پر اس طرح حاوی نہیں تھا، جیسے دو پشت پہلے کے مغل جو ... تھے۔ وہ غور سے سب کے مشورے سنتا اور پھر اپنی رائے قائم کرتا۔ اس نے چین کی حکومت ایک بڈھے اور ... محمود یلواج کے سپرد کی اور محمود کے بیٹے کو وسط ایشیا کا حاکم مقرر کیا۔ جب ان دونوں نے درخواست کی کہ ... عالم فاضل اشخاص کا تقرر کیا جائے تو منگو کو تجسس پیدا ہوا۔

"یہ عالم فاضل لوگ کیا ہوتے ہیں۔ یہ بطور طبیبوں کے کام آتے ہیں یا ساحر ہوتے ہیں؟"

... یلواچ نے جواب دیا۔ "اس سے زیادہ کام آ سکتے ہیں" اور اسے ذہین اور قابل آدمیوں کا تقرر کرنے کی اجازت مل ... اہل تصنیف خود منگو کر نہ کہ یلواچ۔ اس نے اپنے اطراف قبائل کے سخت گیر سرداروں کو جمع کیا، جنھوں نے اس کے ... امر تسدیا اور اس نے چنگیز خاں کی قبر کے نزدیک لکڑی کا ایک پگوڈا بنوایا۔

... اس کی خاص تفریح تھی۔ اپنے افسروں کے ساتھ وہ دشت کے صبا رفتار مُشکی گھوڑوں پر سوار ہو کے قراقرم ... کے باہر کھلے ہوئے میدان میں نکل جاتا۔ اپنے "براغوت" شہبازوں کو چھوڑتا جو بڑا شکار کھیلنے کے لیے ... تھے اور خود بارہ سنگھوں کا تعاقب کرتا۔ یہ شہباز بارہ سنگھوں کے گلّے سے ایک جانور کو الگ بھٹکا دیتے اور ... کے سوار تعاقب کر کے شکار کو جا لیتے۔ شہباز جانوروں کے اطراف پر پھڑپھڑا کے جھپٹتے رہتے اور سوار گرد ... دوڑاتے۔

منگو خاں کو ہر وقت بند قراقرم میں بیٹھے بیٹھے رگوں کی بکواس سننا پسند نہ تھا۔ قبلائی کے برعکس شاہی گھرانے کی عورتیں ... اسے پسند نہ تھی۔ اُس نے اوغلائی کے خاندان کی عورتوں سے ان کے جواہرات اور جمع کیے ہوئے خزانے چھین ... کے پرانے افسروں کو بخش دیئے۔ وہ خود اپنے حرم کی عورتوں کو زیادہ قیمتی سامانِ آرائش خریدنے پر ...

... پوچھتا "یہ سامان تمھارے کس کام آئے گا؟" اِس لیے اُس نے اپنی بیویوں کے اخراجات کا حساب کتاب مقرر ...

... اس میں معمولی مغل کی سی کفایت و استحصال کی خُو تھی۔ محمود یلواچ نے محاصل کی جو فہرستیں پیش کیں وہ اُس نے

دیکھیں۔ اُس نے چین اور ترکستان میں محصول اس حد تک کم کر دیا کہ جہاں سو جانور محصول میں لیے جاتے تھے وہاں ایک
اور اسی مقدار سے چاندی کا محصول بھی کم کر دیا جائے۔

وہ کہتا "مجھے اپنا خزانہ معمور کرنے کی اتنی آرزو نہیں ہے جتنی اپنی رعایا کی خوش حالی کی۔"

وہ اوغول غائمش سے بہت متنفر تھا لیکن اس نے حکم دیا کہ اوغدائی کے گھرانے کی عورتوں کی تنخواہیں
طرح ادا کی جائیں۔ خاندانِ زرّیں کے ہزار ہا افراد پروانے لکھ لکھ کر خزانے سے رقم وصول کر لیا کرتے تھے اُس نے
کر دیا۔ وہ محصول سے مستثنٰی تھے۔ اُس نے یہ استثنا ختم کر دیا۔ قزوق کی طرح اُسے بھی عیش و عشرت سے نفرت تھی۔
قزوق کے برعکس اُسے جشن و چشم اور شراب زندگی بہانے کی کوئی خاص خواہش نہ تھی۔ وہ اکیلا خانوں
دنیا کی سلطنت چلانے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ وہ قبائلی شامانوں اور مسلمان علماء میں کوئی امتیاز نہ برتتا تھا کہ
مغلوں کے روایتی دشمن سمجھے جانے لگے تھے۔ کیا سیورقوقطنی نے بخارا میں ایک مسجد بنوانے کے لیے روپیہ نہیں
پانچ مذہبوں کو ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی طرح سمجھتا تھا۔ بدھ مت والے خفیہ طور پر یہ سمجھتے تھے کہ منگو خاں بدھ مت کو
سمجھتا ہے وہ اصل مذہب جس سے اور مذاہب نکلے ہیں لیکن منگو یہ خود کبھی نہ کہتا تھا۔

دراصل مغلوں کو آسمان سے نئے نئے باتیں کرنے والوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ تبت کے سُرخ ٹوپی
والے جیسے کھلا شیطانوں کی تسخیر کا عمل کرتے یا معجزے کر دکھاتے وہ ان دشت نوردوں کو چینی فلسفے سے زیادہ
معلوم ہوتا جو ترکِ دنیا کی تلقین کرتا تھا۔ منگو خاں نے اس طرح کے ایک لاما مو کو سلطنت کا مذہبی سردار مقرر کیا۔ وہ
پہلا دلائی لاما تھا۔

غیر معمولی اُمید کے ساتھ منگو خاں آسمان سے باتیں کرنے والوں کو جو مختلف مذاہب کے پیرو تھے بلا کر
کے مباحث سنتا۔ کیا اس کی ہستی کا کوئی حصّہ مرنے کے بعد باقی رہے گا۔ چنگیز خاں نے چانگ چون سے مسائل
زندگی طلب کی تھی اور جب چانگ چون نے انکار کر دیا تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دیا تھا۔

لیکن منگو خاں کو تاؤ عقیدے کے پیروؤں پر زیادہ اعتقاد نہ رہا تھا جو دعوے بحث کرتے تھے
تھے کہ دنیا اور انسانی زندگی تاؤ سے پیدا ہوئی اور اس پر ان دو طاقتوں کی حکومت ہے جو ین اور یانگ کہلاتی
روح پھر بلند ہو کے تاؤ تک اس طرح پہنچے گی جیسے بلندی کی طرف شعلہ بلند ہوتا ہے لیکن منگو دیکھتا تھا کہ تاؤ کے
معبودوں کی پیشین گوئی کرتے ہیں وہ پورے نہیں ہوتے۔ اُس نے ایک شاہی فرمان نافذ کیا کہ تاؤ مت کی جھوٹی
کو کتابوں کی شکل میں قلمبند نہ کیا جائے۔

لاماؤں کی بحثوں سے تھک کے منگو خاں نے تاؤ مت اور بدھ مت کے پیروؤں کو اپنے زیادہ نرم دل بھائی قبلائی خاں
باہم تاؤ مت کے پیروؤں کو پسند نہ کرتا تھا اور ایک چینی بدھ مت والے کا بڑا معتقد تھا۔ زانادو (شانگ تو) میں ایک جرگے
بعد اس نے حکم دیا کہ تاؤ مت کی کتابیں نذرِ آتش کر دی جائیں۔

اپنے پیش روؤں اور جانشینوں کی طرح ان دونوں بھائیوں منگو خاں اور قبلائی خاں کو آسمان سے باتیں کرنے والوں سے
مدد نہیں ملی۔

چار بھائی

چنگیز خاں کے چار بیٹوں کی طرح تولوئی اور سیورقوقطنی کے چار بیٹے مغل قوم کے سردار بن گئے تھے لیکن بیٹوں اور
پشت کے درمیان یعنی ۱۲۲۷ء سے ۱۲۵۰ء تک کے عرصے میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔
ایک تو یہ کہ ان کا عم زاد بھائی سائین خاں باتو مغرب کا تن تنہا مطلق العنان حکمران تھا اور اس کا پایۂ تخت قراقورم کے
سے تین ہزار میل دُور تھا۔ دوسرے یہ کہ تینوں چھوٹے بھائیوں کو کسی طرح کی حکومت یا طاقت کا دعویٰ نہ تھا۔ وہ منگو
کی اطاعت کرتے تھے جو خاقان تھا۔ وہ اکیلا تخت کے سمور کے فرش پر بیٹھا، اکیلا بوڑھے مغلوں کی وفاداری کا ملجا و ماویٰ
بھی آپس میں چنگیز خاں کی سولہ (۱۶) درع کا ذکر کیا کرتے۔
ان چاروں اور باتو کے سوا خاندانِ زرّیں محض ایک سایہ سا بن کے رہ گیا تھا۔ چونکہ بے شمار بچے پیدا ہو گئے تھے اس
میں خاندان کی تعداد چند سو سے بڑھ کے دو ہزار ہو گئی تھی جس میں پوتے اور پڑپوتے سب شامل تھے۔ وہ خزانے
خوار تھے۔ اس کے علاوہ منگو خاں نے قائدو اور اوغدائی کے خاندان کے باقی ماندہ افراد کو جلاوطن کر کے وسط ایشیا
جہاں وہ خاندانی مجالسِ شاورت سے دُور رہتے تھے۔ جھیل بیکال کے کنارے خاندانِ زرّیں کے نوجوان جو کچھ سال
کے عادی ہو گئے تھے، منگو خاں کی عائد کی ہوئی مالی مشکلوں کی بڑی شکایات کرتے تھے۔ راہب ولیم کی تیز بین آنکھوں نے
مرطوب قبیلوں کے لوگ غریب ہیں اور سب کو محنت کرنی پڑتی ہے۔
چاروں بھائیوں کو سیورقوقطنی نے تعلیم دی تھی چنگیز خاں نے نہیں۔ ماں کے مرنے کے بعد چاروں کی طبیعتوں کا اختلاف
ظاہر ہونے لگا۔ وہ سب بڑے بھائی کے مطیع و منقاد تھے، لیکن ہر ایک کی اپنی اپنی رائے الگ تھی۔
ہلاکو جو خوش مزاج اور جنگ جو طبیعت کا تھا، اپنی بیوی دوقوز خاتون کے زیر اثر تھا۔ وہ کرائت قبیلے اور اُس سردار
کی بیٹی تھی جو ایشیا کا پریسٹر جان کہلاتا تھا۔ ہلاکو خاں سے شادی سے پہلے وہ اُس کی سوتیلی ماں تھی۔ کرائت ہونے کی وجہ

سے وہ قبائلی قانون سے خوب واقف تھی اور نسطوری عیسائیوں کے ساتھ عبادت کرتی تھی۔

قبلائی کو چینی طور طریقے پسند تھے اور اس کی فطرت نرم تھی۔ اُسے نادر جواہرات جمع کرنے کا شوق تھا اور وہ علما سے وقت گزارنا پسند کرتا تھا اور ایک تارک الدنیا درویش یاؤ چاؤ کے مشورے پر عمل کرتا تھا۔

تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے آرق بوغا کو منگو شاید زیادہ چاہتا تھا۔ اس میں اپنے باپ کی سی ذہانت تھی اور اسے اپنے بزرگوں کی سی دشت نوردی کی زندگی بہت مرغوب تھی۔

منگو خاں کو فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی۔ وہ اپنے دادا کی وصیت پر عمل کرے گا اور مغل فوج کو اپنے تینوں بھائیوں میں تقسیم کر دے گا تاکہ وہ معلوم دنیا کی تسخیر کا کام مکمل کر سکیں۔

رشید الدین لکھتا ہے۔ "اس نے یہ تجویز خود سوچی کیونکہ ابھی ایسی سلطنتیں باقی تھیں جنھیں چنگیز خاں نے تسخیر نہیں کیا تھا۔ چونکہ یہ سلطنتیں بہت دور دراز فاصلوں پر تھیں، اس لیے اس نے ایک ایک سلطنت کے خلاف مہم پر ایک ایک بھائی کو روانہ کیا اور رعایا پر دادگستری کرنے کے لیے خود مرکزِ سلطنت میں رہا۔"

متمدن دُنیا کے خلاف اس نئے حملے کی تجویز میں منگو خاں نے سرِدست مغربی یورپ کو ہاتھ نہ لگایا۔ اب اس کا حصہ تھا اور اس کے علاوہ منگو خاں کو امید تھی کہ صلیبیوں کی فوجوں سے اس کے بھائی ہلاکو خاں کو مدد ملے گی۔

رشید کا بیان ہے کہ یہ نئی یورش دنیا کی آبادی کی انتہا تک پہنچی اور اس نے منگو خاں کی سرحد کو بحیرۂ روم تک پھیلا دیا۔

ایک ہراول نے شمالی ہند کے پہاڑوں سے لاہور کے راستے حملہ کیا۔ دوسری فوج کوریا میں گھس گئی۔ قبلائی خاں کو حکم ملا کہ جنوبی چین میں سُنگ سلطنت پر حملہ کرے جسے اب تک وحشیوں نے نہیں چھیڑا تھا۔

جنوب مشرق میں مغل فوج ایشیائے کوچک میں گھس گئی اور ایک طاقتور فوج کے ساتھ ہلاکو نے مسلمانوں کی طاقتوں کے خلاف یلغار شروع کی۔ عجیب بات یہ ہے کہ منگو خاں نے اُسے خلیفۂ بغداد اور حسن بن صباح کے فدائیوں کا خاتمہ کر دینے کا حکم دیا۔ یہ فدائی یا حشیشین اسماعیلی فرقے کے پیرو تھے اور ایران سے لے کر لبنان تک کوہستانوں کے قلعوں پر قابض تھے۔ اب تک کسی نے کامیابی سے ان کا قلع قمع نہیں کیا تھا۔ ہلاکو خاں کو حکم تھا کہ مغرب کی طرف بڑھتا جاؤ اور اسلامی عسکری طاقت کے آخری قلعے 'مصر' کو بھی تسخیر کر لو۔

یورشِ عام

راستہ صاف کیا جا چکا تھا۔ مغلوں نے دور دراز سرحدوں تک سڑکیں بنالی تھیں۔ وحشیوں کی ... ایک شاہراہ بن چکی تھی، جس پر ہر منزل پر چوکیاں بن گئی تھیں۔

ان چوکیوں میں کھانے پینے اور سونے کا انتظام تھا اور سواری بدلنے کے لیے گھوڑوں کے گلّے تھے۔ ہر منزل پر چینی افسر مسافروں کو ٹھہراتا اور ان کے آنے جانے کی تاریخ اور وقت دفتر میں لکھ دیتا۔ فوجی قاصد پیغام لے کے تیز رفتاری سے سفر کرتے اور اگلی منزل پر یہ پیغام نئے شہسواروں کے سپرد کرتے جو تازہ دم آگے سفر کرتے۔ یہ قرونِ وسطیٰ کے گھوڑوں کی ڈاک گاڑی تھی۔

... اس کو یام اور ان سواروں کو "چیپر"* کہتے تھے۔ کبھی کوئی گرد میں اَٹا ہُوا مغل سوار نظر آتا۔ اس کا جسم چمڑے کی پیٹیوں سے کسا ہُوا، اس کے نیم ستو چہرے پر روغن ملا ہُوا۔ زین کی گھنٹیوں کی آواز سے پتہ چل جاتا کہ وہ خاقان کا قاصد ہے اور وہ جب بھی ٹھہرتا اُسے تازہ دم گھوڑا تیار ملتا۔ پھر کوئی مغل نویین کسی چوکی پر پہنچتا۔ اُس کے ہاتھ میں پرلیغ ہوتی کہ اپنے استعمال کے لیے جتنے گھوڑے چاہو چوکی سے لے لو۔

یہ نئی چوکیوں والی سڑکیں پرانی "ریشمی" سڑک اور پہاڑی سلسلوں اور دروں اور ندیوں کے آر پار ان علاقوں میں بنی تھیں جہاں پہلے ندیوں پر کبھی پُل نہیں بنے تھے۔ ان راستوں سے نئے نئے قافلے آسانی سے مشرق اور مغرب کے درمیان سفر کرتے۔

ایسی ہی ایک مغل سڑک پر راہب ولیم کو واپس باتو خاں کے پاس اس طرح پہنچایا گیا گویا وہ کسی مال گاڑی کا پارسل ہو۔ وہ لکھتا ہے۔ "قراقرم سے باتو خاں کے دربار تک کا سفر ہم نے چار ماہ دس روز میں طے کیا۔ اس سارے عرصے میں ہمیں ایک بھی قصبہ نظر نہ آیا اور ہم نے ایک روز کے سوا کبھی قیام نہیں کیا۔ اس روز ہمیں گھوڑے نہ مل سکے تھے۔ کبھی کبھی تین چار دن تک ہمیں گھوڑی کے دودھ کے سوا اور کوئی غذا نہ ملی تھی۔"

منگو اپنے محاصل کا زیادہ تر حصہ ان بین البراعظمی سڑکوں کی تکمیل میں صرف کر رہا تھا۔ فوجی چوکیاں بنوا رہا تھا اور سواری کے لیے گھوڑوں کے گلّوں میں اضافہ کر رہا تھا۔ وطن میں مغلوں کی خوراک پر فوجی راشن عائد کر دیا گیا تھا۔ قبائلی علاقے کے اکثر بھرتی کے قابل نوجوانوں کو نئی فوجوں میں بھرتی کر دیا گیا تھا اور ان فوجوں کی تعداد چنگیز خاں یا اوغدائی کے عساکر کے مقابل بہت زیادہ تھی۔

دس میں سے دو آدمی محض ہلاکو خاں کے اردو کے لیے بھرتی کیے گئے اور گھریلو خیموں میں جو کام کاج ان کے

---

* ممکن ہے اردو لفظ "چپراسی" اسی سے مشتق ہو۔ (مترجم)

سپرد تھا وہ بچوں اور بوڑھوں کے سپرد کر دیا گیا۔

یہ نئے رنگروٹ سرحد بھیجے جاتے، جہاں وہ جمع ہوتے اور فوجی سپہ سالار ان کا اپنے دستوں میں تقرر کرتے۔ نئے دستوں کے لیے چراگاہیں مقرر کی گئی تھیں اور ان کے لیے غلے اور شراب کے گودام کھولے گئے تھے جہاں سپاہیوں کو ہتھیار بانٹے جاتے، کیونکہ منگوخاں کی سلطنت کے قلب میں مغل عام طور پر ہتھیار نہیں رکھتے تھے۔

راہب ولیم نے لکھا ہے کہ "جب وہ قفقاز کے اس علاقے سے گزرنے لگا جہاں پہاڑی لوگ اب بھی مغلوں پر چھاپے مارتے تھے تو اس کی حفاظت کے لیے بیس تاتاریوں کو مقرر کیا گیا۔" اس سے میں بہت خوش ہوا کیونکہ میں نے پہلے کبھی تاتاریوں کو ہتھیار باندھے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن دس میں سے صرف دو کے پاس زرہ بکتر تھے، جو انھوں نے الانیوں سے خریدے تھے۔"

وہ مغل معیشت جس نے سڑکیں اور فوجی سامانِ رسد کی تعمیر کی تھی، اسی نے ان کی پرانی دیہاتی معیشت کو ختم کر دیا تھا۔ ان ایام میں جب کہ زیادہ تر آبادی فوجوں میں بھرتی ہو جاتی، زراعت اور آب پاشی نامکمل رہ جاتی، نیز غذا باہر کے زرعی خطوں سے درآمد کی جاتی۔ اس کے علاوہ بڑی یلغاروں کے بعد قحط اور طاعون کا دورہ پڑتا۔ تاہم مغلوں کی اندرونی آبادی تو محفوظ رہتی لیکن سرحد کے علاقے میں بے شمار جانیں تلف ہوتیں۔ راہب ولیم ان گاؤں سے ہو کر گزرا جہاں دور دور تک پانی کی شکل نظر آتی تھی۔

رفتہ رفتہ خود روئے زمین، مغلوں کو غذا دینے سے انکار کر رہی تھی۔

رخصت کے وقت منگوخاں نے اپنے چھوٹے بھائی کو نصیحت کی اور کہا "شہزادی دوقوز کے الفاظ سنا کرو اور اُن پر عمل کیا کرو۔"

اُس نے ہلاکو خاں کو حکم دیا کہ مشہور ماہرِ نجوم نصیر الدین طوسی کو قراقورم بھیج دینا۔ اس زمانے میں وہ فدائیوں کی خدمت کر رہا تھا۔ شاید منگوخاں کو یہ امید تھی کہ یہ قابل اور فرزیں مسلمان ماہرِ نجوم اُن رازوں کو ظاہر کر سکے گا جن کو تاؤمت کے سُرخ پوش لاما حل نہ کر سکے تھے۔

بہر حال یہ ماننا پڑتا ہے کہ منگوخاں کی تجویز یہ تھی کہ اس مہم میں عیسائی عنصر غالب رہے۔ ہلاکو کی محبوب بیوی دوقوز خاتون نسطوری عیسائی تھی۔ ہلاکو خود سیور قوقتنی کا بیٹا تھا جو نسطوری عیسائی تھی۔ اس مہم کا سپہ سالارِ خاص قیط بوقا عیسائی تھا۔ منگوخاں نے آرمینیوں اور گرجستانیوں کے جنگجو عیسائی قبیلوں کو اپنے سایۂ عافیت میں لے لیا تھا اور

اُس نے عیسائی صلیبی جنگ جو لوئی شاہِ فرانس سے سفارت طلب کی تھی جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ ارضِ مقدس میں ہوگا (حالانکہ جب راہب ولیم لوئی کے پاس واپس پہنچا تو یہ بد قسمت بادشاہ شکستِ فاش کھا کے فرانس واپس آچکا تھا)۔

منگوخاں کا ارادہ یہ نہ تھا کہ مذہبی لڑائی لڑے۔ وہ اپنی یلغار میں عیسائیوں کے تعصب سے مدد لینا چاہتا تھا تاکہ اسلام کی باقی ماندہ عسکری طاقت کو کچل سکے۔

ہلاکو خاں اپنا تسلط جمانے کے لیے ایک بہت بڑی فوج لے کے روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ چینی انجینیئروں کا ایک دستہ تھا جن ماہروں کے پاس ایک نیا ہتھیار تھا جس کے ذریعے نفت کے شعلے پھینکے جا سکتے تھے۔ اُس کے ساتھ جغرافیہ کے ماہرین بھی تھے جو نئے مفتوحہ علاقوں کے نقشے بنانے پر مامور تھے۔ محصول جمع کرنے والے، سڑکیں بنانے والے اور مغرب میں چوکیاں قائم کرنے والے تھے اور ہلاکو خاں نے اپنے بھائی کے مشورے پر عمل کیا۔ پرانے مغل دستور کے خلاف اُس نے دوقوز خاتون کو وقت پر اپنے برابر بٹھایا۔ اُسے مجلسِ مشاورت میں شامل کیا اور اُس کے مشوروں پر عمل کرتا رہا۔

اُس وقت تک جنوب مغرب میں ایک طرح کی فوجی سرحد تھی۔ ۱۲۲۹ء میں چارمغان نامی ایک سپہ سالار کو اُس طرف امن قائم رکھنے کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس کی معیت میں تین تومان بھیجے گئے تھے۔ پھر تولوئی کے مرنے کے بعد چار افسر جو خاندانِ زریں کے چاروں گھرانوں کی نمائندگی کرتے تھے (جن میں سیور قوقتنی کا نمائندہ بھی شامل تھا) خراسان پر حکومت کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اس درمیان میں چارمغان نے جو بڑا قابل سپہ سالار تھا اور آگے بحیرۂ خزر اور بحیرۂ روم کے درمیان کی بلندیوں پر آذر بائیجان، آرمینیا، شمالی عراق اور آران کے علاقے میں ایسی چراگاہوں پر قبضہ کر لیا تھا جو سردیاں گزارنے کے لیے بہت موزوں تھیں۔ اُس نے گرجستانیوں کو سزا دی تھی لیکن ان کی ملکہ روسُودان کی خودکشی کے بعد انھیں خود مختار رہنے دیا تھا۔ کرمان اور فارس نے اطاعت قبول کر لی تھی۔

۱۲۴۱ء میں چارمغان پر فالج کا حملہ ہوا۔ توراکینہ اور قیوق نے ایک اور جنرل، بائیڈو کو اس کا قائم مقام بنا کے بھیجا۔ اس طرح دارالسلام کا شمالی حصہ جو جنوب کے گرم زرعی علاقے کے اوپر واقع تھا ایک فوجی سرحد بن چکا تھا جس پر مغلوں کی حکومت تھی۔ عام طور پر پرانی "ریشمی" شاہراہ کے کناروں کے علاقوں پر مغلوں کی حکومت تھی۔ اس کے مغربی سرے پر عجیب قوموں کے لوگ آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ قسطنطنیہ کے بازنطینی جو طاقت ور سلجوقی ترکوں سے لڑ رہے تھے، باقی خوارزمی جو شامی مسلمانوں میں جا ملے تھے اور اب بھی ساحل پر صلیبیوں سے جنگ کر رہے تھے۔ ان سے بھی آگے مملوکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت تھی۔ یہ جنگجو غلام فرقہ مصر پر حکومت کر رہا تھا:

اس مبتلائے کش مکش جنوب مغرب کی طرف ہلاکو خاں اس طرح بڑھا جیسے رَن کا رتھ بڑھتا ہے، لیکن اس کی طاقت ا
طرح اٹل تھی۔ اُس نے پہاڑی سلسلوں کو عبور کیا، تبت کے برفزاروں کا چکر کاٹا، شکار کھیلتا، ضیافتیں کرتا، دربار لگاتا جہاں
سرداروں کا خیر مقدم کیا جو پہاڑوں سے اس کی شان و حشمت کے آگے سر جھکانے آئے تھے۔ اُس کی مزاحمت کرنا جنون تھا۔
ہلاکو خاں کی عادت تھی کہ جب جنگ کا ذکر آتا تو وہ قہقہے لگاتا۔

وہ اکثر باتوں کو ہنسی میں اڑا دیتا۔ اُسے سمرقند کے تربوز پسند تھے، اُسے قیزل قُم کے صحراؤں سے بڑی دلچسپی تھی، وہ
جھیلیں اور ہرے بھرے جنگل نظر آتے لیکن جب وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کے پاس پہنچتا تو وہ نظر سے اوجھل ہو جاتے۔ اس نے
خاتون کو اپنا عبادتی چیپل ساتھ لانے کی اجازت بھی دے دی جس میں عبادت کے وقت لکڑیوں کے باجے بجائے جا
اس فاتح کی طبیعت میں مزاح کو دخل تھا اور اسے ہر وہ بات پسند تھی جس میں لوگوں کو مزا آئے۔

وہ روئے زمین کے عجیب ترین قلعوں تک جا پہنچے۔ یہ حسن بن صباح کے فدائیوں کے شہبازوں کے گھونسلوں جیسے ا
تھے جہاں کے رہنے والے چھ پشت سے اس علاقے کے رہنے والوں کو ہراساں کر رہے تھے۔ اُس کے سواروں نے الموا
مصنوعی بہشت کو تہس نہس کر ڈالا، جہاں شیخ الجبل ایران کے نوجوانوں کو حشیش کھلا کے مدہوش کرتا اور انھیں قاتل بنا دیتا
انھوں نے حشیشین کے شیخ الجبل کو گرفتار کر لیا اور اُس کی سحر کی کتابوں کے کتب خانے کو نذرِ آتش کر ڈالا۔ ہلاکو نے سو
کہ منگو خاں اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ کے خوش ہوگا اس لیے اُس نے شیخ الجبل کو قراقرم روانہ کیا مگر راستے میں منگو خا
کا پیغام ملا کہ اُسے اس شخص کو دیکھنے کی خواہش نہیں ہے اس لیے عام آدمیوں کی طرح شیخ الجبل کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

منگو خاں نے اپنے رہ نورد بھائی کو یاد دہانی کی: "چنگیز خاں کے قوانین کو رواج دینا۔ سمرقند سے لے کر مصر
کے آخری سرے تک، جو تمھارے آگے سر جھکائیں ان سے فیاضی سے پیش آنا، جو سرکشی کریں انھیں ذلیل کرنا!"

کس کی مجال تھی کہ ہلاکو خاں کے رن کے رتھ کے مقابل آتا اور سرکشی کرتا۔ بائیدو خاں موصل سے اپنے آزمودہ
سپاہیوں کے ساتھ اس سے آن ملا۔ ہلاکو خاں کی فوج آہستہ آہستہ دجلہ کی طرف بڑھی۔ بغداد کی طرف، جو پانچ صدیوں
سے خلفائے عباسیہ کا دارالخلافہ تھا۔

ہلاکو خاں نے خلیفہ کو ایک عجیب سوال نامہ بھیجا۔

"تم جانتے ہو کہ دنیا کی مختلف قوموں کا چنگیز خاں کے زمانے سے اب تک مغل فوجوں کے ہاتھوں کیا حشر ہ
بغداد کے دروازے کبھی خوارزمیوں اور سلجوقیوں پر بند نہیں ہوئے تو پھر تم ہمیں کیونکر داخل ہونے سے روک سکتے ہو جب
کہ ہم اس قدر طاقت ور ہیں؟ دیکھو پرچم چنگیزی کے مقابلے پر نہ آنا، ورنہ تمھاری خیر نہیں۔"

بغداد کا آخری تاجدار خلیفہ لڑنے مرنے پر تیار تھا۔ یاس کے عالم میں اُس نے جہاد کا اعلان کیا مگر اس کی فوج نیست و نابو
غل بغداد کے دروازوں میں گھس آئے اور اس کا سارا مال و متاع لوٹ لیا۔ خلیفہ مستعصم باللہ کو گرفتار کر کے ہلاکو خاں
لایا گیا۔ ہلاکو خاں دجلہ کے کنارے محلات کے تمول سے بہت متاثر ہوا لیکن اسے تعجب تھا کہ ان لوگوں نے
کیوں کی۔ اُس کی نظروں میں معاشی نقطۂ نظر سے یہ ان کی کمزوری تھی۔

یہ روایت مشہور ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ بدنصیب خلیفہ کو کچھ کھانے کو دیتا، اُس کے سامنے اس نے طلائی ظروف،
اور جواہروں سے جڑے ہوئے عود دان رکھے اور خود معمولی برتنوں میں کھانا کھایا۔
ور خلیفہ سے اُس نے کہا: "جو سونا چاندی تم نے جمع کیا ہے، وہ کھاؤ۔"
بغداد کے مالک نے کہا کہ "میں سونا کیسے کھاؤں؟"
شی مزاج مغل نے پوچھا: "پھر تم نے سونا جمع کیوں کیا؟"
مسلمان خلیفہ نے جواب نہ دیا۔ ہلاکو خاں نے محل کے بڑے ہال میں چاروں طرف نظر ڈالی۔
"تم نے ان لوہے کی جالیوں کو پگھلا کے آہنی تیر کیوں نہیں ڈھالے۔ تم نے یہ جواہرات جمع کرنے کے بجائے اپنے
روپیہ کیوں نہیں دیا تاکہ وہ جانبازی سے بڑھ کے پہاڑیوں میں میرا مقابلہ کرتے؟"
"اللہ کی مرضی یہی تھی۔"
"تو پھر جو کچھ تم پر گزرے گی وہ بھی اللہ کی مرضی ہے۔"
پھر اُس نے خلیفہ سے وعدہ کیا کہ میں تمھیں ایسے گھر میں رکھوں گا، جہاں تمھیں نہ سردی لگے گی نہ پیاس۔ اُس نے
خلیفہ کو ایک سمور کے لبادے میں لپیٹ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل کے مار ڈالا جائے۔
اس نے بڑی احتیاط کی کہ مسلمانوں کے خلیفہ کا خون نہ بہایا جائے، مگر اسے اس خلیفہ کے سفیر کی وہ تعلّی یاد تھی کہ
اس وقت ہتھیار ڈالیں گے جب مغل اپنے گھوڑوں کی نعلیں کاٹ ڈالیں گے۔
بغداد میں نوّے ہزار مسلمانوں کا باقاعدہ قتل عام ہوا اور تاراج شدہ شہر بغداد کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اس کے بعد
غداد کو عالم اسلام کا مرکز بننا نصیب نہ ہوا۔

مسلمان شہروں پر از سرِ نو ہراس طاری ہو گیا۔ مہاجرین کے قافلوں نے مغلوں سے بچنے کے لیے مغرب کا رُخ کیا۔
جانوروں کی قیمت بے حد بڑھ گئی۔

ایک مؤرخ لکھتا ہے۔ "عالمِ اسلام پر کبھی ایسا بُرا وقت نہ آیا تھا۔ ایک طرف سے مغل حملے کر رہے تھے اور دوسری طرف سے نصرانی۔"

ہلاکو نے مغرب کا رُخ کیا اور پہاڑ پہاڑ آگے بڑھتا تاکہ اُس کے گھوڑے یہاں چراگاہوں میں گھاس چر سکیں۔ یہاں ہلاکو خاں کا آرمینیا کے بادشاہ حیثون اور عیسائی صلیبیوں کا ساتھ ہو گیا (جنگجو مغلوں کی اس دوستی سے بڑی حیرت ہوئی)۔ ان متحدین کا لشکر جنوب میں دشتِ شام کی طرف بڑھا جہاں گرمی سخت پڑتی تھی اور چراگاہیں کم تھیں۔ دمشق اور یروشلم کی جانب۔

ہلاکو خاں کو مغلوں کے وطن واپس جانا نصیب نہ ہوا۔

قبلائی کا ورثہ

اس اثناء میں قبلائی خاں چار ہزار میل کے فاصلے پر جنوبی چین میں گھستا جا رہا تھا۔

رشید الدین لکھتا ہے۔ "چیتے والے سال میں قبلائی نے مشرقی سرزمینوں پر یورش کی۔"

اُسے موقع مل گیا تھا کہ ختا کے گلزاروں میں مزے لوٹے۔ قبلائی خاں، منگو خاں کی طرح خاموش اور دُھن کا پکا تھا، مگر اُسے چینی پسند تھے اور وہ ان کے درمیان رہنا چاہتا تھا۔ مزید برآں خاتون جاموی نے جو اس کی بیوی تھی اور اس کی جوانی کی ساتھی تھی، اُسے سمجھایا کہ سُرخ لاماؤں کی عزت کیا کرو۔

۱۲۵۲ء میں قبلائی خاں نے اپنے نئے صوبے ہونان کے حالات کو درست کرنے کا حکم دیا۔ اُس نے دیکھا گزشتہ برسوں میں زراعت کی حالت بڑی ابتر ہو گئی تھی۔ اُس نے شمالی چین سے بھرتی کیے ہوئے رنگروٹوں کو اجازت دے دی کہ وہ جاکے اپنے کھیتوں میں کھیتی باڑی کریں، بلکہ انھیں بیج اور اوزار بھی دیے۔ پھر اس نے یہ تلاش شروع کی کہ کس مقام پر اپنا نیا شہر آباد کرے۔ اُس کے نجومی نے صلاح دی کہ نیم تاراج ین کنگ کے شمال میں دریا کے کنارے ایک زرخیز میدان اس مقصد کے لیے بہت موزوں ہے۔ اس شہر کا نام شانگ تو رکھا گیا (جس کو قرونِ وسطیٰ کے مغربی سیاح "زناڈو" کہنے لگے۔ یہاں قبلائی کے حکم سے دریا کے کنارے باغات لگائے گئے، لیکن انگریز شاعر کولرج کا یہ بیان صحیح نہیں کہ دریا کا نام آلف تھا یا یہاں اس نے کوئی عشرت کدہ بنوایا)

نامور عالم یاؤ چاؤ، جو ہمیشہ قبلائی خاں کے ہم رکاب رہتا، اُس نے اُس سے کہا کہ اپنے نفس کے کہنے پر چلنا سب سے زیادہ ناپسندیدہ وسطی سلطنت ہے۔ یہاں تمدن کا جوہر ملتا ہے اور یہی دولت موجود ہے، لیکن میرے آقا تم خود وسطی سلطنت

سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرو۔ بہتر یہ ہے کہ فوجی حکومت تمہارے ہاتھ میں رہے اور معمولی نظم و نسق کم تر کے سپرد کر دو۔"

قبلائی خاں نے یہ تو نہیں سمجھا کہ یہ مشورہ کس قدر بر وقت ہے، مگر اُس نے اس پر عمل ضرور کیا، کیونکہ منگو خاں نے اپنے سلطنت کے خلاف پیش قدمی کا حکم دیا، جو دریائے یانگ تسی کے اس پار غیر مفتوحہ جنوبی چین میں واقع تھی۔ جیسے باپ تولوئی نے کِن سلطنت کے خلاف پیش قدمی کی تھی۔ قبلائی خاں کو حکم ملا تھا کہ ایک لاکھ آدمی ساتھ لے کے مغلوں سے چل کے تبت کی برفانی سطحِ مرتفع کے کنارے کنارے بڑھتا ہوا یونان کے صوبے میں جا نکلے۔ یہ سفر قریب تمام ہوتا تھا۔ یہاں جہاں منطقہ حارہ کی سی گرمی ہوتی تھی، قبلائی کو حکم تھا کہ جنوب کی طرف سے پیش قدمی کر کے سُنگ ت کا محاصرہ کر لے۔

منگو خاں نے قبلائی خاں کی مدد کے لیے ایک پُرانی قسم کا مغل سپہ سالار اُوریانگ کتائی کا ساتھ دیا جو سوبوتائی بہادر کا، جو سپہ سالاری میں اُس کا شریک تھا اور جس کا فرض یہ تھا کہ قبلائی خاں کو جنگی غلطی سے باز رکھے۔

یہ دونوں سال بھر کے لیے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ان طول طویل پہاڑوں کے سلسلے سے ہو کے گزرے جنھیں مغل ے پہاڑ" کہتے تھے اور قراجنگ (کالے آدمیوں) کی پہاڑیوں میں آن نکلے۔ یہ ایک وحشی پہاڑی قوم تھی جو نسلاً چینی ھیں پر اس سے پہلے کسی نے حملہ نہ کیا تھا۔ وہ صرف جنوبی جنگلوں کے رہنے والے خر قبیلوں سے واقف تھے۔

حیفوں میں درج ہے کہ جب آخر کار قبلائی خاں یونان کی لشکر گاہ کے سامنے نمودار ہوا تو محتاط چینی اُستاد یاؤ چاؤ نے اُسے ی کہ اپنے جھنڈوں پر یہ الفاظ لکھ دو۔ "قتلِ عام کرنا منع ہے۔"

یہ ترکیب کارگر نکلی کم سے کم کچھ عرصے تک قبلائی خاں کو اس سے دلچسپی رہی کہ محض اس اعلان کے ذریعے دشمن کی ت کو توڑا جا سکتا ہے، لیکن اُوریانگ کتائی اس کا قائل نہ تھا۔ وہ دشمن کے استیصال کا قائل تھا۔

یونان میں دُور تک گُھس جانے کے بعد قبلائی خاں فوج سے ہٹ کے شمال کی طرف چلا گیا تاکہ منطقہ حارہ کی سخت پناہ حاصل کرے۔ اب اُوریانگ کتائی کی بن آئی کہ اپنے ڈھنگ سے جنگ کرے، لیکن اب پہلی بار اُس کا نگلی ہاتھیوں سے ہوا۔ مغل گھوڑے پہلے پہلے تو ان زرہ پوش ہاتھیوں سے لڑے (قرونِ وسطیٰ میں ان کی وہ حیثیت آج کل ٹینکوں کی ہے)، لیکن اُوریانگ کتائی نے اپنے سواروں کو حکم دیا کہ محفوظ میدان کی طرف واپس لوٹ کے گھوڑوں اُتر جائیں اور ان بڑے بڑے جانوروں (یا ہاتھیوں) پر آتشیں تیر برسائیں۔ جلتے ہوئے تیروں کی آگ سے چڑ کر کھا کر ل ہو گئے اور پلٹ کے انھوں نے یونانی (جنوبی چینی) فوج کو کُچل کے منتشر کر دیا۔ مغل سوار پھر اپنے گھوڑوں پر

سوار ہو گئے اور اس موقع سے فائدہ اٹھانے لگے۔

لیکن سخت گرمیوں میں اِس گھمسان کی لڑائی سے سخت جانی نقصان ہُوا۔ قبلائی خاں کے ساتھ جو ایک لاکھ فوج تھی اس میں سے صرف بیس ہزار باقی بچے، جو گرمیوں کے ختم پر اُورانگ کتائی کے ہم رکاب تھے۔ بہر حال منگو خاں کو سوپدائی کے بیٹے کا اُٹل آئینِ حرب زیادہ پسند تھا۔ یہ اُس کے دادا کے زمانے کا پرانا لڑائی کا طریقہ تھا۔

مورخوں کا بیان ہے کہ جب قبلائی خاں اور اس کے ساتھیوں نے ایک ایسے مقام پر خیمے نصب کیے جہاں انھیں حاصل ہو رہی تھی تو اُس نے اور اُس کے خُدام نے اس قدر شراب پی اور ایک درخت کے نیچے اتنی دیر تک اور اس قدر ناچے کہ اُن کے قدموں کے نیچے کی زمین دب گئی۔

ہزاروں کی تعداد میں جو مغل قراقورم میں جمع تھے انھیں یہ پسند نہیں آتا تھا کہ قبلائی خاں چینیوں کی اس قدر ناز برداری کرے۔ ایک شخص نے جس کا نام کُردک چی تھا خاقان کو یہ فہمائش نامہ لکھ بھیجا کہ "آپ تو محض گوشت اور شوربہ کھانے اور شراب میں محو ہیں اور قبلائی بہت سی جنگوں کے ڈنکے ڈال کے، بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کر کے آ رہا ہے۔"

اب بھی قبلائی نے سُنگ سلطنت کے مقابل شمال کی سمت سے کوئی خاص پیش قدمی نہ کی تھی۔ بجائے اس کے شانگ تو کی تعمیر کی نگرانی کر رہا تھا۔ اُس کی چینی رعایا جس کی فصلیں ہری بھری تھیں اور جنگ کی سختیوں سے ایک حد تک محفوظ تھی، آرام سے بسر کر رہی تھی اور در پردہ قبلائی کے نام کی عزت کرتی تھی، لیکن منگو خاں پر غصہ طاری تھا۔

اُس نے اپنے بھائی کے پاس ایک اور مغل کو بھیجا جس کا نام علمدار تھا۔ وہ ایک شہنشاہی یرلیغ لیتا گیا جس میں منگو نے قبلائی کو حکم دیا تھا کہ چین میں اپنی حکومت علمدار کے سپرد کر دے اور خود قراقورم واپس آ جائے۔

علمدار نے پہلا کام یہ کیا کہ بہت سے ایسے چینی افسروں کو قتل کرا دیا جن کا تقرر قبلائی نے کیا تھا اور نظم و نسق کے سارے حساب کتاب کی پڑتال شروع کی۔ یہ قبلائی کو بہت ناگوار گزرا۔ جب قبلائی نے اپنے افسروں کو اپنے خیمے میں اس لیے طلب کیا کہ اپنے بھائی کے حکم کی مزاحمت کرے تو یاؤ چاؤ نے اسے منع کیا۔

اور کہا "تم خاقان کی رعایا میں بلند ترین مرتبہ رکھتے ہو۔ ایسی کوئی بات نہ کرنا کہ دوسروں کو تمھاری ریس کا موقع ملے۔ اپنے بیوی بچوں کو خاقان کے پاس اُردو میں روانہ کر دو۔ پھر خود اُس کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ تمھارا سارا مال و متاع، یہاں تک کہ تمھاری جان کا وہی مالک ہے۔"

بوڑھے فرزانہ یاؤ چاؤ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر منگو کے خلاف بغاوت ہوئی تو اس کا نتیجہ چینیوں کے لیے

نکلے گا۔ اُس کے اِس مشورے کی وجہ سے چینی تمدن مزید تباہی سے بچ گیا۔ قبلائی نے اس کی بات مان لی۔ اور اپنے کو منگو کے دربار میں روانہ کر دیا۔

اب قبلائی تنِ تنہا اپنے بھائی کے سامنے حاضر ہُوا تو منگو کے سارے شبہے زائل ہو گئے۔ منگو بہت منصف مزاج معلوم ہو گیا کہ قبلائی سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی۔ بڑی انسانیت سے دونوں مغل بھائی بغل گیر ہوئے اور اپنے دونوں کی طرح ہنسی خوشی بیٹھ کے باتیں کرنے لگے۔

اسی زمانے میں یعنی ۱۲۵۷ء میں ہلاکو خاں کے قاصدوں نے آن کر اطلاع دی کہ سلطنت کے دور دراز گوشوں فتوحات حاصل ہوئی ہیں اور یہ قدرتی بات تھی کہ منگو خاں کو بے صبری سی معلوم ہوئی کہ وہ خود بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے بیٹھا ہے۔

اُس نے اعلان کیا کہ "ہمارے آبا و اجداد جو شہنشاہی کرتے تھے، بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیتے تھے، ہر ایک نے ایک ملک فتح کیا اور چار دانگ عالم میں اپنا نام پھیلایا۔ اب میں بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں جاؤں گا اور چین کا رُخ کروں گا۔"

اسے یہ مناسب معلوم ہُوا کہ وہ سُنگ خاندان کے مقابل قبلائی کی مدد کے لیے روانہ ہو۔ وہ خاندانی خیمہ گاہ کے تساہل اور آرام سے اُکتا گیا تھا

شاہی خاندان کے مغل شہزادوں نے یہ سُن کر اُسے روکنا چاہا۔ "اُس کے لیے جو ساری دنیا کا مالک ہے اور جس کے بھائی زندہ ہیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ خود دشمنوں سے لڑنے جائے۔"

لیکن منگو خاں بہر حال روانہ ہو گیا۔ اپنے سب سے اریق بوغا کو اُس نے سلطنت کی جیڈ کی بنی ہوئی مُہر حوالہ کی اور چراگاہوں کی حفاظت پر مامور کیا۔ تولوئی کی طرح اریق بوغا کو خاندانی الاؤ کا محافظ بننا تھا۔ منگو خاں، تاشے بجانے زور زور سے ڈھول اور تاشے بجاتا ہوا چنگیز خاں کی قبر پر پرچم چڑھانے کے لیے حاضر ہُوا۔ اُس نے اپنے رخصت کی وداعی دعوت دی اور بوڑھے مغلوں نے خوب جی بھر کے شراب چڑھائی۔ ان بوڑھوں کے نزدیک یہ مغل طور طریق کے بالکل درست تھا کیونکہ اگر منگو بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں مغل اردو کی قیادت کرے گا تو چنگیز خاں کی روح نو باک والے پرچم کے ساتھ ساتھ چلے گی۔

دونوں بھائی بہت بڑے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ دریائے یانگ تسی کی جانب روانہ ہوئے، جوان کے راستے میں

اگلی گرمیوں کے شدید موسم میں، باون سال کی عمر میں ہوچیو کے محاصرے کے دوران میں پیچش کے عارضہ میں مبتلا ہو کے منگو خاں مر گیا۔

منگو کو چنگیز خاں کے پہلو میں دفن کیا گیا، جہاں برخان کالدون کی ڈھلوانوں پر چیل اور صنوبر کے درخت اُگ رہے تھے۔ بوڑھے مغلوں نے جنازے کی گاڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ساری لکڑی جلا دی۔ چیل کے نیلے درختوں سے دھوپ چھن چھن کر آ رہی تھی۔ اس دھوپ میں لکڑی کا دھواں بلند ہو رہا تھا اور شامان سوچ رہے تھے کہ معلوم نہیں منگو خاں کی روح کہاں بسیرا لے۔

منگو خاں کا اور قبیلے کا ایک ہی نام تھا جس کے معنی ہیں چاندی یا جاودانی۔ اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کا نام لینا چھوڑ دیا۔ چاروں بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے اریق بوغا نے جنازے میں شرکت کی۔ قبلائی خاں اور ہلاکو خاں علی الترتیب چین اور ایران میں فتوحات حاصل کرنے میں مصروف تھا۔

اپنے دادا چنگیز خاں کی موت کی طرح منگو خاں کی موت کی وجہ سے بھی مغلوں کی جنگی سرگرمی کچھ دنوں کے لئے رکی۔ اُس کی موت خلافِ توقع بہت جلد واقع ہوئی تھی اور خاندانِ مذہب کے اراکین اس وسیع سلطنت کے طول و عرض میں منتشر تھے۔ خاندان کی وحدت بھی ختم ہو چلی تھی۔ منگو خاں کی موت کے بعد چار عزیز محض عزیز نہ رہے، چار شہنشاہ بن گئے۔

منگو خاں ان کے درمیان ربط قائم کیے ہوئے تھا۔ وہ اپنے دادا کی طرح دُھن کا پکا تھا اور دشت کی دنیا اُسے زیب دیتی تھی۔ یاسائے چنگیزی اس کا قانون تھا۔ اُس کا عقیدہ تھا کہ خانہ بدوش کی سخت زندگی، متمدن دنیا کی آرام طلب زندگی سے زیادہ افضل ہے اور اس نے قلعہ بند شہروں پر حملوں اور ان کے محاصروں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔

لیکن وہ چنگیز خاں سے زیادہ ذہین تھا اور مشیروں کی رائے کے حسن و قبح پر غور کرنے کی اُسے شاید زیادہ تمیز تھی۔ اُس کی نظر چراگاہوں سے پرے پہنچتی تھی۔ وہ تمدنوں کی عقل و فراست سے بھی اپنا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس میں اسے کامیابی ہوئی، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے یاسا کے خود اس کی ذات قانون بن گئی اور جب وہ مر گیا تو کسی میں اس کی سچی جانشینی کی صلاحیت نہ تھی۔

مغرب کا فرمانروا

خاندان کا بزرگ ترین فرد باتو خاں اس مرتبہ بادشاہ گری کا فرض نہ انجام دے سکا کیونکہ گٹھیا کی تکلیف اور عیش و

...تھیں اپنے برادرِ عم منگو خاں کی موت سے چار سال پہلے اُس کا انتقال ہو چکا تھا۔

...طاقت ور اور ذی حشم منگو خاں، باتو خاں کے جانشین کو نامزد نہ کر سکا تھا۔ پہلے اُس نے سرتاک کا انتخاب کیا جو باتو خاں ...عیسائیوں کا دوست تھا، لیکن قراقرم سے مغرب کی طرف جاتے ہوئے راستے میں بیمار ہو کے سرتاک مر گیا۔ پھر ...نے باتو خاں کے ایک پوتے کو جانشین نامزد کیا لیکن اُس کی موت بڑے پُر اسرار طریقے پر چند ماہ کے اندر واقع ...ممکن ہے ان دونوں کو برقائی کے حکم سے زہر دے دیا گیا ہو۔

...تو خاں کا بھائی برقائی مذہبِ اسلام پر ایمان لے آیا تھا۔ مسلمان تاجر زہر خورانی میں ملکہ رکھتے تھے۔ اگر باتو خاں کا بیٹا ...زندہ رہ جاتا تو زرّیں خیل کی تاریخ بالکل مختلف راستہ اختیار کرتی۔ مسلمان داعیوں کو اس کا احساس تھا۔

...معلوم نہیں کہ برقائی نے واقعی ان دونوں کو زہر دلوایا یا نہیں، لیکن ان کے بعد مغرب کی سلطنت اُس کے ہاتھ آئی۔ ...کے مرنے کے بعد وہ مشرق کے خاقان کا محض برائے نام ماتحت رہ گیا تھا۔ اب وہ اپنے حق کے مطابق خود شہنشاہ ...تھا اور چاہتا تھا کہ قراقرم اُس کے معاملات میں دخل نہ دے۔

...بظاہر برقائی خاں، باتو خاں کا توام بھائی معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی طرح موٹا تازہ تھا اور اُسی کی طرح گٹھیا کے مرض میں مبتلا ...اس کی جلد زردی مائل تھی اور کانوں کے پیچھے وہ اپنی زلفوں کو گوندھتا تھا۔ باتو خاں کی طرح اُسے بھی جواہرات کے آویزے ...اور مرصع کمربند پسند تھے۔

...تو خاں کی طرح اُسے بھی تمنا تھی کہ اپنے لیے ایک نیا شہر آباد کرے۔ باتو نے جو شہر وولگا کے نشیبی علاقے میں دریا کے ...آباد کیا تھا اور جو سرائے کہلاتا تھا، خیموں کا شہر تھا۔ برقائی نے اسی دریا کے کنارے اور زیادہ شمال میں ایک اور شہر ...بجائے خیموں کے اسے اینٹوں سے تعمیر کرایا۔ جاڑوں میں یہ زیادہ آرام دہ ثابت ہوا۔ آج کل کے روسی ان دو شہروں ...باتو اور سرائے برقائی کہتے ہیں۔

...ان اپنے نئے مستقر میں پہلے چند سال جوچی کے دوسرے فرزند نے آرام چین سے حکومت کی اور معلوم ہوتا تھا کہ دور دور ...دنیا تک اُس کا کوئی رقیب اور مدِمقابل نہیں۔ اُس کی سلطنت کی وسعت طے کرنے میں تاجروں کو مشرق سے مغرب تک ...اور شمال سے جنوب تک تین مہینے لگ جاتے۔ وہ مصر سے شیشے کا سامان اور جنوب سے قالین اور دوسری بیش قیمت ...اشیا منگواتا۔ بحیرۂ اسود کی بردہ فروشی کی بندرگاہوں سے سفر کرتے ہوئے جواہرات بیچنے کے لیے سرائے برقائی ...یہ دو نوپولو، مارکو پولو کے خاندان کے افراد تھے۔

...خاں سے زیادہ ہوشیاری کے ساتھ برقائی خاں مغلوں کے طور طریق سے زندگی بسر کرتا تھا۔ بہت کم وہ دشت میں اپنے

غار سے برآمد ہوتا۔ اُسے یہ بعد جہاں مناسب معلوم ہوتا تھا کہ دُنیا بھر کی نعمتیں اور عشرتیں خود کھنچ کھنچ کر اُس کے پاس آئیں، بجائے اس کے کہ وہ خود متمدن دنیا کے جھمیلوں میں جا پھنسے، اُس نے خانہ بدوش کی پوری پوری آزاد زندگی بسر کرنی شروع کی۔ چنگیز خاں کی ہدایات پر عمل کرتا رہا اور خاندان کے جھگڑوں سے اپنا دامن بچائے رکھا۔

قراقورم کے احکام کا برقائی خاں اپنے آپ کو پابند نہیں سمجھتا تھا، اس کا نتیجہ یورپ کے حق میں اچھا نکلا۔ خاماں برباد آزاد متمدن دنیا کی سرحدوں کے اندر گھستے چلے جا رہے تھے، لیکن زرّیں خیل کے موٹے تازے خان نے اس معاملے میں زیادہ ہمت نہیں برداشت کی۔ ہزاروں میل دُور اُس کے چچا زاد بھائی قبلائی اور ہلاکو مغلوں کے جنگی رتھ کو ہانک رہے تھے۔ برقائی نے مغرب پر محض ایک رسمی چھاپا مارا۔

۱۲۵۹ء میں منگو خاں کی موت سے کچھ دن پہلے، اس نے کچھ تاتاروں کو مغرب پر حملہ مارنے کے لیے روانہ کیا۔ ان کے سبک رفتار دستے پولینڈ کی سرحد میں کراکاؤ تک گھس گئے۔ جن راستوں سے وہ گزرتے تھے ان کا نام اہلِ پولینڈ نے "چارنی شلاک" یا "کالی سڑکیں" رکھ دیا۔ راستے بھر وہ آتش زنی اور لوٹ مار کرتے رہے۔ جاڑوں میں اور تاتاروں نے اس علاقے سے گزر کے جس میں رُوس تھا، جنگجو تھتونیوں پر حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ پھر انھوں نے ہلہ بول کر کراکاؤ پر قبضہ کرنا چاہا لیکن اس شہر کے بہادر "وایوودا" نے انھیں پیچھے دھکیل دیا۔ یہ چھاپے سرحد کے کنارے کی معمولی چھیڑ چھاڑ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ برقائی نے اس معاملے میں بڑی احتیاط برتی کہ مغرب پر بھرپور یورش نہ کی جائے۔

اس طرح بڑے سیدھے سادے طریقے سے برقائی کا خزانہ معمور رہتا۔ وہ روسیوں سے خراج وصول کرتا اور دور مغرب کی قوموں سے لوٹ مار کے دولت وصول کر لیتا۔ اپنی سلطنت کے زیرِ سایہ ممالک سے وہ تحائف قبول کرنے پر اکتفا کرتا۔ بس کے عوض وہ ان سے امن، دوستی اور حفاظت کا سلوک کرتا۔

یہ صورتِ حالات اُس عام یلغار سے بہت مختلف تھی جس کی سرکردگی قریب قریب ایک پیڑھی پہلے سوبوداٹی بہادر اور باتو نے کی تھی۔ برقائی خاں کا ارادہ تو یہ تھا کہ وہ مغلوں کے روایتی طریقے پر زندگی بسر کرے لیکن در اصل عیش و آرام کی زندگی کی وجہ سے اس کے مزاج میں نرمی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ مغرب میں وہ جو چھاپے مارتا تھا ان کا مقصد محض یہ تھا کہ مالِ غنیمت حاصل ہو اور دھاک جمی رہے۔ اس کے مقصد کے لحاظ سے یہ کافی تھا کہ صرف روسی براہِ راست اس کے زیرِ حکومت رہیں۔

یہ واضح اور صاف حکمت عملی جو برقائی نے اپنے لیے مقرر اور اختیار کی تھی، چنگیز خاں کی اس تجویز کے بالکل برعکس تھی کہ مغلوں کا فرض ہے کہ متمدن دنیا کی فوجی قوتوں کا قلع قمع کر کے ساری متمدن دنیا کو خانہ بدوشوں کا غلام بنا لیا جائے۔ ممکن ہے کہ برقائی کی حکمتِ عملی پر ان خبروں کا اثر پڑے جو مغرب سے آ رہی تھیں کہ منگو خاں کے مرنے کے بعد خاندانِ زرّیں میں

پھوٹ پڑی ہے، لیکن ۱۲۶۰ء ہی سے برقائی کے خیل میں تبدیلی رونما ہونے لگی تھی۔

پہلے تو یہ کہ کھرے مغلوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔ تولوئی اور اوغدائی کے خانوادوں کے افراد مشرق کی جنگوں میں کھنچ کر اُدھر چلے جا رہے تھے۔ زرّیں خیل میں ترکوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ زرّیں خیل پرانے ترک ال کی ایک نئی صورت بن کر رہ گیا جیسے پچنگ یا قپچاق۔ چنانچہ روسی اس خیل کو قپچاق خیل اور اس کے اراکین کو بلکہ تاتاری کہنے لگے۔ تُرکوں کے قاعدے کے مطابق اس خیل کا رجحان یہ ہونے لگا کہ مفتوحہ علاقے میں کے بس جائے۔

زرّیں خیل گویا اپنی آمدنی پر زندگی بسر کرنے لگا اور چونکہ تُرک عام طور پر محاصل اور چُنگی کے وصول کی زحمت برداشت کرتے اس لیے ترک بشکاکوں نے محاصل کی فراہمی اور وصولی پر خیوا کے چند مسلمان تاجروں کو مامور ، روسی سخت گیر کہتے تھے اور بجا کہتے تھے۔

لیکن برقائی کی اس تجویز کو کہ وولگا کے کنارے بس کے عیش و آرام کی زندگی بسر کرے، ایک طرف سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ میں ایک نئی طاقت نمودار ہوئی۔ ہلاکو خاں کی رتھ گاڑی سمرقند کے پاس سے کھڑکھڑاتی ہوئی مغرب میں نمودار ہوئی۔ اس سے قفقاز کی چوٹیاں صاف نظر آتی تھیں۔ باتو خاں کی طرح برقائی بھی اپنے آپ کو خاندان سے جلاوطن سمجھتا تھا۔ اس کے لیے قطعاً تیار نہ تھا کہ اور کوئی مغل اس کی نئی سرحدوں پر دخل در معقولات کرے۔

۱۲۵۵ء سے ۱۲۶۰ء کا زمانہ مغل سلطنت کے لیے بڑا نازک دور تھا۔ اس دوران میں برقائی خاں اپنے چچا زاد ہلاکو خاں کی فاتحانہ پیش قدمی کو بڑے شک اور رشک کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ ہلاکو خاں کو فتح و ظفر کا گُر آتا تھا۔ اس کے کہت کار (چھکڑے) الموط اور اسماعیلیوں کے دوسرے قلعے لوٹتے ہوئے بغداد کے مالِ غنیمت سے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے بغداد کے آخری خلیفہ کو مغل گھوڑوں کی ٹاپوں سے مار ڈالا تھا اور برقائی اب مسلمان ہو چکا تھا۔ اُس نے ہلاکو خاں کو لکھا "تم نے ایک مقدس مقام کی بے حرمتی کی۔ اس معاملے میں پہلے اپنے خاندان کے دوسرے افراد سے مشورہ نہیں لیا؟"

اُس نے یہ بھی سُنا کہ منگو خاں نے ہلاکو کو ایل خاں (چھوٹے خاں) کا خطاب دیا ہے، جو برقائی کے مقابل ہلاکو کو بھی عزیز تھا۔ اس کے علاوہ اس نئے ایل خاں کو منگو خاں نے ایک یرلیغ کے ذریعہ وہ سارا علاقہ جو اس نے فتح کیا تھا اور کر رہا تھا نسلاً بعد نسل بطور جاگیر عطا کیا تھا۔

پھر جب جاڑے آئے تو ہلاکو خاں نے قفقاز کے سلسلۂ کوہ کے جنوبی دامن میں اپنا خیمہ نصب کیا۔ یہاں مغلوں

کے لیے چراگاہوں کی افراط تھی اور بلند وادیوں کا پانی تازہ اور شیریں تھا۔ برقائی قفقاز کے اِس پار کی ان چراگاہوں کو اپنا حصّہ اور ورثہ سمجھتا تھا لیکن یہاں ہلاکو خاں نے ایک رسدگاہ بنوائی اور بغداد سے لُوٹے ہوئے مال کے لیے ایک عمارت تعمیر کروائی اور پھر اِس ضدّی عورت دوقوز خاتون نے کلیسا کی گھنٹیاں بجوانی شروع کیں، جن کی آرمنی لوگ بہت خوش ہوئے۔

مسلمان رعایا نے غصّے کے عالم میں برقائی کو اطلاع دی "ہر مذہبی فرقے کو مذہبی آزادی حاصل ہے لیکن ہم کو آواز اٹھانے کا حق نہیں۔ ادنیٰ اعلیٰ ہر عیسائی بھڑکدار کپڑے پہنے گیت گاتا پھرتا ہے۔"

مسلمان کے مقابلوں میں مغلوں کو اپنا ملجا و ماویٰ اور غیبی نعمت سمجھ کے ہلاکو خاں کے اردو میں عیسائی ا جیکوبائٹ یہاں تک کہ صلیبی عیسائی جمع ہوتے جا رہے تھے اور ہلاکو خاں کہتا تھا "میرے لیے دُعا کرو تاکہ کُھل جائیں۔"

جدھر جدھر سے ہلاکو خاں کے دستے گزرتے مسجدوں کو آگ لگا دی جاتی اور دھوئیں کے بادل بلند ہوتے کوئی ہاتھ نہ لگاتا۔ ایک مسلمان امیر نے مزاحمت کی تو محاصرہ کرکے اُسے بڑی سفاکی سے قتل کیا گیا۔ اُس کے جسم کا کاٹ کاٹ کے اُس کے منہ میں بھری گئیں، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ سلجوقیوں کے ایک سلطان نے اِس فاتح کے سا اپنے آپ کو اس قدر ذلیل کیا کہ اُسے ایک جوڑا جوتیاں تحفۃً پیش کیں جن کے تلووں پر سلطان کی اپنی تصویر گڑگڑا کے ہلاکو خاں سے التجا کی،

"آپ کا یہ غلام التجا کرتا ہے کہ یہ تحفہ قبول کرکے اِس غلام کے سر کو اپنے قدمِ مبارک سے سرفراز فرمائیں" ہلاکو اِس سے بہت خوش ہوا، مگر جب برقائی نے یہ قصّہ سُنا تو اُسے بڑا غصّہ آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ چنگیزیوں پرچم کے دوش بدوش عیسائیوں کی صلیب بلند ہوتی جا رہی ہے۔

۱۲۵۹ء کی گرمیوں میں ہلاکو خاں نے قفقاز سے ہٹ کے جنوب کا رُخ کیا۔ اُس کے تومانوں نے حلب کا کر کے یہاں کی جامع مسجد کو آگ لگا دی۔ وہ اُس کا اُردو شام میں کاوا کاٹتا ہوا دمشق میں جا گھسا۔ اُس کی اردو کے ساتھ انطاکیہ کے عیسائی نائٹ اور ان کا سردار ریمنڈ چہارم بھی تھا۔ گرجستانی تھے اور اپنے بادشاہ جیشون کی سرکردگی میں آ عیسائی تھے۔ اب ہلاکو خاں نے ارضِ مقدس کا رُخ کیا جہاں مسلمان یروشلم پر قابض تھے۔ اگر کہیں مصر پر مغلوں کا ہو جاتا تو مسلمان فوجوں کے لیے عرب کے ریگستان اور شمالی افریقہ کے گمنام ساحل کے علاوہ دنیا میں کہیں نہ رہتا۔

مؤرخ ابن اثیر نے لکھا ہے۔ "سرکارِ دوعالم کے عہد سے لے کر آج تک مسلمانوں پر کبھی ایسا بُرا وقت نہ آیا تھا۔"

مغلوں کے قراول دریائے بردن کے مغرب کی سطح مرتفع تک پہنچ چکے تھے، جو مصر کے راستے میں واقع ہے کہ اتنے ۱۲۶۰ء کے اوائل میں منگو خاں کی موت کی خبر ملی۔ قراقورم کا قاصد ایل خاں کے لیے پیغام لایا کہ قرولتائی کے لیے مغلوں ن واپس چلے چلو۔

ہلاکو خاں ہچکچایا اور ہچکچاہٹ کی بات بھی تھی۔ مغلوں کی روایت کے مطابق گوبی واپسی اور عزیزوں کی قرولتائی میں ضروری تھی، خواہ وہ کتنی ہی دور سہی، شرکت ضروری تھی۔

لیکن اُس کا بھائی تو اب مر چکا تھا۔ منگو خاں کی صورت تو اب وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کیا اُس نے سختی سے اس کے ہر حکم کی تعمیل نہیں کی تھی؟ اُسے جو انعام ملنا تھا مل چکا۔ سمرقند کی حسین وادی، دجلہ کے کنارے بغداد لت، عروس البلاد دمشق، شاید یروشلم یہ سب اُس کے قبضے میں تھے اور ایل خاں کا ورثہ بن چکے تھے۔ اُس نے خاندان اور اپنی نسل کے لیے ایک نئی سلطنت کی بنیاد تو ڈال ہی لی تھی۔

ریگستان کے ایک ذرا سے ٹکڑے کو پار کرنے کے بعد چند منزلوں کے فاصلے پر دریائے نیل کے کنارے قاہرہ کا ا۔ اِس پر قبضہ ہو جائے تو وہ مشرقِ قریب کا مالک بن جائے گا۔ اُس کے بیٹے ایل خاں اور نیست و نابود عباسیوں تے کے مالک بنیں گے۔ بحیرۂ روم کے نیلے پانی کے کنارے وہ عشرت کدے بنوائیں گے۔ اُسے اپنی فتح ی قسم کا شک نہ تھا۔

اُس کے سپہ سالار نے بھی یہی اصرار کیا کہ بڑھے چلو۔ آخری منزل تک پہنچ کے واپس لوٹ جانے سے کیا فائدہ۔ اگر کے لیے ہلاکو خاں نے دُور دراز کا سفر شروع کیا تو اس سفر میں کئی سال گزر جائیں گے۔ اُس کا نیا مفتوحہ علاقہ د میں رہے گا، جو اب مخالف بن چکا تھا اور جس نے قفقاز میں ایک فوج جمع کر رکھی تھی۔

دوقوز خاتون نے بھی التجا کی کہ جمے رہیے۔ یہاں کون ہے جو آپ کے حکم سے سرتابی کرے۔ گوبی جائیے گا تو وہاں تین یوں میں ایک آپ بھی ہوں گے اور جو کچھ ہاتھ آئے گا وہ محض اِس پیش کی یاد ہوگی۔ اُس کے عیسائی مشیر آرمنی بادشاہ جیشون اسقف بار ہیبریس بھی خاتون کے ہمنوا ہو گئے (کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ اگر ہلاکو واپس چلا گیا تو مصر کے مملوک ب مزا چکھائیں گے) انھوں نے اصرار کیا کہ یروشلم کو ان کی تحویل میں دے دیا جائے۔ پھر ساحل کے مسلح ائی ٹمپلر اور ہاسپٹلر نائٹ بھی ساتھ آن ملیں گے اور ہلاکو انھیں اپنی رعایا بنا لے گا۔

مغل افسروں نے فوراً عیسائیوں کی رائے سے اتفاق کیا۔ مغلوں کی فتح کا نقشہ ہی یہ تھا کہ پہاڑ کے اولانش کی طرح

یلغار کی جائے اور ایک مفتوحہ علاقہ کی رعایا کو دھکیل کے اگلے علاقے میں ہنکایا جائے ۔ ارمنی، انطاکیہ کے نائٹ اور
گرجستانی پہاڑی دستے تو ہلاکو کے ساتھ تھے ہی، اس یلغار میں ٹھہرنے یا دم لینے کی گنجائش ہی نہ تھی۔

انھوں نے ہلاکو کی یاد دہانی کی کہ جب رُوس میں خاندانِ زریں کے شہزادوں نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کیا تو
سوبودائی نے واپس لوٹنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے برعکس وہ یورپ میں گھستا چلا گیا تھا۔ خود چنگیز خان کا قول تھا
دشمن پر یورش شروع کی جائے تو پھر دم نہ لینا چاہیئے ۔

ان لوگوں نے کہا کہ منگو قاآن نے جواب مرچکا ہے، یہ حکم دیا تھا کہ مصر کا خاتمہ کر دیا جائے ۔"

ہلاکو سوچنے لگا کہ اس ہچکچاہٹ کے زمانے میں صرف مغل سلطنت کے مستقبل کا مسئلہ ہی درپیش نہ تھا۔ یہ
تھا کہ مصر اور نیل اور مشرقِ وسطیٰ میں مسلمانوں کی حکومت اور جنگ ہائے صلیبی کا کیا حشر ہوگا۔

ہلاکو واپس لوٹا۔ اُس نے اپنے بھائیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ قرولتائی میں شرکت کرنے آ رہا ہے ۔

اپنے گھوڑوں کے گلوں اور عظیم الشان خیمہ و خرگاہ کے ساتھ اُس نے شمال کا رخ کیا، لیکن اب
کے انتظامات کے متعلق صلاح و مشورہ دینے کے لیے کوئی سوبودائی موجود نہ تھا۔ اپنی تجویزیں اُسے خود بنانی پڑیں
بالآخر اُس نے اپنے سپہ سالار قطبوغا کو ایک لشکر اور آرمنی اور گرجستانی حلیفوں کے ساتھ پیچھے چھوڑا کہ دریا
یردن کے علاقے میں مغلوں کی عسکری سرحد کی حفاظت کرتے رہیں۔ گھاس سُوکھنے سے پہلے ہی وہ قفقاز کے کنارے کنارے
شمال کی طرف روانہ ہُوا۔ وسط گرما کی تابش میں وہ تبریز کے بلند علاقے میں جا پہنچا۔

یہاں فلسطین سے ایک تیز رفتار قاصد نے آن کے اُسے ایک ناقابلِ یقین خبر سنائی یہ کہ قطبوغا نے شکست
فاش کھائی اور قتل کر دیا گیا۔ یہ کہ مغل فوج شکست کھا کے منتشر ہو گئی اور بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا دی گئی۔

پہلی شکست فاش

اگر اس خبر سے ہلاکو خان کو حیرت ہوئی تو مغربی ایشیا کو بھی کچھ کم تعجب نہ ہُوا۔ سینتیس سال کے عرصے میں
بار بھی کسی مغل دستے نے شکست نہ کھائی تھی۔ مسلمان جو یہ سمجھتے تھے کہ اب دارالسلام پر نزاع کا عالم طاری ہے
فتح کو تائیدِ غیبی کا معجزہ سمجھنے لگے۔ خاص طور پر اس لیے کہ یہ فتح مصر کی فوج کو حاصل ہوئی تھی، جو ان پناہ گزینوں
ملجا و ماویٰ تھی، جو مغلوں کی پیش قدمی کی وجہ سے مغرب کی جانب ہجرت کر گئے تھے ۔

فی الحقیقت اس فوج کا مرکز غلاموں کی وہ جماعت تھی جو "مملوک" کہلاتی تھی۔ شروع شروع میں یہ مملوک

ان پر مشتمل تھے جو غلامی کے عالم میں خریدے جاتے تھے تا کہ قاہرہ کے برائے نام خلفاء[1] کے محافظ دستے کی خدمت انجام دیں۔ یہ
نوجوان بلغاریوں، ترکوں، چرکسوں اور گرجستانیوں پر مشتمل تھے، جنھیں مشرقِ قریب کے بردہ فروشی کے بازاروں میں خریدا گیا
اور ان میں سے زیادہ تر سفید نسل کے نام لیوا تھے ــــ کیونکہ ترک بھی سفید فام ہوتے ہیں ــــ اور وہ جنگ کے سوا کسی اور پیشے
سے واقف نہ تھے۔ ان میں جو زیادہ جری تھے وہ نیل کے سفید غلام کہلاتے تھے۔

اور ان دوسرے ترکوں کی طرح جنھوں نے پہلے خلفائے بغداد کی ملازمت اختیار کی پھر ان پر حاوی ہو گئے، مملوکوں
نے بھی قاہرہ کے خلیفہ کو شطرنج کا بادشاہ بنا رکھا تھا۔ ان کا چُنا ہُوا طبقہ محافظ دستے کا حلقہ کہلاتا تھا۔

مغلوں کے شروع شروع کے چھاپوں کی وجہ سے مملوکوں کی صفوں میں کثرت سے ایسے ترک عناصر شامل ہو گئے تھے، جو
خوارزم یا بحیرۂ اسود کے علاقوں سے جلاوطن ہو کے آئے تھے، خاص طور پر ایسے بے راہ قبیلوں کے لوگ جیسے قرہ اوغلو اور
آق اوغلو کے ترکمان۔ اِس آشفتہ مزاج طبیعت کا ایک فرد اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتا تھا کہ مغلوں کو بھی شکست دی جا سکتی
ہے۔ اور اس شخص کی کہانی الف لیلہ کی کہانیوں کی طرح عجیب و غریب ہے۔

یہ فی الحقیقت الف لیلہ کا ایک ورق ہے، کیونکہ اس کہانی کے ہیرو سے الف لیلہ کے بہت سے حیرت ناک واقعے اسی طرح
وابستہ ہیں جس قدر کہ ہارون الرشید سے، کیونکہ نام نہاد الف لیلہ کا بہت بڑا حصّہ قاہرہ میں لکھا گیا۔ ان کہانیوں کی کثیف ظرافت قاہرہ
کی گلیوں سے بڑی حد تک وابستہ ہے اور دراصل دریا جس کے کنارے الف لیلہ کی کہانیوں کے واقعات پیش آئے، دریائے نیل
ہے، دجلہ نہیں۔ جہاں وہ شوریدہ پشت غلام رہتے تھے جو مملوک کہلاتے ہیں اور جہاں سوڈان کے وحشی کثرت سے آباد تھے)۔

جس شخص کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ دراصل ایک ڈرامہ کا ہیرو تھا، مگر ہم نے ابھی تک اُس کی بے مثل قابلیت اور ہنر
کا اچھی طرح اندازہ نہیں لگایا ہے۔ اس کا نام بیبرس" اور اس کا خاص لقب "کماندار" تھا۔ طرابلس کا راہب ولیم جو اُس کے
حالات سے کافی واقفیت رکھتا تھا، لکھتا ہے کہ سپاہی کی حیثیت سے اس کا مرتبہ جولیس سیزر سے کم تر نہ تھا اور کینہ اور بغض میں
نیرو سے کم نہ تھا۔

ذات کے لحاظ سے وہ قپچاق ترک تھا۔ اُس کا قد چھ فٹ سے کچھ کم تھا۔ کانا تھا، جس پر سفید داغ تھا۔ وہ بائیں ہاتھ
سے تلوار چلاتا تھا اور اُسے بیش قیمت کپڑے پہننے کا بڑا شوق تھا۔ اُس کے وقائع سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکپن میں اُسے زبردستی مغلوں
کی فوج میں بھرتی کیا گیا تھا۔ اہلِ وینس کے ہاتھوں گرفتار ہو کے وینس کے بردہ فروشوں کے ہاتھوں دمشق کے بازار میں جا پہنچا ۔

---

[1] تاریخی لحاظ سے یہ غلط ہے کیونکہ زوالِ بغداد کے بعد ابھی چند ہی سال گزرے تھے۔ مترجم

روپن میں بیچا گیا جس نے اُسے خریدا تھا، اُسے اس لیے قبول نہیں کیا کہ وہ کانا تھا لیکن ایک مملوک امیر نے اُسے اپنا غلام بنالیا لیکن اپنے تلخ تجربے کی وجہ سے بیبرس مغلوں کی فوج اور اس کے آئینِ جنگ سے اچھی طرح واقف تھا۔

دریائے نیل کے سفید غلاموں میں اُسے بہت سے ہم مشرب ساتھی مل گئے۔ اُس کی تیراندازی کی وجہ سے لوگ اس کی عزت کرنے لگے۔ چونکہ وہ رُد رعایت کا قائل نہ تھا، اُس نے بڑی جلد ترقی کی۔ چونکہ وہ بہت مذاق کرتا تھا، گلیوں اور سڑکوں کے چلنے والے اُسے پسند کرنے لگے جہاں شراب اور حشیش کی دوکانیں ساتھ ساتھ تھیں اور جوان رنڈیوں اور یونانی لڑکوں میں آپس میں رقابت تھی۔

بہت جلد بیبرس حلقے کا امیر ہو گیا۔ وہ قُطز کا نائب بن گیا، جو آخری سلطان ایوبی کو قتل کر کے خود سلطان بن بیٹھا تھا۔ حلقے کا امیر ہونا ایسا تھا گویا کسی مشرقی فارن لیجن کا سردار ہونا۔ اس حیثیت سے بیبرس کئی طرح کے کام کر سکتا تھا۔

اُسے اپنے سوا کسی پر اعتبار نہیں، اس لیے وہ بھیس بدل کے گشت لگاتا ہے اور اپنے لیے خود مخبری کرتا ہے۔ بھیس بدل کے وہ حماموں پر دھاوا بولتا ہے اور خوب صورت سے خوب صورت عورتوں کو اُڑا لے جاتا ہے اور اُن کے زیور اور جواہر کو اگلے روز بیچ کے شفاخانے تعمیر کراتا ہے۔ وہ ماہی گیروں کے ساتھ دریا کنارے جاتا ہے اور جنگی بیڑہ تعمیر کرانے کے خواب دیکھتا ہے۔ وہ اپنے ہم پیالہ ہم نوالہ ساتھیوں کو چھوڑ کے تن تنہا نکل جاتا ہے اور اگلے روز فلسطین میں نمودار ہوتا ہے چار دن بعد دشتِ عرب میں نظر آتا ہے۔ اُس میں خانہ بدوشوں کی تیز رفتاری اور دور رسی کی خداداد صلاحیت ہے۔

● اُس کے معرکوں کی وجہ سے قاہرہ کے عوام اُس کی پرستش کرتے ہیں اور اُس سے خائف بھی رہتے ہیں کیونکہ معلوم نہیں بیبرس اس وقت کہاں ہو۔ کہیں وہ دراز قد مملوک جو صلاح الدین کی فصیل کے بُرج سے ان کی طرف دیکھ رہا ہے بیبرس تو نہیں۔ کہیں وہ لمبا سا سوار جو چیتوں کو ساتھ لیے بھیڑوں کی چراگاہوں کے اُس پار بارہ سنگھوں کا شکار کر رہا ہے بیبرس نہ ہو یا قاضی کے زانو بہ زانو جو سمرقندی حاجی بیٹھا ہوا وظیفہ پڑھ رہا ہے کہیں وہی بیبرس نہ ہو۔

جب وہ شاہانہ جلوس میں نکلتا ہے تو لوگ بیبرس کو پہچان لیتے ہیں کیونکہ آگے قرنا اور تاشے بجتے جاتے ہیں اور اُس کی لگام کے ساتھ کالے حبشی خواجہ سرا محافظ دوڑتے جاتے ہیں۔ جس سپاہی کی شجاعت اُسے پسند آتی ہے، اُسے وہ جواہرات یا عیسائی لڑکیاں یا دمشق میں جاگیر انعام میں دے ڈالتا ہے۔ معمولی سا شبہ ہو تو وہ قاہرہ کے ایک سو اسّی امیروں کے سر قلم کرا دیتا ہے۔

یہ شخص جو میدانِ جنگ اور بردہ فروشوں کے بازار کا فارغ التحصیل ہے، زبانوں کی روک اور بندش سے آزاد ہے کیونکہ جب وہ خود جاسوسی کرتا ہے تو بڑے اطمینان سے یونانیوں سے یونانی میں، عربوں سے عربی میں اور دریائے نیل کے

منبع کے حبشیوں سے ان کی اپنی بولی میں باتیں کرتا ہے۔ کسی اور موقع پر کسی اور حیثیت سے وہ اپنے میر منشی سے انجو کے شاہ چارلس اور اہلِ وینس کے نام مراسلے لکھواتا ہے۔ ادھر وہ اہلِ وینس کی تجارتی کشتیاں لوٹ کے نفع حاصل کرتا ہے، اُدھر اُن کے دشمنوں یعنی اہلِ جینوا سے بندرگاہوں پر محصول وصول کرتا ہے۔ ان مغرور شہروں کے سفیروں کو آپس میں لڑا کے مزے سے تماشا دیکھتا ہے، یہاں تک کہ اس کے تدبر سے اِن دونوں شہروں کے بیڑوں کے درمیان ارضِ مقدس کے قریب سمندر میں گھمسان کی لڑائی چھڑ جاتی ہے۔

اپنے ترک سپاہیوں کے ساتھ وہ غازہ کے قریب متحد صلیبیوں کی ایک فوج کو شکست دیتا ہے۔ اپنے حملۂ بازگشت سے — یہ داؤں اس نے مغلوں سے سیکھا ہے — وہ لوئی شاہِ فرانس کا قلب توڑ دیتا ہے اور منصورہ کے قریب ایک فرانسیسی صلیبی فوج کو مار بھگاتا ہے۔ وہ اور قُطز اور ایک لڑکی جس کا نام شجرۃ الدر ہے، آشفتہ مزاج شیخ المعظم کی عنانِ حکومت سنبھالے ہوئے ہیں۔ . . . یہاں تک کہ اس کے پرانے آقا مغل مصر پر آن کے منڈلانے لگتے ہیں۔

ہلاکو خاں کی آمد آمد سے جو دہشت طاری ہوئی اس سے موقع پا کے قُطز اور بیبرس نے کھلم کھلا مصر کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا، جو پہلے سے ان کے زیرِ اثر تھا ہی۔ قُطز کا قول تھا: "اس وقت سب سے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ مغلوں کو مار بھگایا جائے اور اس کے لیے ایک حقیقی سردار درکار ہے۔"

کچھ عرصہ بعد حسبِ معمول ہلاکو خاں کا پیغام قاہرہ پہنچا: "یہ اُس کا فرمان ہے جو ساری دنیا کا آقا ہے۔ اپنی فصیلیں منہدم کر دو اور اطاعت قبول کر لو۔ اگر یہ بات مانو گے تو تمھیں امن چین سے زندہ رہنے دیا جائے گا، لیکن اگر تم نے یہ بات نہ مانی، تو پھر جو پیش آتا ہے، پیش آئے گا اور ہم کیا جانیں کیا پیش آئے گا۔ اس کا علم تو صرف جاودانی آسمان کو ہے۔"

اس زمانے میں قاہرہ کی گلیاں پناہ گزینوں سے بھری ہوئی تھیں، جو بازاروں میں مغلوں کی طاقت اور قوت کے افسانے دہرا رہے تھے۔ بیبرس اس کا پورا بندوبست کرنا چاہتا تھا کہ جو شورش مزاج اور خائف انبوہ اس کی قیادت میں لڑنے والا تھا اس کے دل سے مغلوں کا ڈر نکل جائے اور وہ جان توڑ کے لڑے، اس لیے اُس نے مغل سفیروں کو قتل کرا کے اُن کی لاشیں شہر میں چاروں طرف آویزاں کرا دیں۔ اب اسے یقین تھا کہ قاہرہ والوں کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو جان توڑ کے مقابلہ کریں، یا تباہ و برباد ہو جائیں۔

برائے نام سلطان قُطز اخراجاتِ جنگ کے لیے تاجروں کے جواہرات کے انبار اور چھوٹے موٹے امیروں کے خزانے ضبط کر رہا تھا۔ بیبرس سپہ سالار کی حیثیت سے پناہ گزین ترکمانوں اور عربوں کو دستوں میں بھرتی کر رہا تھا اور دمشق سے اس نے وحشی حُرّہ قبیلے اور بہت سے بدو قبیلوں کو طلب کیا تھا۔ قاہرہ میں جتنے آدمی لڑنے کے قابل تھے، اُس نے ان سب

کو ہڑپ کر لیا تھا۔ اگر کسی نے منہ چھپانے کی کوشش کی تو اُسے کوڑے لگواتا تھا۔ قتز اور بیبرس دونوں نے مل کر ایک لاکھ کی جمعیت اکٹھا کر لی، مگر اس میں منضبط اور حملے کا ماہر عنصر صرف مملوکوں کا دستہ تھا۔

ابھی وہ قاہرہ کے تحفظ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ بیبرس کو خبر ملی کہ ہلاکو خاں اپنے وطن واپس جا رہا ہے اور اپنے پیچھے فلسطین میں ایک مغل فوج چھوڑ گیا ہے۔ اس نے فوراً ہی ایک ایسا فیصلہ کر لیا جو کسی کے وہم و خیال میں نہ آ سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس مغل فوج پر حملہ کرے گا۔

مملوک ساحل کی طرف احتیاط سے آہستہ آہستہ بڑھے، یہ دیکھنے کے لیے کہ اس موقع پر عیسائی صلیبی سردار اپنی قلعہ بند گاہوں میں کیا کر رہے ہیں۔ یہاں صلیبی نائٹ جن کو یورپ سے ہدایات نہیں ملی تھیں، کچھ نہیں کر رہے تھے بجز اس کے کہ اگر کوئی مغل قراول بہت قریب آ جاتا تو اسے پیچھے ہٹا دیتے۔ اس کا قتز اور بیبرس نے بہت اچھی طرح اطمینان کر لیا۔ عکہ کی فصیلوں کے نزدیک خیمے لگائے اور گلیلی کے میدان میں پیش قدمی کرنے سے پہلے صلیبیوں سے خورد و نوش کا سامان خریدا۔ گلیلی کے میدان میں عین الجالوت کے قریب، غولیاث کے کنوئیں کے کنارے قطبوغا خیمہ زن تھا۔

باوجود اس کے کہ ایک اور چار کا مقابلہ تھا قطبوغا نے لڑائی شروع کر دی۔ مصریوں کی ہلکی سی سوار فوج کو ایک طرف ہٹا کے مغلوں کی بھاری فوجوں نے میمنۂ فوج پر حملہ کیا۔ اس طرح کا حملہ تو کرغیمہ کہلاتا تھا اور اکثر بڑا کامیاب ثابت ہوا تھا۔

- یہ حملہ مصریوں پر کامیاب ثابت ہوا۔ شروع شروع میں وہ ڈٹے اور مغلوں کی جھپٹ کے آگے وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ یہی بیبرس کی تجویز تھی۔ اُس نے قطبوغا کے خلاف مغلوں ہی کی جنگی ترکیب استعمال کی تھی۔ اس نے اپنی فوج کے بہترین عنصر کو جس میں مملوکوں کا دستہ بھی شامل تھا، گھات میں چھپا رکھا تھا اور جب اس نے پلٹ کے حملہ کیا تو قطبوغا حیرت زدہ رہ گیا۔

مغلوں کی تعداد بہت کم تھی۔ آخری گرمیوں کی شدت نے انھیں اور پریشان کر رکھا تھا۔ ان کی صفیں تتر بتر ہو گئیں اور وہ تیز رفتاری سے بھاگ نکلے۔ اس داؤں میں ان کے گرجستانی اور ارمنی پیدل دستے بالکل بے کار ثابت ہوئے۔ نوئینوں نے قطبوغا کو بھاگ چلنے کا مشورہ دیا مگر اُس نے انکار کر دیا اور کہا "کوئی نہ کوئی تو خاقان تک یہ خبر پہنچا ہی دے گا کہ میں نے کس طرح جان دی اور ہلاکو خاں کے لیے اس حقیر سی فوج کی شکست کی کیا اہمیت ہے۔ کیا مغل عورتوں نے بچے جننا چھوڑ دیا، یا گھوڑیاں بچے نہیں دیتیں؟"

یہ کوئی عقلمندی کا فیصلہ نہیں تھا۔ قطبوغا گرفتار ہو کے مملوک امیروں کے سامنے آیا اور اس کا مذاق اُڑایا گیا۔

نے بہت سی سلطنتوں کا قلع قمع کیا ہے، مگر اب تم خود گرفتار ہو کے آئے ہو۔ بتاؤ تمھارا دل کیا کہتا ہے؟"

قطبوغا نے جواب دیا "میں جانتا ہوں۔ ساری عمر میں نے اپنے آقا کی خدمت کی ہے۔ تم نے اپنے آقا کو قتل کر کے رتبہ حاصل کیا ہے۔ میرے مرنے کے بعد تم سب اور تمھارا سارا مال و متاع مغلوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلا جائے گا۔ مغل شہسوار مصر کی ریت اپنی زینوں کی تھیلیوں میں بھر بھر کے لے جائیں گے۔"

مملوکوں نے اُس کا سر قلم کر کے ایک بانس پر نصب کرایا۔ قطبوغا نے جو ڈینگ ماری تھی، حالانکہ اسے یقین تھا کہ [illegible] جو کہہ رہا ہے وہی ہو کر رہے گا، کبھی پوری نہ ہوئی۔ جو مغل قید ہو کے آئے تھے انھیں بیبرس اور قتز نے قاہرہ کی گلیوں میں پھرایا اور پھر ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کے انھیں قتل کرا دیا۔

اہلِ قاہرہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ مغل جنھیں کبھی شکست نصیب ہوئی تھی، انھیں شکست دے کے منتشر کر دیا گیا ہے۔ منصور و مظفر مملوکوں نے باقی ماندہ مغل فوج کا دریائے فرات کے اس پار تک تعاقب کیا اور اسلامی [illegible]ں میں شادمانی اور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

قتز نے اپنے ساتھیوں میں انعام اور مالِ غنیمت تقسیم کیا، لیکن اس نے بیبرس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جس کی [illegible] سے یہ فتح نصیب ہوئی تھی۔ بیبرس اس طرح کے سلوک کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ قاہرہ میں تو فتح کا جشن منایا جا رہا تھا [illegible] نے اپنے مملوکوں کو جمع کر کے قتز کو قتل کر ڈالا۔ چاؤشوں نے سڑکوں میں للکارنا شروع کیا "مومنو! قتز کی روح کی بخشش کی دعا کرو اور اپنے نئے سلطان الظاہر بیبرس کی درازیٔ عمر کی دعائیں مانگو۔"

بیبرس عوام الناس میں اس قدر مقبول تھا کہ قتز کے قتل کا اس کی ہردلعزیزی پر کوئی اثر نہ پڑا۔ اس کے علاوہ وہ [illegible] وہ ظالم سہی لیکن اس نازک وقت میں دنیائے اسلام کو ہلاکت سے اسی نے بچایا تھا۔ فوراً ہی اس نے صلیبیوں اور [illegible]وں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔

وہ یہ خوب جانتا تھا کہ قطبوغا کی فوج محض سرحدی فوج تھی، اس کی شکست کوئی بڑی بات نہ تھی، بلکہ ہلاکو خاں کے [illegible] اُردو کے حملے کا خطرہ بڑھ گیا تھا، لیکن اب اس نے سچ مچ بڑے انہماک سے جنگ کی تیاری شروع کی۔ اس نے [illegible] مغلوں ہی کی جنگی چال چلی۔ شام میں یلغار کر کے وہ شمالی شام کی آبادی کو اپنے ساتھ لیتا آیا اور دریائے فرات تک ساری [illegible] اس جلا دی، باغات کے درخت کاٹ ڈالے۔ خالی گاؤں میں آگ لگا دی —— اس طرح اس کا اطمینان کر لیا کہ اس [illegible] علاقے میں مغل اُردو کو نہ غذا مل سکے گی، نہ ان کے گھوڑوں کو گھاس۔ وہ صلیبیوں اور شام کے عیسائیوں کے [illegible] کر اپنے ساتھ اس لیے زبردستی لیتا گیا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ غیر جانبدار رہنے ہی میں ان کی

خیریت ہے اور اسی لیے اس نے پانچ سو قیدی آرمینوں کو یا تو قتل کرا دیا یا خواجہ سرا بنا دیا۔

اس درمیان میں بیبرس شمال کی طرف، جہاں ہلاکو خاں تھا، بڑی احتیاط سے نظریں جمائے تھا۔ اپنے سرحدوں کی چوکیوں کے لیے اس نے ہوائی ڈاک ——— یعنی نامہ بردار کبوتروں ——— کا انتظام کر دیا تا کہ مغل کہیں بھی نظر آ جائیں تو انھیں فوراً اطلاع مل جائے۔ وہ جہاں منزل کرتا، ایک خیمے میں ایک رات سے زیادہ نہ بسر کرتا۔ سونے کے لیے کپڑے نہ اتارتا اور ایک گھوڑا جس پر زین کسی ہوتی، خیمے پر تیار کھڑا رہتا۔

اس کی سرحدوں کے چوکیدار اپنے ساتھ کچھ مغلوں کو لے کر حاضر ہوئے جن کا تعلق ہلاکو خاں کے اردو سے نہ تھا۔ یہ قفقاز کے قاصد تھے جو زرین خیل سے آئے تھے اور برقائی خاں کے پاس سے امن اور دوستی کا پیام لے کر آئے تھے۔ اپنے دشت میں برقائی نے منگو کی موت اور فلسطین میں ہلاکو خاں کے دستوں کی شکست کی خبر سنی تھی۔ برقائی کو یہ بہت مناسب معلوم ہوا کہ وہ بیبرس کو مبارک باد کہے۔

شاید ہی کسی کو کبھی ایسا خوش آئند پیغام ملا ہو جس سے وہ اس قدر کام نکال سکتا ہو۔ بیبرس کو چشم زدن میں سمجھ آ گیا کہ مغلوں کے خلاف سب سے طاقت ور حلیف اور ساتھی جو اسے مل سکتے ہیں، مغل ہی ہیں۔ اس نے قاہرہ میں دشت کے شہسواروں کی بڑی خاطر مدارت کی، انھیں کنیزیں عطا کیں، اپنے حلقے میں انھیں اعلیٰ مرتبوں پر سرفراز کیا۔ ان میں سے کچھ کو اس لیے رکھ لیا کہ وہ مملوکوں کو مغلوں کی جنگی ترکیبیں سکھائیں اور دوسروں کے ساتھ اپنے سفیروں کو برقائی کی خدمت میں روانہ کیا۔

اچھی طرح پوچھ گچھ کے اس نے دریافت کیا کہ برقائی کو کس طرح کے تحفے پسند ہیں اور پھر اس نے تحفۃً قرآن کا ایک نسخہ بھیجا جس کے ریشمی جزدان پر سنہرا کام تھا۔ ہاتھی دانت اور صندل کا ایک مرصع تخت بھیجا، زرتار مصلّے، العرقی دمشق کی نفیس تلواریں، ریشمی زہ کی دمشقی کمانیں، اعلیٰ درجے کے طوطے، تازی گھوڑے، صبا رفتار اشتر، جنگلی گدھوں کا ایک گلہ، زراف جن کے ساتھ منقش زینیں تھیں، ایک کلاہ جو مکہ معظمہ میں حج کے زمانے میں پہنی گئی تھی۔ بیبرس نے برقائی کی طرف سے اپنے ایک افسر کو حج بیت اللہ کے لیے روانہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے حسین اور جوان کنیزیں بھی روانہ کیں، جو گانے اور کھانے پکانے میں مشاق تھیں۔ ان کی خدمت کے لیے خواجہ سراؤں کا ایک دستہ ساتھ کر دیا اور بہت سے بندے بھیجے جو ریشمی کپڑے پہنے تھے۔

شاید ہی اور کوئی تحفے زرین خیل کے خان کو اس قدر پسند آ سکتے۔ تحفوں کے ساتھ جو خط بھیجا گیا وہ بیبرس نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا۔ ایک عاجز قپچاق کا خط قپچاقوں کے خان کے نام۔ ایک پکّے مسلمان کی طرف سے ایک طاقت ور مسلم

ضمون میں اس خط میں توجہ کرائی گئی تھی کہ ہلاکو خاں اسلام کو سرے سے نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے اور یہ عاجز بیبرس شش کر رہا ہے کہ خلافت کو از سرِنو بحال کرے اور کافروں کے خلاف جہاد کرے۔ بیبرس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ قاہرہ کی مسجد میں خطبے میں برقائی کا نام بھی لیا جائے گا۔ آخر میں اس نے یہ تجویز پیش کی کہ برقائی اس طرح مدد کر سکتا ہے کہ عقب سے اس کے اردو پر حملہ کرے۔

یہ خط بڑے دوستانہ لہجے میں سیاسی ضروریات کے پیش نظر لکھا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے مصر سے ہلاکو خاں کی یورش ٹل گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خاندانِ زریں کے ایک فرد نے اپنے خانوادے اور قوم کے خلاف ایک اجنبی قوم کی مدد میں قدم اٹھایا۔

بیبرس اور محارباتِ صلیبی کا خاتمہ

ہلاکو خاں کو اپنے وطن واپس جانا نصیب نہ ہوا۔ اس کے اردو کے بوڑھے مغلوں کے دل میں، جن میں سے بعض کے دلوں پر چنگیز خاں کا قول نقش تھا، صرف ایک ہی دھن تھی یہ کہ قطیبوغا کی موت کا بدلہ لیں۔ اہلِ دشت کے قانون کی رو کے مطابق اب ہلاکو خاں پر لازم تھا کہ وہ مصر کا سر کچلے اور قاہرہ کی فصیلوں کو ریگستان کی ریت کی طرح بکھیر ڈالے۔ ہلاکو خاں کو اس کی تیاری کرنی پڑی۔

ادھر اپنی طرف بیبرس نے اپنی روز افزوں فوج کو مغلوں کے مقابلے کے لیے منظم کرنا شروع کیا اور اپنے سواروں کو مغلوں کے طریقے سے جنگ آزمائی سکھائی۔ ابھی تک مسلمانوں پر مغلوں کا خوف طاری تھا اور اس خوف کو مٹانے کے لیے وہ مغلوں کا مذاق اڑاتا۔

وہ شمال کی طرف غائب ہو گیا اور ایک منتی کا بھیس بدل کے ہلاکو کے علاقے میں جا پہنچا۔ یہاں ایک نانبائی کی دکان میں اس نے کھانا کھایا۔ لوگوں کی باتیں سنیں اور ایک نان کے پیچھے اپنی انگوٹھی اتار کے رکھ دی تا کہ دکاندار کو آسانی سے مل جائے۔ پھر اپنی سرحد کے اندر پہنچ کے اس نے ایل خان ہلاکو کو خط بھیجا کہ "تمھاری ایک چوکی پر میں ایک انگوٹھی بھول آیا ہوں، مہربانی کر کے تلاش کر کے مجھے یہ انگوٹھی واپس بھجوا دو کیوں کہ یہ مجھے بہت پسند ہے۔"

معلوم نہیں، اس ستم ظریفی کا ہلاکو خان پر کیا اثر ہوا، لیکن قاہرہ کے بازاروں میں لوگ یہ قصہ سن سن کے ہنستے تھے۔

۱۲۶۳ء کے جاڑوں میں جب ہلاکو خاں نے اپنے اردو کے ساتھ مصر پر چڑھائی کی تیاری شروع کی، تو

زریں خیل کی ایک فوج قفقاز کے دروں کے نیچے نمودار ہوئی۔ اب ہلاکو خاں کو پھر رک جانا پڑا۔ ایک دشمن منگول فوج اس کے عقب میں تھی، اس لیے وہ جنوب کی طرف یلغار نہ کر سکتا تھا۔ تیزی سے پلٹ کے اس نے ایک حملہ آور فوج کو چراگاہوں اور آہنی درے کے راستے اس طرف بھیجا جہاں قفقاز کی چوٹیاں بحیرۂ خزر کے قریب تک پہنچتی ہیں۔

زریں خیل کا پڑاؤ بے خبری کے عالم میں تھا۔ اس نے دریائے تیرک کے آگے ہلہ بول دیا اور اپنے چچا زاد بھائی کے دستوں کو شمال کی طرف دشت میں دھکیل دیا، لیکن ان کے جوابی حملوں میں خود پھنس گیا۔ منجمد دریائے تیرک پر سے گزر کے وہ واپس لوٹا۔ دریا کی منجمد سطح ٹوٹ گئی تو اس کے بہت سے سوار ضائع ہوئے اور آخری دستہ کٹ کر پیچھے رہ گیا۔

یہ عظیم حملہ آور عساکر سرائے زریں خیل کے آقا اور ایران کے ایل خاں کی آپس کی خانہ جنگی میں گتھ گئے۔ ہلاکو خاں کی طوفانی یلغار رک گئی۔ جیسے چنگیز خاں کی روک ٹوک اور نظم و ضبط سے پہلے منگول قبیلے آپس میں لڑا کرتے تھے، اب پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی لیکن یہ قبیلوں کی نہیں، دو عظیم الشان منگول سلطنتوں کی لڑائی تھی۔

کوہسار قفقاز کے درختوں سے لدے ہوئے درے چھاپہ مار فوجوں کی گزرگاہ بننے لگے۔ برقائی نے روسی کے دستے بھرتی کرنے شروع کیے اور ہلاکو نے اپنے عیسائی گرجستانی اور ارمنی حلیفوں کو شمال کی طرف روانہ کیا۔ لڑائی مشرق کی طرف بھی پھیل گئی کیونکہ مغل فوجیں بہت بڑے محاذ پر حملے کیا کرتی تھیں۔

یہاں برقائی کو نئے حلیف مل گئے۔ بخارا اور سمرقند کے پکے مسلمان بڑے جوش و ولولے سے اس جہاد میں شامل ہو گئے کیونکہ برقائی اب دارالسلام کی حمایت میں کافر ایل خاں سے برسرِ پیکار تھا۔ اس طرح بحیرۂ خزر کے مشرق اور مغرب ہر دونوں طرف ہلاکو خاں کو اپنی اندرونی سرحد کی حفاظت کرنی پڑی اور اپنے عزیز کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اس عظیم خانہ جنگی کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔ دونوں طرف کے مغل سپہ سالار اس قدر ہوشیار تھے کہ انھوں نے پھر اپنے آپ کو گھیرنے یا آفت میں مبتلا ہونے نہ دیا۔ ان دونوں نئی سلطنتوں کا رقبہ اس قدر وسیع تھا کہ ان پر مکمل یورش آسان نہ تھی۔ اگر ہزار میل کے فاصلے پر کوئی مغل فوج صحیح و سلامت موجود ہوتی تو کسی بڑے شہر کا محاصرہ کرنا سہل نہ ہوتا۔ اس لیے ان خانہ بدوش شہنشاہوں نے آباؤ اجداد کی طرح ایک دوسرے کے مقابل مسلسل چھاپوں اور لوٹ مار پر اکتفا کر لی۔

صرف ایک طاقت تھی جو اس خانہ جنگی کو روک سکتی تھی۔ قراقرم سے خاقان کا حکم نامہ، لیکن مشرق بعید میں صورت حال ایسی نازک تھی کہ تخت پر کوئی خاقان نہ تھا۔

پھر سیاسی داؤ پیچ کی ایک نئی دوڑ شروع ہوئی۔ برقائی کے حملوں کی طرف زیادہ توجہ کیے بغیر ہلاکو خاں نے کوشش کی کہ مغرب (یورپ) میں نئے حلیف تلاش کرے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خاندانِ زریں کے ایک برسرِ حکومت خان نے عیسائی دنیا کے خلاف جنگ ترک کر کے مغرب کی سب سے طاقتور روحانی حکومت اور یورپ کے بادشاہوں سے ساز باز کی۔

اسی کا بیبرس کو سب سے زیادہ خوف تھا۔ سارے دعووں کے باوجود وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے خلاف ایک صلیبی مہم کا آغاز ہو، کیوں کہ اس وقت تک شام کی سرحد پر صلیبی نائٹ ایک آہنی جنگی قلعہ بند دیوار بنائے ہوئے تھے۔

جب ہلاکو خاں نے اپنے خاندان اور قسطنطنیہ کے بازنطینی قیصر کے درمیان شادی کی تجویز پیش کی تو بیبرس نے قپچاق کے خان کو مشورہ دیا تھا کہ تم بھی یہی کرو۔ چنانچہ دونوں مغل اپنی اپنی تجویز میں کامیاب ہوئے۔ ہلاکو خاں کے بیٹے کی شادی میریا سے ہوئی جو قسطنطنیہ کے شہنشاہ کی حرامی بیٹی تھی اور برقائی کے نوجوان بھتیجے نوگائی کی شادی —— یہی نوگائی تھا جس نے قفقاز کی پہلی جنگ میں ہلاکو کو شکست دی تھی —— بازنطینی قیصر کی ایک اور لڑکی سے ہوئی۔ اس کے بعد بیبرس یا اس کے ملازمین نے یہ دیکھ کر کہ ہلاکو خاں کا زندہ رہنا عالم اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے، فیصلہ کن اقدام کا ارادہ کیا۔

رشید الدین کا بیان ہے: "آسمان پر ایک دُمدار ستارہ نمودار ہوا جس کی شکل ایک آتشیں مینار کی سی تھی۔ کئی رات وہ نظر آتا رہا اور جب یہ ستارہ غائب ہوا تو ایک سانحۂ عظیم واقع ہوا۔"

معلوم ہوتا تھا کہ جوں ہی ہلاکو خاں نے یہ دمدار ستارہ دیکھا وہ اسے بڑا منحوس شگون سمجھا۔ ایک اور مسلمان مورخ کا بیان ہے: "آسمان نے اسے ایک نشانی دکھلائی، اس نے فوراً سجدہ کیا۔ جوں جوں دمدار ستارے کی روشنی مدھم ہوتی گئی اس کا ڈر بڑھتا گیا۔"

ہلاکو خاں نے جنگ کا ارادہ نہ اس آسمانی نشانی کی وجہ سے ترک کیا اور نہ اپنے مسلمان منجموں کی پیشین گوئیوں پر۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے کسی مسلمان نے زہر دیا یا نہیں، لیکن وہ بیمار ہو کے مر گیا اور سال بھر کے اندر دوقوز خاتون بھی چل بسی۔

بار ہبریس نے بیان کیا ہے: "کہ ساری عیسائی دنیا کو عیسائی مذہب کے ان دونوں محافظوں اور رہنماؤں کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔"

اسٹیفن ارفلی نے زیادہ زور کے لفظوں میں ہلاکو خاں کا ماتم کیا ہے: "شہنشاہ، دنیا کا مالک، عیسائیوں کا سرپرست ۱۲۶۴ء میں مر گیا اور اس کے بعد اس کی بیوی دوقوز خاتون نے وفات پائی۔ ان دونوں کو چالاک مسلمانوں

نے نہ ہرد سے دیا۔ یسوع مسیح کو خوب معلوم ہے کہ نیکی میں ان کا مرتبہ قسطنطین اور اس کی اماں ہیلین سے کم نہیں؟"

ستم ظریفی یہ ہے کہ مغل ایل خاں کی یہ خواہش نہ تھی کہ مسلمانوں کے خلاف مذہبی جنگ چھیڑے۔ اس نے ابتدا میں اپنے آباؤ اجداد کی روایت کے مطابق مذہبی رواداری برتی تھی ــــ اور یہ رواداری کی حکمتِ عملی، مغربی عیسائیوں کی سمجھ سے باہر تھی۔ اس کے بیٹے اباقہ نے بھی اسی حکمتِ عملی پر عمل کیا۔ اُسے بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

اس نے انگلستان کے بادشاہ ایڈورڈ اور لیاں کی کونسل کے دوران میں پاپائے روم کو چٹھیاں بھیجیں کہ مصر کے خلاف صلیبیوں اور مغلوں کو متحد ہو جانا چاہیئے۔ قوبلائی کے خط کے برعکس ان خطوں میں کوئی دھمکی نہ تھی۔ اگر پاپائے روم کی حمایت حاصل ہوتی تو شاید مغلوں اور عیسائیوں کا اتحاد کارگر ثابت ہوتا لیکن عیسائی فرد سیت خانہ جنگی میں مبتلا تھی، اُس نے اس پیغام کی طرف دھیان نہ دیا۔

اس درمیان میں بیبرس نے ایک اور بڑا دور اندیشی کا اقدام کیا۔ بجائے مغربی درباروں سے خط و کتابت کرنے کے اُس نے یورپ کے متموّل حلقے سے رسم و راہ پیدا کی اور خاص طور پر وینس سے جو تاجروں کی جمہوریت تھی۔ مغلوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے ایشیا میں کاروانوں کی شاہراہوں کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا تھا۔ ان دنوں وینس کے ایک نوجوان تاجر میسر مارکو پولو کو، جو اپنے چچاؤں کے ساتھ سفر نہ کیا تھا۔ تجارت کے بازار کی تلاش میں مشرقِ بعید کا سفر کرنا پڑا کیونکہ وہ ایل خاں کے شہروں تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ بیبرس نے توجہ کرائی کہ مصر مشرق کی تجارت کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ قاہرہ میں وہ سب مصالحے مل سکتے ہیں جن کی اہلِ وینس کو بڑی تلاش ہے۔ اس نے مصر کے بازار میں ان کشتی تاجروں کو بہت سی مراعات عطا کیں۔

اُس نے سسلی کے تاجروں سے بھی اسی طرح کا سمجھوتہ کر لیا۔ قسطنطنیہ سے بھی اس نے معاہدہ کر لیا کہ بحیرۂ اسود کی بردہ فروشی کی بندرگاہوں میں مملوکوں کو خرید و فروخت کی اجازت دی جائے۔

ان تجارتی معاہدوں سے مسلح ہو کے اس نے سسلی کے بادشاہ انجو کے چارلس کے نام جو اس نئی صلیبی جنگ کے سرداروں میں سے تھا جس کی تیاریاں ہو رہی تھیں، یہ پیغام بھیجا کہ بردہ فروشی، مصالحوں کی تجارت، اس تجارت کا نفع اہلِ وینس کا تجارتی تاکامل، قاہرہ اور قسطنطنیہ کے بازار، ان سب کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اس میں جنگ سے خلل ڈالنا مناسب نہیں۔ آخر کار بیبرس کی رائے درست قرار پائی۔

نئی صلیبی جنگ کی رہنمائی فرانس کے بادشاہ لوئی، اراگون کے بادشاہ جان اور انجو کے چارلس نے کی۔ بیڑہ جب صلیبی لڑائی کے لیے روانہ ہوا تو تجارتی منڈیوں سے اُسے مدد نہ ملی اور ہٹ کے اسے افریقہ کے ساحل پر

ایک بے مصرف جنگ میں مصروف ہونا پڑا۔ صلیبیوں کے خیموں میں طاعون نے آفت برپا کر دی اور عیسائیوں کا لیڈر اسی مرض میں مبتلا ہو کے مر گیا۔ لوئی کے ساتھ آخری صلیبی جنگ کی روحانی حرکت و قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ انگلستان کا بادشاہ ایڈورڈ ہی صرف ارضِ مقدس تک پہنچ سکا اور یہاں ایک اسمٰعیلی فدائی کے خنجر سے زخمی ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد ۱۲۸۱ء میں اباقا خاں نے صلیبیوں کی مدد کے بغیر مصر کے خلاف پیش قدمی کی۔ اس کی مغل فوج کو جس میں گرجستانی اور ارمنی شامل تھے، شام میں مملوکوں نے روک دیا، جن کی قیادت بیبرس کا جانشین قلاؤن کر رہا تھا۔ انہوں نے مغل فوج کے ایک بازو کو منتشر اور اس کے سپہ سالار کو زخمی کر دیا اور مغل پسپا ہو کے اپنے ساتھیوں سمیت دریائے فرات کے پار بھاگ گئے۔ ایک انگریز صلیبی سپاہی جو اس جنگ کے واقعات دیکھ رہا تھا لکھتا ہے کہ "بہت سے مغل گھوڑوں پر سوار تھے، جو ان کے اپنے گھوڑوں سے کہیں زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔"

اس شاہد نے بڑے غلو سے اپنے بادشاہ ایڈورڈ شاہِ انگلستان کو عریضہ لکھا۔ "اس سے پہلے کبھی ارضِ مقدس کو مسلمانوں سے فتح کرنے کا موقع نہ ملا ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ سپہ سالار قابل ہوں اور غذا بافراط ہو لیکن ہمیں بہت کم سپاہی چاہئیں جنہیں اس کا شعور ہو۔"

اس انگریز نائٹ کی طرح مغل ایل خانوں کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مدد کے لیے مغربی یورپ سے صلیبیوں کی فوجیں کیوں نہیں آئیں۔ انھوں نے شام کے ساحل کی پہاڑیوں پر صلیبی عیسائیوں کے قلعوں کی قطار دیکھی تھی۔ یہ وہ بڑے بڑے قلعے تھے جو ابھی تک تسخیر نہ ہونے پائے تھے اور چین کی دیوارِ عظیم کی طرح جمے کھڑے تھے۔ لیکن سمندر پار سے عیسائی صلیبیوں کی فوجیں ان قلعوں میں نہ پہنچیں۔

ایل خانی نامہ و پیام کرتے ہی رہے۔ ارغون خان نے اونوریس چہارم کو ایک خط لکھا جس کا لاطینی ترجمہ اب بھی واتی کن لائبریری میں محفوظ ہے۔ وہ پھر سے ایک نئی صلیبی جنگ کا آغاز کرنے کی درخواست کرتا ہے اور خط کو یوں ختم کرتا ہے "مسلمانوں کا علاقہ ہمارے اور تمہارے علاقوں کے درمیان واقع ہے اس لیے ہم اسے گھیر کے ختم کر سکتے ہیں... خدا اور پاپائے روم اور چنگیز خاں کی مدد سے ہم مسلمانوں کو نکال باہر کر سکتے ہیں۔"

ارغون نے اپنے ایک راہب کو روما الکبریٰ بھیجا۔ یہ ایک ایغوری عیسائی تھا جو چین سے دور بیجنگ کا رہنے والا تھا۔ اس غیر معمولی مشرقی سفیر نے بڑی ایمانداری سے بازنطینی شہنشاہ کے دربار سے لے کر جینوا کے تاجروں اور روم میں سان پیٹر تک سفر کیا۔ یہاں کارڈنلوں نے اسے شرفِ ملاقات بخشا۔ یہ شخص ان کی سمجھ میں نہیں

یہ ایشیائی قاصد ربان ساؤما اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے کہ اس نے اپنی سفارت کا مقصد کیونکر ذہن نشین کرا

کئی دنوں کے بعد وہ رومۃ الکبریٰ پہنچے اور پیترو کے کلیسا میں داخل ہوئے جو مقدس پاپا کا مستقر ہے۔ یہاں اہا ایک نئے پاپا کا انتخاب کرنے کے لیے بیٹھے مشورہ کر رہے تھے۔ ربان ساؤما نے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا: "ہم بادشاہ اہلا کے قاصد اور کیتھولک عیسائی ہیں۔"

اور ربان ساؤما کو بارہ کارڈنلوں کی مجلس میں طلب کیا گیا، جنھوں نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم نہیں کیا، کیونکہ وہ اہلا آدمیوں کی تعظیم کے لیے نہیں اٹھتے۔ ان کی مجلس کے وقار کے یہی آداب ہیں، لیکن انھوں نے ربان ساؤما کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا: "تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

اس نے ان سے کہا: "مغلوں اور مشرق کے کیتھولکوں نے مجھے مقدس پاپا کے حضور میں خطوط پیش کرنے کو بھیجا ہے۔"

اور انھوں نے اس سے پوچھا: "وہ دنیا کا کون سا خطہ ہے، تو کیوں آیا ہے؟ کیتھولک کہاں رہتے ہیں؟"

"بغداد میں۔"

"تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

"میں وہاں کی خانقاہ کا راہب ہوں۔"

"تم لوگ جس مذہب کے قائل ہو اس کی تلقین کن حواریوں نے کی؟"

"مار توماس اور مار اوائی اور مار ماری نے ہمیں تلقین کی اور ہم اب تک ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔"

انھوں نے کہا: "ہمیں حیرت ہے کہ تو جو عیسائی ہے اور راہب ہے، مغلوں کے بادشاہ کا قاصد بن کر آیا ہے۔"

ربان ساؤما نے کہا: "یہی بادشاہ چاہتا ہے یعنی شام اور فلسطین کے ملک فتح کرنا چاہتا ہے اور اس نے مجھ جیسا یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ تم میری بات پر اعتبار کرو۔"

کارڈنلوں نے اس عجیب ربان کی عزت افزائی تو کی لیکن وہ اس کی سفارت کی حقیقت کے قائل نہ ہو سکے۔ پیرس میں فرانسیسی بادشاہ کے پاس اور انگلستان کے شاہ ایڈورڈ اول کے پاس بوردو بھیجا گیا۔ ہر جگہ خوشی اور تعجب سے اس کا استقبال کیا گیا لیکن اس کی سفارت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ تاسف کے لہجے میں لکھتا ہے: "ایک سال گزر گیا، اب مغلوں کو کیا جواب دوں گا۔"

فونوں نے اچھے ربان پر کوئی الزام نہ دھرا۔ آخری مرتبہ ایل خان نے خوبرو فلپ کو خط لکھا: "یہ ہمارا قول ہے۔ شاہ ہماری درخواست ہے کہ تم اپنے ملک سے چیتے والے سال کے سرما کے آخری مہینے میں کوچ کرو اور بہار کے پہلے پندرہ تاریخ کو دمشق کے قریب پڑاؤ ڈالو۔ اگر تم اس وقت اپنی مسلح فوجیں بھیجو گے تو ہم یروشلم کو دوبارہ فتح کر کے تمہارے دیں گے لیکن اگر تم اس مقررہ مقام پر نہ پہنچو تو ہمارا فوجیں بھیجنا بیکار ہوگا۔"

اس کے بعد پھر مغل سفیروں کو یورپ کے درباروں کے چکر لگانے کے لیے آخری مرتبہ بھیجا گیا۔ وہ بے معنی تحسین و کم پیغام لے کے واپس لوٹ آئے۔ اس زمانے میں یورپ کے بادشاہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں اس قدر منہمک تھے پر ایشیا کا سفر کر کے یروشلم تک پہنچنا انھیں دوبھر معلوم ہوتا تھا۔ یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ ان چند مہینوں میں دو صدیوں کی صلیبی کی ساری کوششیں ضائع ہو گئیں۔

بیبرس نے مصر کو مغلوں کی یورش سے بچایا تھا۔ اس سے بھی زیادہ اس کے مملوک جانشینوں نے یہ کارنامہ کیا کہ ارغون کی سفارتوں کے فوراً بعد ہی انھوں نے ساحل پر صلیبیوں کے قلعوں کو تسخیر کر لیا۔

اس کے بعد پھر ایل خانوں نے سمندر تک پہنچنے کی یا عیسائی طاقتوں سے رسم و راہ پیدا کرنے کی کوشش نہ کی۔ وہ اپنے ملک کی سرحدوں کی حدود میں بسر کرنے لگے جو ایشیائے کوچک سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ باہر نکل کے بیرونی ممالک فتح کرنے کا خیال انھوں نے ترک کر دیا۔

انھیں اس قدر شان و شوکت حاصل تھی کہ مغلوں کی طمع و آز کے لیے بھی یہ کافی تھی۔ تین پشتوں کے بعد سخت قبائلی رسم پڑ گئیں۔ ہلاکو خاں کے جانشین اپنے آپ کو شہروں کے یا محنت کے عادی نہ بنا سکے۔ وہ اب بھی اپنے آپ کو پرانے دنوں کی طرح سخت اور برداشت کا عادی سمجھتے تھے۔ اب بھی وہ اپنی عمر کا زیادہ حصہ گھوڑوں اور شکار یا سرحدی لڑائیوں میں گزارتے تھے۔ انھوں نے اپنے نئے شہر بسائے، زرعی آبادیوں پر کڑے محصول عائد کر کے باغ یا شکار کے احاطے بنا لیے۔ اس کے لیے وہ روز افزوں اپنے فارسی مسلمان وزیروں پر اعتماد کرنے لگے جو ان کے قدموں پر بیش قیمت تحفے لا ڈالتا، خوشامدیں کرتے۔ غیر محسوس طریقے پر وہ ایران کے تمدن سے مانوس ہوتے جا رہے تھے۔

لیکن شمال میں برقائی کا خاندان دشت میں، وولگا کے اس پار الگ تھلگ رہ گیا۔ ایل خانوں کی طرح زرین خیل نے مہم پرورش کا خیال ترک کر دیا تھا۔ مطیع روس زرین خیل کی خدمت کر رہا تھا اور وہ وحشیوں کے سے عیش و آرام

سے بسر کر رہے تھے۔ وہ مغنیوں کی زبانی اپنے کارناموں کے راگ سنتے اور روسی شاہی گھرانوں میں شادیاں کرتے۔

لیکن یہاں ایک صاف صاف تقسیم بھی ظہور میں آ رہی تھی۔ وہ مغل نوئین نوگائی جس نے ہلاکو خاں کو قفقاز میں پیچھے ہٹا دیا تھا زرخیز یوکرین کا مالک بن بیٹھا تھا۔ یہ وہ چراگاہوں کا علاقہ تھا جو مغلوں کی فتح کے بعد سے اب تک خالی پڑا تھا۔ اس نے اپنی فوج کے ساتھ یہیں رہنا پسند کیا اور ۱۲۶۶ء میں برقائی کی موت کے بعد سرائے کے کسی خان میں اتنی طاقت تھی کہ نوگائی سے اس کا فتح کیا ہوا علاقہ چھین سکتا۔

اس کی بیوی اور مشیر ایک حسین بازنطینی شہزادی تھی۔ اس نے اپنے طور پر بلقان میں یلغار کی اور بحیرۂ ایجین تک چلا گیا اور دشت کے خاتمے تک سربیوں اور بلغاریوں کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیا۔ اُسے خاص طور پر کریمیا پسند تھا جو [illegible] گرم رہتا اور جہاں وینس کے تاجر غلاموں کو خریدنے آتے۔ جہاں شکست خوردہ قوموں کا باقی ماندہ طبقہ پست ملا جلا بھولے بسرے قصبوں میں رہتا تھا، جیسے وہ یونانی جو یہاں رہتے رہتے خانہ بدوش ہو گئے تھے لمبے بالوں والے گاتھ اب بھی اپنی جرمانی بولی بولتے تھے اور ترک جنھوں نے مغلوں کے پچھلے حملوں کے بعد بھاگ کے یہاں پناہ لی تھی۔

یہاں قسطنطنیہ کے قیصر کے داماد نوگائی نے اپنے خاندان اور سلسلے کی بنیاد ڈالی۔ اس کا اُردو نوگائی تاتار یا تاتار کہلانے لگا۔ مغرب کے تمام فاتحوں کے مقابل اس کی قوم نے دشت نوردوں کی روایات کو زیادہ برقرار رکھا۔

اب چنگیز خاں کے مرنے کے بعد تین پشتیں گزر چکی تھیں۔ مغرب کے مغل قراقورم کے خاقان کی اطاعت کا جوا اپنے کاندھوں سے اُتار چکے تھے۔ وہ اپنے نام سے سکے ڈھالتے اور اپنے مشرق کے رشتہ داروں کو کوئی تحفے تحائف بھیجتے، کیونکہ اب قراقورم میں کوئی خاقان نہ رہا تھا۔

---

(۷)

قبلائی نامہ

(۶)

قبلائی نامہ

قبلائی ابھی دریائے یانگ تسی کے کناروں ہی پر تھا کہ منگو خاں کی اچانک موت کی خبر ۱۲۵۹ء کے اس تپتے
موسم گرما میں سارے چین میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ قبلائی کے ساتھ دانا و فرزانہ یاؤ چاؤ تھا، خاتون جاموئی تھی اور
ی کا مشہور و معروف میسرہ تھا۔

دوسرے بھائی قبلائی کو مغل سیچین یا فرزانہ کہتے تھے اور بلاوجہ نہیں کہتے تھے۔ وہ بہت سی افواہیں سُنتا خود کچھ
لکہ ایسی باتیں کیا ہی کرتے ہیں جو معلوم نہیں کتنی سچ ہوتی ہیں کتنی جھوٹ۔ اس کے چینی مشیروں نے پیشین گوئی کی
ل سلطنت ایک نیا رُخ اختیار کرے گی اور بر اعظم میں ایک تبدیلی رونما ہوگی۔

قراقورم سے قاصد آئے اور اس کی فوج کے کچھ حصّوں کی واپسی کا مطالبہ کیا، لیکن وہ کوئی وجہ نہ بتا سکے کہ فوج کے
کیوں واپس بلائے جا رہے ہیں۔ قبلائی نے اس وقت تک اپنے کسی پرچم بردار دستے کو اپنے سے جُدا ہونے کی
دی جب تک کہ وہ خود یہ معلوم کرے کہ اس پُر اسرار خاموشی اور ان افواہوں کے پس پردہ کیا بھید ہے؟

منگو خاں کی بڑی بیوی نے اُسے خط لکھا کہ خاقان سخت بیمار ہے۔ اس نے پھر خط لکھا کہ چینی شہزادی قطقطائی آج
رہے اور منگو کی فوجوں کے افسروں سے بہت ربط ضبط بڑھا رہی ہے۔ قبلائی انتظار کرتا رہا، حالانکہ اگر وہ
اپنے بھائی ہلاکو یا اپنے عم زاد بھائی برقائی کے مقابل وہ بہت سرعت سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔
اس امر کی تحقیق کرنا چاہتا تھا کہ منگو خاں زندہ ہے یا مر گیا۔

رشید الدین کا بیان ہے "کہ جب اُس نے پہلی بار منگو خاں کی علالت کی خبر سُنی تو اُس نے کہا۔ میں جھوٹی افواہوں
دھیان نہیں دیتا۔ جب اس خبر کی تصدیق ہو گئی تو وہ فوج سے علیحدہ ہو کے ماتم پوش ہو گیا۔ اس زمانے میں وہ
میں تنہا تھا کیونکہ ہلاکو خاں مغرب میں ایران کی سرزمین میں تھا۔ ان دونوں اور پایۂ تخت کے درمیان جہاں اریق
بڑا فاصلہ حائل تھا۔"

اریق بوغا جو تینوں باقی ماندہ بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا قراقورم میں خاندانی الاؤ کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس کے
آبائی چراگاہیں اور اس کتاب "زریں ریاسا" کی یہ بجی تختیاں تھیں، جن پر چنگیز خاں کے احکام منقش تھے۔

رشید نے آگے چل کے لکھا ہے: "جب اُسے اپنے بھائی کے انتقال کی خبر ملی تو اریق بوغا نے تخت و تاج کرنے کی فکر کرنی شروع کی۔ خاندان کے شہزادوں اور سرداروں نے اس کی ہمت افزائی کی اور اس نے قبلائی خان خلاف بغاوت کی۔"

یہ تو رشید کا بیان ہے لیکن دراصل بغاوت قبلائی نے اپنے چھوٹے بھائی کے خلاف کی تھی اور غالباً ان دونوں میں لڑائی کا باعث ذاتی امنگ نہ تھی۔

چنگیز خاں کے قانون کے مطابق منگو کے مرنے کے بعد سارے عزیزوں کی قرولتائی منعقد ہونی چاہیے تھی میں خاندانِ زریں کے سارے اراکین شریک ہوتے، لیکن برقائی کے آنے کی کوئی توقع نہ تھی اور ہلاکو آ نہ سکا۔ طاقت اپنی وسطِ ایشیا کی چراگاہوں میں الگ تھلگ ٹھہر لیا۔ قرولتائی ہوتی تو جانشینی کا تصفیہ قبلائی اور اریق بوغا کر کے دونوں چنگیز خاں کے پوتے اور تولوئی کے خاندان کے فرزند تھے۔

اور جن اثرات میں وہ دونوں گھرے ہوئے تھے، ان کی وجہ سے دونوں میں باہم مخاصمت پیدا ہو گئی۔ اریق کے اطراف بوڑھے کافر مغل تھے جو سموری خیموں کے اصلی باسی تھے۔ قبلائی کے ساتھ صرف اس کی اپنی طاقت ور فوج کے افسر اور چینی عہدہ داروں کے محکمے تھے۔ یے لیو چیت سائی کی روح اس کے اُردو کے اطراف منڈلا رہی تھی۔

اس کے علاوہ اس آخری پشت میں خود مغلوں میں ایک تبدیلی پیدا ہو چلی تھی۔ دشت کے رہنے والے اپنے لیے چھوٹے چھوٹے مٹی کے محل بنا لیے تھے۔ یہاں وہ وسیع فتوحات کے ثمرات سے لذت اندوز ہو رہے تھے وہ خود تو بڑے وحشی کے وحشی رہے، لیکن زندگی ان کے لیے آرام دہ بن گئی۔ اب وہ دشت کے قحط اور ہوا سے محفوظ تھے۔

اسی دوران میں قبلائی کے ساتھ کے مغلوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصّہ وسطِ چین میں بسر کیا تھا۔ وہ نظم و نسق میں رہے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے نفع اور آرام کا سامان کرتے رہیں۔ ین کنگ کی شان و شوکت کا مزا اٹھانے انھیں قراقورم کی یورتوں کو واپس جانے کی کوئی خاص خواہش نہ تھی۔ تمدن سے سابقہ پڑنے کی وجہ سے وہ نرم نہیں پڑے بلکہ وہ اپنے آپ کو فاتح اور آہنی مزاج سمجھتے تھے۔ کام وہ کرتے تھے اور مالِ غنیمت دشت کے رہنے والوں کے ہاں نہیں آتا۔ ان کا تکبر اسی تناسب سے بڑھتا جا رہا تھا —— کیا وہ چنگیز خاں کے احکام کی تعمیل نہیں کر رہے تھے؟ گوبی کے باشندے "آ" ماگھے کی فتح" کی لوٹ سے موٹے ہوتے جا رہے تھے۔

ان سابق خانہ بدوشوں کا یہ تکبر ہی غالباً ان کا سب سے قوی جذبہ تھا۔ قبلائی کی فوج کے نویانوں کو اس کا احساس ان میں کیا تبدیلی رونما ہو رہی ہے، کیوں کہ ان کا اپنا اندازہ یہ تھا کہ اب بھی وہ پہلے جیسے وحشی فاتح ہیں جن کی زندگی گھوڑے کی زین پر گزرتی ہے۔

سرحد کی دوسری جانب خیموں کے رہنے والے صاف صاف دیکھ رہے تھے کہ جو فوج چین کو فتح کر رہی ہے وہ ان کی تجویز کے مطابق دشت کے دستورِ معیشت کو عمل میں لانے کے لیے تمدن کی فصیلوں کو منہدم نہیں کر رہی ہے۔ قبلائی کے ساتھی اس لیے چین کے تمدن کو تباہ نہیں کر رہے ہیں کہ انھیں یہ تمدن مرغوب ہے۔

اس آخری ڈیڑھ پشت میں مغل قوم میں ایک اور تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ چنگیز خاں نے پرانے آبائی قبیلوں کو ایک میں ضم کر کے ان کے آپس کے جھگڑوں کو تو ختم کر دیا تھا مگر اس طرح خود قبائل کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ پرانے کرائت، مرکیت، اویرات، اور ایان گوت سب مختلف حملہ آور فوجوں میں بٹ گئے تھے اور ان کا ایک بہت بڑا حصّہ ختم ہو چکا تھا۔ جو لوگ باقی بچے تھے وہ پرانے قبیلوں کی زنجیر سے نہیں بلکہ ذاتی وفاداری کی زنجیر سے چنگیز خاں کے خاندان کے اس خاص فرد سے منسلک تھے جو ان کی فوج کا سردار ہوتا۔

اس طرح مغل اولوس یا فوج کا تیزی سے خاتمہ ہو رہا تھا۔ منفرد شہزادے اپنے نسب کی بنیاد پر حکومت کر رہے تھے جو رشتے میں جدِ اعظم سے زیادہ قریب تھے ان کا رتبہ زیادہ بلند تھا اور اس لیے ان کے ساتھیوں اور ان کی تعداد زیادہ تھی۔ سابق وحشیوں کی پکی وفاداری اب افراد سے منسلک ہو گئی تھی۔

چنگیز خاں نے کامیابی سے دشت نوردوں کو ایک طاقت ور نہ رکنے والی فتح و ظفر کی مشین میں منتقل کر دیا تھا۔ اس سے مغلوں کے کردار میں جو تبدیلی رونما ہونے والی تھی وہ اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔

ابھی چراگاہوں میں برف سے گھاس ابھرنے بھی نہ پائی تھی کہ یاسا اور پرانی مغل روایات کے پابند سوار قراقورم روانہ ہو گئے جہاں انھیں منگو خاں کی قبر پر حاضر ہونے کے لیے طلب کیا گیا تھا جو برخان کالدون کے قریب واقع تھی۔ ... اریق بوغا سے اصرار کر رہے تھے کہ سلطنت قبلائی کے حوالے نہ کرنا۔ وہ مرتد ہے اور دشت نورد نہیں رہا۔ ... سے برقائی کے اور وسطِ ایشیا سے قائدو کے قاصد آئے کہ وہ چھوٹے بھائی کی حمایت کریں گے۔ شہزادی ... نے اس کی حمایت کی اور منگو خاں کے تینوں بیٹوں نے اس سے وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اور غدائی کے

خاندان کے سردار اور نوئین جن کی تولوئی کے خاندان سے لڑائی تھی چراگاہوں کے آبی منبعوں کی طرف سفر کر کے آئے کہ ا م
حمایت کریں۔ علمدار اس کی مدد کے لیے فوج کا ایک حصہ لیتا آیا۔

قبلائی کو ان واقعات کی پوری پوری اطلاع تھی۔ اس نے ہچکچائے بغیر قدم اٹھایا۔ ینگ تسی کے اس پار اس
سُنگ خاندان سے صلح کر لی اور اپنے پرچم بردار دستوں کو شمال کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔

جون ۱۲۶۰ء میں دشت کے کنارے پہنچنے سے پہلے اس نے اپنے شہر نگار تسانگ تو میں قرولتائی منعقد کی
یہاں اپنی فوج اور چینی افسروں کے حلقے میں اس نے مغلوں کا خاقان بننے کا اعلان کر دیا۔

اس کا انتخاب چین کے ایک شہر میں ہوا تھا اور اس میں صرف فوج کے میسرے نے شرکت کی تھی۔ یہ چنگیزی
کے قانون کی صریح خلاف ورزی تھی جب اس کی اطلاع مغلوں کے وطن پہنچی تو اریق بوغا کے حامیوں نے کیرولان کے
کے کنارے مقررہ مقام پر قرولتائی منعقد کی اور اریق بوغا کو اس کے بھائی منگو خاں کا جانشین اور خاقان منتخب کیا۔

اس دُہرے انتخاب کی خبریں مغرب اور جنوب مغرب کی طرف پہنچیں۔ دشتِ روس میں برقائی جانتا تھا کہ مگر
خانہ جنگی ہو تو کوئی خاقان اس پر حکومت نہیں جتا پائے گا، اس لیے اس نے فوراً اپنی فوجوں کو ہلاکو خاں کے مقابلے پر
کر دیا۔

اس طرح ۱۲۶۰ء کے موسم گرما کے اوائل میں وہ خانہ جنگی شروع ہوئی جس کا سلسلہ چالیس سال تک جاری رہا اور اس
نے مغل سلطنت میں اس قدر پھوٹ ڈال دی کہ اس کے از سرِ نو متحد ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ یہ نہ قبلائی کا مقصد تھا
اریق بوغا کا۔ وہ صرف ان طاقتوں کی رَو میں بہ گئے جن کو بدلنا کسی فردِ واحد کی طاقت سے باہر تھا۔

دیر کیے بغیر قبلائی نے اپنے میسرے کے آزمودہ کار تومانوں اور چینی فوجوں کے ساتھ اپنی قوم کے پایہ تخت
پر دھاوا بول دیا جہاں الاؤ کا محافظ اس کے حملے کا منتظر تھا۔ قبلائی نے جنگ میں پہل کی تھی اور آخر تک وہ
پہل کرتا رہا۔

پہلے تو اس نے شین سی کے علاقے میں ان مغل فوجوں کو شکست دی جو منگو خاں کی تھیں اور پھر قراقرم کے
جنوب میں جا پہنچا۔ اریق بوغا نے دشت میں جو فوج جمع کی تھی اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اس منچلی فوج کا مقابلہ کر سکتی۔
یہ ان قبائلی زمینوں کی طرف پسپا ہو گئی جہاں کبھی سیورقوقتنی کی جاگیر تھی۔

اس کے بعد مغلوں کے باہم مناوروں کا سلسلہ شروع ہوا جس میں فوجیں ایک دوسرے پر حملے کر کے پیچھے ہٹ جا
جیسے مغربی خانہ جنگی میں برقائی اور ہلاکو کی فوجیں لڑ رہی تھیں، ایسی آزمودہ کار فوجیں گھر نہیں سکتی تھیں اور نہ ایسی

سکتی تھیں کہ ہار جائیں۔ قبلائی قراقرم سے ہٹ کے ین کنگ کے عظیم پایہ تخت چلا گیا۔

قبلائی نے باغیوں کے متعلق کہا: "انھیں رہنے دو۔ یہ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں۔ کچھ دن بعد انھیں عقل
آ جائے گی۔" اریق بوغا کو اس نے پیغام بھیجا کہ مجھے تمھاری وفاداری پر اعتماد ہے۔ آ کے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو ورنہ
بچت کا وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اس کا جواب دینے کے بجائے اریق بوغا نے نئے سرے سے حملہ کیا لیکن اس کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ خانہ
بلیا پایہ تخت کو دوبارہ فتح کر سکے ۱۲۶۴ء میں وہ گوبی کے کنارے اپنی فوج سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ ایک چغتائی شہزادہ
جس کی مدد کی توقع تھی اس کا مخالف ہو گیا اور اس نے اس کی واپسی کا راستہ روک دیا۔ وہ قید کر کے قبلائی کی
لایا گیا اور یہاں اسے قبلائی کے خیمے کی چوکھٹ پر دو زانو ہونا پڑا۔ پردے کی چق اس کے سر پہ آ گری۔ پھر اسے
پر کھڑا کیا گیا جہاں معتمدین کی نشست گاہ تھی۔ بات کیے بغیر قبلائی بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

قبلائی نے پوچھا: "اب بتاؤ میرے بھائی کہ کون غلطی پر تھا، میں کہ تم؟"

اریق بوغا نے جواب دیا: "شروع میں آپ کی غلطی تھی، اب میری ہے۔"

قبلائی نے اس کی جان بخشی کر دی اور اسے آزادی سے اُردو میں پھرنے کی اجازت دے دی۔ شکست کھانے کے بعد
خطرناک نہ رہا تھا لیکن جن سرداروں اور نوئینوں نے اریق بوغا کو مشورے دیے تھے، ان سے قبلائی بے رحمی سے
پیش آیا تھا۔ اریق بوغا نے ان کی طرف سے عرض کی کہ اس کی بھی اتنی ہی خطا ہے جتنی ان امیروں کی ہے۔

قبلائی نے اسے جواب دیا: "وہ کیسے خطاوار نہیں؟ جن شہزادوں اور نوئینوں نے منگو کے خلاف سازش کی
، نے اس کے خلاف ہاتھ بھی نہیں اٹھایا تھا لیکن انھیں محض ان کے ارادے کی وجہ سے سزا دی گئی۔ لیکن
نے تو خانہ جنگی کی آگ پھیلائی ہے۔"

یہ اس نے کہا تو سہی، لیکن اسے اس کا بھی احساس ہوا ہوگا ـــــ کیونکہ وہ اپنے آپ کو دھوکا نہیں دیتا
، اس نے خود بھی مغل قانون کی اتنی ہی خلاف ورزی کی ہے جتنی ان ساٹھ افسروں نے جن کو وہ خطاکار
رہا ہے۔ صرف یہ کہ وہ ان سے زیادہ طاقت ور تھا، اس لیے اُن پر غالب آ گیا۔

مغل نوئینوں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ ان میں سے ایک نے دوسروں کو مخاطب کیا: "ساتھیو! جب ہم نے
کو تخت پر بٹھایا تھا تو عہد کیا تھا کہ وقت پڑا تو ہم اس کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں گے، اب جان
کا وقت آ گیا ہے۔"

ان امیروں کو زد و کوب کر کے مار ڈالا گیا یا ان کے گلے گھونٹ دیے گئے۔ قبلائی نے اپنے خاقان ہونے کا منوا لیا، لیکن اپنی فوج کے افسروں یا چینیوں کے علاوہ خاندانِ زریں میں اور کوئی ایسا نہ تھا جس پر وہ اعتماد کر سکے۔ دشت کے بہت سے سرداروں نے آ آ کے اُس کے آگے سر جھکایا۔ شام سے ہلاکو خاں نے پیغام بھیجا کہ وہ قبلائی کو خاقان مانتا ہے اور برقائی بھی نے خاقان کو خوش رکھنے کے لیے مبارک باد کے تحفے بھیجے۔

قبلائی سمجھ گیا تھا کہ اُسے اکیلے حکومت کرنا ہے۔ اس نے ایک ایسا قدم اٹھایا جس کے متعلق وہ عرصے سے بچار کر رہا تھا۔ یہ اقدام اس کی اپنی مرضی کے مطابق تھا اور اس نے مغل سلطنت کی ماہیت بدل دی۔ وہ قراقرم نہ لوٹا۔ وہ اپنے دربار اور اپنے سارے اُردو کو اپنے ساتھ چین لیتا گیا۔ اس نے برخان کالدون میں اپنے بزرگوں کی قبروں سے منہ موڑ لیا۔ اس کے جانے کے بعد قراقرم کی بھوری مٹی کی دیواروں پہ ویرانی سی برسنے لگی۔

قبلائی جو بوڑھے مغلوں کے مقابل کہیں زیادہ فرزانہ تھا سمجھ گیا کہ جس مقصد کے لیے دشت کا شہر بسایا گیا ہے وہ پورا ہو چکا ہے۔ یہ شہر محض خاندانِ زریں کے اکٹھا ہونے کا مرکز تھا۔ بلند چراگاہوں کے درمیان بے ملی کی فصیل دشت نوردوں کا گودام تھی جس میں دنیا بھر کا مالِ غنیمت آ آ کے جمع ہوتا تھا۔ اب خاندانِ زریں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ بحیثیت خاقان قبلائی کی آمدنی کا سارا دار و مدار صرف چین کے محاصل پر تھا اور چونکہ وہ چین کے تمدن میں بسا ہوا تھا، وہ چراگاہوں سے بیٹھے بیٹھے چین کا نظم و نسق نہ چلا سکتا تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے پایۂ تخت کو دیوارِ چین کی اندرونی جانب ین کنگ منتقل کر دیا۔

اس تبدیلی کی وجہ سے مغلوں اور ان کے وطن کے درمیان جو رشتہ تھا وہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد وہ رسمی طور پر بھی خانہ بدوش نہ رہے۔ چاہے جو نتیجہ نکلے قبلائی نے ان کا رخ مشرقِ بعید کی طرف پھیر دیا تھا۔

اور یہ تصفیہ بھی صرف اس کا اپنا تصفیہ نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو ان حالات کا عادی بنا رہا تھا، جن کی بنیاد یو یو چت سائی نے اور یاؤ چاؤ کے متانت آمیز اصرار نے ڈالی تھی۔

ضدین

ایک اور طاقت قبلائی خاں کو مشرق کی طرف دھکیل رہی تھی۔ وسط ایشیا کے کہساروں میں خاندانِ اوغدائی کے باقی ماندہ شہزادوں اور حامیوں نے پناہ لے رکھی تھی اور یہاں وہ چغتائی کی اولاد سے جا ملے تھے جو یہاں متمدن دنیا سے دور اور الگ تھلگ آبائی طرز کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ انھیں سرداری کے واسطے ایک ایسا شخص مل گیا

تھا۔ یہ اوغدائی کا پوتا قائدو تھا جس نے یورپ میں معرکہ آرا فتوحات حاصل کی تھیں۔

قائدو بھی جنگ کا ایسا ہی ماہر تھا جیسا اس کا چچا قبلائی۔ اس کے علاوہ تولوئی کے خاندان سے اس کا خون کا جھگڑا تھا۔ مغلوں کو اس میں چنگیز خاں کی شبیہ نظر آئی۔ سخت کوش اور سخت جان، مذہب سے بے نیاز، دشت کے ساکنوں کو ساتھ لے جانے کے لیے تیار۔ جب قبلائی نے اُسے پیغام بھیجا کہ تم نے آ کے اطاعت کیوں نہیں قبول کی، تو اُس نے ایک مغل کا پرانا فقرہ دہرایا: "میرے گھوڑے بیمار ہیں۔"

رشید الدین نے تاویل کی ہے: "جب اریق بوغا قبلائی خاقان کی خدمت میں حاضر ہوا تو قائدو کو قبلائی سے بڑا خوف ہوا اور وہ یاسا سے منحرف ہو کے باغی ہو گیا۔ اس کی وجہ سے بہت سے مغل اور مسلمان مارے گئے۔

شروع شروع میں قائدو کے ساتھ صرف چند لوگ تھے مگر وہ بڑا چالاک اور مکار اور بڑا چلتا پرزہ تھا۔ اس نے آدمی اکٹھا کر لیے اور جوچی کے خانوادے سے دوستی گانٹھ لی، یہاں تک کہ اسے ہر طرف سے کمک ملنے لگی۔"

قائدو التائی کے درختوں سے ڈھکے ہوئے کہساروں سے افغانستان کے پہاڑوں تک ہر جگہ منڈلاتا پھرتا تھا۔ اس نے شہروں پر خراج عاید کیا اور ان شاہراہوں کے چوراہوں پر بسنے والے شہریوں پر حکومت کرنے کے لیے ایک امیر رکھا جو محمد یلواج کا بیٹا تھا اور خود سمرقند اور بخارا پر دھاوا کیا۔ اس کا دبدبہ زرق برق نہ تھا۔ باقی مغل نوئینوں کو وہ "انا" یا "جنگی بھائی" بنا کے قبول کرتا رہا۔

مغلوں کے طریقے کے مطابق اس نے قبلائی سے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب اس کے گھوڑے خوب کھا پی کے تازہ ہوتے تو وہ اچانک چھاپے مارتا۔ قبلائی کو مجبوراً مدافعت کا پہلو اختیار کرنا پڑا جیسے چینی شہنشاہ اس سے پہلے خانہ بدوشوں سے مدافعت کی لڑائی لڑا کرتے تھے۔ قبلائی خاں نے اپنی اس نئی سرحد پر تیز رفتار سوار فوج کا جال پھیلا دیا، گوبی کے کنارے کنارے اور شمالی چراگاہوں کے درمیانی علاقے میں۔ جب قائدو کے حملوں سے یہ علاقہ خطرے میں پڑ جاتا تو خاقان کی جنگی فوج آگے بڑھ کے حملہ آوروں کو پسپا کر دیتی، لیکن نہ تو خاقان ان باغیوں کا گوبی کے ریگستان کے پرے تعاقب کر سکتا تھا اور نہ وہ شمالی چین میں اپنے آپ کو اچانک حملوں سے محفوظ سمجھتا تھا۔

قبلائی کی طرح قائدو کو وہ مہنر آتا تھا کہ لوگ اس سے وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اس کے حامی بڑے بڑے قبیلوں کے نام لیوا تھے اور اب آہستہ آہستہ مسلمان ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی بیٹی اس سے اس قدر محبت کرتی تھی کہ اس نے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اپنے باپ کی طرح وہ بھی زیادہ تر وقت شہسواری میں گزارتی اور آئین سپہ گری میں ایسی ماہر تھی کہ قائدو کے خانہ بدوش سپاہی اس کی بہادری کا لوہا مانتے تھے۔

مارکو پولو جیسا صاف گو شخص جو ہمت کر کے قائدو کے علاقے سے ہو کے گزرا تھا، اُس کا ذکر کرتا ہے:۔

"اس کا نام آئی یاروق تھا، جس کے معنی ہیں 'ماہِ تاباں'۔ یہ لڑکی بڑی خوب صورت تھی اور داؤں گھات میں بڑی ہوشیار تھی۔ . . . . . . معلوم ہو کہ وہ ہمیشہ اپنے باپ کے ہم رکاب میدانِ جنگ کو جاتی تھی۔ وہ بھی اسے بڑی خوشی ساتھ لے جاتا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے باپ کے پاس سے ہٹ کے دشمن پر اس طرح جھپٹتی جیسے عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔"

رشید الدین نے بھی صفائی سے اس دختر کا ذکر کیا ہے: "وہ نوجوان کے بھیس میں فوج کے ساتھ ساتھ جاتی اور باپ اس کی بڑی عزت کرتا تھا، حالانکہ اُس کے بھائی اس کی شکایت کرتے اور کہتے: 'تمہارا کام سینا پرونا ہے، ہماری حکومت اور فوج میں تمہارا کیا کام؟' جب وہ یہ کہتے تو اُسے غصہ آ جاتا۔

"اس کا باپ اس کی عزت کرتا تھا۔ اس نے اس کی شادی نہیں کی۔ لوگوں نے اس پر بہتان لگایا کہ اس کے اپنی بیٹی سے ناجائز تعلقات ہیں۔ اس پر چند سال کے بعد شرم اور غیرت کے مارے اُس نے اس کی شادی ایک چینی سے کر دی۔"

ماہِ تاباں، اپنے باپ کے معاملات کو اپنی ذمہ داری سمجھتی تھی۔ روایت مشہور ہے کہ جو لوگ اس سے شادی کرنا چاہتے، ان سے وہ تحفے میں گھوڑے قبول کرتی لیکن خود فوج کی پسندیدہ زندگی کسی طرح نہ چھوڑتی۔ اس کی شجاعت کی وجہ سے قائدو کی فرو نہ ہونے والی بغاوت پر شاعری کا رنگ چڑھ گیا۔ ان دونوں باپ بیٹی نے چالیس سال تک وسط ایشیا کی چراگاہوں پر قبضہ جمائے رکھا۔

ان ضدین ——— قبلائی اور قائدو ——— کے باہمی حملوں کے نتائج آگے چل کے بڑے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ چونکہ قائدو کا علاقہ کاروانوں کی شاہراہوں کے درمیان واقع تھا، اس لیے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پرانا ریشم والا راستہ خاص طور پر بڑا خطرناک بنتا جا رہا تھا اور چونکہ ایل خان اور زرّیں خیل کی نئی سلطنتوں اور ین کنگ کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ قریب قریب منقطع ہو گیا تھا، اس لیے مغرب کے شہنشاہ آزادی کے ساتھ خاقان کے حکم کے بغیر جو چاہتے کرتے۔ مغل سلطنت تیزی سے چار حصوں میں منقسم ہوتی جا رہی تھی اور آبائی سرزمین کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی تھی۔

زانادو

اِدھر قائدو گوبی کے ریگ زار کے اُس پار اپنے مویشیوں کے گلّوں، شہنائیوں اور مغنّیوں کے ساتھ شہسواری کرتا رہا، اُدھر قبلائی کو اس کا موقع ہاتھ آ گیا تھا کہ جس طرح اُس کا اپنا جی چاہے حکومت کرے۔ اس مرتبہ چین میں وہ ایک ...، جان نچوڑنے والے مغل کی طرح نہیں بلکہ ایک خیرخواہ، مہربان فاتح کی طرح داخل ہوا، جو ایک نئے شہنشاہوں کے ... کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا۔ سیچین نے مغلوں کی حکومت کے نقائص کا اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا۔

اس نے اپنی تقدیر کا رشتہ چینیوں کے ساتھ جوڑا تھا۔ وہ پہلا مغل تھا جو چینیوں کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ ان کو اچھی طرح جانتا تھا کہ ان پر کم اعتماد کرتا تھا لیکن ان کے تمدن کا گرویدہ تھا۔ وہ اس دلفریب تمدن کا غلام نہ بننا چاہتا تھا کہ کہیں اس کا بھی کن خاندان کا سا حشر نہ ہو۔ اس میں خانہ بدوشوں والا ذاتی تکبر اور وقار تھا اور وہ مغل کی حیثیت سے چین پر حکومت کرنے آیا تھا۔

یہ بڑی ہمت کی بات تھی کہ وہ چینیوں کے نظم و نسق کی برائیوں کو بھی ترک کرنا چاہتا تھا اور مغلوں کی سیدھی سادی مختاری بھی نہیں اختیار کرنا چاہتا تھا بلکہ خود ایک خوش گوار درمیانی راستہ تلاش کر رہا تھا، لیکن قبلائی کی ہمت اور استقلال ... تھی اور اس میں سیاست و حکومت کی وہ قدرتی جبلت بدرجہ اتم موجود تھی جو مغلوں کی خاص صفت تھی۔

اس کا نیا مستقر شانگ تو (جسے کولرج نے افیون کے نشے میں 'زانا دُو' کا نام دیا ہے) آہستہ آہستہ تشکیل پانے ... کے احاطے میں اس نے جھیلیں بنوائیں اور ان کے کنارے باغ لگوائے۔ قبلائی کا بچپن چراگاہوں کے گرد و ... اور آندھیوں میں گزرا تھا اس لیے درخت اُسے خاص طور پر مرغوب تھے۔ اُس نے جھیلوں کے کنارے درخت ... شانگ تو کے باغات میں وہ سواری کرتا اور اپنے شہبازوں کو اڑا کے تماشا دیکھتا۔ کبھی کبھی وہ اپنے ساتھ ایک ... چیتا لے جاتا اور جس جانور کے شکار کا جی چاہتا اُس کے تعاقب میں چیتے کو دوڑاتا۔

وہ گھنے سائے اور بہتے پانی کا دلدادہ تھا، اس لیے وہ مغل جو ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈال رہا تھا، گھے ہاتھوں ... طرح کا قصر بنانے لگا۔ یہ قصر شانگ تو کے جنگل میں واقع تھا اور بانسوں کو جوڑ کے بنایا گیا تھا جن پر طلائی رنگ ... کیا گیا تھا اور جنھیں ریشمی دھاگوں سے باندھا گیا تھا۔ اس لیے آسانی سے اسے ایک جگہ سے ہٹا کے دوسری جگہ ... کیا جا سکتا تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنا بیشتر وقت چیتوں کی کھالوں کے شامیانے میں بسر کرتا تھا لیکن شامیانے ... اندر کی طرف ریشم و کمخواب لگا تھا۔

یہی نہیں، قبلائی خاں نے جھیل کے کنارے ایک مرمریں چبوترہ بنوایا اور مرمر پر شکاریوں، پرندوں اور جانوروں کی زریں تصویریں نقش کرائیں اور درختوں کی تصویریں۔ وہ چینی یامن میں آرام نہ محسوس کرتا تھا۔ یہ تو بالکل زندان جیسا تھا لیکن اپنے چینی مشیروں کو خوش کرنے کے لیے اپنے مرمریں درباری چبوترے کے قریب اس نے کنفوشس کے مندر کی تعمیر کا حکم دیا۔

کہیں اور چینی عہدہ داروں کی تجویز کے مطابق اس نے ایک عجیب عمارت بنوائی۔ یہ اس کے مرحوم آباؤ اجداد کا محل تھا۔ اس محل میں جس کو چینی لوگ شاہی معبد کہتے تھے، اس نے خاندانِ زریں کے مرحوم افراد کے نام کی تختیاں نصب کروائیں ——— یے سوکائی، چنگیز خاں، اوغدائی، حرامی جوچی، چغتائی، اپنے باپ تولوئی، قیوق اور منگو خاں کے نام کی تختیاں۔ ان سب بادشاہوں کے اس نے چینی میں معزز القاب مقرر کیے، بجز جوچی اور چغتائی کے جو براہِ راست اس کے اجداد میں شامل نہ تھے اور جنھوں نے حکومت نہ کی تھی۔

ان ناموں کی تختیوں کے آگے عود وعنبر کی دھونی دی جاتی اور قبلائی آ کے ان ممتاز روحوں کے آگے سر جھکاتا، جو اگر زندہ ہوتے تو اسے یہ رسم ادا کرتے دیکھ کے دنگ رہ جاتے۔ لیکن قبلائی خاں نہ پہلا فرد تھا نہ آخری جس نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح عزت افزائی کی ہو۔

جس خاندان کی وہ بنیاد ڈال رہا تھا، اس کا نام اس نے "یوآن" (یا بیرونی خاندان) رکھا۔

فوراً اس نے ہان لِن کے فضلاء کے ایک گروہ کو یوآن خاندان کی تاریخ قلمبند کرنے کا حکم دیا۔ ایک منجم جمال الدین کو اس نے یہ حکم دینا مناسب سمجھا کہ ایک نئی جنتری بنائے، جو اس کی سلطنت کے سال سے شروع ہو۔ اپنے علماء اور حکماء کے علم و حکمت کو فروغ دینے کے لیے اس نے ایک رصدگاہ بنائی جس میں دوربینیں، اصطرلاب وغیرہ نصب تھے۔ اس کے ساتھ منتخب حکیم اس کام میں سات سال تک لگے رہے، کیونکہ قبلائی ایسے شگونوں کا بڑا متلاشی رہتا تھا جن کی بنیاد ریاضی پر ہو۔ اچھے مہینوں اور مبارک ایام سے آگاہی بڑے کام کی چیز تھی۔ اسی طرح منحوس ساعتوں سے واقفیت بھی ضروری تھی۔

ایسی حکمت کو فروغ دینے والی ان مساعی میں وہ چینیوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف جمائے رکھتا، کیونکہ رعایا میں سے کسی ایک قوم پر حد سے زیادہ بھروسا کرنا اس کے نزدیک تدبر کے خلاف تھا۔ جن تصنیفات کا وہ ترجمہ کروانا چاہتا تھا، ان کے ترجمے کے لیے اس نے ایغوری، تبتی، ایرانی اور بخارا کے ترکوں کے مدرسوں سے حکیموں اور فاضلوں کے ایک گروہ کو اکٹھا کر رکھا تھا۔ اس کے تجسس کی کوئی انتہا نہ تھی اور وہ علمِ کتب کا بڑا جویا تھا۔

مل تھا، شکل سے دھوکا کھاتا تھا اور اسے دھوکا دینے کی کوشش کرنا بڑی خطرناک بات تھی۔ اس نے اپنے زمانے کے لم و فضل کی یکجائی اور باہمی تبادلے کا گویا ایک مرکز کھول رکھا تھا۔

اس نے دیکھا کہ اس کے دربار میں جو اجنبی آتے وہ قابلِ اعتبار تھے اور وہ انھیں دل کھول کر انعام و اکرام دیتا۔

اس نے چین بھر میں مسلمانوں کا قتلِ عام کرایا، یہاں تک کہ بخارا کے ایک تاجر نے اسے سمجھایا کہ قبلائی اگرچہ خود مغل ہے کافر نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ وہ اپنا ہر کلمہ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے۔

مارکو پولو جو مذہبی رسوم و عقائد کا بڑا پابند تھا، قبلائی کی فراخ دلی کی جہت سے بہت گھبرایا۔ قبلائی نے کہا کہ چار پیغمبر ایسے ہیں جن کا لوگ تتبع اور جن کی عزت کرتے ہیں۔ یہ ہیں حضرت یسوع مسیحؑ، حضرت محمد صلعم، حضرت موسیٰؑ، ساکیامنی (مہاتما بدھ)۔ میں ان چاروں کے آگے سر جھکاتا ہوں اور اس کے آگے جس نے انھیں عظمت بخشی اور جو والی آسمان میں ہے۔ میں اُس سے امداد کی التجا کرتا ہوں۔ بتاؤ پھر میں عیسائی مذہب کیوں قبول کر دوں؟ تم دیکھتے ہو کہ ملک کے عیسائی جاہل ہیں اور کافر دیوتاؤں کے پجاری جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں؟"

اس نے میسر مارکو کو تبتی لاماؤں کی شعبدہ بازی کا تماشا دکھلایا، جو شراب سے بھرے ہوئے جام کو ہوا میں اڑا قبلائی کے ہاتھ میں پکڑا سکتے تھے۔ قبلائی نے کہا "یہ لوگ چاہیں تو آندھی طوفان بلوائیں اور جہاں چاہیں وہاں طوفان کا رخ دیں اور یہ اپنے کافر دیوتاؤں سے بات چیت کر سکتے ہیں۔"

تبت کے ایسے ہی ایک سرخ لاما کو قبلائی نے اپنی سلطنت کا مہا پجاری مقرر کیا۔ قبلائی کا خود کا منتری شامانوں رسوم پر کتنا ہی اعتقاد ہو وہ اس سفید پہاڑوں والے لاما فاگس پا کا بڑا معتقد تھا۔ فاگس پا کو اس نے "عظیم و بے بہا ں کے بادشاہ" اور "شہنشاہ کے خالق" کا لقب عطا کیا۔

لیکن اس نے فاگس پا کو کام کے راستے پر لگایا۔ اس سے فرمائش کی کہ عالمگیر حروفِ تہجی بناؤ جس میں بول چال کی زبان کو چینی اور تبتی تحریروں کے ساتھ ساتھ لکھا جا سکے۔ یہ اس لیے کہ مغل دربار میں بولیوں اور انواع و اقسام کے ت کی بڑی کثرت تھی۔ فاگس پا نے بڑی ہمت سے کوشش تو ضرور کی مگر یہ ولائتی لاما بھی ایسے حروفِ تہجی نہ ایجاد کر سکا ب زبانوں کے لیے کارآمد ثابت ہوں۔

چینی داناؤں کو یہ نہیں بھاتا تھا کہ ایک تبتی کو ایسا بلند مرتبہ حاصل ہو۔ دانایانِ چین تخیل کے لحاظ سے تاؤ کے

پیرو اور علوم و فنون میں کنفیوشس کے پیرو تھے۔ اس بات سے قبلائی خاں غالباً ناراض نہ تھا کیوں کہ وہ چینی بنیاد پر ایک عالمگیر سلطنت تعمیر کرنا چاہ رہا تھا۔ جو تمدن اُسے اس قدر محبوب تھا، اسی کے خلاف وہ کش مکش کر رہا تھا۔ چینیوں کے جمود و رسوم میں اُسے ایک ایسی قوت نظر آتی تھی جسے ہتھیاروں کے ذریعہ توڑا نہ جا سکتا تھا۔

اس نے بڑے تدبر سے اپنی رعایا کے تمام طبقوں کے لیے ایک ایسا نظم و نسق سلطنت مرتب کیا تھا جس میں کسی واحد نسل کو غلبے کا موقع نہ مل سکتا تھا۔ اُس کے ہم وطن مغل فوج میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے، وہی داروغہ چی یعنی صوبوں کے گورنر، عدالتوں کے ناظم اور محکموں کے صدر بھی تھے۔ زیادہ ہوشیار مسلمان کمتر عہدوں اور مالیات کی وصولی پر مامور تھے۔ چینی مدرسوں کو چلاتے تھے اور بلدیوں کے صدر تھے۔ اس طرح نظم و نسق کا نقشہ یہ تھا کہ پولیس کی سی طاقت مغلوں کے ہاتھ میں تھی، خزانہ غیر ملکیوں کی تحویل میں تھا اور تعلیم چینیوں کے سپرد تھی۔

اُس کی رائے تھی کہ ہر نسل کے سپرد وہ کام کیا جائے جس کی وہ ماہر ہے اور سب نسلوں میں باہم تناسب رہے کیوں کہ قبلائی خاں کا یہ نصب العین تھا کہ وہ امن چین کا ایسا نظم و نسق رائج کرے کہ اس کی رعایا کے نچلے طبقے کے آلام اور مصیبتوں کا ازالہ ہو سکے۔

اس مقصد کے لیے ضروری تھا کہ وہ پہلے جنوبی چین کو بھی فتح کرلے جس پر سُنگ خاندان کی حکومت تھی۔ یاؤ چاؤ اور اُس کے چینی مشیروں نے اُسے باور کرا دیا تھا کہ مغلوں کی جنگ اور فتح کا طریقہ بڑی خونریزی کا ہے اور اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ آبادی گھٹ جاتی ہے اور بغاوت شروع ہو جاتی ہے اس لیے اُس نے خود فتح کی ایک نئی تجویز سوچی۔ اُس نے طے کیا کہ اس مرتبہ سُنگ خاندان کے خلاف جو پیش قدمی کی جائے گی اُس میں قتلِ عام نہ ہوگا۔ اس نے اپنے سپہ سالاروں کو سمجھایا کہ لاشوں کے مینار بنائے بغیر بھی انسانیت کے ساتھ شہروں کو فتح کیا جا سکتا ہے۔

بالآخر قبلائی کی مرضی کے مطابق فتح کی اِس نئی تجویز پر عمل کیا گیا لیکن اس میں بارہ سال لگ گئے۔

زوالِ سُنگ

دریائے یانگ تسی کے تیز رفتار پانی کے اُس پار چین کا دل دھڑک رہا تھا۔ یہ انسانوں کے انبوہوں کا دل تھا۔ ابتدائی شاہی خاندانوں کے دَور سے لے کر اب تک کئی مرتبہ وحشی قومیں ختا یعنی شمالی چین پر دھاوے کر چکی تھیں۔ بعض نے وہاں حکومت بھی کی تھی، لیکن جنوبی چین پر ابھی تک کسی نے حملہ نہیں کیا تھا۔ اِس خطّے نے اپنے آپ کو ہجرت اور عالمگیر لڑائیوں سے محفوظ رکھا تھا اور اس حد تک اِس خطّے پر جمود بھی طاری تھا۔ اِس دل کا خون پتلا پڑ چکا

اور نبض کی رفتار کمزور تھی۔

سُنگ کے حکمرانوں کو اٹھارہ شاہی خاندانوں کی تاریخ یاد تھی۔ ان کا اپنا معاشرہ تین صدی پرانا تھا۔ اس کے مُربّی کی نگاہیں باطن کی طرف مرکوز تھیں ——— روحانی اقدار پر غور، خوش مصوّروں کے مُوقلم کی پہچان، خطوط کی نزاکت جو معلوم ہوتے تھے جیسے دُھندلکے میں چھپکلیں۔ اہل سُنگ کے دلوں پر رنج و الم کے بادل چھانے لگے۔

اُنھوں نے جنوبی پہاڑوں میں اپنے لیے ایک فردوسِ ارضی کی تعمیر کی تھی۔ ایسی جنت میں جس میں خزاں سے درختوں کے پتے زرد پڑ گئے تھے اور کہیں سال چاند نیند کے متوالے گاؤں پر چمک رہا تھا۔ شاعر سُنگ یو جن لکھتا ہے "میں بے حرکت اِس بلندی پر سے شام کی روشنی میں مینہ سے بھرے بادلوں کو آسمان کے پار گزرتے دیکھا کرو جبکہ ہلکے پھلکے طائروں کو دراز کی ہوا کے جھونکے اُڑا لے جاتے ہیں . . . . . . "

اتنے عرصے تک باقی ماندہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے سُنگ کے لوگ اس طرح اپنی اندرونی روح کا لطف و آنند حاصل کرتے تھے۔ ان کے نزدیک سرحد کے اُس پار مغلوں کی یورش بھی ایسی ہی تھی جیسے دشت کے اوباش بدوؤں کے دھاوے جو ہمیشہ ہی ہوتے رہتے تھے۔

ان صدیوں میں سُنگ سلطنت نے ایک ایسی پُرامن معیشت کی تکمیل کی تھی جس کی بدولت ملک کی زراعت سے یانگ تسی کے عظیم مرکزوں کی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔ ساتھ ہی شہروں کی تجارت کی وجہ سے کھیتوں کے مزارعین کو مدد ملتی تھی لیکن یہ بڑا نازک سا نظام معیشت تھا، جس میں امیر بہت امیر تھے اور مفلس بے حد مفلس۔ شاہی خاندان کے شہزادوں کو بھی "فرزند آسمان" (شہنشاہ) کا قرب حاصل تھا، یانگ تسی کی گہری گھاٹیوں کے ماہی گیروں سے اس قدر دُور جیسے شاعر کے آسمان کے بادل!

سُنگ خاندان کی طاقت عظیم الشان فصیل بند شہروں پر قائم تھی۔ صرف شہر لن نگان میں چھ لاکھ خاندان آباد تھے۔ شہر کے بارہ صدر بازار تھے۔ مورخ دھاف کا بیان ہے کہ اس میں چونسٹھ عام میدان اور سات سُو مندر تھے، جن کی دیواریں قلعوں کی دیواروں کی طرح مضبوط تھیں۔ اس کے درمیان سے جو دریا بہتا تھا اس سے نہریں نکالی گئی تھیں۔ تین سُو ساٹھ پل تھے۔ مارکو پولو جس کو مبالغے کا بڑا شوق تھا ان پُلوں کی تعداد بارہ ہزار بتاتا ہے۔ ان میں سے پُل پتھر کے تھے اور اتنے اونچے تھے کہ سمندری کشتیاں ان کے نیچے سے گزر سکتی تھیں۔

سڑکوں پر اینٹوں یا پتھروں کا فرش تھا اور ان کا پانی نہروں میں جا گرتا تھا۔ ہر سڑک پر ایک مینار تھا، جس میں آگ لگ سکتی تھی اور اس میں غلّہ کا گودام ہوتا تھا۔ ہر گھر میں تصویریں آویزاں تھیں اور مکینوں کی مکمل فہرست

دروازے پر لگی تھی۔ مختلف محلوں کے سروں پر پولیس کی چوکیاں تھیں جن کا سردار شہر کا کوتوال تھا۔ کہیں آگ لگتی تو یہی پولیس آگ بجھانے کی خدمت بھی انجام دیتی۔

لن نگان کی تعمیر ہی زندگی کا لطف اٹھانے کے لیے ہوئی تھی۔ بیچ میں ایک بہت بڑا باغِ عام تھا۔ اس کی جھیل کے اطراف شاہی محل اور اس علاقے کے مندر تھے۔ یہاں ڈونگوں اور آرام دہ کشتیوں میں آمد و رفت ہوتی تھی اور سڑکوں کے مقابل یہاں بڑا سکون اور خاموشی تھی۔

اس شہر میں ہمیں ایک ایسے جدید دارالسلطنت کی جھلک نظر آتی ہے جو فلک بوس عمارتوں اور کارخانوں کے علاقوں سے پاک ہو۔ اس کے اطراف ایک بڑی سایہ دار سڑک بھی تھی ——— اس کی چوڑی فصیل پر گاڑیاں چل سکتی تھیں۔

قبلائی خاں کی فوجیں نئے اسلوبِ جنگ سے لن نگان کی طرف خوں ریزی کیے بغیر بڑھیں۔ یہ قبلائی کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے سپہ سالار بڑے ذہین تھے۔ آچو اجو سوبودائی کا پوتا تھا، بوڑھے مغلوں کا سا فرلیس تھا اور صاحبِ کمال بایان میں اپنے مقصد تک پہنچنے کا خداداد ملکہ تھا۔ پہلے چند برسوں کے بعد اس جنگ کا تعلق قبلائی کے مقابل بایان سے زیادہ رہ گیا۔

قبلائی نے اس یورش کی بنفسِ نفیس سپہ سالاری نہیں کی۔ مغل سپہ سالاروں کو سُنگ سلطنت سے بجا شکایت تھی کہ ایک سُنگ وزیر نے اس موقع سے بے جا فائدہ اٹھایا جبکہ قبلائی جلدی سے صلح کرکے اریق بوغا کا مقابلہ کرنے کے لیے قراقورم روانہ ہو گیا تھا۔ اس وزیر نے اپنی سرحد کے اندر اس صلح کو فتح کا رنگ دیا اور سُنگ کے شاہی خاندان کو آگاہ نہیں کیا کہ صلح کی کن شرائط کی تکمیل ضروری ہے۔ اُس نے مغلوں کی آپس کی خانہ جنگی سے یہ فائدہ بھی اٹھایا کہ مغلوں کی سرحد کے دستوں کو ختم کرکے اور نئی فتوحات کا دعویٰ کیا۔ ملک کے لوگ سمجھنے لگے کہ سچ مچ مغلوں کو شکست ہوئی ہے۔

اور جب احتجاج کرنے کے لیے قبلائی کے دربار کے قاصد پہنچے تو اس سُنگ وزیر نے انھیں قتل کرا دیا۔ دوسرے مغل افسروں کو قید کر لیا اور لن نگان کو اصل صورتِ حال کی اطلاع نہ پہنچنے دی، لیکن اب اُس نے اپنے آپ کو ان نئی حملہ آور مغل فوجوں کا مدِ مقابل نہ پایا جن کے متعلق وہ سب کو یاد کرا چکا تھا کہ وہ انھیں شکست دے چکا ہے۔ اُس کی اس غداری کی وجہ سے سُنگ کے بہت سے قابل سپہ سالار اُس کا ساتھ چھوڑ کے مغلوں سے آن ملے جن کو ذمہ داری کا زیادہ احساس تھا۔ اس طرح بہت جلد بایان کی فوج میں شمالی چین کے انجینئروں اور تیر اندازوں

کے دستوں کے ساتھ سُنگ کی سرحدی فوج کے بہترین دستے شامل ہو گئے۔

وہ باقاعدہ منزل بہ منزل آگے بڑھا اور کسی شہر کا محاصرہ جب ہی کرتا کہ جب اس کی ضرورت ہوتی۔ اگرچہ کہیں کہیں اسے گھمسان کی لڑائیاں لڑنی پڑیں اور کہیں کہیں کسی قصبے کو سر کرنے کے بعد وہ دیکھتا کہ کنوئیں ان سُنگ خاندانوں کی لاشوں سے اٹے پڑے ہیں جنھوں نے خودکشی کر لی ہے، لیکن زیادہ تر وہ اپنی پیش قدمی سے پہلے امن اور چین کا پیغام بھیجتا بجائے اس کے کہ مغلوں کی پرانی دہشت انگیزی سے کام لے۔

وہ خود اُن سُنگ سپہ سالاروں کے جنازے کی رسوم میں شرکت کی زحمت اٹھاتا جنھوں نے ہار کے خودکشی کر لی تھی۔ اس عزت کے اظہار کی وجہ سے سُنگ لوگ اُسے پسند کرنے لگے۔ جب وہ ایک طاعون زدہ علاقے سے گزرنے لگا تو اس نے معالجے کے لیے اپنی فوج کے طبیبوں کو دیہات میں بھیجا۔ اس کے کچھ سپاہی کاشت کاری کے ہل وغیرہ لے کے چلتے اور مزارعین کو اناج بونے میں مدد دیتے۔

وہ سُنگ وزارت کی سیاسی چالبازیوں کے جھانسے میں بھی نہیں آیا۔ لن نگان سے اس کے پڑاؤ میں قاصد بھیجے گئے جنھوں نے احتجاج کیا کہ تم ایسے ملک پر حملہ کر رہے ہو جس کا بادشاہ ابھی نابالغ ہے اور اس کی ماں بیوہ ہے۔

قبلائی کے سپہ سالارِ اعظم نے جواب دیا "تم کہتے ہو کہ تمھارا آقا نابالغ ہے، مگر تم بھول گئے کہ چاؤ خاندان کا وہ شہنشاہ جس سے تم نے سلطنت چھینی، وہ بھی نابالغ ہی تھا۔ ہم بھی تمھارے ساتھ وہی سلوک کر رہے ہیں تو تمھیں بُرا کیوں لگتا ہے؟"

یہ پہلا موقع نہ تھا کہ اس قسم کی حاضر جوابی سے سُنگ کے سفیر اپنا سا منہ لے کے رہ گئے۔ چینیوں کے نزدیک اس حاضر جوابی کی اہمیت جنگ کی فتح سے بڑھ کر تھی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آچو اور بایان نے جنگی سرگرمیوں میں کوئی کمی برتی۔ انھوں نے ایران کے ایل خاں اباقہ کے پاس سے منجنیقیں بنانے کے ماہر بلوائے۔ منجنیقیں اس زمانے کا بھاری توپ خانہ تھیں۔ ان کے ذریعے اتنی بڑی بڑی چٹانیں پھینکی جا سکتی تھیں کہ فصیلیں تاب نہ لا سکتیں اور شہروں کے اندر عمارتیں مسمار ہو جاتیں۔ اگرچہ مغل کشتیوں کی سواری پسند نہ کرتے تھے آچو نے ایک طرح کا دریائی بیڑہ بھی دریائے یانگ تسی کے دہانے کے قریب بنا ڈالا۔ ان کشتیوں سلسلے پر اس نے چینی تیر انداز تعینات کیے اور جب مقابل سے سُنگ کی آبی کشتیوں کے بیڑے نے حملہ کیا تو اس نے کمانوں سے آتش گیر تیر برسوائے، جن کی وجہ سے حملہ آور کشتیوں میں آگ لگ گئی۔ ہوا سے یہ آگ پھیل گئی اور دشمن کا بیڑہ منتشر ہو گیا۔ (ایک دوسرے بیان کے مطابق آگ کے گولے پھینک کے آگ لگائی گئی۔)

اِدھر سات سالہ شہنشاہ کی ماں نے سُنگ کی سرزمینوں میں امراء کو خطوط اور پیغام بھیجے کہ دارالسلطنت لِن آ ن
کے تحفظ کے لیے آؤ' اُدھر بایان نے اپنے افسروں کو سونوں کی تھیلیاں دے کر ملک کے اُن حصوں میں جو جنگ کی وجہ سے
مفلوک ہو گئے تھے بھیجا کہ خوب خیرات تقسیم کریں۔

جب وہ لن نگان کی بے پناہ فصیل کے قریب پہنچا تو اس نے مغل سپاہیوں کو حکم دیا کہ خبردار نہ کوئی چیز چرانا اور نہ
زبردستی غلہ وصول کرنا۔ اس قسم کی پیش قدمی کے مقابلے کے لیے کھیتوں کے مزارعین کو جمع کرنا ناممکن تھا، اس لیے
سُنگ سپہ سالاروں نے خودکشی کرلی۔ بایان نے عزت کے ساتھ ان کی تجہیز و تکفین اور تمام رسوم ادا کیں۔ یوں سمجھنا چاہیے
کہ جنگ تو یوں ہی جیت لی گئی۔

جب مغل ہراول دستے لن نگان کے دریا کے کنارے پہنچے تو بایان ٹھہر گیا اور اس نے اپنے خیمے اُن کے سامنے
صدیوں پرانی فصیل کے مقابل لگوائے۔ بیوہ ملکہ نے جو اپنے وزیروں اور سپہ سالاروں کے مقابل زیادہ آسانی سے
یہ سمجھ گئی کہ اب مقاومت بے کار ہے' بایان کو اپنی خدمت میں طلب کیا۔ اس نے ہوشیاری سے معافی مانگ لی
اور کہا کہ میں دربار کے آداب سے واقف نہیں جو ایسی اعلیٰ ہستی کے حضور میں حاضر ہوں۔

اس نے صرف اس ذرا سی تحریک سے قبضہ کر لیا کہ اپنے ایک افسر کو روانہ کیا جس نے جا کے یہ مشورہ دیا
کہ اس گھڑی سے دربار کے شاہی رسوم کا خاتمہ ہوتا ہے اور ملکہ اور اس کے سات سالہ بیٹے شہنشاہ کو قبلائی خاں
کے دربار چلنے کے لیے سفر کی تیاری کرنی چاہیئے۔

اس طرح سنہ ۱۲۷۶ء کے تیسرے مہینے سُنگ کے شاہی خاندان نے مغلوں کی اطاعت قبول کرلی۔

ملکہ نے پرانے زمانے کی یاد چھوڑی اور ان لوگوں کا مشورہ قبول نہ کیا جو لڑتے مرنے کی رائے دے رہے تھے۔
اُس نے اپنے شہنشاہ بچے کو حکم دیا کہ دو زانو ہو کے نو مرتبہ زمین پر سجدہ کرے۔

"فرزندِ آسمان (قبلائی خاں) تمھاری جان بخشی کر رہا ہے' اس کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے۔"

جب یہ شاہی جمعیت شمال کی طرف دور دراز سفر پر روانہ ہوئی تو اس کے ساتھ شاہی عزیزوں کے خاندانوں
کا اور چینی اکادمی کے علماء کا انبوہ بھی تھا۔ بایان نے چار افسروں کو لن نگان کے اندر داخل ہونے کا حکم دیا کہ تمام
کتب خانوں' دفتروں' نقشوں' تصویروں' تاریخی دستاویزوں اور عدالتی فیصلوں کو سربمہر اور مقفل کر دیں۔

چین کا دل اب بھی دھڑک رہا تھا۔ لن نگان کے بے بہا علمی خزانے قبلائی کی اصلاحِ نفس کے لیے محفوظ تھے
افواہ کے طور پر قبلائی کو یہ خبر مل گئی کہ بیوہ ملکہ نے اس کو جو ایک وحشی فاتح کا پوتا تھا "فرزندِ آسمان" کہا ہے۔

جب لن نگان کے خزانوں کے نمونے اُس کے حضور میں سجائے گئے تو اس نے جامو ئی خاتون کو نازک چینی ظروف،
شیدہ کاری اور ہاتھی دانت اور سیپ کا کام دکھانے کے لیے بلا بھیجا۔ جامو ئی خاتون نے سُنگ خاندان کی بیوہ ملکہ کا عزت
یقدم کیا اور اس کا انتظام کیا کہ اس لڑکے کا اپنا ایک ننھا مُنا سا دربار باقی رہے جو کسی زمانے میں شہنشاہ تھا۔ جب
ے وہ خزانے دیکھے جو لُوٹ کے آئے تھے تو وہ رونے لگی اور قبلائی سے کہا "مجھے یہ خیال آتا ہے کہ ایک دن مغل
ت کا بھی اسی طرح خاتمہ ہوگا۔"

دارالسلطنت کے سقوط اور کمسن شہنشاہ کی اسیری سے سُنگ والوں کی مزاحمت کا خاتمہ نہ ہوا لیکن شمالی جنوب کی کرودوں
ی کی سمجھ میں یہ آ ہی نہ پاتا تھا کہ شاہی خاندانوں کا خاتمہ ہو گیا۔ مغلوں کی تھکی ماندی فوجوں کو پھر سے حملے کے لیے پیش قدمی
ی۔ جو سپاہی مارے گئے تھے اُن کی جگہ قبلائی کے حکم سے اسیرانِ جنگ کو فوج میں بھرتی کیا گیا۔ پہلے تو کین اور پھر
ن کے عظیم تجارتی مرکز پر قبضہ کیا گیا۔

لین ٹان کے سقوط کے بعد بھی سُنگ کے حمایتی سمندر میں کشتیوں کی مدد سے لڑتے رہے۔ مغل سپہ سالاروں کو مجبوراً
ڑا تیار کرنا پڑا تاکہ اُن جزیروں پر حملہ کریں جہاں سے سُنگ کے جنگی جہاز آیا کرتے تھے۔ آٹھ سو کشتیوں کے پکڑے جانے
ے یہ بحری لڑائی ختم ہوگئی۔ سُنگ امیرالبحر اپنے خاندان کو ڈبو دینے کے بعد خود پانی میں چھلانگ مار کے ڈوب گیا اور اس کے
باقی نہ رہا جو لڑائی جاری رکھتا۔

دورِ متوسط کی چینی حکومت کی طرح جس میں شمالی اور جنوبی چین ایک ہی شہنشاہ کے زیرِ حکومت تھا، اب پھر سارا چین
اجنبی شہنشاہ کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اگلی صدیوں کی لڑائیوں اور انقلابوں میں پھر اس چین کی ہیئت نہ بدلی۔ قبلائی
ات کی وجہ سے چین پھر ایک واحد ملک بن گیا۔

خان کا شہر

چینی لوگ قبلائی کو تیین تسُو (فرزندِ آسمان) کہتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ قبلائی دنیا کا فاتح بھی تھا۔ وہ زمین خیل
خاں کا آقا تھا۔ ڈاک کی سڑکوں کے سرے پر اباقا اپنی نشست کے پہلو میں ایک خالی تخت رکھتا تھا جس کا پایہ اس
ست سے زیادہ اونچا تھا اور وہ اپنے درباریوں سے صاف صاف کہتا تھا کہ میں قبلائی خاقان کے حکم کے بغیر
م نہیں کرتا اور یہ خالی تخت قبلائی خاں کے لیے محفوظ ہے۔ قبلائی دو طرح کی تقدیریں پوری کر رہا تھا۔ مغل خاقان
یت سے وہ چین پر قابض تھا لیکن چنگیز خاں کے پوتے اور جانشین کی حیثیت سے وہ اس کی سلطنت کے ایک

چوتھائی حصّے پر قابض تھا چینی شہنشاہ کی حیثیت سے وہ دشتِ رُوس اور ایرانی سطح مرتفع کو اپنی سلطنت کے حُدود اضافہ ہے سمجھ سکتا تھا۔

بظاہر قبلائی اپنے راج کے اِن دونوں پہلوؤں سے مطمئن تھا۔ جوں جوں لوگ اُس کی اطاعت کرتے جاتے اُس کے دل میں شان و شوکت کا احساس بڑھتا جاتا۔ اس کے دل میں کسی طرح کا شک و شبہ باقی نہ رہا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ وہ چین کے لیے ایسا نظم و نسق فراہم کرسکے گا جس سے امن چین کے علاوہ اصلاح کا حصول بھی ممکن ہو جائے گا۔ اصلاح کے متعلق اس کے نظریے آزاد خیالی کے تھے اور یادگار بن گئے ہیں۔ یہ لفظاً صحیح ہے کیوں کہ تو لوئی کا سیاہ فام بیٹا فنِ تعمیر کی روشنی میں سوچا کرتا تھا۔ وہ پرانی عمارتوں کی مرمّت کے بجائے نئی یادگاریں قائم کرنا چاہتا تھا۔

منگ کے خلاف مہم ابھی تکمیل کو پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے شمالی علاقوں کی ہیئت بدلنی شروع کر دی۔ جب شاہی شاہراہوں پہ ہاتھی کی پشت پر زرّیں ہودے میں سوار ہو کے نکلتا، تو شاہراہوں کے کنارے سایہ دار درختوں کے لگانے کا حکم صادر کرتا۔ اُس نے رفاہِ عام کی اس مشہور سعی پر کام شروع کرا دیا تھا، جو نہرِ عظیم کہلاتی ہے اور جس کے ذریعے کشتیاں ینگ کنگ سے اُن اندرونی میدانوں تک پہنچنے لگیں جن کو دریائے یانگ تسی سیراب کرتا ہے۔ یہ نہر اس طرح کھدوائی گئی کہ اس کے کناروں پر پتھروں کی دیوار تھی۔ دونوں طرف روشوں پر پتھر چُنے ہوئے تھے، یہ نہر باغوں اور بازاروں سے ہو کے گزرتی تھی، جو اس کی نالیوں سے سیراب ہوتے اور اس کے اطراف حسبِ معمول سایہ دار درخت نصب تھے۔

اُسے یہ ممکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ چین کے تین بڑے آلام کا انسداد کر سکے گا: یعنی طاعون، خشک سالی اور قحط۔ اُس نے مختلف علاقوں میں شفاخانے بنوائے۔ اس نے پھر سے یہ رواج جاری کیا کہ گوداموں میں اناج بھر لیا جائے یعنی جس سال فصل اچھی ہو، زائد غلّہ گوداموں میں جمع کر لیا جائے تاکہ خشک سالی کے دنوں میں کام آ سکے۔ اور اگر کسی ضلع میں فصل خراب ہو جائے یا قیمتیں چڑھ جائیں تو جس ضلع میں غلّے کی افراط ہو، وہاں کا جمع غلّہ قحط زدہ ضلع کو روانہ کیا جائے۔ قبلائی کو وہ تخیل نصیب تھا کہ وہ زرعی مزدوروں کو صحیح کام پر لگا سکے۔ دو پشت پہلے کے مغل بس انھیں غلام لیتے۔ اس نے یا اُس کے چینی ناظموں نے ہر کسان کی اراضی دوہری کر دی اور اس کا انتظام کر دیا کہ سرکاری ذخیرے سے اُسے بونے کے بیج اور ہل چلانے کے لیے جانور فراہم کر دیے جائیں۔ فصلوں کی حالت معلوم کرنے کے لیے وہ ہرکاروں کو گاؤں گاؤں بھیجتا تاکہ فصل کی حالت اور زرعی مزدوروں کی کیفیت سے اُسے آگاہ کرتے رہیں۔

اس تحقیق و تجسّس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبلائی کو غریب اور مفلوک الحال مزدوروں کے مسئلے سے آگاہی حاصل ہوئی۔ اس نے پیمانے پر چاول، جَو، کپڑا اور جھونپڑیاں تقسیم کرکے رفاہِ عام کا کام انجام دیا۔ ایک حد تک یہ کر چکنے کے بعد اُس نے غریب بوڑھوں، یتیموں، بیماروں اور معذوروں کے لیے امداد کا انتظام کیا۔ اس کے فرمان سے صرف ین کنگ میں ہزار محتاجوں کو شاہی مطبخ سے کھانا دیا جاتا تھا۔ (یہ اگرچہ دشت نوردوں کی روایات کے خلاف تھا کہ طاقتور لوگ غذا حاصل کرکے کمزوروں کو کھلائی جائے)۔

وہ سرحدی ضلعوں کے مرافعوں کی خود سماعت کرتا۔ گوبی کے کنارے کے ایک خاندان نے فریاد کی کہ بعض مغل جو موسم کی وجہ سے وہاں پناہ لینے آئے تھے، زبردستی غذا وصول کرنے لگے۔ اس سال پھر وہی مغل غذا لینے آئے۔ کسان ڈرتے تھے کہ اگر وہ اسی طرح انھیں غذا دیا کریں تو یہ ایک طرح کا سالانہ دستور بن جائے گا۔ قبلائی نے کسانوں کا مرافعہ منظور کر لیا اور مغلوں سے کہا کہ وہ ہرجانہ ادا کریں۔

چینی عہدہ دار اُس کی علیت کو اور فروغ دیتے کیونکہ یہ دور بین چینی دیکھ رہے تھے کہ مستقبل کی شکل کیا ہو گی۔ قبلائی محسوس کر رہا تھا کہ اپنے رفاہِ عام کے کاموں اور دیہی اصلاح کے لیے اُسے اور زیادہ تعلیم یافتہ چینیوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔

دفاتر کی تعداد حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ میینے اور میسرے کے وزیروں کے علاوہ اُس نے دس اور وزیروں کا تقرر کیا۔ ان کے ماتحت محکموں کے ناظم اور چپ و راست کے مہتمم تھے۔ پھر سرکاری مخبر اور مجلسِ شوریٰ جو اوّل اوّل بادشاہ کو مشورہ دینے کے لیے قائم کی گئی تھی۔ مجلسِ شوریٰ کے ماتحت چھ شعبے تھے جو جنگ اور ڈاک وغیرہ کے محکموں کے نظم و نسق کا کام انجام دیتے تھے۔

اس وسیع مرکزی سرکاری نظام کے علاوہ بارہ صوبوں کی اپنی اپنی مجالس اور اپنے اپنے گورنر تھے۔ ایک مرتبہ قبلائی نے اپنے عہدہ داروں سے پوچھا کہ کسان اتنی محنت کرتے ہیں اور انھیں اتنی امداد دی جاتی ہے پھر بھی وہ غریب کے غریب ہیں۔ یہ کیوں؟

چینیوں نے جواب دیا: "اس لیے کہ سلطنت اراضی پر تو کسانوں کی ہمت افزائی کرتی ہے مگر انھیں سے اپنی آمدنی حاصل کرتی ہے۔ مزدور کسانوں کے پاس بہت کم باقی بچتا ہے، کیوں کہ ان کی پیداوار کا بڑا حصّہ نگران کاروں اور محاصل کی نذر ہو جاتا ہے۔"

جیسے کوزہ گر اپنی کلّی پر اپنی اُنگلیوں سے مٹّی کی شکل بدلتا ہے، قبلائی نے کسانوں کو سہولت بہم پہنچانے کے پُرانے

اور عالمگیر مسئلے سے دوچار ہو کے اپنی سلطنت کی ہیئت بدل دی۔ وہ اپنے دادا کی طرح مستقل مزاج تھا۔ اس میں طلو[illegible] وہ جبلت موجود تھی جو زمین اور جانوروں اور انسانوں کے مسائل سمجھتی ہے جن کا دار و مدار موسم کی مہربانی یا قہر پر [illegible] اور چنگیز خاں اور منگو خاں کے برعکس اس میں نکتہ چینی کو برداشت اور قبول کرنے کی صلاحیت بھی تھی۔ اصول پسند چینی [illegible] کے تہلکہ انگیز احکامات سے ششدر رہ گئے۔ وہ اسے اس راستے پر تو لگا رہے تھے جو اس نے اختیار کیا تھا لیکن [illegible] اس کے لیے تیار نہ تھے کہ جس عجیب و غریب رجحان سے وہ مشکلات کا یوں سامنا کر رہا تھا جیسے کوئی دشمن کی (مہا[illegible] کرتا ہے، وہ اس کے ہمرکاب چل سکیں۔

چینیوں نے سچ سچ کہہ دیا کہ اس نے اتنی عظیم الشان فوج جمع کر رکھی ہے کہ محصول کی آمدنی کا بڑا حصہ اس [illegible] نذر ہو جاتا ہے۔ قبلائی نے اپنی فوجی طاقت میں تو کمی نہ کی، مگر اس نے وہی کیا جو اوغدائی کے عہد میں یلیوچو سائی کرنا چاہتا تھا —— اس نے غیر فوجی عہدہ داروں کو فوجی عہدہ داروں کا ہم مرتبہ قرار دیا۔ دیوانی کے ناظموں کو اختیار تھا کہ وہ فوجی داروغیوں کے احکامات کو مسترد کر دیں۔ چینی عہدہ داروں کو جرائم، رسوم، کارِ عامہ اور جنگ کے محکموں کا ناظم بنایا [illegible] محتسبوں کے پرانے اور عجیب و غریب عہدوں کا پھر سے احیاء کیا گیا۔

یہ محتسب، ایک طرح کے بے دفتر وزیر ہوتے تھے۔ انھیں اس کا اختیار حاصل تھا کہ جب وہ سلطنت کے [illegible] نظام میں کہیں بدنظمی دیکھیں، تو شہنشاہ کو اس کی اطلاع دیں۔ اگر وہ دیکھتے کہ شہنشاہ نے کوئی غلطی کی ہے، تب بھی انھیں اجازت تھی کہ وہ اسے آگاہ کر دیں۔ اس کے برخلاف اگر بدعنوانیوں کا سلسلہ جاری رہتا تو اس سے ثابت ہوتا کہ محتسب نااہل ہیں۔ اگلے زمانے میں بعض متدین چینیوں نے جو اس عہدے پر ممتاز تھے، اس شرم سے خودکشی کر لی تھی کہ وہ جن امور کو غلط سمجھتے تھے ان کی اصلاح سے قاصر رہے۔

قبلائی نے اپنی کشمکش کا حل بڑی ذہانت سے تلاش کر لیا۔ اس نے اپنی فوجوں کی تعداد گھٹائے بغیر چینی [illegible] ہی کو ذاتی طور پر عوام الناس کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار بنا دیا۔ اس نے یہ بھی منظور کر لیا کہ مغل شہزادوں اور فوج اور [illegible] کے عہدہ داروں کی وسیع تعداد بھی سخت اصول کی پابندی کرے۔ اس نئے قانون کو اس نے شائع کرا دیا تاکہ ہر پڑھا [illegible] شخص اس کو پڑھ سکے۔

کچھ عرصہ تک چینی غیر فوجی عہدہ دار اور مغل فوجی عہدہ داروں کے درمیان کوئی تنازعہ درپیش نہ آیا۔ نئی صنعتی سرگرمی کی وجہ سے عوام کو کھانا کافی ملتا تھا اور سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ چین کی آخری فتح کے بعد جو دس سال گزرے وہ بڑی خوش حالی کے سال تھے۔ رصدگاہوں کے منجموں کا کہنا تھا کہ ستاروں کے شگون نیک ہیں۔

ان حالات میں بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ قبلائی سیمپین جیسے محلوں کی تعمیر کا اتنا شوق تھا، اپنے اس شوق سے باز [illegible] فادی عام کا سب سے اہم کام ایک نئے قصر کی تعمیر تھی۔ یہ نئے مغل فرزندِ آسمان کی شوکت اور دبدبے کا مظہر بنے گا۔ [illegible]نے بڑے ذوق و شوق سے اس کا خاکہ بنایا۔ یہ قصر اس کی آرزو کا مظہر، سلطنت میں اس کا در دولت، فکروں میں [illegible] کی پناہ گاہ اور درختوں کے پیوند لگانے کے لیے بہترین مرکز بنے گا۔

۱۲۶۷ء میں اس نے مٹی کی بیرونی دیوار بنوائی اور اس احاطے کا نام اس نے تائی تو (دربارِ عظیم) رکھا۔ مغل اس [illegible]ان بالیغ یعنی خان کا شہر کہتے تھے (مغرب کے سیاح اسے "کامبالوک" کہتے تھے)۔

دراصل یہ ایک نیا شہر تھا، چنگیز کے مغلوں نے ین کنگ کو تباہ کر ڈالا تھا اور اس سے غفلت برتی تھی، [illegible]یے قبلائی نے اس کی پرانی فصیل کے باہر نئے شہر کے لیے جگہ منتخب کی۔ تائی تو کی فصیل کے احاطے میں ایک [illegible]ل تھی، ایک اندرونی محل تھا جس پر مغل پہرہ دار پہرہ دیتے تھے، منجموں کی رصدگاہ تھی اور خاقان کی ذاتی فوج کی [illegible] تھیں۔ غیر ملکی تاجروں کے ٹھہرنے کا انتظام باہر تھا۔ دیسی چینی بھی باہر رہتے تھے، جہاں ایک صد امین امن قائم [illegible]تا اور بیرونی آبادی کے لیے بیس ہزار طوائفیں تھیں کم سے کم میر مارکو پولو کا یہی بیان ہے اور اس نے قبلائی کے [illegible] میں دس سال بسر کیے۔

کیوں کہ اب قبلائی ذہین غیر ملکیوں کو بے تکلف اپنی ملازمت میں لینے لگا تھا۔ خود بایان نے اپنی جوانی ایران [illegible] میں بسر کی تھی۔ خاقان کا ذاتی محافظ دستہ زیادہ تر الانی قبیلے پر مشتمل تھا، جس کا وطن قفقاز کے آخری سرے [illegible]تھا۔ دو جرمن دربار کے صدر شکاری تھے اور وزیر مالیات کے اہم عہدے پر ایک ایرانی فائز تھا جس کا نام احمد تھا۔

کچھ سال پہلے قبلائی نے پولو خاندان کے دونوں بزرگوں کو اس لیے یورپ واپس بھیج دیا تھا کہ روحۃ الکبریٰ [illegible] مبلغوں اور حکیموں کو اپنے ساتھ لیتے آئیں۔ یہ دونوں وینس کے تاجر یہ فرض تو انجام نہ دے سکے، لیکن خود [illegible]ان مارکو پولو کے ساتھ دوبارہ حاضر ہوئے۔

امیر پرست، راسخ العقیدہ مارکو پولو اور قبلائی کے درمیان بڑی گہری دوستی ہو گئی۔ یہ نوجوان تاجر جو تخیل سے اس [illegible]ح مبرا تھا جیسے حساب کرنے کی مشین، اس شان و شوکت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور اس کی سمجھ میں یہی بات آئی کہ [illegible] کمانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ شہنشاہ کی ذات کی خدمت کی جائے۔ ختا میں سرکاری کام پر وہ جہاں جہاں گیا وہاں جو [illegible]باتیں اسے عجیب معلوم ہوئیں، انھیں قلم بند کرتا گیا اور جب وہ تائی تو واپس آتا تو قبلائی دلچسپی سے اس کے تاثرات [illegible]بیان سنتا۔ مارکو پر نشہ کی سی کیفیت طاری تھی اور اس کی تحریر ایسی ہے جیسے کوئی کسی بنیے کے بہی کھاتے میں

خواب کی دنیا کا احوال قلم بند کرے۔ قبلائی نے اس کو مجلسِ عظمیٰ کا مالی مشیر مقرر کیا۔ مارکو بے انتہا نفع کماتا گیا اور اپنی مال جائداد جواہرات میں منتقل کرتا گیا جو ایک بھاری مغل لبادے کے استر میں اندر کی طرف ٹکے ہوتے تھے۔ مارکو پولو کو امید تھی کہ اگر خاقان ناراض ہو جائے تو وہ اپنا لبادہ اوڑھ کے ختائی حدود سے باہر نکل جائے گا، لیکن ڈاک کی سڑکوں پر جانچ کا ایسا انتظام تھا کہ بغیر قبلائی کی اجازت کے کوئی اجنبی سلطنت سے باہر نہ نکل سکتا تھا اور قبلائی کسی طرح اس نوجوان وینسی کو رخصت کی اجازت ہی نہ دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی عمر کے بہترین سال گزر گئے۔ اس درمیان میں مارکو کے جواہرات کا ذخیرہ بڑھتا ہی گیا۔

اس لیے وہ ایک ایسے جانسن کا باسول بن گیا جو اپنی دھن پوری کرتا تھا۔ اس نے ایک تاجر کی نکتہ بین نظر سے شانی تو کے اندرونی محل کا معائنہ کیا۔

اس کے اطراف ایک وسیع چوکور دیوار ہے، جو ہر طرف سے ایک ایک میل لمبی ہے۔ دوسرے احاطے کے اندر شہنشاہ کا عظیم الشان محل ہے، جس کے اطراف زینہ بہ زینہ روشیں ہیں، جن سے لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس کی دیواروں پر سونے چاندی کے پتر جڑے ہوئے ہیں اور اژدہوں، جانوروں اور طائروں کی تصویریں نقش ہیں۔ چھتوں پر بھی سونے، چاندی اور تصویروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ باہر قرمزی روغن ہے جو آئینے کی طرح جگمگاتا ہے۔

دربار کا ہال اس قدر وسیع ہے کہ اس میں میز پر چھ ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔"

دوسرے مغلوں کی طرح قبلائی کو اپنے ساتھیوں کو کھلانے پلانے کا شوق تھا، لیکن ضیافت کا کمرہ چینی ڈھنگ کا بنا ہوا تھا۔

قاآنِ اعظم کی میز کے قریب کھانے کی ایک میز ہے، جس کا طول اور عرض تین تین قدم ہے۔ اس پر جانوروں کی سنہری تصویریں کندہ ہیں اور اس پر بھرے سونے کا ایک ساغر ہے، جس میں مصالحوں میں بسی ہوئی شراب بھری رہتی ہے۔"

قبلائی نے اوغدائی کے شراب کے ذوق سے بہتر چیز ایجاد کی تھی، لیکن وہ شراب کم اور گھوڑی کا دودھ زیادہ پیتا۔ شاہی اصطبل کی سفید گھوڑیوں کا دودھ اس کے لیے دوہا جاتا۔ یہ دودھ چنگیز خاں کی اولاد کے سوا کسی کو پینے کی اجازت نہ تھی۔

باسول وینسی لکھتا ہے۔ "اور تمھیں معلوم ہو کہ بڑے بڑے امرا بادشاہ کی ساقی گری کی خدمت انجام دیتے

ہیں۔ اپنے منہ اور نتھنوں کو ریشم کے زریں رومال سے ڈھانپ لیتے ہیں تاکہ ان کی سانس سے شراب خراب نہ ہو۔ جب خاقان پینے لگتا ہے تو موسیقی کے ساز بجنے لگتے ہیں۔ جب وہ اپنا جام اٹھاتا ہے تو تمام امرا اور حاضرین دو زانو ہو کے اس کے آگے جھک جاتے ہیں اور پھر وہ جام چڑھاتا ہے۔"

ہال کے باہر اس کی گنجائش تھی کہ چالیس ہزار تماشائی جمع ہو کے صحن میں قبلائی کے نام کی تختی کی اسی انداز سے تعظیم کریں۔ فرزندِ آسمان کی شوکت و حشمت بڑھتی ہی جاتی تھی۔

"جب سب لوگ کھا چکتے اور میز ہٹا دی جاتی، تو شعبدہ بازوں اور نٹوں کے گروہ آ کے اپنے کرتب دکھاتے ہیں۔ سب مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ جاتے ہیں۔"

قبلائی کو موسیقی اور ناچ تماشے کا بڑا شوق تھا اور یہ شوق دربار کے سوکھے فنی مذاق سے پورا نہ ہو پاتا تھا۔ جیسے مغل طبع مغل چاہتے تھے کہ نٹ انھیں خوش کریں اور ہنسائیں اور ان کے اس رجحان نے یوآن خاندان کے مشہور تھیٹروں کو جنم دیا۔

میسر مارکو پولو نے خاقان کے محل کے باہر جھیلوں اور باغوں کو دیکھا تو سہی لیکن خاص قدر کی نظروں سے نہیں۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھیک لفظوں میں میوہ دار درختوں، سفید بارہ سنگھوں، ہرنوں، غزالوں —— یہاں تک کہ گلہریوں اور مصنوعی مچھلیوں کا ذکر کرتا ہے۔

لیکن قبلائی کے حکم سے اس باغ کے ایک گوشے میں دشت کی لمبی لمبی گھاس بھی لگائی گئی تھی۔ زمین اور گھاس کے اس ٹکڑے پر وہ اکثر اپنے بیٹوں کو لے جاتا اور کہتا۔ "یہ تمھاری اصل میراث ہے۔ یہ تمھارا وطن ہے جس سے تم آئے ہو۔"

یہ تو قبلائی کہہ سکتا تھا، لیکن خود اس نے شانی تو کی خاطر دشت کی زندگی ترک کر دی تھی۔

اس کی ایک پناہ گاہ اور تھی جب وہ خلوت چاہتا، تو وہاں جاتا اور یہ کسی نے نہیں بتایا ہے کہ وہ خلوت چاہتا کیوں تھا۔

مارکو پولو لکھتا ہے "محل کے شمال میں ایک تیر کی مسافت پر انسان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی ایک پہاڑی ہے جو سو قدم اونچی ہے اور جس کا قطر میل بھر ہے۔ پہاڑی ایسے درختوں سے ہمیشہ ہری بھری رہتی ہے جن کے پتے کبھی پت جھڑ سے نہیں گرتے اور میں تم سے قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جب کبھی شہنشاہ کسی اچھے قسم کے درخت کا ذکر سنتا ہے تو اسے منگا بھیجتا ہے۔ جڑ اور مٹی سمیت وہ درخت اکھاڑ منگایا جاتا ہے اور اس پہاڑی پر لگا دیا جاتا ہے۔ بڑے سے

سے بڑا اجاڑ سہی، وہ اُسے ہاتھیوں پر منگا بھیجتا ہے۔

اور اس پہاڑی پر اُس نے ہری نیلی دھات بھی جابجا منڈھ دی ہے۔ اس طرح درخت ہی نہیں، یہاں کی ہر چیز بھی سبز ہے۔ اسی لیے اس کو سبز پہاڑی کہتے ہیں۔ اس کی چوٹی پر ایک مکان ہے، جو اندر اور باہر دونوں طرح سبز ہے۔ قاآنِ اعظم نے اپنی روح کے سکون کے لیے اس کو اس طرح بنوایا ہے۔"

مارچ سے مئی تک وہ اپنے ندیموں کے ہمراہ اور اپنے شکاریوں اور نقارچیوں کی صفوں، کتوں، چیتوں اور اعلیٰ طرح کے شہبازوں کے ساتھ شمالی چراگاہوں کے سرے پر جا نکلتا جہاں شکار کے محفوظ خطے تھے، لیکن وہ شکار کے لیے اس طرح نکلتا کہ چار ہاتھیوں کی پشت پر ایک کمرہ سا بنا ہوتا جس میں وہ بیٹھتا۔

معلوم نہیں کون سی اندرونی تحریک تھی جس کی وجہ سے قبلائی نے اپنے لیے ایک مصنوعی پہاڑی بنوائی جس میں ہر چیز سبز تھی۔ اس کے علاوہ اپنے خاندانی شوق یعنی شکار میں بھی وہ تفریح حاصل کر لیتا تھا۔ اوروں کی طرح وہ بھی گٹھیا کا مریض تھا۔ اس لیے اُس نے ایک ایسا طریقہ اپنے لیے ایجاد کر لیا جس میں زیادہ محنت نہ برداشت کرنا پڑے۔

مارکو پولو تحسین کے لہجے میں لکھتا ہے۔" اس کی سواری چار ہاتھیوں کی پیٹھ پر ایک لکڑی کے حجرے میں نکلتی ہے جس کے اندر سونے کے پتر جڑے ہیں اور شیر ببر کے چمڑے کا استر ہے۔ اپنے ساتھ وہ ایک درجن منتخب جُرّہ باز رکھتا ہے۔ اُس کے بہت سے اُمراء ہاتھیوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور کبھی کبھی چلتے میں جب شہنشاہ ان اُمراء سے گفتگو میں مصروف ہوتا ہے، ان میں سے کوئی پکار اٹھتا ہے۔" سرکار دیکھیے —— سارس۔"

فوراً ہی شہنشاہ حکم دیتا ہے کہ حجرے کی چھت اُتار دی جائے۔ وہ ایک جُرّہ باز کو چنتا ہے اور سارسوں کی طرف اشارہ کر کے باز کو چھوڑتا ہے۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ اُس کی نظروں کے سامنے ہی شکار ہو جاتا ہے اور وہ سفر کے حجرے میں بیٹھے بیٹھے تماشا دیکھتا ہے۔ اسی لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ دنیا بھر میں اور کوئی ایسا آدمی نہ ہوگا جو شکار میں ایسا مزا اٹھاتا ہو جیسے وہ اٹھاتا ہے۔"

قبلائی کو ایک اور خبط تھا اور وہ بھی اتنا ہی سخت۔ مغلوں میں حصول و تحصیل کی جو جبلت تھی وہ قبلائی کے مزاج میں زر اندوزی اور جمع کرنے کا شوق بن گئی تھی۔ اُسے قیمتی اور شان دار چیزیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا —— سیام کا ایک لعل جو بند مٹھی جتنا تھا، ترشے ہوئے ہاتھی دانت، ختن کے بھاری شفاف جیڈ، چڑیوں کے انڈوں جیسے بڑے بڑے موتیوں کے جھنڈ۔ یہ سنّاعی کے نمونے، وہ اپنے ذاتی خزانے میں جمع کرتا جو خان کے محل کے اندر اور حرم سرا کے قریب تھا۔

قبلائی کی صحت مند طبیعت کو حسین و متناسب لڑکیاں اتنی ہی پسند تھیں جتنی اغداٹی کو اپنی جوانی کے زمانے کی بیویوں کو اپنے چھوٹے چھوٹے محلوں میں رکھا تھا اور ہر ایک کا اپنا چھوٹا موٹا دربار تھا لیکن وہ اس کا پکا بندوبست کر لیتا تھا کہ وہاں اپنے ذاتی محل کے لیے مزید کچھ لڑکیاں انتخاب کر لے۔

اس کی چار بیویاں ہیں جن کو وہ قانونی ازواج کی طرح رکھتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا بڑا سا احاطہ اور ہے۔ کسی کے پاس خدمت کے لیے تین سَو سے کم کنیزیں نہیں۔ غلاموں اور خواجہ سراؤں سمیت ان میں سے ایک حرم کے دس دس ہزار خادم ہیں۔

جب شہنشاہ ان بیویوں میں سے کسی کی صحبت چاہتا ہے تو یا خود اس کے محل کو جاتا ہے یا وہ شہنشاہ کے محل آجاتی ہے۔ اِس کے علاوہ اُس کی بے شمار داشتائیں ہیں۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ وہ اپنی داشتائیں کیسے حاصل کرتا ہے۔

"تمھیں معلوم ہے کہ ایک تاتاری قبیلہ ہے "ان گرات (کون کورات —— جاموئی خاتون کا قبیلہ) جو حسن و جمال کے لحاظ سے مشہور ہے۔ ہر سال اس قبیلہ کی دلفریب ترین لڑکیاں قاآن کے دربار بھیجی جاتی ہیں اور یہاں بعض تجربہ کار بوڑھیوں کو ان کی تربیت پر مامور کیا جاتا ہے۔

یہ بوڑھیاں ان لڑکیوں کو اپنے پاس یہ دیکھنے کے لیے سُلاتی ہیں کہ ان کے منہ سے باس تو نہیں آتی، یہ خراٹے تو نہیں لیتیں اور ان کے اعضا مُقدر اور متناسب ہیں کہ نہیں۔ پھر ان میں سے چند کو چنا جاتا ہے جو باری باری سے شہنشاہ کی خدمت پر تعینات کی جاتی ہیں۔ ان میں سے چھ حسین ترین لڑکیوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ تین دن تین راتیں شہنشاہ کی خدمت میں رہیں۔ خواب گاہ میں حاضر رہیں۔ جب وہ سوتا ہو تو پہرہ دیں اور وہ جو حکم دے اس کی تعمیل کریں۔ اس کے بعد اگلے تین دن ان کی جگہ اور چھ لڑکیوں کا تقرر کیا جاتا ہے۔ اس طرح سال بھر بدل بدل کے چھ چھ لڑکیوں کا تقرر کیا جاتا ہے۔

چاروں بیویوں سے شہنشاہ کے بائیس بیٹے ہیں اور داشتاؤں سے پچیس اور بیٹے ہیں۔ ان کا باپ قاآنِ اعظم بڑا عاقل اور صاحب کمال آدمی ہے اور تاتاریوں کے قبیلے میں سلطنت چلانے میں سب سے زیادہ ممتاز۔"

قبلائی کے کاغذ کے نوٹ

یہ ناگزیر تھا کہ قبلائی اپنی ضروریات کے لیے رقم فراہم کرنے کے لیے سکّوں کے نوٹ چھپوائے۔ اُسے اس کا

علم تھا کہ چینیوں نے اس سے پہلے بینک کے نوٹ چھاپنے کے تجربے کیے ہیں اور اپنی حکومت کے پہلے سال میں جبکہ اس کا خزانہ خالی تھا اسے بینک کے نوٹ چھپوانے کی فوری ضرورت محسوس ہوئی۔

یے لیو چیت سائی جیسا کوئی مشیر اُسے میسر نہ تھا کہ اُسے سمجھاتا کہ کاغذ کے نوٹ جاری کرنے میں کیا کیا خطرے ہیں۔ اُسے اپنے رفاہِ عام کے کاموں اور زرعی اصلاحات اور نیز ٹائی ٹو کے عظیم الشان دریا کی تیاری کے لیے بڑی رقم کی ضرورت تھی۔

اس درمیان میں بجائے اس کے کہ مغرب سے ہر سال خزانے کی بہت بڑی رقم وصول ہوتی اُسے قائدو کے مقابل سرحد کی جنگ کے اخراجات برداشت کرنے پڑے۔ قبلائی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جب چینی چھاپے خانے نوٹ چھاپ سکتے ہیں تو پھر رقم کی کمی کیسے ہو سکتی ہے۔ چونکہ وہ اپنی سلطنت کی عملی زندگی کو وسیع کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ روپیہ پیسہ بجائے خود کوئی چیز نہیں، وہ اس کے نصب العین کے حصول کا محض ایک ذریعہ ہے۔ ایرانی وزیر مال، جس کو چابوئی خاتون کی سفارش سے اس عہدے پر مامور کیا گیا تھا، بڑا ذہین اور دُور رس دماغ رکھتا تھا۔ اُس نے ایک ایسی تجویز سوچی جس سے خاقان کو اطمینان ہو جائے۔ چینی مشیر جو ایرانی احمد سے زیادہ فرزانہ تھے، انھوں نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ اگر لگان بڑھایا نہ جائے تو انھیں اس سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ یوآن خاندان اپنی مالیات کا کیا حشر کر رہا ہے، لیکن اس کا انجام وہ قبلائی سے بہتر سمجھتے تھے۔

احمد کی تجویز یہ تھی کہ ایسے بینک نوٹ جاری کیے جائیں کہ چاندی میں ان کی محض نصف قیمت ادا کی جائے (اس زمانے میں چینی زر کی اکائی ایک آونس چاندی تھی)۔

یہ چھپے ہوئے نوٹ "پاؤ چاؤ" (قیمتی کاغذ) کہلاتے تھے۔

ان کاغذی نوٹوں کی قیمت قانوناً مقرر کی گئی۔ یہ لازم تھا کہ یہ اُسی قیمت پر قبول کیے جائیں جو ان پر چھپی ہوئی تھی۔ اس طرح حکومت تو اپنا محصول ریشم، فصلوں، سموروں اور جانوروں کی شکل میں وصول کرتی، لیکن اپنے اخراجات کاغذ کی شکل میں ادا کرتی۔ مارکو پولو جس نے پہلی بار نوٹوں کا استعمال دیکھا تھا یہ دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا کہ کس آسانی سے یہ کاغذی سکہ چل رہا تھا۔

وہ قریب قریب جذباتی رَو میں لکھتا ہے: "میں تمھیں اس سکہ خانے کا حال سناتا ہوں جو شہر میں شہنشاہ کے پاس ہے۔ میں چاہے جس طرح بیان کروں تمھیں یقین نہ آئے گا کہ میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔ شہنشاہ کا سکہ خانہ ایسا ہے کہ تم یہ کہو گے کہ اُسے پارس کا پتھر مل گیا ہے اور تمھاری بات ٹھیک ہو گی۔

وہ اپنا پیسہ اس طرح بناتا ہے۔ ایک درخت شہتوت کی نرم چھال اتاری جاتی ہے۔ یہ وہی شہتوت ہے جس میں ریشم کے کیڑے پالے جاتے ہیں۔ اس سے ایک طرح کے کاغذ کے تختے تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ کالے کالے تختے چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں کاٹے جاتے ہیں۔ بڑے ٹکڑے کی قیمت دس (چین کے دس سکوں یعنی زر کی دس اکائیوں) کے برابر ہوتی ہے۔ ان سب ٹکڑوں پر اس قدر احتیاط سے چھپائی کی جاتی ہے گویا یہ سچ مچ سونے یا چاندی کے ہوں۔ ہر سکے پر عہدہ دار اپنا نام لکھتے ہیں۔ پھر قاآن کا عہدہ دار خاص اس پر سُرخ سرکاری مُہر لگاتا ہے۔ تب یہ قانونی سکہ بن جاتا ہے۔ اور کوئی جعلی نوٹ چھاپے تو اسے موت کی سزا دی جاتی ہے۔

اور قاآن کے حکم سے اس کاغذی سکے کی ایک بہت بڑی تعداد ——— جس پر اُسے کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا ——— ہر سال چھاپی جاتی ہے تاکہ وہ دنیا بھر کے دوسرے ملکوں کے خزانے کا مقابلہ کر سکے۔

یہ کاغذ کے ٹکڑے اس کی سلطنت کے گوشے گوشے میں سکہ رائج الوقت ہیں اور انھیں کے ذریعے وہ تمام اخراجات ادا کرتا ہے۔ کوئی کتنا ہی بلند رتبہ کیوں نہ ہو ان سکوں کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا، بلکہ لوگ ان کو بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں کیوں کہ ان نوٹوں سے بھی سامان کی خرید و فروخت اتنی ہی آسانی سے ہوتی ہے جتنی سونے چاندی کے سکوں سے۔

مزید برآں جو تاجر ہندوستان یا غیر ملکوں سے آتے ہیں اور اپنے ساتھ سونا، چاندی، جواہرات اور موتی لاتے ہیں انھیں اجازت نہیں کہ یہ سب شہنشاہ کے خزانچی کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ فروخت کریں۔ اس کے ملازم بارہ محاسب ہیں جو ان کاغذ کے نوٹوں کے عوض اچھی قیمتوں پر خریدتے ہیں۔ تاجر بڑی خوشی سے یہ قیمت وصول کر لیتے ہیں۔ کیوں کہ اتنی زیادہ قیمت اتنی آسانی سے انھیں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاجر چار لاکھ بیزانت کی مالیت کا سامان سال بھر میں کئی بار درآمد کرتے ہیں، اس لیے قاآن زر و جواہر اتنی مقدار میں خرید لیتا ہے کہ اس کے خزانے میں بے شمار اضافہ ہو جاتا ہے اور جس کاغذی سکے میں وہ ادائیگی کرتا ہے اس پر کچھ خرچ نہیں آتا۔

مزید یہ کہ سال بھر میں کئی بار شہروں میں منادی کی جاتی ہے کہ اگر کوئی سونا یا چاندی یا جواہرات یا موتی بیچنا چاہے تو خزانے میں آ جائے جہاں اسے خاطر خواہ قیمت ملے گی۔ سونے جواہرات کے مالک بڑی خوشی سے یہ سودا کرتے ہیں کیوں کہ انھیں اس سے اچھی قیمت اور کہیں نہیں مل سکتی، لیکن اگر کوئی نہ بیچنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ منادی کی طرف کوئی توجہ نہ کرے۔ اس طرح رفتہ رفتہ سلطنت بھر کے قیمتی زر و جواہر قاآن کے خزانے میں آ گئے

جمع ہوتے جاتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی امیر زیور وغیرہ بنانے کے لیے سونا وغیرہ خریدنا چاہتا ہے تو وہ جا کے دارالضرب میں آسانی سے خرید سکتا ہے اور قیمت کاغذ کے نوٹوں میں ادا کر سکتا ہے۔ اگر کاغذ کے نوٹ خراب ہو جائیں، گو وہ اتنے نازک نہیں ہوتے کہ جلدی سے خراب ہو جائیں —— تو وہ انھیں دارالضرب لے جاتا ہے اور تین فی صد اُجرت دے کے پرانے نوٹوں کے بدلے نئے نوٹ خرید سکتا ہے۔"

میسر مارکوپولو نے جس امر کا ذکر نہیں کیا ہے، وہ یہ ہے کہ کاغذی سکّے اپنی قیمت کا نصف سونا چاندی ہی رکھتے تھے، اس سے زیادہ نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قبلائی نے اپنی اس مالی تجویز کے عمل کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ اصل میں یہ امید کی جاتی تھی۔ جب تک نوٹوں سے اشیاء خریدی جا سکتیں وہ مطمئن تھا، لیکن ہر سال خزانے کے بہترین قیمتی دھاتوں کی مقدار کم ہی ہوتی رہی تھی اور سرکاری اخراجات میں نئی نئی جنگوں کے سبب اضافہ ہی ہوتا جاتا۔ اختتام ۱۲۶۹ء میں ۹۶۰، ۲۲۸ مثقال چاندی کی مالیت کے نوٹ جاری کیے گئے (اور اس زمانے میں ایشیا میں اس زمانے کی نسبت چاندی کی قیمتِ خرید کہیں زیادہ تھی) لیکن ۱۲۹۰ء میں حیرت انگیز افراطِ زر کے باعث ۵۰،۰۰،۲،۵۰ مثقال کی قیمت کے نوٹ جاری کیے گئے۔

اس طرح اگرچہ قبلائی کے خزانے کی وسعت بے حد بڑھتی جا رہی تھی، ملک میں مجموعی طور پر صرف کاغذی نوٹوں کی بھرمار تھی۔ وزیرِ مالیات کا بنایا ہوا کوئی قانون۔ یا سزائے موت یا کوئی اور سزا کاغذی سکوں کی قدر و قیمت بحال نہ رکھ سکتے تھے جب کہ ہر سال ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاجر اپنے مال کے معاوضے میں زیادہ سے زیادہ کاغذی نوٹ مانگنے لگے۔ قبلائی کے وزیروں نے آسانی سے اس کا بھی حل سوچ لیا۔ کاغذی سکے کی قیمت کم کر دی گئی۔ نئی قیمت پرانی قیمت کا محض ایک خمس رہ گئی اور پہلے کی طرح مالیات کی فراہمی کا سلسلہ جاری رہا۔

ایک پشت تک قبلائی کی زندگی میں اس افراطِ زر کے مضر اثرات نمایاں نہ ہوئے۔ قبلائی نے بڑی عمر پائی۔ اسی سال کے عرصے میں اس نے مغلوں کی آخری فتوحات دیکھیں، خاندانِ زریں کا انتہائی عروج دیکھا اور انحطاط کی ابتدا دیکھی۔

. . . .

میسر مارکوپولو کی اس عہد کی تحریروں سے ایک عجیب جذباتیت کی بُو آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مبالغہ آرائی کر رہا ہے اور یہ ایک حد تک صحیح ہے، لیکن دراصل وہ ہمارے لیے قبلائی کی زندگی بھر کی تصویر میں رنگ بھر رہا ہے جس کا پس منظر چین ہے۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ اس نے ان باتوں کا ذکر نہیں کیا ہے، جو ہمیں آج عجیب معلوم

ہیں، مثلاً دیوارِ چین، چائے نوشی اور عورتوں کے پیر باندھ دینے کی رسم۔ لیکن وینس کے اس سوداگر کی جان محاسب کی جان ...وہ تجارت کے اعداد و شمار اور بڑھتے ہوئے منافعوں کے نشے میں چُور رہے۔ اس تجارتی قبلہ گاہ میں زرِ مبادلہ کا تصور ...کے دل و دماغ پر حاوی ہے۔ وہ برسبیلِ تذکرہ کبھی کبھی گوبی کے بھوتوں کا ذکر کر جاتا ہے، اُسے بہت زیادہ دلچسپی ہے ...خانِ اعظم نے صحرائی راستوں کی چوکیوں پر سواری بدلنے کے لیے کتنے گھوڑے رکھ چھوڑے ہیں۔ اگر قبلائی خاں صاحب ...ثنا ہے تو میسر مارکوپولو اس کا کاروباری ملازم۔

مارکوپولو دوسرے مغلوں کا تذکرہ یہ کہہ کے ٹال دیتا ہے کہ ان کا طبقہ امیروں کا بے کار طبقہ تھا جسے فرصت ہی فرصت ...لیکن اصل میں وہ مغلوں کے عیش و آرام اور شکار کی سہولتوں سے جلتا تھا۔

"یہ بڑے بہادر اور جنگ آزمودہ لوگ ہیں۔ اشراف کی طرح رہتے ہیں اور شکار اور اپنے شہبازوں کی تربیت کے علاوہ ...ی طرح کی زحمت نہیں اٹھاتے۔ . . . . بجز جنگ کے۔ دوسروں کے مقابل ان کی اولاد زیادہ ہوتی ہے، کیوں کہ ...ان کی کئی کئی بیویاں ہوتی ہیں۔"

یہ جانے بغیر کہ وہ کیا کر رہا ہے مارکوپولو نے دراصل دشت کے اُن اشراف کی تصویر کھینچی ہے جو تمدن کے ماحول ...ں بسے ہیں۔ کام اور محنت ان کی وضع داری کے خلاف ہے، اس لیے وہ اپنا سارا وقت فرصت کے ساتھ شکار ...دتوں میں گزارتے ہیں۔

لیکن یہ وینسی ختا کی تجارت کے پھلنے پھولنے کا بڑی عزت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ وہ ایسے شہروں کا ذکر کرتا ہے ...ے ایک ایک محلے میں بارہ بارہ شاہراہوں کے پھاٹک ہیں اور ایک ایک محلہ وینس سے زیادہ بڑا ہے۔ ان دریاؤں کا ...رتا ہے، جن میں ہر سال دو دو لاکھ مال کی کشتیاں اِدھر سے اُدھر آتی جاتی ہیں اور جن کی تعداد سارے یورپ کے ...ی بیڑوں کی کشتیوں سے زیادہ ہے۔ اُن جہازوں کا ذکر کرتا ہے جن کے چار چار مستول ہیں اور جنھیں تین تین سو ملاح ...ہیں۔ جن میں منوں سیاہ مرچ اور مصالحہ لدا ہوتا ہے، جس کی اہلِ یورپ کو اس قدر تلاش رہتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ اُس ...پتھر (کوئلے) کا ذکر کرتا ہے جو گھروں میں جلایا جاتا ہے، مٹی کے کالے تیل (پٹرول) کا ذکر کرتا ہے جس سے آگ کے ...بلند ہوتے ہیں اور اس عجیب و غریب ریشہ دار تختے (ایس بیس ٹاس) کا ذکر کرتا ہے جو آگ سے جلنے کے بجائے ...ہوتا جاتا ہے۔

لِن نگان کے متعلق وہ کہتا ہے: "وہاں تاجروں کی تعداد اتنی زیادہ اور دولت کی مقدار اس قدر وافر ہے اور ...جہ سے تجارت اس قدر وسیع ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جان لو کہ ملک التجار اور ان کی خواتین اتنی

امیر ہوتی ہیں کہ اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتیں۔ یہ لوگ ایسی شوکت و حشمت کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ تم گویا بادشاہ ہیں۔"

زائے تون (شہر چن چاؤ) میں وہ حیرت کرتا ہے کہ بندرگاہ پر کتنی بہت سی وضعوں کے ریشم کے تھان لادے جا رہے ہیں۔ کچا ریشم، "دمشقی ریشم"، "کاموکان" زریں کمخواب، بھاری امیرانہ وضع کا ریشم، ریشمی لٹھا۔

وہ حساب لگاتا ہے۔ "روزانہ ان ریشمی کپڑوں سے لدی ہوئی ہزار گاڑیاں خان کے شہر میں داخل ہوتی ہوں گی اور کارخانوں کو جاتی ہوں گی۔" "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہندوستان سے اگر ایک جہاز اسکندریہ یا عیسائی دنیا کی کسی بندرگاہ کو روانہ ہوتا ہے تو اس کے مقابلے میں ایک سو جہاز زائے تون روانہ ہوتے ہیں۔"

یہ جانتے ہوئے کہ شاید ہی کوئی اس کی بات پر اعتبار کرے وہ تمہیں کہتا ہے کہ خاقانِ اعظم کے جہاز جاوا سے ایسے ایسے مصالحے لاتے ہیں، جنھیں یورپ میں کوئی نہیں جانتا، جیسے کالی مرچ، سفید ڈلیاں، جاوا کے کوب الله رنگیں" اور سیلون سے جو جہاز آتے ہیں وہ ادرک، کپاس اور ہندوؤں کے بنائے ہوئے ململ اور سمندر کے موتی اور روبی کے ہیرے لاتے ہیں۔ ان میں سے صرف چند اسکندریہ اور وینس کے بازاروں تک پہنچتے تھے اور ان کی وجہ سے یورپ میں عیش و آرام کا ایک نیا معیار قائم ہو رہا تھا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ جب یہ سرگرم ماہرِ معاشیات بالآخر وینس اپنے پولو خاندان کے کارخانے واپس پہنچا تو سب نے اس کی باتوں کو جھوٹ جانا، یہاں تک کہ اس نے اپنے سفر کے لبادے سے جواہرات نکال کے سب کو دکھائے۔

مارکو کے بیان سے ایک نئے اور بنیادی تغیر کا پتا چلتا ہے۔ خاندانِ زرّیں کی پیہم خانہ جنگیوں کی وجہ سے براعظم کے آرپار کے بری راستے مسدود ہونے لگے تھے۔ سمندر کے جنوب میں پاہانگ، پھر سیلون اور پھر خلیج فارس یا مصر کا سفر زیادہ آسان تھا۔ سمندری تجارت جس کی باگ ابھی تک محض چند اولوالعزم عرب سیاحوں کے ہاتھ میں تھی اب اصل معنوں میں بین البحری تجارت کی شکل میں جنم لے رہی تھی اور وہ متمدن مشرق سے اس مغرب کی طرف حرکت کر رہی تھی جو ابھی تک وحشی تھا۔

چینی ایجادوں میں سے دو ایسی تھیں جو آہستہ آہستہ مغرب تک پہنچ رہی تھیں، حالانکہ خود چینیوں نے ان سے زیادہ کام نہ لیا، لیکن ان دونوں ایجادوں کا مغرب کے مستقبل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بارود اور چھاپہ خانہ

چینی کافی عرصہ سے بارود بنانا جانتے تھے اور بارود اڑانا اور بارود پھیلانا دونوں طرح کے ہنر جانتے تھے۔ انھوں نے اس کو فوجی ہتھیار کے طور پر استعمال تو کیا مگر بے توجہی سے۔ وہ بھدے سے بم بھی بنا لیتے تھے جن سے شعلہ اور دھواں نکلتا تھا اور دشمن ڈر جاتے تھے۔ ۱۲۳۲ء میں یہ بم کن شہر کی فصیلوں سے نیچے لٹکائے گئے تو مغل محاصرین بھی خوف زدہ ہو گئے تھے۔ سوبوداتی اور دوسرے مغل سپہ سالاروں نے اپنے مقصد کے لیے ان آتشیں پٹاخوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا۔ ۱۲۴۰-۴۱ء کی یورپی یلغار میں مغلوں نے سایو کی جنگ میں ہنگری والوں کے پڑاؤ میں ایسے ہی آتشیں بم پھینکے اور مغلوں کی تعبیہ کرنے والی فوجیں بارود کے دھوئیں کو دھوئیں کے پردے کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔

اس کے علاوہ فرانسسکی راہب کارپینی جو کیوق کے دربار میں حاضر ہوا تھا، ذکر کرتا ہے کہ مغلوں نے اپنے ایک جنگ میں شعلہ پھینکنے والے گولے استعمال کیے تھے۔

یہ محض اتفاق کی بات نہیں کہ فرانسسکی برتھولڈ شوارتز نے اسی زمانے میں مشرقی یورپ کے اس حصے میں بارود کی ایجاد کا دعویٰ کیا جبکہ اسی حصے میں مغل فوجیں متعین تھیں۔ روایت کے مطابق بارود کا دوسرا موجد راجر بیکن ہے اور وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے روبروک کے راہب ولیم سے گفتگو کی، جو مغلوں کی بارود سے واقفیت کے بارہ میں بعد منگو خاں کے دربار میں حاضر ہوا تھا۔ کارپینی اور روبروک دونوں راہبوں نے مغلوں کی فوجی ایجادوں کو بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

یہ ممکن ہے کہ راجر بیکن نے بارود کے بھڑکنے کا نسخہ روبروک سے ملاقات سے پہلے دریافت کر لیا ہو پھر بھی حقیقت ہے کہ اس زمانے میں مغل عام طور پر بارود کو باقاعدہ استعمال کر رہے تھے۔

مغلوں نے بہرحال کوئی چالو توپ ایجاد نہیں کی۔ قبلائی کے حملوں میں محاصرے کی جو منجنیقیں استعمال کی جاتی تھیں ان کی ساخت میکانکی وضع کی ہوتی تھیں اور جن سے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ بارود کے تباہ کن ہتھیار بنانے کا سہرا یورپ کے سر ہے اور یہ انھیں کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے توپ خانے بنائے جن سے بکثرت بنی نوع انسان کو ہلاک کیا جاتا ہے اور شہر برباد کیے جاتے ہیں۔

اسی زمانے میں ایک خجستہ تر بیز بھی آہستہ آہستہ مغرب تک پہنچ رہا تھا۔ وہ فرانسسکی راہب جو مارکوپولو کے سفر کے بعد جوق در جوق چین کا سفر کرنے لگے منگ اور یوآن خاندانوں کی نازک مصوری سے واقف ہونے لگے۔ ان تصویروں کی یاد، ان کی حرکیت، ان کی حقیقت نگاری کا اثر ان راہبوں کے ساتھ ساتھ یورپ تک پہنچا۔ اسی اثر کے تحت اسیسی کی دیواروں پر جو نقش ہیں وہ انسان کی شکل اور صورت سے قریب تر ہیں۔ اسیسی فرانسسکی حلقے کے اہم کام مرکز تھا اور اس تحریک کی ابتدا چودھویں صدی سے ہوتی ہے۔

اس سے بہت پہلے چینی لوگ اپنے کلاسیکی ادب کو لکڑی کے چھاپوں سے چھاپا کرتے تھے۔ قبلائی کے زمانہ حکومت کی مذہبی کتابیں اسی طرح شائع کی گئیں۔ اس کے وزیروں کے قوانین اور کاغذ کے نوٹ جن سے میسر مارکو پولو کو اس قدر دلچسپی ہو گئی تھی، اسی طرح چھاپے جاتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ بعد چینیوں نے دھات کی چھاپے کی متحرک مشینیں بنائیں۔ طباعت کا ہنر یقینی طور پر ایل خان کے دربار میں ایران پہنچا۔ یہاں سمرقندی ریشم سے اچھی قسم کا کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔

ہمیں علم نہیں کہ تاتاران زرین خیل نے اس ایجاد سے فائدہ اٹھایا یا نہیں لیکن چینی چھپے ہوئے کاغذ مغرب تک پہنچ رہے تھے۔ یورپ کے اولین چھپے ہوئے کاغذات چینی نمونوں سے بہت مشابہ ہیں اور چین کی طرح یہاں بھی چھپائی ورق کے ایک ہی جانب ہوتی تھی۔

ممکن ہے اس میں میسر مارکو پولو کا ہاتھ ہو، کیوں کہ ایک شخص نے جس کا نام پامفیلو کاستالدی تھا، وینس میں ایسی کتابیں دیکھیں جو چین کے لکڑی کے چھاپوں سے چھپی تھیں۔ (یعنی گٹن برگ (جس نے چھاپے کی ایجاد کا دعویٰ کیا ہے) بچہ ہی تھا۔ فاؤسٹ اور گٹن برگ نے جو کارنامہ انجام دیا وہ محض یہ کہ انھوں نے چینی چھاپے کو اور چلایا اور ترقی دی۔

ایل خاں اور مصر کے درباروں کے ذریعے یہ اطلاع بھی یورپ پہنچی کہ مشرق میں تیل کے چشمے ہیں — لیکن یورپ میں صدیوں تک کسی نے اس خبر کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ عرب ملاحوں نے اہل یورپ کو ایک اور عجیب اختراع دکھائی جس کے ذریعے دھند اور کالی راتوں میں وہ آسانی سے جہاز رانی کر سکتے تھے۔ یہ قطب نما تھا، جو بانسوں کے ایک صندوق میں بہتے پانی میں رکھ دیا جاتا تھا۔ یہ اختراع بھی اصل میں چین سے آئی تھی، وہاں یہ جنوب دکھانے والی سوئی کہلاتی تھی اور محض ایک اعجوبہ نہ تھی۔ اس کے ذریعے سے گوبی کے صحرا کے قافلے اپنا راستہ تلاش کرتے تھے کیوں کہ اس صحرا میں منزل اور راستے کا اور کوئی نشان نہ تھا۔

یہ ملاحوں کے کمپس کے ابتدائی آلات تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ اعلیٰ کاریگری کے نیلے چینی ظروف اور چینی کارخانوں میں بنے ہوئے نازک برنجی برتن بھی یورپ آئے۔ ان دریافتوں سے مغربی دماغوں کی قوت اختراع کو مقابلے کی دعوت ملی یہ محض اتفاق کی بات نہیں کہ یورپ میں ایجادات کی ابتدا کا دور وہی ہے جب کہ اولین سیاح ختا کے سفر سے واپس لوٹے۔

بڑھاپے میں قبلائی نے اپنے آپ کو نظم و نسق کی ذمہ داریوں سے الگ کرنا شروع کیا۔ اس نے اپنے لیے شاہوں میں ایک نیا شکار خانہ بنوایا اور شانی تو کے معاملات کو اپنے ڈھنگ پر چلنے دیا۔ وہ کچھ دن اور زندہ رہنا چاہتا تھا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اپنے نظماء سلطنت کا تقرر کیا تھا اور اس میں یہ خوبی موجود تھی — جو مطلق العنان بادشاہوں میں بہت کم ہوتی ہے — کہ وہ دخل در معقولات کے بغیر قابل آدمیوں کو اپنے محکموں کا کام چلانے دیتا چینی مورخ لکھتے ہیں: ”وہ اپنی رعایا سے محبت کرتا تھا۔ اس میں صرف ایک کمزوری تھی۔ اس نے رعایا پر حکومت کرنے کے اہم ترین عہدے غیر ملکیوں کے سپرد کر رکھے تھے۔

اس وجہ سے لازمی طور پر کش مکش پیدا ہوئی — خاص طور پر اس لیے کہ قبلائی کے بیٹے بیرونی وزراء کے اثر کو پسند نہ کرتے تھے۔ یہ کش مکش ایک شخص واحد کے خلاف خاص طور پر اُمڈ پڑی ہوشیار وزیر مال احمد نے خود اپنی وافر جائداد جمع کر لی تھی جو کسی طرح خاقان کے خزانے سے کم نہ تھی۔ قبلائی کو یہ یقین نہ آتا تھا۔ چینی گروہ کے سرداروں نے اس غلطی کی اصلاح کرنی چاہی۔ خود خودکشی کرنے کے بجائے انھوں نے احمد کو قتل کر ڈالا۔ میسر مارکو پولو نے اس واقعہ کا چشم دید حال لکھا ہے۔

مارکو لکھتا ہے۔ ”قاآن احمد کی اتنی قدر اور وقعت کرتا تھا کہ وہ جو چاہتا کرتا۔ اس شخص کو اس کا اختیار تھا کہ سلطنت کے عہدوں پر جس کا چاہے تقرر کرے اور مجرموں کو سزا دے۔ با سبب یا بے سبب جب وہ کسی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کہتا۔ ”اس شخص نے حضور والا کے حکم سے سرتابی کی“ قاآن کہتا: ”اس سے جیسا مناسب سمجھو ویسا سلوک کرو۔“ اور احمد اُس شخص کو قتل کرا دیتا۔ اعلیٰ رتبے کے لوگ احمد کی زد سے بچ نہ سکتے تھے، کیوں کہ اگر احمد کسی پر کسی جرم کا الزام لگاتا تو مجرم کو اس کی اجازت نہ دی جاتی کہ اپنی صفائی کا ثبوت پیش کر سکے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ احمد کے مقابلے میں مجرم کی حمایت میں گواہی دے۔

مزید برآں وہ جس حسین عورت کو چاہتا حاصل کر لیتا۔ اگر وہ کسی اور کی منکوحہ نہ ہوتی تو اس سے زبردستی شادی کر لیتا۔ اگر شادی شدہ ہوتی تو اس سے زبردستی سے پیش آتا۔ جب وہ کسی کی حسین بیٹی کا ذکر سنتا تو اپنے کارندوں کے ہاتھ اسے یہ پیغام بھیجتا۔ "کیا کہتے ہو؟ اپنی اس لڑکی کو نائب السلطنت کے حوالے کرو تو وہ تین سال کے لیے تمہارا تقرر فلاں عہدے پر کر دے گا۔"

پھر احمد شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہوتا اور کہتا "وہ شخص اس عہدے کا بہت مستحق ہے، جواب خالی ہو گیا ہے۔" اور شہنشاہ جواب دیتا "تم جو مناسب سمجھتے ہو، کرو۔" اور باپ کو ضلع کا حاکم بنا دیا جاتا اور بیٹی احمد کے قبضے میں آجاتی۔ اس طرح اس وزیر کے ڈر کے مارے بہت سی خوب صورت عورتیں اُس کے قابو میں تھیں اور یا تو اس کی بیویاں یا اس کی داشتہ تھیں، یہی نہیں اُس کے پچیس بیٹے تھے، جن کا چال چلن بھی ایسا ہی تھا۔

اس احمد نے بڑا وافر خزانہ جمع کر رکھا تھا، کیوں کہ جو لوگ عہدوں کے طالب ہوتے اُسے بے حد رشوت دیتے۔ اس قوت و طاقت کے ساتھ اُس نے پچیس سال تک حکومت کی۔

چینی اس وزیر کو رشوت دیتے دیتے اور اپنی عورتوں کی بے حرمتی سے عاجز آگئے تھے۔ انھوں نے طے کر لیا کہ وہ اُس زمانے میں وزیر کا خاتمہ کر دیں گے جب قبلائی چیکن نور میں اپنی نئی شکار گاہ میں شکار کھیلنے جائے گا، جہاں اُس نے تیتر پالنے شروع کیے تھے۔ اس سازش کا سرغنہ چنگ یی نامی ایک شخص تھا اور مارکو پولو کی روایت کے مطابق احمد نے اس کی ماں، بیوی اور بیٹی کی عزت لوٹی تھی۔ ایک فوجی سردار وانگ چو نے چنگ یی کی مدد کی۔ اس سازش میں ایک جادوگر بھی شریک تھا اور سازش کا مقصد یہ تھا کہ ٹائی تو کے مغل دستے کو مار کے ہٹا دیا جائے۔ طے یہ تھا کہ نشانی کے طور پر ایک جلتی ہوئی مشعل جلائی جائے گی، اس پر چینی لوگ سڑکوں پر نکل آئیں گے حالانکہ راتوں کو سڑکوں پر نکلنا منع تھا اور ہر داڑھی والے شخص کو قتل کر دیں گے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ سارے مسلمان اور غیر ملکی اور غالباً مغل قتل کر دیے جائیں۔ یہ بغاوت شروع تو ٹھیک طرح ہوئی اور ممکن تھا کہ کامیاب بھی ہو جاتی اگر مغل دستے کا سردار کوغتائی ہوشیار اور چوکنا نہ ہوتا۔

مارکو پولو لکھتا ہے۔ "وانگ چو اور چنگ یی رات کو محل میں داخل ہوئے۔ وانگ چو ہال میں بیٹھ گیا اور اُس نے بہت سی قندیلیں روشن کرنے کا حکم دیا۔ پھر اُس نے احمد کے پاس، جو پرانے شہر میں رہتا تھا ایک قاصد بھیجا اور اُسے یہ بہانہ کر کے طلب کیا کہ خاقانِ اعظم کا بیٹا چنگ کم، اچانک واپس آگیا ہے۔ احمد کو یہ پیغام سن کر تعجب ہوا، مگر وہ فوراً ہی محل کی جانب روانہ ہو گیا کیوں کہ وہ چنگ کم سے ڈرتا تھا۔

جب وہ پھاٹک پر پہنچا تو اس نے کوغتائی کو جو خان کے شہر کے محافظ دستے کا سردار تھا پہرے پر دیکھا۔

کوغتائی نے پوچھا "اتنی رات گئے آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"چنگ کم کی خدمت میں جو ابھی آیا ہے۔"

کوغتائی نے کہا "یہ کیسے ممکن ہے؟ میرے علم کے بغیر وہ خفیہ طور پر کیسے محل میں داخل ہو سکتا ہے؟"

اس شک کی وجہ سے وہ وزیر کے ساتھ ساتھ محل کے اندر داخل ہوا اور اپنے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ لیتا گیا۔ اب یہ کہ ختائیوں کا خیال تھا کہ اگر وہ احمد کا کام تمام کر دیں تو باقی سازش آسانی سے پوری ہو جائے گی جیسے ہی احمد اندر داخل ہوا اُس کی آنکھیں ان ساری قندیلوں کی روشنی سے چندھیا گئیں۔ اس نے وانگ چو کو چنگ کم سمجھ کے اُس کے آگے سر جھکایا اور چنگ یی نے جو قریب ہی تیار کھڑا تھا اُس کے سر پر تلوار کا وار کیا۔

کوغتائی دروازے پر ٹھہر گیا تھا جیسے ہی اُس نے یہ واقعہ دیکھا وہ زور سے چلایا "غداری!" فوراً ہی اُس نے اپنی کمان سے تیر کھینچ کے وانگ چو کو زخمی کر دیا اور اپنے سپاہیوں کو چلا کے چنگ یی کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ پھر اُس نے شہر بھر میں منادی کرا دی کہ جو سڑکوں پر نظر آئے گا اُسے پوچھے گچھے بغیر قتل کر دیا جائے گا۔

ختائی جان گئے کہ کوغتائی کو سازش کا کچھ نہ کچھ پتہ چل گیا ہے۔ ان کے سردار ہاتھ سے جا چکے تھے اس لیے وہ اپنے گھروں میں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ کوغتائی نے فوراً سواروں کو شہنشاہ کے پاس دوڑایا اور اس واقعہ کی پوری پوری اطلاع دی اور قاآن نے اُسے حکم دیا کہ وہ احتیاط سے سارے معاملے کی تفتیش کرے اور مجرموں کو جو سزا مناسب سمجھے دے۔ صبح کو کوغتائی نے ختائیوں سے جرح کی اور اُن میں سے کئی کو قتل کرایا ——— اُن کو جنھیں وہ اس سازش کا سرغنہ سمجھتا تھا۔

جب قاآنِ اعظم کامبالک (خان بالیغ) واپس آیا، تو اُسے فکر ہوئی کہ اس واقعہ کے اصل وجوہات معلوم کرے۔ تب اُسے احمد اور اُس کے بیٹوں کی بدعنوانیوں کا علم ہوا۔ اُس کے سب بیٹے تو بدکردار نہ تھے، لیکن احمد اور اُس کے سات بدکردار بیٹوں نے بے شمار عورتوں کو زبردستی بیویاں بنا رکھا تھا ——— اور ان کے علاوہ بکثرت عورتوں کی بے حرمتی کی تھی۔

تب قاآنِ اعظم نے حکم دیا کہ پرانے شہر میں اپنے محل میں احمد نے جو دولت جمع کی تھی وہ ضبط کر کے شاہی خزانے میں داخل کر دی جائے۔ تب معلوم ہوا کہ یہ دولت بے شمار تھی۔ جب قاآنِ اعظم کو اس کا علم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ احمد کی لاش کو قبر سے اکھیڑ کے گلیوں میں پھینک دیا جائے کہ کتے اس کی ہڈی ہڈی نوچ ڈالیں۔ اس کے بیٹوں میں سے جو بدکردار تھے

ان کی زندہ کھال اُدھیڑی گئی۔

جب یہ واقعات پیش آئے تو میسر مارکو وہاں موجود تھا۔

میسر مارکو پولو نے اپنے وقائع کئی سال بعد ایک فرانسیسی مُصنّف سے لکھوائے جو جنیوا کے زنداں میں اس کے ساتھ قید تھا ——— مارکوپولو کے اور بیانات کی طرح احمد کے قتل کا واقعہ بھی منہ پھٹ طریقے سے مگر سچائی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ میسر مارکو پولو اس مغل افسر کی نگہبانی اور نگرانی پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا جس کی وجہ سے یہ سازش گھنٹے بھر کے اندر فلاپ ہو گئی، نہ وہ اس کے متعلق کسی طرح کی رائے دیتا ہے کہ کس قدر تیزی سے رپورٹ لکھی گئی اور قبلائی کے پاس بھیجی گئی جو شہر سے دو روز کی مسافت پر تھا اور قبلائی کا جواب بھی آ گیا اور یہ سارا فاصلہ رات بھر کے اندر اندر طے کیا گیا۔

یین السطور سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ قبلائی کو اپنے شکار میں خلل پڑنا اچھا نہیں معلوم ہُوا، ایسے اہم مسئلے میں تفتیش کا اختیار اُس نے ایک ایسے شخص کے سپرد کر دیا جو محض ایک دستے کا سالار تھا، لیکن جب وہ واپس آیا، تو اُس نے خود باقاعدہ جانچ پڑتال کی اور یہ وینس کا رہنے والا اس کا ذکر نہیں کرتا کہ احمد کے کردار کے خلاف اُس نے خود بھی قبلائی کو آگاہ کرنے کے لیے گواہی دی۔

اُس سال کے چینی روزنامچوں میں یہ اندراج ہے۔ "شہنشاہ نے شانگ تُو واپس آ کے پولو سے جو مجلسِ شوریٰ کا رکن تھا، یہ دریافت کرنا چاہا کہ کس جذبے اور تحریک سے وانگ چُو نے اس قتل کا ارادہ کیا تھا۔ پولو نے جرأت کے ساتھ احمد کے اُن تمام جرائم کا ذکر کیا جن کی وجہ سے رعایا مظلوم بنی ہوئی تھی اور ساری سلطنت میں سب احمد سے متنفر تھے۔ شہنشاہ کی آنکھیں کھل گئیں اور اُس نے وانگ چُو کے طرزِ عمل کی تعریف کی۔ اُس نے شکایت کی کہ اس کے مصاحبین احمد سے اس قدر ڈرتے تھے کہ انھیں سلطنت کی بہبود کے لیے شہنشاہ سے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

قائدو ——— خاقانِ دشت

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد کا اصلی جُرم یہ نہیں قرار دیا گیا کہ اُس نے سلطنت کے سکے کی قدر گرا دی تھی، بلکہ یہ کہ اُس نے ذاتی طور پر قبلائی کے خزانے کے برابر دولت جمع کر لی تھی۔ اس کے علاوہ مرنے کے بعد بھی میسر مارکو پولو کی گواہی کی بنا پر اُسے ملزم قرار دیا گیا۔ فوراً ہی رصدگاہوں کے میناروں سے ——— کیوں کہ قبلائی نے مسلمان سکیموں کے لیے ایک رصدگاہ اور بنوا دی تھی ——— یہ پیشین گوئی کی گئی کہ قبلائی اور کسی احمد کا تقرر کرے گا۔

چنگ کم اور چینیوں کی مخالفت کے باوجود قبلائی نے یہی کیا۔ چنگ کم وغیرہ یہ دیکھ رہے تھے کہ چاندی بازار سے

جس قدر ہٹتی جائے گی اُتنا ہی سٹے کا بازار گرم ہوتا جائے گا۔ جس شخص کا قبلائی نے تقرر کیا، وہ بُدھ مت کا پیرو تھا۔ اُس کا نام سانگا تھا اور وہ فاگس پا اور احمد دونوں کا جانشین بنا۔

پہلی کوشش کہ سلطنت کی آمدنی میں ۵۰۰،۰۰۰ء اچاندی کا اضافہ کیا جائے قبلائی کے بیٹوں اور چینی عہدہ داروں کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی۔ جس شخص نے یہ تجویز پیش کی تھی اُسے قتل کر دیا گیا۔

یہ نہیں کہ قبلائی کنجوس یا منکّی تھا۔ اُس کے اخراجات کا پیمانہ اتنا وسیع ہوتا جا رہا تھا کہ ان کی ادائیگی کے لیے آمدنی میں اضافے کی ضرورت تھی۔ وہ اگر چاہتا بھی تو شاید ہی اپنے اخراجات کم کر سکتا اور قبلائی کی سمجھ میں کوئی وجہ نہ آتی تھی کہ وہ اپنے اخراجات میں آخر کیوں کمی کرے۔ وہ بس یہ چاہتا تھا کہ عوام الناس غربت سے محفوظ رہیں اور وزیر جیسے چاہے آمدنی کا بندوبست کرے۔

چنانچہ ایک نیا نظام ایجاد کیا گیا۔ یہ ایک ہوشیار کے چین بین تجویز تھی جس میں قبلائی کی لاپروا عینیت اور دولت پرست شاہی خاندان کے مغلوں کی مخالفت اور چینی عہدہ داروں کا یہ اعتراض کہ سکے کی قدر اس قدر جلد جلد نہ بدلنا چاہیے سب لحاظ رکھا گیا تھا۔

ایک اور طرح کے سکے کے رواج کی تجویز کی گئی۔ مختلف خزانوں کو اجازت دی گئی کہ تانبے کے سکے ڈھال کے جاری کریں جن کی اصلی قیمت کچھ نہ سہی، لیکن مقررہ قیمت متعین کر دی گئی۔ جو کسان قحط سالی یا ٹڈی دل سے مفلس ہو جاتے ان کو اور باہر کے تاجروں کو اسی سکے میں رقم ادا کی جاتی۔ اندازہ یہ تھا کہ اس تانبے کے سکے کا ستر فی صد منافع شہنشاہ کو ملے گا۔ اِس منافع کے ایک حصّے سے محفوظ غلّہ خرید کے عوام کو سستے داموں بیچا جائے گا۔

اس کے علاوہ سرکار کو اس کا بھی حق ہوگا کہ وہ ان ساری بھٹیوں کو اپنی تحویل میں لے لے جو مغل خاندانوں کی ملکیت میں۔ تجویز یہ تھی کہ ان بھٹیوں سے ہتھیار بنائے جائیں اور منافع سے بیچے جائیں۔

شراب کی تجارت بھی سرکار نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور شراب پر محصول میں اضافہ کر دیا گیا۔

مغل خاندانوں کو اس نقصان کا بدلہ دینے کے لیے یہ تجویز کی گئی کہ وہ بیس فی صد منافع سے اپنے گلّوں کی پیداوار اُون، چمڑے وغیرہ بیچ سکتے ہیں۔

اور بہت سی چین بین کی تجویزوں کی طرح اس تجویز میں بھی کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد کاغذ کے سکوں کی قیمت گھٹا کے ایک خمس کر دی گئی۔ قبلائی کا خزانہ بھرا بھی تھا اور خالی بھی تھا۔

بہرحال یہ تو تھا کہ ہر سال شانی تُو کے درباری رسوم کی شوکت و حشمت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ قبلائی کی سالگرہ

کے موقع پر ہزاروں مغل اور چینی امیر زرّیں لبادوں میں حاضر ہوتے۔ ان لبادوں کے جوہر دگوہر دیکھ کے مارکو پولو کا دماغ طرح طرح کے حساب لگاتا تھا۔ اُس کا اندازہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض بعض ملبوسات کی قیمت دس ہزار بیزانت ہوگی، لیکن سالگرہ کے جشن میں اُمراء سے اس کی بھی توقع کی جاتی تھی کہ وہ شاہی خزانے میں ہدیے داخل کریں (جو بظاہر خاقان کی ذات کے لیے تھے)۔ شاہی محاسب ان سارے نذرانوں کا پورا پورا حساب لگاتے۔

جشنِ نوروز بڑا خاص موقع ہوتا تھا۔ شاہی ہاتھی اور اُونٹ قطار در قطار جلوس میں نکالے جاتے۔ حاضر درباری ——— جو اِس سے پہلے کی پشت میں قبیلوں کے سردار اور نوئین تھے ——— قبلائی کے سامنے سرتسلیم خم کرکے نعرہ لگاتے "جھکو اور آداب بجا لاؤ۔"

میسر مارکو پولو لکھتا ہے "وہ لوگ شہنشاہ کے سامنے اِس طرح تعظیم سے جھکتے ہیں گویا وہ دیوتا ہے۔ پھر وہ سجی ہوئی عبادت گاہوں کی طرف جاتے ہیں۔ اِس میں سونے کی انگیٹھی میں خوشبوئیں جلاتے ہیں اور اس قرمزی تختی کے آگے سر جھکاتے ہیں جس پر قاآن کا نام کندہ ہے۔"

قبلائی بلا احتیاج اِس تعظیم کو قبول کرتا تھا۔ جب کسی شخص کی اتنی تعظیم کی جائے جتنی دیوتاؤں کی کی جاتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اوروں سے الگ تھلگ رکھے۔ وہ اپنے محکوموں کا دست نگر ہو جاتا ہے اور محکوموں کا اُس سے کوئی ذاتی رشتہ نہیں رہتا۔ اِس لیے نہیں کہ اُسے اِن رسوم کی کوئی خاص آرزو تھی بلکہ محض چینی رسوم کے ناگزیر آئین سے وہ بجائے فاتح مغل خاقان کے مہربان اور رعایا دوست "فرزندِ آسمان" بنتا جا رہا تھا۔

اُس کے لیے اب یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے آپ کو چینی رائے عامہ سے آزاد کر سکے جب اُس نے چینی فضلاء کے ایک گروہ سے زلزلوں کی وجہ دریافت کی تو اُسے یہ مخصوص جواب ملا،

"زلزلوں کی وجہیں پانچ ہیں، ایک تو یہ کہ بادشاہ چاہتا ہو کہ چور ملں پر کوئی آفت نہ آئے۔ دوسری یہ کہ بادشاہ اپنے حرم میں بے شمار عورتوں کو داخل کرے۔ تیسری یہ کہ وہ سخت سخت سزائیں دے۔ چوتھی یہ کہ بادشاہ کے مصاحبین عوام کی فلاح و بہبود کے خلاف سازش کریں۔ پانچویں یہ کہ وہ لاپرواہی سے جنگ شروع کرے یہ سوچے بغیر کہ وہ حق پر ہے یا نہیں۔"

چنگ کیم اور اپنی پہلی بیوی چابوئی خاتون کے مرنے کے بعد قبلائی خاں میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی، انتہائی جنوب سے ہمت کرکے بایان نے ایک تنبیہی پیغام بھیجا۔ اِس ذہین سپہ سالار نے قبلائی کی یاد دہانی کی کہ آپ کے عروج کے زمانے میں قائدو خاں نے دشت میں مغلوں کے آبائی علاقوں کو ایک سلطنت کی شکل میں منظّم کر لیا ہے۔ قائدو جس کی حیثیت

شروع شروع میں ایک باغی سے زیادہ نہ تھی، اب چغتائی کے نام لیواؤں کا "امدا" بن گیا ہے۔ بوڑھے مغلوں نے اُسے خاقان کا لقب دے رکھا ہے۔

وسط ایشیا کے سرداروں کی نظروں میں قائدو ہی چنگیز خاں کے خاندان کا صحیح وارث تھا ـــ قبلائی تو محض چین کا شہنشاہ بن کے رہ گیا تھا۔

خانہ جنگی شروع ہونے کے اکیس سال بعد قائدو نے شمالی چین پر بڑا ہی خطرناک حملہ کیا اور یہ حملہ کامیاب ہوتا نظر آتا تھا۔ بایان جنوب کے استوائی خطّوں میں فوجوں کے ساتھ کشور کشائی کر رہا تھا اور قبلائی، اپنے بھائی کی اطاعت قبول کر لینے کے بعد سے اب تک خود میدانِ جنگ میں نہیں نکلا تھا۔ اِس مرتبہ دشت کے مغلوں کے ساتھ اور بھی حلیف تھے۔ دریائے آمور کے علاقے کے مانچو تاتاری قبیلے قراقورم کی طرف بڑھ رہے تھے اور اُن سے جا ملنے کے لیے قائدو، آلتائی کی چراگاہوں سے مشرق کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ یہ دونوں فوجیں دیوارِ چین کے اندر گھس کے حملہ کریں۔ انھوں نے اس وادی پر قبضہ کر ہی لیا تھا جس میں چنگیز خاں اور اگلے خاقانوں کی قبریں تھیں۔ اس کا قبلائی کو سخت صدمہ تھا۔

اُس نے قاصدوں کو بھیجا کہ بایان کو جنوب سے طلب کریں۔ وہ جانتا تھا کہ شمال کی طرف یلغار کے لیے بایان کو مہلت درکار ہو گی۔ قبلائی نے اسے ہدایت کی کہ ہو سکے تو قائدو کا راستہ روک دو۔ اس نے خود ایک تصفیہ کیا کہ مارکو پولو اور اس کے درباری حیران رہ گئے۔ . . . . حالانکہ پہلے اس نے اپنے منجموں سے مشورہ کر لیا تھا۔

"ماٹی نو میں اُسے جتنی مسلّح فوج مل سکی اُس کو ساتھ لے کے قبلائی نے شمال کی طرف بڑی تیزی سے بنفسِ نفیس پیش قدمی شروع کی، تاکہ مانچو فوج کو اِس سے پہلے ہی جا لے کہ وہ قائدو کی فوج سے مل سکے۔ اپنے شکاریوں اور عزیزوں اور شاہی محفوظ دستے کی برائے نام فوج کے ساتھ اُس نے اپنی چار ہاتھیوں والی عماری پر سفر شروع کیا۔ اُس نے تیر اندازوں کو سواروں کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم دیا اور اپنے ساتھ ایک شعلہ پھینکنے والی منجنیق رکھ لی۔ بیس منزلوں کے بعد اپنی سالانہ شکار گاہوں سے گزرتا ہُوا وہ لیاؤ ندی کے قریب باغی فوج کے پاس جا پہنچا۔ وہ خود ہراول کے ساتھ ساتھ تھا اور تاریکی میں بڑھتا جا رہا تھا اور جب اُس نے یہ دیکھا کہ اُس کے ہاتھی مانچو سواروں میں گھِر گئے ہیں، تب بھی وہ پیچھے نہیں ہٹا۔

باغی سپہ سالار یہ سمجھے کہ قبلائی کا اس طرح خلافِ توقع نمودار ہونا ایک جنگی چال ہے، اس لیے انھوں نے حملہ نہیں کیا۔ صبح تڑکے قبلائی کی فوج آ گئی۔ قبلائی نے خود حملہ کیا اور حکم دیا کہ صفوں میں جنگی طبل بجائے جائیں۔ اِس باجے

کے ساتھ نعرے لگاتے ہوئے ـــــــ ممکن ہے نیم تاریکی میں مغل دستوں کے مختلف پہلو اس طرح ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھتے ہوں ـــــ قبلائی کی فوجیں باغیوں کے پڑاؤ میں گھس گئیں۔ اس حملے کے اچانک پن میں آتشیں منجنیق کی وجہ سے اور اضافہ ہو گیا اور مانچو سراسیمہ ہو گئے۔

قبلائی بوڑھا ہو گیا تھا، گٹھیا سے بے کار ہو گیا تھا اور ہاتھیوں کی پشت پر عماری میں بیٹھا ہوا تھا، لیکن اس نے مکمل فتح حاصل کی۔ باغیوں کا سپہ سالار پکڑا گیا اور قبل اس کے کہ کوئی اس کی سفارش کرتا، قتل کر دیا گیا۔ مانچو اپنے جنگلوں کو بھاگ گئے۔ جب تک قبلائی کی پوری جنگی فوج بایان کی سرکردگی میں پہنچ نہ گئی، قبلائی اس حملے سے واپس نہ لوٹا۔ اس کے بعد اُس نے لوٹ کے شانگ تو کے سائبانوں میں جشن منایا۔ بالآخر بایان نے قائدو کو پرے مغربی چراگاہوں میں واپس دھکیل دیا۔ اس کے بعد پھر باغیوں نے شانگ تو کو دھمکی نہ دی۔

میسر مارکو پولو لکھتا ہے "اور پھر جب قاآن اعظم نے یہ فتح حاصل کی تو شمال کی تمام رعایا اور قبائل نے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔"

نئی سرحدیں

مدراصل دشت پر قائدو کی گرفت محکم ہوتی جا رہی تھی۔ بایان دوبارہ طلب کیا گیا، اس لیے کہ قائدو کو قراقورم کے قریب کی آبائی چراگاہوں سے نکال باہر کرے۔ قائدو نے اوغدائی کے (یعنی اپنے) اور چغتائی کے خاندانوں کی زمینوں کو یک جا کر دیا تھا۔ بے امن مغرب میں اُس نے جو سلطنت قائم کی تھی اُس کی وجہ سے قبلائی کا رابطہ رُوسی اور ایرانی علاقوں سے ٹوٹ چکا تھا۔

مغرب میں اس رکاوٹ کی وجہ سے قبلائی نے دوسری سمتوں میں اپنی سرحدوں کو وسعت دینی شروع کی۔ یانگ تسی کے منبع کی جانب، گہری گھاٹیوں کے اس پار اُن وحشی قبیلوں کے علاقوں میں جو تبت کے کساروں کی ڈھلوانوں پر آباد تھے۔ ایک فوج دریائے برہم پتر تک پہنچ گئی اور صرف ناقابلِ عبور پہاڑوں کے حائل ہونے کی وجہ سے اسے واپس لوٹنا پڑا ورنہ وہ ہندوستان تک پہنچنے کا راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔ پھر قبلائی نے اور فوجوں کو بھیجا کہ جنوبی سمندر کے کنارے کنارے اِن ناقابلِ عبور پہاڑوں کے باندھ سے ہوتے ہوئے آگے بڑھیں۔ انھوں نے ایسے گھنے جنگلوں کے قصے سنائے جہاں لُو لگ جانے سے مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذکر کیا جو ہاتھیوں پر سواری کرتے ہیں اور ایسے مندروں کی کہانی سُنائی جن میں جنگل اُگ آئے ہیں اور اب وہاں بھانت بھانت کے جانور رہتے ہیں۔

اور پہلی بار قبلائی کو اطلاع ملی کہ اُس کی فوجوں کو شکست ہوئی ہے۔ یہ فوجیں یُون نان میں گھس گئی تھیں، لیکن بیماری اور خراب پانی کی وجہ سے ان کی صحتیں گر گئیں اور اگلی فصل میں اِن فوجوں کو نکال باہر کیا گیا۔ انھوں نے مین کی ہاتھی سوار فوج کو آتشیں تیروں سے شکست تو دے دی تھی لیکن ایسی استوائی آب و ہوا میں اُن کے لیے رہنا ناممکن تھا۔

یہ قبلائی کی سمجھ میں نہ آیا۔ کئی سال پہلے خود آس نے یون نان کی سرحد کے قریب گھس کے حملہ کیا تھا۔ تاجر اُس کے یہاں سے ہاتھی دانت، جنگلی سؤر کے سینگ اور ٹانگ کنگ سے ادویات لایا کرتے تھے۔ وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ اس کی فوجیں ایسے علاقوں کو مطیع نہیں کر سکتیں جن کی حفاظت کے لیے اُس کی فوجوں کے برابر طاقتور فوج موجود نہیں۔

لیکن ٹانگ کنگ کے جنگلوں کے باسی اپنے جنگلوں میں چُھپ کے پناہ لیتے اور زہریلے تیروں سے مغلوں کو پریشان کرتے۔ یہ مقام سواروں کے دھاووں کے لیے ناموزوں تھا۔ قبلائی نے یہ نہ مانا اور اس کی ضد کی وجہ سے کئی سپہ سالاروں کی جان تلف ہوئی۔ اِس استوائی محاذ کے لیے نئی فوجوں کو بھرتی کیا گیا۔ سترہ لڑائیوں کے بعد بھی مغل اس ملک پر قبضہ نہ کر پائے، لیکن بالآخر ٹانگ کنگ کے سرداروں نے فلاح اسی میں دیکھی کہ رسمی طور پر اطاعت قبول کر لیں اور انھوں نے ایک خالص سونے کا مجسمہ ٹائی تو بھجوا دیا۔

پہاڑیوں میں چاندی کی کانیں اور مین (برما) میں سونے چاندی کے مینار تھے۔ قبلائی نے حکم دیا کہ سارے جنوبی ایشیا کو زیر کر لیا جائے ـــــــ حالانکہ الانی سپاہیوں کے دستے جو نشے میں چُور اور گرمی سے نڈھال تھے ایک شہر میں قتل کر دیے گئے تھے جس کا نام دیباچو کی تھا۔

اُس کے مغل سپہ سالار ان پست قد سانولے آدمیوں سے لڑتے رہے جن کو کھلے میدان میں گھیرنا ناممکن تھا۔ بحری بیڑے کینٹن سے روانہ ہوئے اور انھوں نے ملایا کے ساحلوں پر چھاپے مارے۔ مغل افسروں نے بھیس بدل کے جزیرۂ سماٹرا کا جائزہ لیا۔

ایک مغل بیڑہ راستہ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے جاوا میں جا پہنچا جس کے متعلق کسی کو کوئی واقفیت نہ تھی۔ شروع میں اسے کامیابی ہوئی، مگر پھر یہ ایک جنگل میں گھر گیا اور اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ہر سال اِن استوائی حملوں میں ہزاروں جانیں تلف ہوتیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اب قبلائی اپنے آپ کو کوریا (کو ریو کو ریا)، تبت، لیاؤ، ملایا، سماٹرا، یون نان، ٹانگ کنگ،

ٹاٹی (سیام) اور پیگو کا شہنشاہ کہہ سکتا تھا، لیکن مغل نہ استوائی خطوں میں بس سکے اور نہ یہاں سے برائے نام خراج کے علاوہ اور کچھ وصول کر سکے۔ ساتھ ہی ساتھ مغل فوجوں کی ہیئت بدل گئی اور ان میں دوسری اقوام کے لیے زیادہ بھرتی ہو گئی جن کے سپہ سالار کبھی چینی ہوتے کبھی مغل۔

جزیروں کے ایک گروہ نے، جو اُس زمانے میں گمنام تھا قبلائی کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ ان کا دیسی نام "نی پون" (مشرقِ آفتاب) تھا، جس کو چینی "جیہ پن" کہتے تھے جس کا تلفظ بگڑ کر "جاپان" بن گیا ہے۔ کوریا کے تاجروں نے قبلائی کو بتلایا کہ جاپان کے محل سونے کے تختوں سے مرصع ہیں اور جاپان کے سمندروں سے [illegible] رنگ کے موتی نکالے جاتے ہیں۔

ٹاٹی ٹو سے جاپانی جزیروں کو قاصد بھیجے گئے جنھوں نے یہ عنایت آمیز پیغام دہرایا: "مغل سلطنت تم پر مہربانی کا سلوک کرنا چاہتی ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتی کہ تم اطاعت قبول کرو، بلکہ یہ کہ تم عظیم مغل سلطنت کا ایک جزو بن جاؤ۔"

جاپان کے بہادر جنگجوؤں اور جاگیرداروں نے خاقان کے سفیروں کو اپنی پیشی میں حاضر ہونے کا موقع بھی نہ دیا۔ کئی سال بعد قبلائی نے ایک چھوٹا سا بیڑا بھیجا جو تُسوشیا کے باہر والے جزیروں کو بھی مطیع نہ کر سکا۔ اس رکاوٹ اور نقصان کی وجہ سے غصہ ہو کے چند سال بعد قبلائی نے ایک بہت بڑا بیڑا روانہ کیا۔ ۱۲۸۱ء میں تیس ہزار مغل اس بیڑے میں روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ دوگنے چینی اور کوریائی تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ کشتیوں میں اپنے ساتھ گھوڑے بھی لے گئے۔

جس طرح ہسپانوی بیڑے نے انگلستان کے مقابل کوئی کامیابی نہ حاصل کی، اسی طرح یہ مغل بیڑا جاپان میں ناکام رہا۔ زمین پر اُتر کے انھوں نے اپنے پڑاؤوں کے اطراف مورچے بنانے شروع ہی کیے تھے کہ جاگیردار جنگجوؤں کے دستے اُن پر چل پڑے جو کمانداری اور تیغ زنی میں اُستاد تھے اور مغلوں کے حملے سے قطعاً خائف نہ تھے۔ اسی درمیان میں ایک طوفان کی وجہ سے باربرداری کی کشتیاں منتشر ہو گئیں اور بہت سی ڈوب بھی گئیں۔ کچھ دنوں تک مغل ساحل پر لڑتے رہے اور اس درمیان میں نئی کشتیاں بنانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ہوجو کی فوج کے حملوں سے وہ عاجز آ گئے۔ جن مغلوں نے ہتھیار ڈال دیے انھیں جاپانیوں نے قتل کر ڈالا اور کین تان اور کوریا والوں کو غلام بنا لیا کیوں کہ وہ انھیں خاقان کے غلام سمجھتے تھے۔ بہت کم لوگ زندہ بچے۔

قبلائی نے ایک اور بیڑے کی تیاری کا حکم دیا اور اُس نے چینی راہبوں کو جاسوس بنا کے ان جزیروں میں بھیجا

جہاز کے ملاحوں نے اِن راہبوں کو سمندر میں دھکیل دیا۔

جب دوسرے حملے کی تیاریاں شروع ہوئیں تو کوریا کی بندرگاہوں میں چپ چاپ بغاوت شروع ہو گئی۔ کوریا کے ملاح یہاں چھوڑ کے بھاگ گئے، جنگی کشتیوں کے کپتان سمندر میں نکل کے بحری قزاق بن گئے اور ساحلوں کو لوٹ لوٹ کے جمع کرنے لگے۔ چینی عہدہ دار جن کے سپرد یہ تھا کہ بیڑے کے لیے رسد فراہم کریں، فراہمی میں کوتاہی کرنے لگے۔ قبلائی کے سپہ سالاروں نے اُسے آگاہ کیا کہ اگر اُس نے بیڑا روانہ کرنے پر اصرار کیا، تو کھلم کھلا بغاوت کا ڈر [illegible] بالآخر خود قبلائی کو اس کا احساس ہو گیا کہ جاپانیوں کے خلاف ایک مہم اور بھیجنا بے کار ہے اور اُس [illegible] مشورہ مان لیا۔

اِن مسلسل حملوں کی وجہ سے مغل سپاہی خستہ ہو گئے تھے۔ بالآخر قبلائی نے اسی پر اکتفا کی کہ بیرونی درباروں [illegible] اُسے شہنشاہ مانا جاتا ہے اور یہ کافی ہے۔

لیکن اِن سرحدی جنگوں کی سختی کا چین کی سرزمین پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ یہ ملک جواب ایک ایسے شہنشاہ کے [illegible]میں تھا، جس کا حکم سب بے چون و چرا مانتے تھے خوش حال ہوتا جا رہا تھا۔

سانگا مالیات کے پیچیدہ اور مشکل مسائل حل کرنے میں مصروف تھا۔ قبلائی نے فنون و ادب میں اور دلچسپی لینی [illegible]ع کی۔ اس نے ہیئت کے نئے میزان چھپوائے۔ وہ شاہی جامعہ میں طباعت کی ترقی دیکھ رہا تھا اور اس نے حکم دیا تھا کہ [illegible]ن بلنگ کی جانب سے نہرِ عظیم کی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے۔

اِدھر بایان قراقرم ہی میں ٹھہرا ہوا قائدو کے حملوں کی روک تھام کر رہا تھا، اُدھر قبلائی نے اپنے ہاتھیوں پر [illegible]ین میں دور دراز کا سفر کیا تاکہ اپنے پیش رو سُنگ خاندان کے شہنشاہوں کے مزار دیکھے۔

جب پولو خاندان کے تینوں افراد نے پھر گزارش کی کہ انھیں اپنے وطن مغرب کو واپس جانے کی اجازت دی جائے [illegible]س مرتبہ ان کی طویل ملازمت کے بعد قبلائی نے انھیں اجازت دے دی اور ان کے سپرد یہ خدمت کی کہ وہ اپنی نگرانی میں شہزادی کوکاچین کو حفاظت سے ایران پہنچا دیں۔ میسر مارکو پولو نے اُس جذبے کے عالم میں لکھا ہے [illegible]کا وہ بہت کم اظہار کرتا تھا۔ "وہ سترہ سال کی دوشیزہ ہے، بڑی حسین اور جاذب لڑکی۔"

قبلائی اس شہزادی کو اس لیے ایران بھیج رہا تھا کہ ایل خاں ارغون کی پہلی بیوی مر چکی تھی، جو کونکرات قبیلے سے [illegible]ی اور وہ چاہتا تھا کہ پھر اُسی قبیلے کی لڑکی سے شادی کرے۔ اُس کے سفیروں نے شہزادی کوکاچین کو پسند کیا تھا

اور اس رائے سے اتفاق کیا تھا کہ اُسے پولو خاندان کی تحویل میں بھیجا جائے کیوں کہ یہ لوگ جنوبی سمندروں سے خوب واقف تھے چونکہ قائدو سے جنگ کی وجہ سے بری راستہ بہت مخدوش ہو گیا تھا اس لیے بالآخر قبلائی نے انھیں سمندر کے راستے سے روانہ کیا۔ مارکو پولو لکھتا ہے: "بالآخر اُس نے ہم سب کو دربار سے رخصت کی اجازت دی، قبلائی نے مارکو سے اصرار کیا کہ مغرب کے بادشاہوں بخاص طور پر شاہِ انگلستان کو ہمارا سلام پہنچانا اور پھر ختا واپس آ جانا۔

وہ ایک سرکاری جہاز میں پہلے سماٹرا اور پھر بحرِ ہند روانہ ہُوا۔

۱۲۹۴ء کے پہلے مہینے میں ٹائی ٹو کے باشندے ایک منحوس شگون کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئے۔ یہ سُورج گرہن تھا۔ چینی منجموں نے قبلائی کو صلاح دی کہ آسمان کو خوش کرنے کے لیے اپنے افعال و اعمال کا جائزہ لو۔ بایان نے اصرار کیا۔ چنگ کم کے بیٹے کو اپنا ولی عہد نامزد کرو۔ اگلے سال کے دسویں مہینے میں ایک دُمدار ستارہ طلوع ہُوا، جس کو دیکھ کر لوگ ڈر گئے۔

چینی منجموں نے قبلائی کو مشورہ دیا: "یہ سوچنے کا وقت ہے کہ تم نے رعایا پر کس طرح حکومت کی ہے۔ اس کے بجائے قبلائی نے جو ٹائی ٹو کے اندرونی صحن میں اپنے کمروں میں بیمار اور صاحبِ فراش تھا اور اس قابل نہیں تھا کہ سبز پہاڑی کی سیر کر سکے یا اپنے ہاتھیوں پر سوار ہو کے نکل سکے، دشت کی چراگاہوں سے بایان کو بُلا بھیجا تاکہ اُس کا دل بہلے۔

یہ عظیم مغل سپہ سالار نئی سڑکوں پر سے ہوتا ہُوا شمال کی طرف آیا اور نئے شہرِ شہنشاہی کے دروازوں پر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ بایان جس میں اب نئی فتوحات کی سکت نہ رہی تھی، قبلائی کے حضور میں حاضر ہُوا۔ یہ بارہ دری میں لیٹا ہُوا تھا اور گردن پھیر کے سبز پہاڑی کے صنوبروں کو دیکھ سکتا تھا۔ بایان نے اس بارہ دری میں کھڑے کھڑے دیکھا کہ دیوار کے بعد دیوار اُٹھتی چلی گئی تھی۔ ان دیواروں کے اندر یہ بوڑھا شہنشاہ بند تھا، جو دشت کی کھلی فضا میں پیدا ہُوا تھا۔

قبلائی میں دشت کی کوئی خُو بُو باقی نہ رہی تھی۔ جاموئی خاتون، اُس کی پہلی بیوی جو کونگرات قبیلے سے تھی، اب ایک کتبہ بنی ہوئی اُس کے بزرگوں کے مقبرے میں لٹک رہی تھی۔ سُس کا بیٹا چنگ کم جس میں دشت نوردوں کی سی سخت جانی تھی، اب رُوحوں کی دنیا میں آسیب بنا منڈلاتا پھرتا تھا اور چنگ کم کا خوش رُو بیٹا، جو ولی عہد تھا، اُس میں چینی شہنشاہ بننے کے سارے آثار تھے۔

۱۲۹۴ء کے پہلے مہینے میں قبلائی نے وفات پائی۔ اُس نے اسّی سال کی عُمر پائی اور پینتیس سال حکومت کی۔

اُس کا مزار ٹائی ٹو میں نہیں بنا۔ اُس کے حکم سے اُس کی لاش برخان قالدون کے نیچے کی اُس دلوی میں پہنچائی گئی، جہاں ندی بہتی تھی اور جہاں چنگیز خاں کی قبر کے اطراف اس کے خاندان کی قبریں تھیں۔

مارکو پولو اور اہلِ مغرب کے لیے وہ ایک ذی حشم، قابل اور جری شہنشاہ تھا ــــــ علماء کا دوست جو دولت کو اپنی رعایا دونوں کے لیے عزیز رکھتا تھا۔ اُس کے متعلق چینیوں کی یہ رائے ہے کہ وہ حد سے زیادہ اوہام پرست ...وں اور چاندی کا بڑا شوقین تھا اور اپنی ضعیف الاعتقادی کے باعث مضحکہ خیز حد تک تبت کے لاماؤں کے زیرِ اثر ...ی کمزوری یہ تھی کہ اُس نے قائدو سے جنگ اور یونان اور جاپان پر حملے کے سلسلے میں لاکھوں جانیں قربان کر دیں۔

قبلائی کی فتحِ چین سے پہلے ہی چینی تمدن قبلائی کو فتح کر چکا تھا۔ اصلیت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اُس نے مغل کی ...ے چینیوں پر حکومت کرنی چاہی۔ اپنی سرداری اور ذاتی جاہ و حشم پر اُسے جو گھمنڈ تھا وہ ایسا ہی تھا جیسے خانہ بدوشوں ...طور پر ہُوا کرتا ہے۔ اپنی اس ذاتی آرزو کی تکمیل میں کہ وہ سچ مچ چینیوں کا آقا بن جائے، اُس نے پُرانی قبائلی اور مغل رشتوں سے اپنا ربط توڑ دیا۔ جب وہ مرا تو اُس کا کوئی ساتھی نہ تھا۔

ممکن ہے اُس نے یہ محسوس نہ کیا ہو، ممکن ہے اُس نے اس کی پروا نہ کی ہو کہ چین کو متحد کر کے وہ دشت نوردوں کی ...نت کا خاتمہ کر رہا ہے۔

(۸)

نتائج

(۸)

نتائج

قبلائی کا انتقال اُس زمانے میں ہوا جب کہ تیرھویں صدی کے آخری برسوں میں میسر مارکو پولو سمندر کے راستے اپنے وطن واپس لوٹ رہا تھا اور اس صدی کے خاتمے پر ایک ایسی فیصلہ کن تبدیلی رونما ہوئی جیسے کسی ڈرامے میں پردہ گرے۔

مغل سلطنتیں اپنی اپنی حدود میں محدود ہو گئیں شمالی ایشیا سے ہجرتوں کے سلسلے کا خاتمہ ہو گیا دو ہزار سال سے اہلِ دشت جنوب اور مغرب کی طرف یلغار کرنے چلے آتے تھے۔ اب یہ انسانی مد و جزر ہو گیا۔ متمدن مرکزوں پر حملے کا دور ختم ہو گیا۔

مغربِ بعید میں سلجوقی ترک جن کو مغلوں نے ایشیائے کوچک میں دھکیل دیا تھا، یورپ میں ایک بڑی طاقت بن کر ابھرنے والے تھے اور قسطنطنیہ کے عثمانی ترکوں کا لقب اختیار کرنے والے تھے اور مشرقِ بعید میں مغلوں کے عزیز مانچو، اپنے جنگلوں سے نکل کے شمالی چین کی زرد زمین میں پیش قدمی کرنے والے تھے لیکن یہ الگ الگ دھارے تھے اور ان کے درمیان براعظم ایشیا کا پورا طول حائل تھا۔

۱۳۰۰ء اس مد کے انتہائی عروج کا دور ہے۔ اس وقت تک وحشیوں کے حملے کی وجہ سے مختلف طریقوں پر سب کے سب تمدن متاثر ہوئے تھے سب سے زیادہ خطرہ مغلوں کی یورش کی وجہ سے تھا۔ اس یورش سے فوری اور دیرپا دور رس نتائج مترتب ہوئے۔

پہلے تو چین میں :-

شانگ تو کا شہر آشوب

چنگیز خاں نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کے جانشین لذیذ کھانے کھانے لگیں گے، ریشمی کپڑوں سے تن ڈھانکیں گے، حسین عورتوں کو سینے سے لگائیں گے اور یہ بھول جائیں گے کہ کس کی بدولت انھیں یہ ساری نعمتیں میسر ہوئیں۔ چین میں یہی پیش آیا۔

قبلائی کے بعد اُس کا پوتا تیمور تخت نشین ہُوا جس میں بعض ذاتی خوبیاں تھیں۔ جوانی میں تو وہ شرابی اور قلّاش تھا لیکن جب دیونقش تخت پر مسند نشین ہُوا تو سنبھل کے معتدل زندگی بسر کرنے لگا۔ اُس نے حکم نافذ کیا کہ اس کے اپنے حکم کے بغیر ساری سلطنت میں کسی کو سزائے موت نہ دی جائے۔ جو افسر اپنے سپاہیوں کو کسانوں کی فصلیں لوٹنے یا تباہ کرنے کی اجازت دیتے تھے اُنھیں سزا دی جانے لگی۔

رحم کی یہ صفت خانہ بدوشوں کے پُرانے نعرۂ فتح سے ایک بڑی مختلف چیز تھی۔ دراصل قبلائی کے جانشین وہ کر رہے تھے جو پرانے مغل اصول کے بالکل برعکس تھا۔ اب یلُوچاؤ جیسا کوئی دانا زندہ نہ تھا جو تیمور کو سمجھاتا کہ فوجی حکومت ہی باقی رکھو اور اپنے اطرافِ حاشیہ برداروں کو جمع نہ کرو۔ تیمور میں اس قدر قوّتِ کردار تھی کہ اس نے اٹھارہ ہزار ایسے چینی عمّال کو برطرف کیا جو کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ تھے، لیکن اس کا کوئی مشیر نہ تھا۔

اُس کے اطراف درباریوں کی پکّی صفیں تھیں جو دربار کے آداب و شان و شوکت کے عادی تھے۔ اُن میں گھِر کے تیمور اپنے عہدہ داروں سے ربط کھو بیٹھا۔ اُس کے لیے صرف یہی چارہ کار باقی رہ گیا تھا کہ جو زیادہ وفادار ہیں انھیں انعام اکرام دے۔ وہ وحشیوں کی قوّتِ عمل اور سادگی کھو چکا تھا۔ اب وہ تیرہ شہنشاہی خاندانوں کا وارث تھا اور ایک سلطنت کا شاندار تاریخ بنا جا رہا تھا جن اجداد کی یاد وہ زندہ کر رہا تھا وہ اس کے اپنے آباؤ اجداد نہ تھے۔ حقوق حاصل کرنے کے لیے بدھ مت والے اس کے مزاج میں بہت دخیل ہو گئے۔

بدھ مت والے کہتے تھے۔ "سورج اور چاند کی طرح خاقان اور دلائی لاما کو زمین پر حکومت کرنی چاہیئے ساتھ ساتھ نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے۔"

منگو خاں جیسے خاقان کے لیے اِس قسم کی کوئی بات حاشیۂ خیال سے پرے ہوتی لیکن تیمور محض برائے نام خاقان رہ گیا تھا۔ اب وہ "فرزندِ آسمان" کے لقب کا جو یارہ گیا تھا اور یوان خاندان کا دوسرا شہنشاہ تھا۔

یہ نہیں کہ اُس کی سلطنت میں جاہ و حشم کے زمانے نہیں آئے۔ مغل جو موسیقی سے متاثر ہوتے تھے تاتار کے باجوں اور فریاد کرنے والی قبائلی شہنائیوں کے طائفے بنانے لگے۔ اِس خوش طبعی اور ہلکی پھلکی زندہ دلی سے عہدِ کنفوشس کے سنجیدہ نغموں کی شکل بدل گئی۔

مغلوں کو تعلیم سے زیادہ تفریح کا شوق تھا، اِس لیے یوآن خاندان کے دورِ ماضی میں اداکاروں کی اداکاری میں بڑی انسانیت پیدا ہو گئی۔ اسٹیج پر بجا نہ تک نمودار ہونے لگے۔ دربار میں رومانی کہانی لکھی اور پڑھی جانے لگی اور انھیں سے طویل چینی ناولوں کا آغاز ہُوا۔

سرحدوں میں جو امن و سکون نصیب تھا اُس کی وجہ سے عیش و آرام بڑھتا جاتا تھا اور چینی اس موقع سے فائدہ اٹھا کے اس عیش و آرام میں شریک بن گئے۔ تیمور اور اُس کے جانشین مشالی "احمق" نہیں رہے، مگر اب وہ صرف محل کی روزمرّہ زندگی کے پابند ہو کر رہ گئے۔ یوآن دَور میں مصوّروں کا صوفیانہ پن زائل نہ ہُوا۔
مصوّر کے فن کا بھی رخ بدل گیا۔

لیکن ایک نئی حقیقت نگاری کا آغاز ہُوا اور جوگیوں اور شہنشاہوں کی بعض بڑی اچھی شبیہیں اور خانہ بدوش زندگی کی حرکت اور جوشِ حیات سے بھری ہوئی تصویریں بنائی جانے لگیں۔ ٹانگ کے عہد کی صحت مند مصوّری کی طرح اب پھر مصوّر کے مُوقلم سے اسپ دواں کو تصویر کا موضوع بنایا اور تصویری شکلوں میں وسطِ ایشیا کے بُدھ مت کا اثر نمودار ہونے لگا۔

اُن میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی بڑی اہلیت تھی، لیکن جبلّی طور پر مغل اپنے آپ کو چینی نہ بنا سکے اور نہ چینیوں نے انھیں قبول کیا، نہ وہ مانی لوڑ کے بازنطینی ماحول میں قدرتی طور پر بس سکے۔

چینیوں نے ان کی تین خطائیں کبھی نہ معاف کیں۔ تبّت کے لاماؤں کی سرپرستی، اعلیٰ عہدوں پر اجنبیوں کا تقرر اور مغل معیشت کا زوال۔ تیمور کے جنرل تُرک اور تنگوت تھے، اس کے انجنیئر النغوری اور شامی تھے۔ اُس کے سربرآوردہ تجّار عرب اور اطالوی تھے۔

کاغذی سکّے کی قیمت دوبارہ گری اور کم کر دی گئی اور محصول بڑھا دیا گیا۔ اِس سے عوام پھر نچوڑے جانے لگے۔ کیوں کہ عہدہ دار اپنا بار ہلکا کرنے کے لیے عوام سے پیسہ نچوڑتے تھے۔ جنوب میں پھر قحط کے آثار نمودار ہوئے طغیانیوں نے گھر ویران کرنے شروع کیے۔ بیرونی اضلاع میں پناہ گزین اور باغی اس طرح بسنے لگے جیسے ٹڈّی دل۔

تیمور کے جانشینوں میں قبلائی اور تیمور کی سی قوّتِ عمل نہ تھی۔ شاہی فوج سرحد کی چوکیوں میں منتشر تھی۔ بیرونی دشت کے رہنے والے مخالف تھے۔ خاندانِ زریں کی بے شمار شاخوں کے نام لیوا اب محض شاہی وظیفہ خوار بن کر رہ گئے تھے۔

جنوب کے زرخیز علاقے میں بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہُوا۔ جو خاقان برسرِ حکومت تھا، اس نے دریائے یانگ تسی کے کنارے مورچے باندھنے کا حکم دیا، لیکن باغی دریا کو پار کر چکے تھے۔ جنوب میں بغاوت کے سرغنوں کو امن پھیلانے میں کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ اِن میں سے ایک سردار ایک مزدور کا بیٹا تھا اور خود راہب تھا۔ حسبِ معمول چین کے غریب کسان مالِ غنیمت کی توقع میں نئے سردار کے ساتھ ہو گئے اور باغیوں کو صاف نظر آنے لگا کہ اب مغلوں کا جُوا اُتار پھینکنے کا وقت آگیا ہے۔

محلوں کی سازش کی وجہ سے خاقانوں کی فطرت بدل گئی تھی، وہ پھر سے مغلوں کی دھاک نہ قائم کر سکے۔ اُن میں سے ایک نے مہاتما بدھ کی یادگار میں ایک جشن منعقد کیا جس میں مطرب اور رقاصائیں جمع تھیں اور محل کی ایک جھیل میں ایک ایسی کشتی بنوائی جس کی اژدر دیو کی جیسی دُم اور ویسا ہی سر تھا اور باغیوں کی جنگ کا سلسلہ جاری تھا۔

چینیوں نے اس ضرب المثل کو دُہرانا شروع کیا کہ "وحشیوں کا نصیب یہ ہے کہ متمدن قوم کی اطاعت کریں نہ یہ کہ اُس پر حکومت کریں۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ چینی شہریوں نے مسلح ہو کے یون نان سے لے کر منچوریا تک سارے ملک میں غلبہ حاصل کر لیا۔ اب انھیں دشت کے خانہ بدوشوں سے مدافعت کی جنگ کرنے کی حاجت نہ رہی تھی۔

جب آخری خاقان کے مغل افسروں نے کہا کہ ٹائی ٹو کے بچانے کا وقت آ گیا ہے، جو قبلائی کا شہر ہے تو یہ آخری خاقان شہر سے بچ کے نکل گیا اور چراگاہوں میں جا کے پناہ لی۔ راستے میں اس نے ایک "شہر آشوب" موزوں کی جس کے کچھ بیتوں کے معنی یہ ہیں:-

"اے میرے عظیم شہر ٹائی ٹو
اے شانگ تو کے تازہ گرمائی محل، شانگ تو کی سبز چراگاہ جہاں میرے آباؤ اجداد خوشی سے حکومت کرتے تھے
میرے مقدس شہر ٹائی ٹو، جسے قبلائی کی طاقت نے عجیب بنا دیا تھا
دائمی عشرت کدہ۔ جہاں جاڑے کی سختی اور گرمیوں کی گرمی سے پناہ ملتی تھی
اور تم میرے اُمراء اور مصاحب، جنھوں نے ہر بات میں وفاداری کی
میری سیدھی سادی اور پیاری رعایا
اور وہ جو میرے لیے سب کچھ تھے، مجھ سے ہمیشہ کے لیے چھن گئے۔"

چین کے نئے شاہی خاندان کا نام "منگ" رکھا گیا ہے جس کے معنی ہیں "روشن"۔ یہ ۱۳۷۰ء کا ذکر ہے۔ ایک پشت کے عرصے میں منگ خاندان کی فوجوں نے دشت پر حملہ کیا۔ قراقورم کو فتح کر لیا اور جھیل بویار کے کنارے مغلوں کو شکستِ فاش دی اور باقی ماندہ مغلوں کو کیرولان ندی کے اس پار دھکیل دیا۔

ایشیا میں بھی، شاید ہی کہیں ایسا انقلابِ عظیم آیا ہو۔ منگ خاندان کی پیش پیش فوجوں نے، جن کی جنگی تربیت مغلوں کے اصول پر ہوئی تھی، ریگستان کی سرحد کو خونیں غسل سے صاف کر دیا اور مغل قبیلوں کے بچے کھچے عناصر

کو گوبی کے بہت پار دھکیل دیا، جہاں ان پر دوسری طرف سے چغتائی اور اویرات جمعیتوں کا دباؤ بھی پڑ رہا تھا۔ ان میں سے چغتائی اسلام پر ایمان لا چکے تھے۔

اب وہ بات پیش آئی جس کا چنگیز خاں کو اندیشہ تھا۔ ان کا رہنما کوئی نہ تھا، ان کے لیے متمدن دنیا کی سرحدیں بند ہو چکی تھیں۔ اس لیے باقی ماندہ قبیلوں میں پھر سے زندگی بخش چراگاہوں پر قبضے کے لیے باہمی کش مکش شروع ہو گئی۔ اب پھر ان کی املاک میں سے صرف مویشیوں کے گلّے اور نمدے کے خیمے باقی رہ گئے۔

چینی سرحدوں نے دیوارِ چین کے پار کے علاقوں اور پانچ شہروں کے اطراف کے خیابانوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ انھیں اب قبیلوں کو آپس میں لڑانے کا موقع مل گیا۔ دو صدیوں تک قبائل کی یہ خانہ جنگی جاری رہی۔

اِس کے متعلق مورخوں میں بہت اختلافِ رائے ہے کہ منگ خاندان کے دور میں چین پر مغلوں کی فتح کا کس قدر اثر باقی رہا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ مغلوں ہی کی وجہ سے چین پھیل کر وہ بڑی سلطنت بن گیا جس کا رتبہ بیسویں صدی تک وہی رہا۔ مغلوں ہی کے اثر سے اِس نئی سلطنت کا ربط جنوبی اور وسط ایشیا سے بہت بڑھ گیا۔ یوآن عہد کی بھاری تجارت کا سلسلہ منگ عہد میں جاری رہا۔

اِس کے علاوہ مغلوں نے عدالتوں اور مدرسوں کے دروازے تمام زبانوں اور تمام مذاہب کے لیے کھول دیے تھے، خاص طور پر اہلِ تبت اور بدھ مت کے پیروؤں کے لیے۔ ایرانی، ترک، اطالوی اور ایغور منچلے وزیروں سے واسطہ پڑنے کی وجہ سے چینی طرزِ فکر پر بڑا اثر پڑا۔ کچھ عرصہ تک منگ شہنشاہ، جو خاقانوں کے تخت کے وارث بن بیٹھے تھے ایشیا کے اور بہت بڑے حصّے کی بادشاہت کا دعویٰ کرتے رہے۔

قدرتی طور پر اجنبیوں اور اجنبی فکر و خیال کے خلاف ایک بڑا سخت ردِعمل شروع ہوا۔ اہلِ تبت اور نسطوری مبلغوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ مغلوں کی یورش کی وجہ سے چین میں ایک نئی قوتِ حیات سرایت کر گئی۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ مغل فتوحات کی وجہ سے چینیوں کی روحِ تمدن خستہ ہو گئی اور جب منگ خاندان کے عہد میں اس کا دوبارہ احیا ہوا تو یہ محتاط اور کمزور ہو گئی۔ اب پرانے زمانے کا جیتا جاگتا چین مقلد بن گیا۔ اسے ہر وقت نئی یورشوں کا خوف رہتا اور خاص طور پر اُسے اہلِ یورپ سے خدشہ تھا جو جہازوں پر اُس کے ساحلوں تک پہنچ رہے تھے۔

پہلے کی طرح تمدن کے مرکزوں کی زندگی پر جمود طاری ہونے لگا۔ مزدوروں کو آرام کا موقع نہ ملتا تھا، کسانوں کو وقت اور موسم سے پناہ نہ ملتی تھی اور دیوارِ چین کے اُس پار خانہ بدوش جنھوں نے رفتہ رفتہ کچھ آزادی حاصل کر لی تھی، پھر سے جسمانی طور پر قوی اور توانا ہونے لگے۔

پھر ایک بار آلتائی کے علاقے اور جھیل بیکال کے قبیلے دنیا سے الگ تھلگ ہو گئے۔ اب پھر وہ اپنے جانوروں کے گوشت اور دودھ پر زندگی گزارنے پر مجبور تھے اور چینی تاجروں سے غذا کے عوض سامان خریدتے۔ ان کی تعداد کم ہونے لگی کیوں کہ اب پھر وہ بنجر زمینوں کی سختیوں کا شکار رہتے جا رہے تھے۔ اب اگر وہ ہجرت بھی کرتے تو بہت ہی چھوٹے پیمانے پر، جدھر پانی ہوتا اُدھر، یا اگر برف گرتی تو نیچے کی طرف۔

ان کے ایک آدھ سردار —— مثلاً آلتان خان —— نے دیوارِ چین کے اندر دھاوا بھی کیا، لیکن پھر کبھی وہ متحد نہ ہو سکے اور خانہ بدوش "اُلُسوں" میں بٹ گئے۔

انھوں نے بدھمت کا ہلکا سا اثر قبول کر لیا تھا، اس لیے وہ مغربی قبیلوں سے بالکل الگ ہو گئے، جو پچھے مسلمان بن چکے تھے، لیکن لاما گھروں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی جن کی وجہ سے ان کو تشویش تھی۔ ایک چینی نے ان کے حالات دیکھ کے اپنی سرکار کو یہ اطلاع بھیجی "بدھمت کے احکام یہ ہیں کہ خون نہ بہایا جائے اور کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اس لیے اِس مت کو خانہ بدوشوں میں فروغ دینا چاہیے۔"

اِس درمیان میں سمندری راستوں کی دریافت کی وجہ سے تجارت کا رُخ بدل گیا اور قافلوں کے راستے ویران ہو گئے۔ پانچوں شہروں کے درمیان جو راستے تھے، اب وہ محض شہروں کے درمیانی راستے رہ گئے اور گوبی کی بڑھتی ہوئی ریت نے نیم ویران شاہراہوں والے شہروں کا نام و نشان مٹانا شروع کیا۔

خاندانِ زرّیں کے نام لیوا نوئینوں نے چنگیز خاں کا نام اور روایات زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ وہ اپنی فتوحات کا زمانہ نہ بھولے تھے۔ بعض مغل بہار کے موسم میں اُس وادی کی زیارت کرتے جہاں خاندانِ زرّیں کی قبریں تھیں، مگر اب اِن قبروں کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔

خانہ بدوش اب قبلائی کے زمانے کی کتابیں نہ پڑھتے تھے۔ ان کی زندگی بغیر کسی تبدیلی کے گزرتی جا رہی تھی۔

اِن صدیوں میں وسطِ ایشیا سے دُور آتشیں اسلحہ کو ترقی دی جا رہی تھی اور چھاپے کی مشینوں کی تکمیل کی جا رہی تھی۔ دشت تک نہ توپ خانے پہنچے نہ کتابیں۔ خانہ بدوشوں کی زندگی ان کے بغیر بھی مکمل تھی۔

خانہ بدوش جو اپنی آزادی کی قدر کرتا تھا اپنے آپ کو شہری سے افضل سمجھتا تھا جسے کام کاج سے فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ سان سے تو وہ اپنے آپ کو بہت برتر سمجھتا تھا جو اپنے کھیت چھوڑ کے کہیں نہ جا سکتا۔ اب بھی خانہ بدوش کو اپنے بال دار ٹٹو پہ ار ہو کے چراگاہوں کی سیر کرنے اور ہاتھ پر شہباز لیے پھرنے میں مزا آتا تھا۔ اس کے نزدیک توڑے دار بندوق بھونڈی چیز تھی —— اور کتاب، جس کا پڑھنا بڑا خشک سا کام تھا، بالکل بےکار تھی۔

لیکن اس کی نظر سے اوجھل ایک تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ تیر انداز شہسوار کی برتری کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ خانہ بدوش میں مانی سختیاں جھیلنے کی جو صلاحیت تھی وہ بندوق کے سامنے بےکار تھی۔ اس کا تیز رہوار توپ خانے اور برق انداز فیصلوں ے آگے بےکار تھا۔

پہلی مرتبہ اور ہمیشہ کے لیے طاقت کا عصا خانہ بدوش کے ہاتھ سے نکل کے متمدن آدمی کے ہاتھ میں منتقل ہا تھا۔

ایران کی سرگزشت

جو کشتی پولو خاندان کو سمندروں میں لیے جا رہی تھی، ایک مرتبہ سے زیادہ قعرِ مصیبت میں گرفتار ہوئی۔ اس نے یب عجیب ساحلوں پر برسات کے گزر جانے کا انتظار کیا۔ سماٹرا اور سیلون میں اسے بہت دیر لگ گئی۔ سینکڑوں آدمی اس پر سوار تھے ان میں سے صرف اٹھارہ، دو سال کے سفر کے بعد خلیج فارس پہنچ سکے، لیکن پولو خاندان اور شہزادی کاچین جو ان کو پسند کرنے لگی تھی، زندہ بچ گئے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ مارکو پولو سے جدا ہوتے وقت وہ بہت روئی۔ د میسر مارکو پولو نے اُس سفر کا اور ختا کی شہزادی کی حفاظت کا قصہ تحریر نہیں کیا۔ اُس نے اُسے ایل خانوں کے بار میں پہنچایا اور چونکہ اِس سفر کے دوران میں ارغون کا انتقال ہو گیا تھا اِس لیے اس کی شادی خاندان سے وئی جو مقابلتہً کم عمر تھا۔

غازان جو قد و قامت کے لحاظ سے معمولی آدمی تھا، وہ طاقت بن گیا جس نے ایران کو چین کی بالادستی سے آزاد رایا۔ شاہی خاندان میں وہ فردِ واحد تھا جس نے حکم دیا کہ اُس کے علاقے میں کاغذی سکّہ نہ چلے گا۔ اُس نے ڈھکے چھپے جواب دیا "یہاں کا موسم بہت نم ہے یہاں کاغذ نہیں چل سکتا۔" اُس نے بینک کے نوٹ اور چھاپے کے کارخانے جو اُس کے پاس بھیجے گئے تھے، جلا دیے۔

جب غازان، جو چوتھا ایل خاں بنا تو اُس نے اپنے سکّوں پر ختا کے خاقان کا نام کندہ نہ کرایا۔ وہ بڑا ذہین آدمی

تھا اور یہ سمجھ گیا کہ خاندانِ زرّیں کی سرداری کا زمانہ گزر گیا اور یہ کہ مغلوں کی فوجی طاقت گزری ہوئی بات ہے۔ اُس نے اس لیے بڑی کوشش کی کہ مغل سلطنتوں کو آپس میں ملایا جائے اور اُسے اس حد تک کامیابی ہوئی کہ اس کے جانشین نے لکھا ہے کہ خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

غازان نے اسلام قبول کر لیا۔ اُس نے ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اُسے حکمت اور سائنس کا شوق تھا اور نباتات، کیمیا اور فولاد سازی کا ماہر تھا اور اُسے فوجی تماشے یا حکومت میں نت نئے تجربے پسند نہ تھے۔ وہ امن سے [illegible] کرنا چاہتا تھا۔ قافلوں کی تجارت کو فروغ دینا چاہتا تھا حالانکہ ہلاکو کے قدم بہ قدم وہ اپنی فوج کو شام میں حلب کے اُس پار لے گیا اور مملوکوں کو مصر میں پسپا کر دیا۔

اس یلغار میں اُسے صلیبی کہیں نظر نہ آئے جنھیں ارضِ مقدس میں ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا گیا تھا۔ رشید الدین نے اُس کے متعلق لکھا ہے اُس نے تمدن کو مٹانے کے بجائے ایک نئی تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ رشید الدین نے اُس کی تعریف اس وجہ سے بھی کی ہے کہ اب وہ ایل خاں کا وزیر بن چکا تھا اور تبریز میں چینی اور مغل منشیوں کے ساتھ چنگیز خاں کے خاندان کی طویل تاریخ لکھ رہا تھا جس کا نام اُس نے جامع التواریخ رکھا ہے اور جس کے کچھ حصوں کا ترجمہ کر کے ہم نے اِس کتاب میں شامل کیا ہے۔

رشید، ایک ایرانی حکیم تھا۔ وہ "کتاب زرّیں" چنگیز خاں کے خاندان کے راز کی تاریخ جو شرق میں بہ حفاظت خانقاہوں میں پوشیدہ تھی، اُس کی دسترس سے باہر تھی، لیکن اُس کے ساتھ ایک بوڑھا مغل پولاد چنگ سانگ تھا جس کے ذہن میں مغلوں کا شجرۂ نسب ثبت تھا اور خود غازان پولاد کے بعد مغلوں کے شاہنامے سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔

غازان تبریز کے پہاڑوں میں محل اور باغ بنوا رہا تھا لیکن اُسے سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ ایک مستحکم سلطنت کی بنیاد ڈال جائے۔ اُس نے ہتھیاروں سے لڑنے بھڑنے کی ممانعت کر دی۔ اُس کے امراء کو اجازت نہ تھی کہ وہ کسانوں کی املاک ضبط کر سکیں۔ ان سے اُس نے کہا کہ "میں جانتا ہوں تم لوٹ مار کرنا چاہتے ہو، مگر جب تم کسانوں کے مویشی ہنکا لے جاؤ گے اور اُن کی فصلیں لوٹ چکو گے تو اس کے بعد کیا کھاؤ گے؟ تم میرے پاس روزی طلب کرنے آؤ گے ——— اور میں تمھیں سزا دوں گا۔"

غازان کی طبیعت میں ولولہ تھا اور اس کا رجحان عملی تھا۔ فتوحات میں اُسے کوئی فائدہ نظر نہ آتا تھا۔ وہ خاندانِ زرّیں کی ناکامیوں سے سبق حاصل کرتا تھا۔ اُس نے اپنے علاقے کو آب پاشی کے ذریعے زرخیز بنانے کی کوشش

وہ زمین کی زرخیزی کے تناسب سے محاصل عائد کرتا۔ ان ساری مساعی میں وہ اپنے زمانے سے بہت آگے تھا۔ اُس
ت کے بعد مزاحمین کا کوئی آسرا نہ رہا۔

اُس کے جانشینوں نے تن آسانی کا یہ راستہ ڈھونڈھ لیا کہ نظم و نسق وزیروں کو سونپ دیا اور خود سیر و شکار میں
نے لگے۔ انھوں نے ہوشیار مصوّروں کو نوکر رکھا۔ ان مصوروں نے اُن چینیوں سے بہت کچھ سیکھا جو مغلوں کے ساتھ آئے تھے اور اس طرح ایرانی مصوّری کا آغاز ہوا جس کی اصلی بنیاد چینی ہے۔

ایل خانی خود موسیقی کے ماہر تھے، انھوں نے مغنّیوں کی ہمت افزائی کی اور موسیقی کے مقابلے منعقد کرنے شروع
۔ وہ اپنے باغوں میں شان و شوکت پیدا کرنی چاہتے تھے، اس لیے پچی کاری کی اینٹیں بنانے والوں کو دل کھول کے
م دیتے۔ ریشے کے بنے ہوئے نازک اور نادر ظروف ان کی میزوں پر سجے ہوتے۔ زندہ دلی سے انھوں نے
ہ کی سرپرستی شروع کی۔

دو پشتوں کے بعد اِن ایل خانیوں کے جانشین شاعروں کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہو گئے اور ان کے ساتھ زندگی کا
حاصل کرتے۔ چنانچہ جب تیمور لنگ شمال کے پہاڑوں سے نازل ہوا تو اُس نے دیکھا کہ ایران سے ہلاکو خاں کا نام و نشان
چکا ہے اور حافظ شیرازی کا راج ہے۔

تاریخ کی ستم ظریفی یہ ہے کہ جنوب مغرب میں ہلاکو خاں کے خاندان نے انھیں عناصر کو فروغ دیا، جن کو تباہ و
اج کرنے کے لیے ہلاکو خاں قراقرم سے آیا تھا ——— یعنی مذہب اسلام، ایرانیوں کی زرعی زندگی اور ایرانی
ن کی پرانی میراث۔

اسی میراث نے ایران کو ہمیشہ زندہ رکھا۔ ماضی بعید میں ایرانی تمدن یونانی فن کاری سے مربوط تھا اور سکندرِ اعظم
وحشی مقدونی یا وسطِ ایشیا کے ترک یا خود مغل اس تمدن کو مٹا نہ سکے۔ یہ تمدن اپنے بادشاہوں کے انحطاط اور
کے غسلِ خونیں کے بعد بھی باقی رہا۔ شاہ عباس صفوی کے زمانے میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچا۔ آج یہ خاص ایرانی
نقش ہے اور اس کی تحویل اُس فوجی گروہ کے ہاتھ میں ہے جن کے سرگروہ اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی ہیں اور
ی یہ ایرانی قوم کا مایۂ امتیاز ہے۔ مجموعی طور پر ایرانی یا کسان ہوتے ہیں یا عالم و فاضل۔ آج بھی وہ اپنے دشت
لزاروں میں سعدی و حافظ کا کلام پڑھتے ہیں۔

تُرکوں کے کارنامے

مغل ایل خانوں نے سلجوقی ترکوں کو ایشیائے کوچک میں دھکیل دیا تھا۔ ان کے ساتھ بہت سے پناہ گزین ترک قبیلے آملے۔ غازان کے عہد میں بحیرۂ اسود ترکوں کا نقطۂ اتصال بن چکا تھا جب صلیبیوں کے قلعوں یا بڑے بڑے مغل عساکر کی روک ٹوک کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ترکوں نے نئی سرحدوں کا رُخ کیا جو ایل خانوں کی سلطنت سے دُور دُور تھیں۔ ان کی یہ ہجرت قسطنطنیہ کا حلقہ بناتی ہوئی بلقان کے کہساروں میں پھیل گئی اور بالآخر وی آنا کے دروازوں تک جا پہنچی۔ لیکن یہ لوگ جو عثمانی ترک تھے اپنی آبائی روش پر قائم تھے۔ اب بھی وہ اپنے آپ کو شہسوار سمجھتے تھے جن کی رعایا میں اور بہت سی قومیں شامل تھیں سلیمانِ عالی شان ایک خالص ایشیائی تھا جو یورپ پر حکومت کر رہا تھا۔

وآج ترکوں کا علاقہ اثر پھر ایشیائے کوچک کی حد تک محدود ہو گیا ہے، لیکن ان کی عسکری صفات اور ان کی بنیادی روایات ویسی ہی باقی ہیں۔ کمال اتاترک کی سرکردگی میں انھوں نے اپنے ماضی کے نشانات بھورے بھیڑیے اور دستانہ کے آہنگر کو پھر سے تازہ کیا ہے۔ یہ آہنگر دراصل قبائلی یاد کی نشانی ہے کہ تاریخ کے آغاز میں انھوں نے اپنی غلامانہ زندگی کا اس طرح خاتمہ کیا کہ جن پہاڑوں میں وہ گھرے ہوئے تھے اُن سے لوہا کھود کھود کے ہتھیار بنائے۔ ترک بزرگ اس آہنگر کا معجزہ کمال اتاترک میں دیکھتے ہیں۔[1]

ایرانیوں کی طرح جدید ترک بھی اسی طرح کی زندگی گزار رہے ہیں جو اُن کی قومی فطرت کے لیے موزوں ہے۔

---

[1] بھورے بھیڑیے اور آہنگر کی تصویریں ترکیہ کے نئے ملک کے ٹکٹوں پر نظر آتی ہیں ۱۹۲۳ء میں جب میں نے استنبول کا سفر کیا تھا تو مجھ سے مشورہ کیا گیا اس زمانے میں اوقاف میوزیم کے سامی بے کی زیر نگرانی اس کی کوشش کی جا رہی تھی کہ نئی جمہوریۂ ترکیہ کے نشان کے لیے ایک خاکہ تیار کیا جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس خاکے میں بھورے بھیڑیے کے سر، عصا، آہنگر اور کمال پاشا کی تصویریں ساتھ ساتھ شامل کی جائیں۔ ایسا خاکہ تیار کرنا بہت مشکل تھا۔

جب میں دوبارہ استنبول گیا تو میں نے دیکھا کہ استنبول کے اخبار بالاقساط میری لکھی ہوئی چنگیز خان اور تیمور کی سوانح عمریاں چھاپ رہے ہیں۔ آخری سوانح عمری کے ساتھ یہ ہدایت چھپتی "ہر ترک کے لیے ضروری ہے کہ تیمور لنگ کی یہ سوانح عمری پڑھے۔ حکومت اس کی کوشش کر رہی تھی کہ اپنی ماضی کی تاریخ سے واقف ہو جائیں۔ (ہیرلڈ لیم)

وسط ایشیا

۱۳۰۶ء میں قائدو کے مرنے کے بعد وسط ایشیا کا وہی حشر ہوا جو ایران کا غازان کی موت کے بعد ہوا۔ مغلوں میں وہ شخصیت باقی نہ رہی جس کی ذات سے ان کا باہمی ربط قائم تھا۔ قائدو اوغدائی کے خاندان کا آخری سچا مغل تھا۔ وہ شدت سے یاسائے چنگیزی کی پابندی کرتا تھا۔ مورخوں کے بیان کے مطابق اس نے ... لڑائیاں لڑیں ــــــــ اور قراقورم کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش میں سواری کرتے ہیں مارا گیا۔

... وہ ایک پشت پہلے پیدا ہوا ہوتا تو وہ خاندانِ زریں کو ایک رشتے میں پرو سکتا۔ لیکن اس کے عہد میں قبلائی ... غلبہ حاصل کر چکا تھا اور دوسری شاخوں نے اسلامی اور ایرانی اثر قبول کر لیا تھا۔ انھیں خانہ بدوشوں کی سلطنت ... معلوم ہوتی تھی۔

... قائدو نے چغتائی خاندان کی حکومت وسط ایشیا میں باقی رکھی اور اس کی قوم اس کے بعد چغتائی ترک ... لی۔

... اس کے جانشین چھاپوں اور لُوٹ کی پرانی قبائلی زندگی بسر کرنے لگے۔ وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ باہر کہیں اور ... سکتے اس لیے اپنے ہی شہروں مثلاً کاشغر اور بخارا کو بار بار لُوٹتے رہتے۔

... قائدو کی موت سے بیرونی دنیا کو بہرحال ایک فائدہ پہنچا۔ وہ اس خاندان کا آخری فرد تھا جو ساری دنیا کو فتح کرنے کے ... لیتا تھا جب وہ مر گیا تو اوغدائی کے خاندان اور تولوئی کے خاندان کی باہمی رقابت کا خاتمہ ہو گیا اور مغل ... نے اس خیالی مرکزی عالمگیر حکومت کے لیے آپس میں لڑنا جھگڑنا چھوڑ دیا جو اب محض ایک خواب و خیال ...

... اس کی وجہ سے صلح ہو گئی۔ ۱۳۰۱ء سے ۱۳۳۹ء کے عرصے میں مغلوں کی خود مختار حکومتوں کی خانہ جنگی گھٹ ... شاذ و نادر لُوٹ مار کا کوئی واقعہ آپس میں پیش آ جاتا۔

... اب پھر ایشیا اور مشرقی یورپ میں خانہ بدوشوں کا امن پھیل گیا۔ قافلوں کے راستے کھل گئے۔ مغلوں کی رواداری ... ت دوسرے مذہبوں کے پیرو بلاتعرض عبادت کرتے۔ یہ رعایت تمام رعایا کے لیے عام تھی۔

یہ عالمگیر صلح مغلوں کی حکومت کی انتہائی پختگی کا زمانہ تھا۔ سب سے زیادہ اسے غازان نے فروغ دیا۔ اُس نے ... کا مطالبہ کیا جب ایک دُور کے رشتہ دار تو گائی نے جو اپنی بازنطینی ملکہ اور غلاموں کے ساتھ کریمیا اور

بلقان کے درمیان چکّر کاٹا کرتا اُسے دعوت دی کہ میرے ساتھ مل کر طاقت ور زرّیں خیل کو شمال کی طرف مار بھگاؤ۔ غا
نے صاف انکار کر دیا۔ نوگائی نے پیش کش کی کہ جوچی کے خاندان کو نکال باہر کرنے کے بعد وہ لنگا کے علاقے کو آپس میں
لیں گے۔ پھر بھی غازان نے انکار کر دیا۔

اُس نے بڈھے نوگائی کی یاد دہانی کی: "چنگیز خاں کا فرمان یہ ہے کہ مغل قوم آپس میں نہ لڑے۔"

اگر غازان خانہ جنگی میں شریک ہو جاتا تو روس کے مستقبل پر اس کا فیصلہ کن اثر پڑتا کیونکہ اس کی وجہ
غلام ملک کے کاندھوں سے تاتاریوں کا جُوا اتر جاتا۔

ہُوا یہ کہ دشت میں آزمودہ کار نوگائی نے تاتار اِن زریں خیل سے شکست کھائی اور مارا گیا۔ چودھویں
کے مغلوں کے جنگ پسند عنصر کا، نوگائی آخری نمائندہ تھا۔

شکست کے بعد نوگائی کے بیٹے اور اس کے حامی کریمیا کے اطراف کے دشت میں لوٹ آئے۔ یہاں وہ
پر بود و باش کرتے رہے اور فی الوقت وینس اور جینوآ کے تاجروں کو اپنی بندرگاہوں میں تجارت کی اجازت
یہ لوگ نوگائی یا کرم تاتار کہلانے لگے۔ چار صدیوں تک انھوں نے اس عجیب جزیرہ نما پر حکومت کی جو
کا ملجا و ماویٰ تھا۔

۱۳۰۱ء سے ۱۳۳۹ء تک جو صلح کا دور رہا وہ مغل خوانین کے مقابلے میں یورپ کے لیے زیادہ مبارک
ہوا۔ اس زمانے میں مارکو پولو کی واپسی کے بعد پاپائے روم کی کونسل نے مشرق کی غیر معمولی اہمیت کو محسوس کیا
سے عیسائی مبلغ ایشیا بھیجے گئے۔ یہ زمانہ مبلغوں کا دور ہے۔ اہلِ مغرب آنکھیں کھول کے مشرق کی طرف
رہے تھے۔

اس کے علاوہ دو دشتوں سے تاجروں کو مشرق کے سفر کی آزادی ملی تھی مصالحوں، کاغذ، موتیوں
نازک پارچہ جات کی تجارت کو فروغ ہونے لگا۔ ۱۳۲۵ء میں ہم دیکھتے ہیں کہ جینوا کا ایک شخص ساوی نیا زم
کریمیا کے درمیان سفیر اور تاجر کی حیثیت سے آ جا رہا ہے۔ سیلون کا سامان خلیج فارس کے راستے آنے لگا
جاوا اور سماٹرا آنے جانے لگے —— جہاں قبلائی نے فوجی مہم بھیجی تھی۔ ایک شخص نے جس کا نام
تھا اور جو فلارنس کے امیر بادری گھرانے اور انگلستان کے شاہ ایڈورڈ کا نمائندہ تھا ۱۳۳۵ء سے ۱۳۴۳ء
عرصے میں تاجروں کے لیے ایک کتاب "رہبر تجارت" لکھی جس میں اُس نے اس کی تصدیق کی کہ "اگر تم تانا
شی کی بندرگاہ) سے لے کر ختا تک رات کو بھی سفر کرو گے تو سڑک کو محفوظ پاؤ گے۔ یہ اُن

جنھوں نے اس سڑک پر سفر کیا ہے۔"

یہ صلح بہت دیر تک باقی نہ رہی۔ ابھی میسر فرانچسکو نے اپنی کتاب مکمل بھی نہ کی تھی کہ قافلوں کے راستے اس قدر
ہے۔ چغتائی تُرکوں کے قبیلے بچے مسلمان بنتے جا رہے تھے۔ ۱۳۳۹ء میں انھوں نے المالیک کے عیسائی
م کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مغلوں کی سرزمین میں مذہب کے معاملے میں رواداری ختم کر دی گئی تھی۔ پھر ۱۳۶۸ء
چینیوں نے قبلائی کے جانشین کو نکال باہر کیا تو چین میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی ممانعت کر دی گئی
وں کو نکال باہر کیا گیا۔

ترا عظم کے پار گزرنے والی مغلوں کی بنائی ہوئی شاہراہیں ویران ہونے لگیں اور چغتائی قبیلے اِن تجارتی گزرگاہوں
گئے۔

وہ ان وادیوں سے مجبوراً ہٹ گئے، جو پہلے شاداب ہوا کرتی تھیں۔ طویل خانہ جنگی کے زمانے میں زیادہ تر
پیشہ سپہ گری تھا۔ وادیوں میں زراعت اور آب پاشی کا کام عورتوں اور کمزور مردوں کے ذمے آ پڑا، جو
نت نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے قبیلے جو اب بھی باہم متحد تھے، ہٹ کے ان پہاڑوں میں جا بسے جہاں قدرتی
نیں اور برف زاروں سے وافر پانی کے چشمے اُبلتے تھے۔

اس ہجرت اور کاروانوں کے راستوں کے انحطاط کی وجہ سے وسط ایشیا کے شہروں پر جمود طاری ہو گیا۔ شہر
نے لگے اور گوبی کے کنارے بڑھتی ہوئی ریت نے شہروں پر حملہ کر دیا۔ خاص طور پر پانچ شہروں کے علاقے میں
وں کا پانی خشک ہو چلا تھا اور کئی جگہ کاروانوں کے شہر نیم ویران ہو گئے اور تباہ ہونے لگے۔ ایشیا کا یہ
ستان کہلانے لگا اور ایک مسافر اس کے متعلق لکھتا ہے: "یہ اب ترکستان ہیں دور دور تک بجز ویرانوں کے
ہی نظر آتا ہے۔ دور سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شہر آباد ہے جس کے اطراف زرخیز کھیت ہیں۔ قریب
م ہوتا ہے کہ مکان خالی پڑے ہیں اور کھیتوں میں گھاس اُگ آئی ہے۔ کہیں آبادی نظر نہیں آتی کیوں کہ یہاں
انہ بدوش ہیں اور کہیں رہتے ہیں اور زراعت نہیں کرتے۔"

یسے ترکستان سے، جہاں شہروں اور پرانی یادوں کے آسیب بستے تھے تیمور لنگ نے خروج کیا۔
نگ تھا، منگلا جنگ جو اور ذات کا سپاہی۔ چودھویں صدی کے وسط میں اپنے حملوں سے اُس نے
ترکوں اور حکومت کا خاتمہ کر دیا جس نے ایک صدی سے ایشیا کو غلام بنا رکھا تھا۔

ذات کا سپاہی ـــــــ تیمور لنگ ۱۳۳۶ء تا ۱۴۰۵ء

تیمور لنگ جس نے ایشیا کی فتح کا خواب دیکھا ترکوں کے برلاس قبیلے سے تھا۔ چونکہ وہ خود چنگیز خان
نسل سے نہ تھا اس لیے وہ اِس سلطنت کے وارث ہونے کا دعویٰ نہ کر سکتا تھا۔ بجائے اِس کے اُس نے
الفرہ تک کئی دارالحکومتوں میں ایسے اشخاص کو شاہِ شطرنج بنا کے بٹھا دیا جو کسی نہ کسی طرح چنگیز خان
سے تھے۔ اپنے لیے صرف اس نے امیر القدر کا لقب اختیار کیا۔ وہ جنگی فتوحات کا جویا تھا اور غالباً
مقدونی کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں اور کسی فاتح کو اپنی زندگی میں اِس مقصد میں اِس قدر کامیابی نہ ہوئی

وہ ہر لحاظ سے ایشیا کا نپولین تھا۔ جسمانی اعتبار سے وہ بھاری بھرکم نہ تھا۔ عنفوانِ شباب کے ایک زخم
سے وہ ساری عمر لنگڑا کر چلتا رہا اور محض اپنی بے حد و کنار قوتِ ارادی کی وجہ سے اس نے برابر کامیابی حاصل کی
کی طرح اُس کی ابتدائی فوج غیر منظم گروہوں پر مشتمل تھی، جن کی آبادی مضبوط دشمنوں سے گھری ہوئی تھی۔ اُس عہد
ترکوں میں منگولوں کے دَور کی عسکری جبلت باقی تھی۔ تیمور لنگ میں نپولین کی سی ذاتی جاذبیت بھی تھی۔ وہ انبوہ
کو مسحور کر سکتا تھا اور بڑے بڑے مسئلوں کو توجہ سے حل کر سکتا تھا۔ نپولین کی طرح اُس کا حافظہ معمولی سے سوا
باد رکھنے پر قادر رہتا اور اس میں بھی موقع سے پورا فائدہ اٹھانے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ نپولین کی طرح اُس
ایک ایسی فوجی طاقت تیار کی جس کے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہ سکتا تھا۔

جب تیمور لنگ کی یورشوں کا باقاعدہ مطالعہ کیا جائے گا اور ان کی حقیقت کو سمجھا جائے گا تو شاید یہ مان لیا
گا کہ دنیا کی تاریخ میں سوار دستوں کا اس سے بہتر سردار اور کوئی نہیں گزرا۔ اس کی پوری حیات شہسواری کا بے
تھی۔ بلا روک ٹوک اس کی سواری فتح پر فتح حاصل کرتی چلی جا رہی تھی۔ پہلے اس نے چغتائی ترکوں پر غلبہ حا
پھر اس کی سواری دہشت کی سواری بن گئی، وہ جدھر سے گزرتا، کاسۂ سر کے اہرام بناتا چلا جاتا
یہ اہرام اس کی فتوحات کے سنگِ میل تھے۔ کوئی طاقت کوئی قدرتی روک اس کی یلغار کو روک نہ سکتی
یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ایسے زمانے میں پیدا ہوا، جب ایشیائی سوار دنیا کی سب سے سخت
فوجی قوت تھے۔

اُسے ظفر کا راز معلوم تھا۔ وہ تجویزیں بنائے بغیر پیش قدمی کرتا تھا اور اس کے وحشی سواروں

اس جنگی مشقیں نہ کی تھیں۔ نپولین کی طرح وہ بھی کوئی ایک لاکھ فوج ہمیشہ حملے کے لیے تیار رکھتا[1]

اُس کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ وہ اپنی فوجوں کو متحرک رکھتا مگر اس کا انتظار کرتا رہتا کہ دشمن غلطی کرکے اُسے موقع
ے۔ اُسے اپنی قابلیت پر اعتماد تھا اور جب وہ موقع کو مناسب سمجھتا تو اپنے طاقتور دستوں سے کمزور دشمن
حملہ کر دیتا۔ نپولین بھی یہی کیا کرتا تھا۔

نپولین کی طرح تیمور لنگ کی فتوحات بھی اس کی خداداد ذہانت کا نتیجہ تھیں جس طرح نپولین نے دوسرے ملکوں
ارمغانوں سے پیرس کو مالا مال کر دیا، اُسی طرح تیمور لنگ نے ایران و ہند کی دولت سے سمرقند کو از سرِ نو تعمیر

---

[1] تیمور لنگ اپنی لڑائیاں آزمودہ تاتاری سوار فوج کے ذریعے جیتا کرتا۔ یہ فوج بجائے خود یلغار کرتی۔ اس میں اس کے اپنے محفوظ دستے ہوتے
اور تیمور کے قابل ترین امیر اس کی سالاری کرتے۔ یہ بڑی غیر معمولی فوجی طاقت تھی جیسے آجکل کے میدان پر پھیل جانے والے ذخیرے ہوتے ہیں۔
یہ تاتاری فنِ حرب کا ماہر اکثر اپنے میسرے کو روکے رکھتا اور اپنے طاقتور میمنے ہی سے حملہ کرتا۔ ایسی صفائی اور تیزی سے جیسے منگولوں کا
دستور تھا۔ جب میمنہ دشمن کی صفیں توڑ دیتا تب وہ میسرے کو آگے بڑھنے کی اجازت دیتا۔
وہ خود قلبِ فوج کے عقب میں طاقتور محافظ دستوں کی سرکردگی کرتا جن کا کام یہ تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے جہاں ہیں وہیں جمے رہیں۔
اس طرح یہ حصہ فوج کے دونوں بازوؤں کا مرکز بن جاتا۔ جنگ کے خاتمے سے پہلے فوج کا یہ حصہ بہت کم حرکت کرتا۔ اس وقت تک
اس کی بے مثل شہسوار فوج دشمن کو تہ و بالا کر چکی ہوتی۔
تیمور کبھی یہ بھی کرتا تھا کہ ان محافظ دستوں کے مرکز سے میمنہ کے پیچھے پیچھے اپنی پوری فوج کے محاذ کو کاٹ کاٹ کے
آگے بڑھتا۔ اس طرح میسرہ کے قلبِ فوج کے بعد آگے بڑھنے سے اس کی فوج کی ترتیب مستقل تھی۔ ہر دستے اور رسالے
کا مقام اور اس کے فرائض متعین تھے۔
کم سے کم ایک موقع پر ـــ جبکہ اُس نے انقرہ میں عثمانی ترکوں کو بڑی عبرتناک شکست دی ـــ وہ اپنی ساری فوج سمیت
دشمن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور پھر اچانک دشمنوں کی صفوں کے عقب میں نمودار ہوا اور اُس کے پڑاؤ اور سامانِ
رسد پر قبضہ کر لیا۔ ترک فوج نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ تیمور کی فوج سے ربط قائم کرے اور پھر اپنے پڑاؤ کو واپس ہونے
لگی جہاں تیمور ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اس طرح ترک فوج کا نظم و ضبط ٹوٹ گیا۔
تیمور نے چنگیز خان کی ایک چال سیکھی تھی۔ اس زمانے کے عام اصول کے خلاف اس کی صفیں حملے کے وقت بہت گھٹی ہوئی ہوتی تھیں۔
اس طرح مقابلے کے وقت دشمن کے ایک سپاہی کے مقابل اُس کے دو آدمی ہوتے اور ان دستوں کو لڑانا بھی بہت سہل ہو جاتا۔

گیا یہاں تک کہ سمرقند کی جاہ وحشمت کے افسانے یورپ بھر میں گونجنے لگے۔

لیکن یہاں تیمور اور نپولین کی مشابہت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ نپولین کی عظمت کا خاتمہ سینٹ ہیلینا کے زنداں میں ہوا جہاں وہ تھکا ماندہ اپنی لڑائیوں کی وجہ جواز ڈھونڈھتا رہا۔ تیمور لنگ نے کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی۔ جب اُس کا انتقال ہوا تو وہ چین کی فتح کے لیے یلغار کر رہا تھا اور ابھی گوبی کے پار منگ سلطنت کی چوکیوں تک بھی نہ پہنچنے پایا تھا۔ لیکن امیر القدر کی فتوحات بھی فرانسیسی شہنشاہ کی فتوحات کی طرح ناپائدار ثابت ہوئیں۔ دونوں ذاتی کارنامے تھے، دونوں کا انحصار فردِ واحد کی ذاتی استعداد پر تھا۔

جب تیمور لنگ چغتائی خانوں کو مطیع کر چکا اور ایل خانوں کے باقیات پر غلبہ پا چکا تو اس نے زرّیں خیل کو اپنے راستے میں حائل پایا۔

معلوم ہوتا تھا کہ سمرقند کا یہ تیغی، زرّیں خیل کو محض رزم آرائی کی خاطر تباہ کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ اپنی جنگ آزمودہ تاتار فوجوں کے ساتھ اُس نے شمال کی سمت دشت میں یلغار کی تاکہ زرّیں خیل کا اُس کے اپنے غار میں شکار کرے۔ یہ وہ کارنامہ تھا جس کو انجام دینے کی اب تک کسی نے کوئی خاص کوشش نہ کی تھی۔ یہ عظیم الشان فوج کے بانکپن کی یلغار تھی۔ اُس کے اُمراء ریشم کے لبادے اور نو تار زرہ بکتر پہنے "دشتِ گرسنہ" کو پار کر رہے تھے۔ ہر شام افق کی سرخی میں تیمور کے شامیانے کے سامنے جنگی مشقیں کرتے، ان کے لبادے ہوا میں لہراتے، وہ اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے اور شام کا دھندلکا قرنا کے شور سے گونج جاتا۔

شمال میں زرّیں خیل اس طرح غائب ہو گیا تھا، جیسے کوئی بھیڑیا جس کا شکار کھیلا جا رہا ہو۔ سمرقندی تاتار اُس کے نقشِ قدم ڈھونڈھ رہے تھے، کیوں کہ اس دشت میں یہ خیل کبھی اتنا خطرناک نہ تھا جتنا ایسے وقت جبکہ وہ پیچھے ہٹتا جا رہا ہو۔ بالکل وہی صورتِ حال تھی جیسے نپولین کی ماسکو پر یلغار۔

تاتاریوں کو فاقوں کی نوبت آنے لگی۔ انھوں نے غذا کے لیے جنگلی جانوروں کا شکار شروع کیا۔ انھیں مفرور مغلوں کا پہلا سُراغ اس وقت ملا جب ایک دریا کے کنارے انھوں نے نصف درجن الاؤ دیکھے جن کی راکھ ابھی تک گرم تھی، لیکن انسان کا نام و نشان تک نہ تھا۔

یہ تیمور کا فرار دو اور تاتاری سوار فوج اس طرح متصادم ہوئی جیسے بھیڑیے آپس میں لڑتے ہیں۔ طرفین میں سے ایک نے دوسرے پر حملہ کر دیا۔ خیل کا خان اُس وقت تک انتظار کرتا رہا، جب تک اُسے یقین نہ ہو گیا کہ محض بھوک یا تکلیف سے تیمور لنگ کے تاتاریوں کا کام تمام نہ ہو پائے گا۔ تب مرتا کیا نہ کرتا اُسے لڑنا ہی پڑا۔ تیمور لنگ یلغار کا

استاد تھا۔ اس کے آگے خیل کے سواروں کی ایک نہ چلی۔ وہ شکست کھا کے بھاگ نکلے اور بھاگنے میں بڑی کثرت سے مارے گئے۔

تیمور لنگ وولگا کے کنارے سرائے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ یہاں اُس نے برقائی کے جانشینوں کا قلعہ دیکھا، ...اں پن چکیوں سے نہروں میں پانی آتا تھا اور پورا علاقہ شاداب اور خوش سواد تھا۔ صحنوں کے اطراف دیواروں پر پچی ...ری تھی، فرشوں پر پچی کاری تھی۔ باغوں میں سبزے کا مخملیں فرش تھا۔ چینی ظروف بنانے کی دھونکنیاں تھیں۔ بزازوں ...ر جوہریوں کی بڑی بڑی دوکانیں تھیں جہاں سے خان کے لیے بیش بہا سامان بن بن کے جایا کرتا تھا۔ یہاں ایک نئی ...م کی پینے کی چیز بھی تھی جو کافی کہلانے لگی۔

تیمور کے لشکریوں نے پرانی اور نئی سرائے، دونوں شہروں کو تاخت و تاراج اور مسمار کر کے کھنڈر بنا دیا۔ یہ دونوں شہر جو خانوں کے پایۂ تخت اور دشت کے تاجروں کے ملجا و ماویٰ تھے، پھر نہ تعمیر ہو سکے۔ حال ہی میں ان کے کھنڈروں اور آثارِ قدیمہ کی کھدائی ہوئی ہے۔

غلام اور مالِ غنیمت لے کے اُس کے سوار واپس چل پڑے اور بڑے وحشیانہ پن سے فتح کا جشن منایا۔ اُس کا ...قعہ نگار لکھتا ہے: "وولگا کے کنارے یہ مقام چنگیز خاں کے بیٹے جوچی کا دارالسلطنت تھا۔ یہاں تیمور لنگ اُس کے ...ت پر جلوہ افروز ہوا۔ سرائے کی حسین عورتیں قید ہو کے اُس کے اور اُس کے اُمراء کے سامنے آئیں جو ساغر بکف بیٹھے ...ے۔ ان عورتوں کو برہنہ کر دیا گیا اور ان کے بال کھول دیے گئے۔ ساری فوج اس جشن میں شریک تھی اور جنگ ...زحمتیں بھول گئی۔ تقدیر کے منشا کے مطابق چھبیس روز تک وہ اسی طرح جشن منایا کیے۔"

تیمور لنگ اپنی فوجوں کے ساتھ دشت سے اس طرح گزر گیا جیسے کوئی عفریت ہو۔ ایسا بے مثل سپاہی جس ...لڑائی کا کوئی مقصد نہ ہو، لیکن یوکرین کی یورش کے دوران میں اُس نے اس سارے حلقے کی مغل خیمہ گاہوں ...درہم برہم کر دیا۔

سمرقند کے آقا کو اس خشک دشت میں کوئی پسند کی بات نظر نہ آئی۔ وہ پھر یہاں واپس نہ لوٹا۔ زرّیں خیل کا ...ماندہ حصہ دوبارہ سرائے میں مجتمع نہ ہوا۔ اس کے بجائے یہ دشت نورد کچھ تو شمال میں قازان کے اطراف اور ...وولگا کے دہانے پر استراخان میں اکٹھا ہو گئے جہاں ماہی گیر وحشیوں کی پرانی شاہراہ کے ایک تجارتی مرکز کو ...رہے تھے۔ کریمیا میں نوگائی تاتاروں کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

تیمور لنگ کی شاندار تگ و تاز اور چنگیز خاں کی دشت کی جانب سے منظم اور باقاعدہ پیش قدمی دو بالکل

مختلف نوعیت کی یلغار میں تیمور لنگ جنگ کی خاطر جنگ کا دلدادہ تھا۔ چنگیز خاں محتاط مغل تھا، خطرہ مول نہ لیتا تھا اور پہلے سے نفع نقصان سوچ لیتا تھا۔ تیمور لنگ اُس کے مقابلے میں بہت زیادہ مہذب اور متمدن تھا اور شمال کے تمدن کو غارت نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ مسلمان تھا، لیکن اُسے مذہب کا کوئی خاص درد نہ تھا اور اسی لیے راسخ العقیدہ مسلمان اس سے ناخوش تھے۔ اس کی فتوحات سے سپاہیوں کو تو خوب مالِ غنیمت ملتا تھا لیکن اُس نے ان کے لیے حکومت کی کوئی خاص تجویز نہیں تیار کی۔

ایشیا کے انبوہِ خلائق اُن لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتے جو ان کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ دشت نورد جو تیمور لنگ کے زیرِ اثر آ گئے تھے پھر سے اپنی قدرتی زندگی بسر کرنے لگے۔ مزارعین نے پھر سے کھیتی باڑی شروع کی۔

تیمور لنگ اپنی اولاد کو سمرقند سونپ گیا اور اُس کے ایک پوتے اُلغ بیگ کے زمانے میں تہذیب و تمدن کا احیاء ہوا۔ اِن بادشاہوں کا زمانہ تیمور کے نام پر تیموری دَور کہلاتا ہے۔

اُس کی ساحرانہ زندگی سے دو اہم نتائج مترتب ہوئے۔ اس نے عثمانی ترکوں کو بڑی ذلّت کے ساتھ شکست دی تھی، لیکن اس پر بھی نصف صدی کے بعد وہ پھر تازہ دم ہو کے قسطنطنیہ اور یورپ کو تسخیر کرنے کے قابل بن گئے۔ لیکن اُس کی بحیرۂ اسود کی یلغار سے اہلِ وینس اور اہلِ جینوا کے تجارتی مرکز اور خاص طور پر تانا کا شہر تباہ و برباد ہو گیا، اُس نے اِن معزز بردہ فروشوں کو پکڑ کے غلام بنا کے بیچ ڈالا۔ بری تجارت کی اِس تباہی کے باعث یہ دونوں تجارتی جمہوریتیں سمندر کی طرف متوجہ ہوئیں اور سمندر کے راستے چودھویں صدی کے ختم پر انھوں نے نئے بازاروں کی تلاش شروع کی۔

اِس یلغار میں تیمور کا لشکر ماسکو کے سامنے سے ہو کر گزرا لیکن اِس منحنی شہر کو تباہ نہ کیا۔ رُوسیوں کو بہت کم نقصان پہنچا۔ زرّیں خیل کا جوا اُتار کے تیمور لنگ نے ان کے لیے ایک نئی امید کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ اس نے اپنی خاطر کیا تھا اور اِس سے خود اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا، لیکن اُس نے رُوس کی آزادی کا رستہ صاف کر دیا۔

بابر (۱۴۸۳ء تا ۱۵۳۰ء)

ابھی تک رُوسی اِس قابل نہ ہوئے تھے کہ اپنی زنجیریں توڑ سکیں۔ کریمیا، قازان اور استراخان کے خان اب بھی اس محکوم قوم پر حاوی تھے۔ ایک صدی گزر گئی اور اِن تینوں خانوادوں کی طاقت باقی رہی۔

لیکن سمرقند کے پاس کی پہاڑیوں میں ایک شخص اپنا لوہا منوا رہا تھا۔ یہ بابر تھا جو چنگیز خاں اور تیمور لنگ

دونوں کو اپنے اجداد میں گنتا تھا۔ یہ نامور چغتائی خانوں کا غریب رشتہ دار تھا۔ حالات نے اِسے منچلا اور جانباز بنا دیا تھا۔ یہ خربوزوں اور شاعری کا بڑا شوقین تھا۔ اُسے اِس کا بڑا ملکہ تھا کہ موقع ہو تو جان بچا کے بھاگ جائے اور پھر آخر میں جنگ جیت لے۔

اُس نے افغانستان کی پہاڑیوں میں بسیرا کیا اور پھر یہاں سے اپنے قبائلیوں کے ساتھ ہندوستان کے میدانوں میں اتر آیا۔ یہاں خلافِ توقع وہ ہندوستان کے عظیم مغل خاندان کا پہلا تاجدار بن بیٹھا۔ خود بابر کو سمرقند کے خربوزوں اور ... ہوا کی یاد ستاتی تھی، لیکن اس میں استقلال اور حکومت کی وہ صلاحیت تھی جو مغلوں کا خاص حصّہ ہے۔ وہ اس کا ... بال کرتا ہے "میرے خاندان نے ہمیشہ یاسائے چنگیزی کی پابندی کی ہے"۔

(اِس فتح اور چغتائی نسل کے ترکوں کی طویل حکومت کی وجہ سے شمالی ہند پر اسلام اور دشت نوردوں کے فرزندوں کی گرفت مضبوط ہو گئی اور مسلم ہند اور ہندو ہند میں سخت تفرقہ اور تضاد پیدا ہو گیا۔ یہ تفرقہ اور تضاد آج بھی اس ... عظیم کا اہم ترین مسئلہ ہے)۔

صورتِ عالم

اب جو کچھ پیش آیا اُس کو سمجھنے کے لیے ہمیں پھر میسر مارکو پولو، اُس کے باپ اور اُس کے چچا کی طرف توجہ کرنی پڑے گی۔ ۱۲۹۵ء میں بیس سال کے بعد مارکو پولو وینس واپس پہنچا۔ کسی نے اُسے نہ پہچانا۔ بعض نے اِن سب کو شبہ کی نظروں سے دیکھا۔ بہرحال اپنے جواہرات کے انبار سمیت مارکو پولو پھر سے عیسائی دنیا کا ایک تاجر بن گیا۔

یہ تغیّر اُسے پسند نہ آیا۔ وہ خانِ اعظم کا قاصد تھا، پاپائے روم اور شاہِ انگلستان کے نام پیغام لے کر آیا تھا۔ ... بن اُس کے ساتھی اہلِ وینس اس کی داستان بے اعتباری سے سُنتے۔ اُس کی بحری کشتی کا سفر، شہزادی کوکاچین کا تذکرہ سب ان لوگوں کو مغنیوں کی کہانی معلوم ہوتی۔ قصہ مختصر یہ کہ میسر مارکو پولو اپنے وطن سے بہت دن غیر حاضر رہا تھا۔ ... ب اُس نے اپنے آپ کو پھر سے وینس کی زندگی کا عادی بنانا چاہا تو عورتوں کے قضیوں میں پھنس گیا اور محاصل کے ... بار میں کھل گیا۔ پھر جنگ میں بھرتی کیا گیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ وینس کی ممتاز ریاست اس زمانے میں قابلِ نفرت جینوا سے برسرِ پیکار تھی۔ صرف یہی نہیں کہ ... مارکو پولو سے جنگی محصول وصول کیے جاتے، زبردستی یا اپنی مرضی سے، بہرحال وہ وینس کے بحیرۂ اڈریاٹک والے ... بیڑے میں شامل ہو گیا۔ اس لڑائی میں اہلِ وینس کو جینوا کے امیر البحر دوریا نے کرتسولا کے مقام پر شکستِ فاش دی

اور میسر مارکو پولو نے اپنے آپ کو ایک تنگ و تاریک تہ خانے میں قید پایا۔

یہاں اہلِ جینوا نے دیکھا کہ اُس کی سرگزشت سے نفع کمایا جاسکتا ہے، اِس لیے انھوں نے اُس سے کہا کہ خاقان قبلائی خاں کی کہانی لکھوا دو۔ یا ممکن ہے کہ اُس کے ایک ساتھی قیدی، پی سا کے رُستی چیانو نے اصرار کیا ہو۔ بہر حال اُس نے اُن اسیرِ ایام کی سرگزشت لکھوانا شروع کی اور رُستی چیانو نے ــــ جو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کا ایک بڑا رنگین طبع مضمون نگار تھا، جسے گول میز کے نمونے کی داستانوں کا اسلوب بڑا مرغوب تھا ـــــــ اِس میں خود بھی کافی حاشیہ آرائی کی، تاکہ ناظرین کی طلب بڑھتی جائے۔ مثلاً ملاحظہ ہو: ۔

"عظیم شہزادو، شہنشاہو، بادشاہو، امیرو، رئیسو، نوابو، شہریو، عامیو، ہر طرح کے لوگو جنھیں بنی نوعِ انسان کی متعدد نسلوں اور رُوئے زمین کے مختلف خطّوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق ہے . . . . . . تم سب کو کتابِ ہٰذا میں ہر طرح کے عجائب اور مختلف تواریخ، مثلاً تاریخِ ایران و تاتار و ہند و ممالکِ دیگر جن کا ہماری اِس کتاب میں ذکر ہے، میسر مارکو پولو کے بیان کے مطابق ذکر ملے گا جو کہ شہرِ دینس کا بڑا عاقل و دانا باشندہ ہے اور جس نے اپنے چشم دید حالات بیان کیے ہیں۔"

اور اپنے رُستی چیانو نے خاتمے پر یوں حاشیہ لگایا ہے:۔

"اور جیسا کہ ہم نے اِس کتاب کے آغاز میں ذکر کیا ہے، کبھی کسی فردِ بشر نے، خواہ وہ عیسائی ہو یا مسلمان یا تاتاری یا کافر دنیا کے اتنے بڑے حصّے کا سفر نہیں کیا جتنا شہرِ دینس کے اِس ممتاز اور نجیب شہری میسر مارکو پولو ولد نکولو پولو نے؟"

اِس سے بہتر تعارف کیا ہو سکتا تھا جس سے اہلِ دینس کا حُبِّ وطن بھی جوش میں آتا اور ان کا شوقِ تجسس بھی۔

پھر بھی لوگوں نے پولو کے وقائع پر اعتبار نہ کیا۔ اُس نے ایشیا میں کئی سال گزارے تھے اور کتاب کے نفسِ مضمون میں وہ باتیں نہیں تھیں جو مسافروں کی خیالی کہانیاں سمجھ کے پسند کی جاتی تھیں۔ مارکو پولو نے نہ شجرِ حیات کو دیکھا تھا نہ یاجوج ماجوج کی دیوار کا۔ ایشیا کے پریسٹر جان کے کوئی حالات اُس نے بیان ہی نہیں کیے تھے جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایسے محل میں رہتا ہے جہاں کی ریت سونے کی ہے اور شیخ الجبل کی جو تصویر اُس نے کھینچی تھی وہ ایک صحیح مُچ کے انسان کی تھی، اس فرضی جادوگر کی نہیں جس کے متعلق یورپ کے عوام کا عقیدہ مختلف تھا۔ چونکہ میسر مارکو پولو نے سچی سچی باتیں لکھی تھیں اِس لیے کسی نے اُس کی باتوں پر اعتبار نہ کیا۔

عوام نے اعتماد نہیں کیا باوجود اس کے کہ وہ اپنے ساتھ ایک تاتاری خادم لیتا آیا تھا جو اپنے آقا کو چھوڑ کر واپس نہ جانا چاہتا تھا۔ چونکہ وہ بے احتیاطی سے جب قبلائی خاں کی سلطنت کا ذکر کرتا تو ہزاروں لاکھوں کی باتیں کرتا۔ لوگوں

اُس کا نام لکھ پتی مارکو رکھ دیا۔ جب وہ اپنے مکان سے نکل کے نہر کے کنارے کے چھوٹے سے میدان میں جاتا، تو اُسے گھیر لیتے اور کہتے تمھارے پاس لاکھوں روپے ہیں، ہمیں تھوڑے سے چاندی کے سکّے خیرات کر دو۔

بسترِ مرگ پر ایک معزز پادری نے اسے نصیحت کی کہ تم نے جو کچھ جھوٹ بکا ہے اُس سے توبہ کرلو اور اس کا اقرار کرو کہ تم نے جو کچھ بیان کیا ہے جھوٹ ہے۔ تب عمر میں پہلی مرتبہ میسر مارکو پولو نے اپنے ارادے سے ایک بات کہی اور میں نے جھوٹ نہیں بیان کیا ہے، بلکہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ حقیقت کا نصف ہے۔

اپنے وصیت نامے کے ذریعہ اُس نے اپنے تاتاری نوکر کو ایک ہزار لیرے اور اس کی آزادی دی۔ اس کے بعد دینس کے کٹھ پتلیوں کے تماشے میں اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور اس کا کردار "لکھ پتی" کہلاتا تھا۔

اس صاحبِ ضمیر دینس والے کی بات اگر جھوٹ سمجھی گئی تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ۱۳۰۰ء تک اہلِ یورپ بیرونی دنیا کو بڑی توہم پرستی سے دیکھتے تھے۔ عیسائی روایات، اولین پادریوں کے مکتوبات اور یونان و روما کے فلسفیوں کی تعلیم کے باعث اگر کوئی دنیا کے دور دراز خطّوں کے متعلق کچھ سوچتا بھی تو یہی تصور کرتا کہ ان کی دنیا گول اور چپٹی اور بے حرکت ہے۔ سورج اور ستارے زمین کے اطراف مقررہ چکر لگاتے ہیں اور زمین کے اطراف بہت بڑا سمندر ہے۔

اس گول زمین کے نیچے دریائے اسٹائکس بہتا ہے اور جہنّم کی آگ جلتی ہے۔ زمین کے اوپر آسمان کا نامعلوم جغرافیہ ہے جس کے متعلق طرح طرح کے اندازے لگائے جاتے ہیں۔ زیادہ پکّا یہ عقیدہ تھا کہ جنتِ عدن شمال مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ اس علاقے سے فردوس کی ندیاں نکلتی ہیں۔ شمال میں نہ ٹھہر یہ کی سردی کا علاقہ ہے اور جنوب میں شدید استوائی گرمی کا۔

زیادہ عاقل لوگ بے شک اب یہ سمجھنے لگے تھے کہ مزارعِ فردوس شاید ہی زمین کی پہلی تہ کے نیچے ہوں، لیکن امیزن اور بونی نسلوں (جو اپنی بقا کے لیے اوپری ہوا کے سارسوں سے لڑتے رہتے) کا شاید ہی وجود ہو جیسا کہ یونانی مؤرخوں نے سمجھ رکھا تھا۔ ہیروڈوٹس کی تحریریں اب بھی ایشیا کے احوال کے متعلق مستند سمجھی جاتی تھیں اور اس اہم خطۂ زمین میں سکندر کی فتوحات پر یہ حاشیے چڑھائے جاتے تھے کہ اُسے کئی مدفون خزانے ملے اور اس نے ساحروں سے جنگ کی ـــ اس قسم کے وقائع سے اپنے رُستی چیانو کو بڑی خوشی ہوتی کیوں کہ اس نے رفرضی شاہ آرتھر کے فرضی جادوگروں کے متعلق بہت کچھ لکھا تھا۔

اس طرح مغربی تخیل بڑی حد تک بحرِ ظلمات پر اعتقاد رکھتا تھا اور ان عفریتوں پر جو سمندر کی گہرائیوں میں رہتے۔ مخلوق پر جس کے سر کتّوں کے سے ہوتے اور ایک ایسی قوم پر جس کے پنجے اتنے بڑے بڑے ہوتے کہ جلتی دوپہر میں

پھتری کا کام دیتے۔ پریسٹر جان مغان کی سرزمین عام تخیل کے مطابق مشرق کے خاص دل چسپ پہلو تھے۔ اس میں تو شک تھا کہ باغِ فردوس شاید ہی انسان کی فانی آنکھوں کو نظر آ سکے۔ یروشلم کو اب بھی آباد دنیا کا مرکز سمجھا جاتا تھا بیت المقدس میں ایک مدوّر پتھر تھا جو اِس گول زمین کا ٹھیک مرکز تھا۔

عام طور پر اسٹرابو کے صحیح خلاصے اور اراٹوستھینز کی سائنسی جانچ کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی تھی۔ مغرب میں ان سے صحیح طور سے معلوم حالات کی طرف بھی توجہ نہ کی جاتی تھی کہ رومیوں نے مشرقی پارتھیا اور قفقازیہ میں کہاں کہاں حملے کیے اور اسکندریہ کے بطلیموس نے کتنی صحت سے جغرافیہ کی تدوین کی۔ ادریسی نے جو نقشہ صقلیہ میں تیار کیا تھا اور جو بطلیموس کے نقشے کے مقابل بہت زیادہ صحیح تھا، اس کا کسی کو علم نہ تھا عرب سائنس دانوں کے علم کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی کیوں کہ عربوں کو نعوذ باللہ کافر اور زندیق سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح سائنسی تجربوں کے باوجود افسانوی جغرافیہ کا دَور دورہ تھا۔

لیکن میسر مارکو پولو ہی کے زمانے میں رائے بدلنے لگی تھی صلیبیوں میں سے جو جو بچ کچھ کے واپس پہنچ رہے تھے، وہ ایشیا کے معمولی وسیع علاقے کے قریب تر نصف حصّے کے متعلق زیادہ تفصیلی تصویریں لے کے آئے تھے اور عرب علمائے ہیئت کا احترام کرتے تھے۔ راجر بیکن نے مشرق کی زمین کی اصلی ہیئت کے متعلق فرانڈیری کویس سے بحث کی تھی۔ ایک شخص نے جس کا نام ماری نس سانُوٹس تھا، مشرقِ قریب کا نقشہ اس بحث کے سلسلے میں تیار کیا کہ بیت المقدس کو دوبارہ کیوں کر فتح کیا جا سکتا ہے۔ وینس اور جینوا کے سوداگر جو بحیرۂ اسود میں قپچاق کی بردہ فروشی، گولکنڈے کے ہیروں اور شرق الہند کے مسالحوں کی تجارت کی وجہ سے امیر ہوتے جا رہے تھے، مشرقِ بعید میں تجارتی راستوں کا حال وضاحت سے بیان کر رہے تھے۔ باوجود اس کے کہ مارکو پولو نے چین کا جس قدر تفصیل سے ذکر کیا تھا، اس پر کسی نے یقین نہ کیا۔ یہ خیال زیادہ سرگرم دماغوں میں گونجنے لگا کہ ختا ہی کہیں واقع ہوگا جہاں باغِ عدن انسان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جہاں پریسٹر جان کا پتہ نہ چلا، وہیں شاید قاآنِ اعظم حکومت کرتا ہو۔ جن خوش قسمت جزیروں کا ذکر پڑھنے میں آتا ہے وہ شاید وہی جزیرے ہوں جہاں سے مسالے آتے ہیں۔ مُغول کے اس پار بڑی نادیدہ و ناشنید چیزیں باہم ہیں۔

حقیقت کی دولت کا احساس مغرب میں عین اس زمانے میں پیدا ہُوا جب کہ تجارت و سفر کی تحریک جڑ پکڑ رہی تھی۔ ماسکو ایک تجارتی شہر کی حیثیت سے مشہور تھا اور ماسکو کے سموروں کے متعلق یہ مشہور ہونے لگا کہ تاتارانِ قدیں خیلا بھی سمور پہنتے ہیں۔ لعاب دار دوائیں اور ادرک جن کی کاشت یلیو چیت سائی نے کی تھی مغرب کے گوشت خوروں کے معدا کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے چینی ریشم جو برقائی کو بہت پسند تھے اور انھیں دیشیوں کے عوض وہ

ہم شناس پولو خاندان سے جواہرات خرید چکا تھا اب مغرب کے چھوٹے موٹے درباروں میں خواتین کے ملبوسات میں شامل ہوتے جا رہے تھے۔ جاوا کے مسالحوں کی وجہ سے ذرا اُترے ہوئے گوشت کی ہانڈی بھی کھانے کے قابل ہو جاتی تھی۔ سب واقعات تھے اور رفتہ رفتہ مغرب کے تیز سوداگر مزاج ذہنوں نے دیکھ لیا کہ حقیقت میں افسانے سے زیادہ ع ہے۔

ان سوداگر دماغ والوں پر حقیقت کا انکشاف کسی اچانک روشنی کی طرح نہ ہُوا۔ وہ ایک عرصہ کے جمود و توہم ہ خواب آلود ہو چکے تھے، لیکن جب چھوٹی سی داڑھی والا انسٹوری پادری بار سوما روما الکبریٰ پہنچا تو پریسٹر جان ں روایت ختم ہو گئی۔ خاقانوں اور ایل خانوں کے خطوط سے پتہ چلا کہ مغلوں کی حکومت زمین کے اصلی، وسیع اور لیے خلل ہے، کہانیوں کے علاقوں میں نہیں۔

مشرق کے وسائل اور تمدن اور مغرب کی غربت اور توہم میں کبھی ایسا تضاد نہ ہُوا ہوگا جیسا اُس زمانے میں تھا۔ ہر بھی دونوں کا تضاد اتنا نمایاں نہ ہوگا۔ یہ میسر مارکو پولو کی بد قسمتی تھی کہ اس نے مغرب کے لیے مشرق کی تشریح کرنی ہی۔ اُس کا وہی حشر ہُوا جو اُن پیغمبروں کا ہوتا ہے جو اپنے وطن میں خوار ہوتے ہیں۔

سرگرم اہلِ مغرب توازن ٹھیک کرنے لگے۔ اِس میں انھیں اِس وجہ سے کامیابی ہوئی کہ مغلوں نے قافلوں اور ان کی سڑکوں کو یورپ سے لے کر ساری راہ تبریز، دہلی، سمرقند، المالیک اور گوبی کے اندھے ریگستان کے اُس پار کا مبولاک اور "زائتون" تک مکمل اور پختہ کر دیا تھا۔ ان کی چوکیوں کی وجہ سے، جہاں سرائے تھیں اور گھوڑے بدلے جا سکتے ے، سفر بہت تیزی سے ممکن تھا۔ اِس کے برعکس یورپ میں ابھی تک بھدی پگڈنڈیاں تھیں۔ مغلوں کے "ایام" ہزنوں کی رہزنی سے پاک تھے، خاص طور پر چودھویں صدی کے شروع میں جب کہ غازان خاں کی صلح جوئی کی وجہ ے ہر طرف امن و اطمینان کا دَور دورہ تھا۔

اس صدی میں جس کا آغاز ۱۲۶۰ء میں مشرق اور مغرب کے درمیان راستوں کے ربط کے قیام سے ہُوا اور س کے خاتمے پر ۱۲۷۵ء میں میسر مارکو پولو قبلائی خاں کے دربار میں باریاب ہُوا اور سڑکوں کے ربط کا سلسلہ ٹوٹ یا، جدید مغرب نے جنم لیا۔ مشرق کے حقیقی کارناموں کی وجہ سے مغرب کے قدرتی طور پر ایجاد پسند دماغوں کو پہنچنے کا موقع ملا۔ جرمنوں کے ذہن اور نیورمبرگ دماغ گندھک اور کوئلے وغیرہ کے دھماکے پن کی خصوصیات کا مطالعہ کر رہے تھے ساتھ ہی ساتھ وہ یہ امکان بھی سوچ رہے تھے کہ اگر لکڑی کے ٹکڑے پر سیاہی مل دی جائے اور اسے کاغذ پر پھیرا جائے تو حروف خود بخود چھپ جائیں گے۔ نئی مطبوعہ کتابیں شائع ہونے لگی تھیں۔ اسی زمانے

بن پہلی توپ پتھر کی فصیلوں کے مقابلے میں گرجنے لگی تھی اور اپنے طعام کے حجروں کی دیواروں پر اسیسی کے فرانسسکی راہب ایسی تصویریں نقش کرنے لگے جن پر چین کا اثر نمایاں تھا۔

مغرب کی یہ بیداری جو نشاۃ ثانیہ کہلاتی ہے، مشرق کے اثر اور تحریک کا نتیجہ تھی۔

جب اہلِ یورپ غیر معلوم مشرق کے حقائق سے باخبر ہونے لگے تو اس وقت تک میسر مارکو پولو نے اپنا آخری کلمۂ اعتقاد نہیں لکھا تھا "خدائے تعالےٰ کے نام پہ۔ آمین" بعض ذہین دماغ اس بڑھتی ہوئی شہادت کا مطالعہ کر رہے تھے کہ مشرق میں تجارت کے بازار موجود ہیں اور ان تک رسائی ممکن ہے۔ نیک فرانسیسی راہب اوڈورک ساکن پورڈے نونے مغل سڑکوں پر منزل بمنزل مشرق کا سفر کر رہا تھا، حالانکہ اُسے افغان علاقے میں بڑا سا چکر کاٹنا پڑا کیوں کہ چغتائی قبیلے ہندوستان کے شمالی میدان میں تاخت وتاراج کر رہے تھے۔ اوڈورک نے شہر "کن سائی" کا حال لکھا ہے جس کا نام پہلے "ہن نگان تعا" "یہ دنیا کا سب سے عالی شان شہر ہے۔ یہاں دو جھیلیں اور وینس جیسی نہریں ہیں۔ . . . مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہاں اتنی ساری نسلیں امن وچین سے رہتی ہیں اور سب ایک حکومت کی تابع ہیں"۔

یہی اوڈورک کی ملاقات "مانٹی کورینو" ایک عیسائی صدر اسقف سے ہوئی، کیونکہ بالآخر پوپ کے مشیروں نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا کہ مبلغین کو مشرق کی سمت بھیجا جائے۔ پچاس سال کے عرصے سے منگو اور قبلائی، بار ساوما اور مارکو پولو ان مبلغین کو دعوت دے رہے تھے مگر ان کی شنوائی نہ ہوئی تھی۔ معمولی درجے کے پادری گروہ در گروہ مشرق کا سفر کر رہے تھے اور کریمیا سے لے کر "زاتون" تک اسقفوں کے حلقے قائم کرتے جا رہے تھے۔ مونتے کاروینو کے پادری جان نے اپنی ساری زندگی وہیں گزار دی اور آخری مغل خاقان اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔

یہ امن کی نصف صدی تھی۔ خانہ بدوشوں کے امن کا موسم بہار (۱۲۷۵ تا ۱۳۲۵ء)

اب اہلِ یورپ دنیا کی شکل اور اس کی وسعت کو سمجھنے لگے تھے۔ میسر مارکو پولو کے سفرنامے اور ماریانس کی تصنیف کے بعد پیگولوتی کی کتاب شائع ہوئی۔ جب مغلوں کا امن ختم ہوا اور اہلِ وینس اور اہلِ جینوا کو بحیرۂ اسود کے علاقے سے نکال باہر کیا گیا تو قسطالیہ (شمال مشرقی ہسپانیہ) میں وہ نقشہ تیار ہو رہا تھا جس میں کرۂ ارض کی قریب قریب وہی صورت تھی جو آج کل کے نقشوں میں نظر آتی ہے۔ پھر اس نئے علم کی برکت سے پرتگال اور ہسپانیہ کے جہاز راں افریقہ کے ساحل کے کنارے کنارے بڑھے اور سمندر کے راستے ایشیا تک جا پہنچے۔ انھیں معلوم ہوا کہ افریقہ جنوب

میں بہت دُور تک چلا گیا ہے۔

فلارنس کے میسر پاؤلو توسکانیلی نے ایک نقشہ تیار کیا، جس میں اُس نے اپنا یہ یقین ظاہر کیا کہ مغرب کی طرف اٹلانٹک میں سفر کرتے کرتے بھی ایشیا تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس نے جاپان کے متعلق وہ حکایت سنی تھی جو مارکو پولو نے مغلوں سے سُن کر بیان کی تھی ــــ یہ کہ وہاں محلوں پر سونے کے پتّر جڑے ہیں اور اس حیرالعقول جزیرے میں سونے اور موتیوں کی کوئی حد و انتہا نہ تھی۔ توسکانیلی لکھتا ہے "یقیناً اس جزیرے تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

جینوا کے ایک صاحب حوصلہ شخص کولمبس نے بھی میسر مارکو پولو کی کتاب پڑھی۔ وہ شاہِ اسپین کی ملازمت میں، ان جزیروں کی تلاش میں روانہ ہوا۔ اُس کے ساتھ ختا کے خاقان کے نام ایک مکتوب تھا۔ جب وہ اُس سرزمین سے واپس آیا جو اس نے دریافت کی تھی تو لکھا کہ یہ جزائر ایسی جگہ واقع ہیں کہ "خانِ اعظم" سے تجارت کے لیے بہت موزوں ہیں۔ اُسے آخر تک پتا نہ چلا کہ اُس نے حُسنِ اتفاق سے شمالی امریکہ کا برِ اعظم دریافت کر لیا ہے۔ اُس نے ایک نئی دنیا دریافت کر لی تھی، مگر سمجھ رہا تھا کہ ایشیا کے دُور دراز جزیروں تک پہنچا ہے۔

لیکن اور جہاز افریقہ کا چکر کاٹ کے جا پہنچے۔ چھوٹے چھوٹے بادبانوں کے جہاز جو توپوں سے مسلح تھے۔ یہ بارود کے گولے چلانے والی توپیں متمدن دنیا کا بہترین ہتھیار بن گئی تھیں۔ یہ جہاز مسالے اور ایشیا کی نعمتیں تلاش کرنے آئے، لیکن مسلح ہو کے آئے۔

سمندری تجارت کا زمانہ شروع ہوا اور ساتھ ہی یورپ نے ایشیا پر یورش کی۔

اُدھر شمالی امریکی ساحلوں کی تلاش وتفتیش بھی ہوتی گئی۔ پرتگالیوں نے ہندوستان کا سفر کیا۔ انھیں کی طرح اہم ایک دوسری نقل وحرکت اور شروع ہو چکی تھی۔ مغربی یورپ والوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی مگر یہ نقل وحرکت مشرق کے رُخ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

رُوس اپنے آپ کو تاتاریوں کے بندے سے آزاد کر کے دشت کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا۔ روسی سائبیریا کے جنگلوں میں بڑھ رہے تھے، جو خانہ بدوشوں کا آبائی وطن تھا، تاکہ پھر سے ایشیا کی آبادی میں اضافہ کریں۔

(۹)

سارا رُوس

(۹)

سارا رُوس

۱۲۳۸ء سے اہلِ روس مغلوں کے محکوم تھے۔ ڈھائی صدی تک مغرب سے ان کا رشتہ ٹوٹا رہا۔

جب انھوں نے یہ غلامی کا جُوا اتارا تو ایک غیر متوقع بات پیش آئی۔ نئے رُوس کا رُخ بجائے مغرب کے مشرق کی جانب تھا اور رُوس نے اپنے نفع اور اپنے مقاصد کے لیے چنگیز خان کی سلطنت کو دوبارہ تعمیر کیا۔

یہ معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ تیرھویں صدی کے وسط میں، باتو اور برقائی کے دَور میں رُوس کا کیا حال تھا۔

مغلوں کا جُوا

کم سے کم مغربی روح عمل کے نقطۂ نظر سے یہ حکومت عجیب و غریب تھی۔ رُوس باتو کے خاندان کا اولوس بن گیا تھا۔ اس کی زمینیں خانہ بدوشوں کی چراگاہیں بن گئی تھیں۔ آبادیوں میں رُوس کے باشندے اپنے خانہ بدوش آقاؤں کے لیے محنت کرتے اور اُن کی دولت میں اضافہ کرتے جاتے۔

وہ آزاد اور جمہوری سرزمین جو باتو اور سوبودائی کے حملوں سے پہلے تشکیل پا رہی تھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ پہلے یہ وہ سرزمین تھی جہاں مضبوط "ودیچی نا" رہتے تھے جو وارنگ خاندان کے اُمرا تھے۔ ان کے مشوروں کے لیے آزاد باشندوں کی آزاد مجلسیں تھیں اور شہروں میں ہلچل اور آپس میں ہنگامہ بپا رہتا۔ کیف روس کا دل تھا، یہاں کا تمدن زیادہ پرانا تھا۔ اب اس دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی۔

کیف شہر ویران بن چکا تھا۔ فرا کارپینی جو اس راستے سے گزرا اُس نے دو ہزار ایسے خاندانوں کا شمار کیا جو ویرانوں میں رُوپوش تھے۔ آگے اُس نے دیکھا کہ دشت انسانوں کے استخوان کی وجہ سے سفید ہے۔ ایک روسی صحیفہ نگار رقم کرتا ہے "ہمارے مادر سے بہادر آدمی کام آ چکے ہیں، جو بچ رہے ہیں وہ اجنبیوں کی طرح مارے مارے پھرتے ہیں۔ مائیں ان بچوں کا ماتم کر رہی ہیں جو تاتاریوں کے گھوڑوں کے سُموں کے نیچے کچل کچل کر مر گئے ہیں۔ جو زندہ ہیں انھیں مُردوں کے آرام اور چین پر رشک آتا ہے"[۱]

---

[۱] پھر کیف کی اس پرانی شان و شوکت سے دوبارہ تعمیر کبھی نہ ہونے پائی۔ جب میں جولائی ۱۹۳۹ء میں کیف پہنچا تو سوویٹ

بقیہ اگلے صفحے پر

اور شمال میں سُوزدال کا زرخیز علاقہ، جس کی آبادیاں مقابلتہً نسی تھیں، مغل فتوحات کا طوفان گزر جانے کے بعد پھر سے سنبھلنے لگا، لیکن یہاں کے لوگ بجائے سپہ گری کے زراعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ ضروری تھا کہ زندہ بچنے کے پہلے زمین سے کچھ نہ کچھ خوراک اُگائیں۔ اِس لیے وہ چشموں کے پاس جھونپڑیوں میں جمع ہونے لگے اور شروع شروع میں اُن علاقوں سے دُور دُور رہے جنھیں تاتاریوں نے جلا دیا تھا یا جن کی فصیلیں منہدم کر دی تھیں۔ روسیوں کو ان علاقوں میں دوبارہ بسنے کی ممانعت تھی۔

باتو کے عہد کے بااُصول مغلوں نے باقی ماندہ رُوسیوں کی باقاعدہ مردم شماری کی۔ ہر آبادی پر انھوں نے محصول عائد کیا۔ امیر غریب سب پر یہ محصول جو "دیسود" کہلاتا، ادا کرنا لازم تھا اور یہ سموروں، چمڑوں اور سکّوں کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا۔ باتو اور برقائی دور دراز کے خاقان کے نام پر سکّے ڈھالتے تاکہ محصول کی فراہمی میں آسانی ہو، لیکن غریبوں پر جو "اسمَرد" کہلاتے تھے اِس محصول کا بار بڑا گراں تھا۔

اگر کوئی شخص "دیسود" ادا نہ کرتا، تو اُس کے بچے پکڑ کے غلام بنا کے بیچ دیے جاتے۔ کبھی خود اُسے غلام بنا لیا جاتا۔ محصول کو پڑوں کو اِس محصول کے ادا کرنے سے بچنے کے لیے بہت سے لوگ کسی امیر آدمی کے چاکر بن جاتے اور "مسلوپ" یا جانور کہلاتے۔ امیر زمیندار اپنے جانور یا چاکر کا محصول خود ادا کرتا۔

چونکہ رُوسی کسان قوی دل تھے، وہ اکثر مغل محصول ادا کرنے والوں کے خلاف بغاوت کرتے۔ تب خیل کے خوف ناک سوار نمودار ہوتے، باغیوں کے مویشی اور ان کی گاڑیاں ہنکا کر لے جاتے اور دیہات کو قتلِ عام اور آتش زنی سے غارت کر جاتے۔

ایسے موقع پر رُوسی شہزادے اپنے چاکروں کی مدد کے لیے درمیان میں پڑتے۔ وہ خان کے حضور میں حاضر ہو کے اپنے لوگوں کے قتل و غارت کے بے رحم کی استدعا کرتے۔ وہ وقت پر "اسمردیوں" کی بغاوت فرو کر دیتے تاکہ مغل شہسوار ان کے قتل و غارت سے بچے رہیں۔

اِس درمیان میں روسی شہزادے اور عوام دونوں برقائی جیسے دُور دراز کے زار کے عادی ہوتے جا رہے تھے،

صفحہ ۳۲۵۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ اس کلیسا کی بنیادیں کھود کھود کے برآمد کر رہے تھے جہاں روسیوں نے باتو کے حملے کا آخری بار جم کے مقابلہ کیا تھا۔ ان ماہرین کا بیان تھا کہ انھیں ایسی ایک بہت بڑی قبر ملی جہاں بہت سے سُرخ سے مدفن میں انھیں ہتھیاروں سے قتل کیا گیا اور پھر ان کے کاسۂ سر توڑ ڈالے گئے۔ یہ قبر بھی اسی زمانے کی ہے جب کہ باتو خاں نے شہر کو تباہ و تاراج کیا تھا۔ سوویٹ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو اس عام روایت سے اختلاف تھا کہ لٹیروں نے پرانی قبروں کو بھی اس لیے کھود ڈالا ہے کہ ان میں جو کچھ زر و جواہر ہیں اُوٹ لیں۔

جس کے خلاف بغاوت موت کے مترادف تھی۔ اس کی طاقت و حکومت سے کوئی مفر نہ تھا۔

مغل اِن رُوسی شہزادوں کو خان کا چاکر کہتے۔ جب رُوسی امیر خان کے اُردو میں حاضر ہوتے تو انھیں خان کے قالین پر دو زانو ہونا اور سر جھکانا پڑتا۔

انھیں درخواستیں لے کے قراقرم جانے کی اجازت نہ تھی۔ برقائی خود ان کے عریضے سُنتا اور ان کے تحائف قبول کرتا۔ روس اُس کا اپنا اُلوس بن چکا تھا، مشرقی سلطنت کا حاشیہ بردار نہ تھا۔ خان کی یرلیغ جو وہ ان درخواست گزاروں کو سُناتا اس پر خود اُس کے اپنے دستخط ثبت ہوتے۔

ان تمام حالات میں ایک سخت کوش نئی قوم کی ابتدا ہو رہی تھی جو اپنے شہزادوں کے امیر خاندانوں کی دست نگر ہو رہی تھی اور ایک ایسے غیر مرئی خان کی مطیع و منقاد تھی جسے وہ "زار" کہتی تھی۔

چاکری کا یہ تصوّر رُوسی ذہنوں کے لیے انوکھا نہ تھا۔ اِس سے قبل اُنہیں دور دراز کے بازنطینی قیصروں کے جاہ و حشم کا علم تھا — جو ایسے شہنشاہ سمجھے جاتے تھے جن کا رُتبہ اور مقام فانی انسانوں سے بہت بلند تھا۔

خیل کے دشت نوردوں کے ساتھ نے رُوسی رُوح کو بالکل نہ بدلا۔ ایک تو یہ کہ یہ فاتح مشرق کی دُور دراز کی چراگاہوں میں رہتے تھے، نہ وہ تجارت کرتے تھے، نہ "اسمردیوں" کی روزمرّہ کی زندگی میں دخل دیتے تھے۔ کبھی کبھی وہ رُوسی عورتوں کی ایک تعداد ضرور اٹھا لے جاتے، لیکن یہ عورتیں دشت میں پہنچ کے وہیں کی ہو رہتیں۔ ان کے بچے مغلوں میں شامل ہو جاتے، رُوسیوں میں نہیں۔

برقائی کے ایک پشت بعد خیل اور روسی "بویارین" امیر گھرانوں میں آپس میں شادی بیاہ کا سلسلہ شروع ہوا، لیکن ایسی شادیاں شاذ و نادر ہی ہوتی تھیں۔

اِس میں شک نہیں کہ اعلیٰ خاندان کے رُوسی اپنی عورتوں کو الگ تھلگ رکھتے، لیکن یہ رسم انھوں نے بازنطینیوں سے سیکھی تھی جو اپنی عورتوں کی سخت نگرانی کرتے تھے۔ ان ابتدائی پشتوں میں تو یہ خیل کی عورتیں آزادی سے بے پردہ پھرتیں۔ مغل جرگے کی وجہ سے دیہاتی زندگی میں کوئی خاص بیمانہ خلل نہ پڑا تھا۔ مغل خانہ بدوش شاذ و نادر ہی نمودار ہوتے اور کبھی زیادہ عرصے تک دیہات میں نہ ٹھہرتے۔

ان کافروں کے توہمات اور رُوسی رُوحوں کے مبہم صوفیانہ پن میں ایک طرح کی ہم آہنگی تھی۔ فاتح اور مفتوح کے درمیان کوئی تمدنی تصادم نہ تھا۔ مغل جادوانی آسمان سے ڈرتے تھے۔ رُوسی خدا کے خوف سے دہشت کھاتے تھے۔ خیمے کا رہنے والا سے پر آگ نہ ڈالتا یا پانی سے بھرا ہوا ظرف نہ چھلکاتا اور اپنے توہمات کی وجہ سے وہ سمجھتا تھا کہ روسی "تو تار" دیہاتی

جھونپڑی) کا رہنے والا اس لیے اصطبل میں نمک بکھیرتا ہے کہ اصطبل کا آسیب داخل نہ ہونے پائے۔ دونوں قومیں جنگلوں کے بھوتوں کے تعاقب سے ڈرتی تھیں۔

مغل جُوا دراصل ایک کاروباری بات تھی۔ اس کی وجہ سے مردم شماری کی ضرورت پیش آئی، جو ایک عظیم کارنامہ تھا اور روسیوں کے لیے بالکل انوکھا۔ اس کی وجہ سے سکوں کی تعداد بڑھ گئی، ایشیائی ترازو استعمال کی جانے لگی (جسے رُوسی سوویٹ مزدور اب بھی اپنے دفتروں میں استعمال کرتے ہیں) جو مغل الفاظ روسی زبان میں داخل ہوئے اُن میں سے اکثر و بیشتر تجارت سے متعلق ہیں جیسے بازار، تووار (سامان) پولو (تانبے کا سکہ) دینگا (چاندی)۔

لیکن اس کے سوا رُوس کی سرزمین پر دہشت اور ہیبت کا سایہ پڑ گیا۔ امن چین کی یہی ایک صورت تھی کہ نظر سے اوجھل شہسواروں کی اطاعت کی جائے۔ دو صدیوں سے زیادہ عرصے کے لیے روس کا تعلق مغرب میں جاگیرداری نظام کے طاقت و نشو و نما سے منقطع ہو گیا۔ آزادی کے مفہوم سے واقف ہوئے بغیر اہلِ رُوس غلامی سے مطلق العنانی کی سرحد میں داخل ہوئے۔ باتو اور برقائی اور زرین خیل میں ان کے جانشینوں نے روس کو الگ تھلگ رکھا تھا اور اس کا رُخ بجائے مغرب کے مشرق کی طرف پھیر دیا۔

اِن صدیوں کی علیٰحدگی میں روسیوں کا ایک ہی سہارا تھا ــــ خانقاہیں اور کلیسا۔ پہلے حملے کے بعد دشت نوردوں کی توہم آمیز رواداری نے مذہبی اوقاف کو ہاتھ نہ لگنے دیا۔ کلیسائی عبادتی محرابوں کے سونے کے ظروف اور مقدس تصویریں جُوں کی تُوں محفوظ رہیں۔

اپنی تیز سیاسی فراست کے باعث خانہ بدوش یہ جانتے تھے کہ رُوسی عوام پر قابو اور اثر رکھنے میں اُن کے پادریوں سے بڑی مدد ملے گی۔ انھوں نے کلیساؤں کو "وہیود" "محصول سے مستثنےٰ" قرار دیا اور سفید و سیاہ پوش پادریوں کو جان کی امان بخشی۔

اس کا ایک قدرتی نتیجہ نکلا جو شروع شروع میں نظر آیا۔ جو "اسمردی" "محصول نہ ادا کر پاتا، خانقاہ میں پناہ لیتا۔ جو امیر "بویار" چاہتا اپنی دولت کسی کلیسا کو بخش دیتا اور بیرونی دنیا کے آلام و مصائب سے محفوظ وہاں فکر و عبادت کی زندگی گزارتا۔

پادری یہ خطبہ دیتے "خدا نے رُوسیوں کو اُن کے اعمال کی سزا دی ہے۔" وہ مغلوں کے جُوے کو "بوزہی باتوگ" یا خدا کی مار کہتے۔

اس لیے مذہبی غلو رکھنے والے لوگ، گناہوں کی تلافی کے لیے خانقاہوں میں توبہ و استغفار کی زندگی بسر کرتے۔

یہاں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی تصویریں پچی کاری اور زرکاری سے مرصّع دیواروں پر آویزاں تھیں، یہاں اُن لوگوں کو ایک طرح کی امید سے ڈھارس ہوتی جس کا باہر کی زمین میں وجود نہ تھا۔ اِن خانقاہوں کی آبادی بڑھتی گئی اور کلیسا کی طاقت میں بے روک اضافہ ہوتا گیا۔ داڑھی والے پادری قضیوں کا تصفیہ کرنے لگے۔ خانقاہوں کی زمینیں ان کی دیواروں کے آگے بڑھتی گئیں اور روسی اسقفِ اعظم جس کا بارھویں صدی کے پر آشوب زمانے میں کوئی اثر نہ تھا، اب بڑے سے بڑے رُوسی رئیس اور شہزادے سے زیادہ طاقت ور ہو گیا۔ اُس کی آواز رُوس کی سرزمین کی آواز بن گئی۔

مغلوں کے ایک اور انوکھے پن سے رُوسی کلیسا کو مدد ملی۔ خان کا اصرار تھا کہ رُوسی رئیس اور شہزادے آپس میں امن قائم رکھیں۔ بغیر خان کی اجازت کے کوئی خانہ جنگی نہ کر سکتا۔ خواہ اپنی یورشوں میں مغلوں نے یہ حق محفوظ رکھا تھا کہ وہ آبادی کا دس فی صد حصّہ فوج میں بھرتی کر لیں، لیکن اس فوجی بھرتی کے لیے وہ روسیوں کو بہت کم طلب کرتے۔ کلیسا خانہ جنگی کی تباہیوں سے محفوظ تھا۔ اس صلے میں پادری اپنے نئے آقاؤں کے جان و مال کے لیے دعا کرتے۔ برقائی خان نے حکم دیا تھا کہ اپنے شہر سرائے برقائی میں، جس کی تعمیر ہو رہی تھی، ایک اُسقف کا تقرر کیا جائے۔

اِس طرح مغلوں کی حکومت کے دوران میں روسی کلیسا نے وہ طاقت حاصل کر لی، جس کا زور بیسویں صدی تک نہ ٹوٹا۔

آفتابِ رُوس

رُوسی سرزمین کا ایک حصّہ خیل کی تگ و تاز سے بچ گیا۔ شمال میں جہاں چیل اور صنوبر کے درخت بحیرۂ منجمد شمالی کے ٹائیگا کے قریب کی جھیلوں کے قریب اُگتے ہیں، عظیم الشان شہر نووگورود بچ گیا۔ پہلے پہل تو یہ ہوا کہ مغل فوجیں دوسری مہمات میں اِس قدر منہمک تھیں کہ انھوں نے نم جنگلوں کے علاقے میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہ لیا، لیکن باتو خاں یہ نہ بھولا تھا کہ جنگل کے اندر بحیرۂ بالٹک کے کنارے تاجروں کی امیر جمہوریت باقی رہ گئی ہے۔

یہ بڑی سخت جانی سے آزاد رہی اور اس کے ساتھ اس کا سلاف تمدّن باقی رہا، لیکن پھر بھی اسے امتحانِ جنگ سے ہو کر گزرنا پڑا۔ مغلوں کی پہلی یلغار پر نووگورود کے شمالی ہمسایوں یعنی اہلِ اسکنڈے نیویا، لیودینوں اور ٹیوتانی نائٹوں نے ہتھیار اُٹھائے اور جیسے کہ نووگورود کا صحیفہ نگار الم کے پیرایے میں بیان کرتا ہے، اس آزاد شہر کی مدد کے لیے نہیں بلکہ اُس کو لُوٹنے کے لیے۔ یہ قوم جو مغلوں کے آگے بھاگ رہی تھی، اِس جمہوریت

کے علاقے میں لوٹ کھسوٹ کرنے لگی۔

دریائے نیوا کے کنارے ایک روسی شہزادے نے ان عیسائی حملہ آوروں کو مار بھگایا اور بڑا نام پیدا کیا۔ اس کی قوم نے فتح کے سرور میں اُسے اِسکندر نیوسکی کا لقب بخشا۔

لیکن بالٹک کے کنارے اُس کی ان کامیابیوں کی خبر باتو خاں کے کانوں تک پہنچی، جسے یاد تھا کہ روسی شہروں میں سے اب تک صرف نووگورود نے اطاعت نہیں قبول کی تھی۔ اُسے یہ بھی یاد آگیا کہ اِسکندر کے والد یاروسلاف نے، جو ولادی میر کا رئیس اعظم تھا، مغلوں کی اطاعت قبول کر لی تھی اور قراقرم کا سفر کیا تھا اور واپسی کے دوران میں دشت میں انتقال کر گیا تھا۔

اور باتو خاں نے اِسکندر نیوسکی کی یاد دہانی کی "آسمان نے لاتعداد قوموں کو میرا مطیع بنایا ہے۔ تم اکیلے کیوں میری طاقت کے آگے سر نہیں جھکاتے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارا علاقہ تمھارے قبضے میں باقی رہے تو بنفسِ نفیس میرے دربار میں حاضر ہو کے میری حشمت اور شوکت کا حال دیکھو۔"

اب اِسکندر کے لیے دو صورتیں تھیں، یا تو وہ دوسرے رئیسوں کی طرح مقابلہ کرے۔ روایتی انداز میں نام اور شہادت حاصل کرے اور اپنی قوم کو قربان کر ڈالے۔ یا پھر خان کے قدموں پر گر کر اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ نووگورود کے شہری اِس پر اڑے ہوئے تھے کہ اپنی کاٹھ کی دیواروں میں جم کے مغلوں کا مقابلہ کریں گے۔ اِسکندر جانتا تھا کہ یہ حماقت کی بات ہے۔ اُس نے مغلوں کی اطاعت قبول کر لینے کا فیصلہ کیا۔

جب "پوساندک" (نقیب) نے یہ خبر نووگورود کی سڑکوں پر سُنائی اُسے شہریوں نے مار ڈالا۔ اِسکندر کے بیٹے نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ "میں اپنے باپ کے خلاف ہوں جو آزاد لوگوں کے کاندھے پر غلامی کا جُوا رکھ رہا ہے۔" اِسکندر نے آہنی نظم و ضبط سے کام لیا۔ اپنے بیٹے کو قید کر دیا اور اپنی قوم میں بغاوت کے سرغنوں کو قتل کروا دیا۔ پھر اِسکندر اپنا بُزدلی کا کارنامہ انجام دینے اور خان کی جوتیوں کے آگے قالین پر سجدہ کرنے روانہ ہُوا۔

عاقل مغل نے اُس سے کہا "مجھ پر یہ روشن ہے کہ تم اِس علاقے کے دوسرے رئیسوں اور شہزادوں سے افضل ہو۔"

اُس نے اِسکندر اور اُس کے بھائی کو خاقانِ اعظم تویوق کی خدمت میں روانہ کیا، جس نے حکم دیا کہ نووگورود کے اس سردار کو روسی شہزادوں میں سب سے ممتاز درجہ دیا جاتا ہے اور باتو کے زیرِ سایہ کیف کے ویرانے سے لے کر شمالی برفستان تک کے سارے علاقے پر حکومت کرے گا۔

لیکن نووگورود کے شہریوں نے پھر بغاوت کی اور کہا "امیروں کی تو بن آئی ہے جن کے پاس مال و جاہ ہے۔ ہم غریب
اور بے بس لوگ زندگی کی سب سے بڑی نعمت 'آزادی' کھو بیٹھے ہیں۔"

وہ مخالفت کے لیے بڑے کلیسا میں اکٹھا ہوئے۔ اِسکندر نے پھر انھیں سمجھایا بجھایا اور قسم کھائی کہ اگر شہریوں نے
نووگورود میں مغلوں کی مزاحمت کی تو وہ اپنی فوج سمیت اُن سے الگ ہو کے چلا جائے گا۔ اُس نے اپنے آپ کو مغ
بشکاک اور قاصد کے درمیان رکھا تاکہ جب وہ گھر گھر پھر کے مردم شماری کریں تو قتل نہ کر دیے جائیں۔ توہم پرست روسیوں
کے لئے میں مردم شماری بجائے خود بہت بڑی بدعت تھی۔ اس نے پادریوں کو اِس پہ آمادہ کیا کہ وہ اطاعت کی تلقین کریں
اس نے زبردستی "دیسد" (محصول) ادا کروا دیا۔ جب ۱۲۶۲ء میں سُوزدال کے علاقے میں محصول کے خلاف بغاوت ہوئی
تو وہی ان کی وکالت کے لیے برقائی کے قدموں پر جا گرا کہ ان کی جاں بخشی کی جائے۔

باتو کی طرح برقائی بھی اسے بہت چاہتا تھا اور اِس وجہ سے شمال نے قتلِ عام سے بچ گیا لیکن برقائی نے اِسکن
کو آخر وقت تک سرائے ہی میں رکھا۔

روسیوں میں جو طفلانہ جذباتیت ہے وہ پھر یوں ظاہر ہوئی کہ جس شدومد سے وہ اِسکندر نیوسکی کی زندگی پر لعنت
بھیجتے تھے اُسی شدومد سے انھوں نے اُس کا ماتم کیا۔ ولادی میر میں اُسقفِ اعظم نے اعلان کیا "میرے بچو روس ک
آفتاب غروب ہو گیا" اور سامعین نے نعرہ بلند کیا "اب کون ہماری حفاظت کرے گا۔"

کوئی فردِ واحد روس کو بچا نہ سکتا تھا۔ اگلی پشت کے شہزادے مغلوں کا جُوا اٹھاتے اٹھاتے پل بڑھ کے جوان
ہوئے تھے۔ ان کی کوئی تحریک خان کی اطاعت کا غیر مرئی جُوا نہ اُتار سکتی تھی۔ اِسکندر نے اپنی قوم کو خیل کی فوج میں
بھرتی ہونے سے بچا لیا تھا لیکن اس کا بیٹا اندریئی اپنی "دُرو جینا" (فوج) کے ساتھ مغلوں کی مدد اور روسی شہر
ولادی میر کو لوٹنے کے لیے بڑھا۔ ایک اور رئیس گلیب نے خان کی ایک لڑکی سے شادی کی اور خیل کے ساتھ ایک یورش
میں شریک ہو کے قفقاز چلا گیا۔ خیل کے سواروں کی طرح روسی سپاہی بھی مالِ غنیمت کا ایک حصہ تنخواہ سمجھ کے
وصول کرتے۔

اس غلامی کے بعد آسانی سے اِس کی نوبت بھی آ گئی کہ یہ روسی رئیس اپنے آپس کے جھگڑوں میں ایک دوسرے
کے خلاف مغلوں کی مدد مانگنے لگے۔ ایک عیسائی رئیس سرائے کے آقا کی خدمت میں عریضہ بھیجتا کہ پڑوس کے شہر پر دھاوا
کے لیے اُسے مغل سواروں کے دہشت ناک دستے کی کمک دی جائے اور چونکہ ہر عریضے کے ساتھ زر و جواہر کے بیش بہا

تحائف پیش ہوتے، اس لیے خان یہ سمجھنے لگے کہ رُوسی رئیسوں کی باہمی رقابتوں سے خوب نفع کمایا جا سکتا ہے۔ اب انھوں نے رُوسی رئیسوں کو باہمی خانہ جنگی سے باز رکھنا چھوڑ دیا۔

ان حالات میں قدرتی طور پر جو رئیس خان کے لیے سب سے بڑا اطلاعی جام لاتا، سب سے زیادہ اعزاز حاصل کرتا۔ اُن کی ساری دولت سرائے میں خان کے قدموں میں جمع ہو رہی تھی۔

اس کی وجہ سے "دیہوو" کے حصول کے طریقے میں بھی تبدیلی ہو گئی۔ اب تک مُسلمان بشکاک سالانہ محصول جمع کرتے تھے، اب یہ خدمت رُوسی رئیسوں کے سپرد کر دی گئی، ساتھ ہی ساتھ مغل اس کی احتیاط کرتے کہ ہر پشت میں نئی مردم شماری کی جائے اور اس کا صحیح اندازہ ہو جائے کہ کتنا محصول وصول ہوتا ہے۔ ان کے اپنے نمائندے مردم شماری کیا کرتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جو روسی رئیس زیادہ محصول داخل کرتا اُسی کی زیادہ عزّت کی جاتی۔ اس طرح رُوسی سرزمین کے رئیس محصول نچوڑ بن گئے۔ وہی سرائے کے خان کی پولیس بن گئے۔ اس طرح عہدِ تتار کے رُوس کے ایک اور عنصر کی بنیاد پڑی۔

سرزمین دست و پا شکستہ تھی۔ کیف کا اعلیٰ تمدّن فراموش کیا جا چکا تھا۔ رُوس ایک ایسا وسیع زنداں بن گیا، جو غلاموں نہیں بلکہ چاکروں پر مشتمل تھا۔ جہاں غریب اُن آقاؤں کے لیے محنت کرتے جو مطلق العنان حاکم کے باجگزار تھے۔ اس چاکری سے نجات ناممکن تھی۔

شمال میں نووگورود پر یورپی بالٹک کا اثر بڑھتا ہی گیا۔ نووگورود کی تجارت سویڈن کے ساتھ بڑھنے لگی اور سویڈن کے تمدن کا اثر نمایاں ہونے لگا۔ نووگورود کے جنوب میں وحشی لیتھونیوں نے مغربی سرحد پر اودھم مچا رکھا تھا۔ بغیر کسی تبدیلی کے اس علاقے میں اہلِ روس وحشی پن کے دھندلکے میں زندگی گزار رہے تھے۔ اگلی صدیوں کی رُوحِ عمل فرو ہو چکی تھی۔ اب کوئی شہزادہ ایگور باقی نہ تھا جو رُوسی "ودی جینا" کو لے کے دشت نوردوں کے خلاف فوج کشی کر سکے۔

یہ وہ دھندلکا تھا جس میں شمشیروں اور شہنشاہ کی سخت بازنطینی شکلوں کی روشنی کم کم پہنچتی تھی۔ اس دھندلکے میں رُوس سخت جان بن گیا۔ ان کے سردار خاموشی اور چال بازی کے بل جیتتے تھے، چونکہ وہ خود غلام تھے، اس لیے بیدردی سے دوسروں سے غلامی کراتے۔ ان کی اپنی جانیں محفوظ نہ تھیں، اس لیے انھیں دوسروں کی جان کی پروا نہ تھی۔ پلک جھپکائے بغیر وہ دوسروں کو عذاب پاتے دیکھتے۔

لیکن ان کی سخت جانی باقی رہی۔

اور آگے مغرب میں ایک اور سلاف قوم، پول علم و ہنر میں ترقی کرتی رہی، لیکن رُوسی جُوں کے تُوں رہے۔ پولینڈ

جو اب مغلوں کی یورش سے محفوظ تھا سلاف دنیا کا نیا مرکز بن گیا۔ نشاۃِ ثانیہ کی تجلی پولینڈ تک پہنچی، رُوس تک نہیں۔ نکولا ئی کوپرنیک (کوپرنیکس ۱۴۷۳ء تا ۱۵۴۳ء) کراکاؤ کی یونی ورسٹی میں تعلیم دے رہا تھا۔ کیف مٹ چکا تھا۔ رفتہ رفتہ اُس کی جگہ کراکاؤ نے لے لی۔

کریملن کی تعمیر

اس جمود کے زمانے میں ماسکو کا عروج شروع ہُوا۔ موسکوا ندی ("موسکوا" کے معنی ہیں متلاطم پانی) کے کنارے، ایک گھنے جنگل سے ڈھکی چھوٹی پہاڑی پر فِن باشندوں نے کھاٹ کی کچھ جھونپڑیاں بنائی تھیں جنھیں مغلوں نے اپنی پہلی یورش کے دوران میں جلا ڈالا تھا۔

اسکندر نیوسکی کے ایک بیٹے کو یہ علاقہ جاگیر میں ملا اور یہ تجارتی چوکی بن کے ترقی کرنے لگا کیونکہ جنوب سے دریا کے راستے غلہ اور شہد نووگورود کے تاجروں کی منڈیوں میں بکنے کے لیے اسی دریا کے راستے جایا کرتا تھا۔ جنگل میں کلیسا تعمیر ہونے لگے اور ان میں سے ایک کلیسا، کلیسائے محافظِ صنوبر کے نام سے مشہور ہے۔

دوسروں کی طرح ماسکو کے رئیس بھی سرائے کے خان کے بشکاک بن گئے۔ وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ عیار اور زیادہ بے رحم تھے، اس لیے انھوں نے اپنی اُمنگوں کو مغلوں کی مرضی کا تابع بنایا اور ہلاکت سے بچے رہے۔ اکثر ماسکو کے علاقے میں خون کی ندیاں بہائی گئیں۔ عیاری اور فولادی قوتِ ارادی سے دوسری جاگیروں کو ماسکو کے خاندان کے ورثے میں ضم کر لیا گیا۔ مغلوں کو زیادہ خراج دینے کے لیے محصول دُگنا کر دیا گیا اور مغلوں کی مدد سے رقیب فیلقوں کو زیر کیا گیا۔

سُوزدال اور نووگورود ماسکو کو خراج دینے لگے۔ کریملن کی بلندی پر عظیم کلیسا بنائے جانے لگے جہاں سے مُجوسے دریا کا منظر نظر آتا تھا۔ رُوس کے اُسقفِ اعظم نے اِن محفوظ کلیساؤں میں رہنا شروع کیا۔ یہیں ماسکو کے رئیس اپنی قبروں میں دفن ہوتے۔

یہاں تک کہ ماسکو کا حاکم اپنے آپ کو سارے رُوس کا رئیسِ اعظم کہہ سکا۔ اس طرح کریملن میں مغلوں کے مقابلے کی بنیاد رکھی گئی۔

ماسکو کا رُخ مشرق کی سمت

اب سولھویں صدی آ گئی تھی اور ایوان کا دَور تھا جس کا لقب 'خونخوار' ہے۔

ماسکو کے رؤسائے اعظم کی توجہ ایک مرکز پر مرکوز تھی، یہ کہ کسی نہ کسی طرح تاتاریوں کے فوجی جوئے کو اتار پھینکا جائے۔ زرین خیل منتشر ہو چکا تھا، مگر تاتاری خان اب بھی قازان اور استراخان اور یوکرین کے مالک تھے۔

ایک عجیب بات ظہور پذیر ہوئی تھی۔ ان دو صدیوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی، لیکن اس طویل اسیری کے زمانے میں روسی عوام کے دل مضبوط ہو چکے تھے۔ یہ یورپ کی لاوارث قوم تھی۔ اب بھی وہ بڑے درد سے پرانے زمانے کے کیف کو یاد کرتے۔ روسی عوام کیف سے محبت کرتے تھے، ماسکو سے ڈرتے تھے۔

ایک اور اثر تھا جو رئیسوں اور عوام کا تعلق ماضی سے استوار کیے ہوئے تھا۔ تاتاریوں کے علاقوں سے دور قسطنطنیہ پر عثمانی ترکوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ان مسلمانوں نے اس بازنطینی شہر میں بطریق[1] کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماسکو کے کلیسا کا اسقفِ اعظم قسطنطنیہ کے بطریق کا وارث بن بیٹھا۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ یونانی کلیسا نے ماسکو کے زار کو قسطنطنیہ کے بازنطینی شہنشاہوں کا جانشین تسلیم کر لیا۔ یہ ان نیم دیوتا شہنشاہوں کا جانشین تھا جو روم الکبریٰ کے اقبال کے دور سے اب تک قیصروں کا قرمزی ملبوس پہنتے آئے تھے۔ ماسکو کے ایوان سوم کی شادی بازنطینی قیصری خاندان کی شاہزادی زو صوفیا پیلیالوگ سے ۱۴۹۲ء میں ہوئی تھی۔ یہ وہی سال تھا جس میں کولمبس سمندر چھان رہا تھا۔ روس کے اسقفِ اعظم نے ایوان کے متعلق اعلان کیا "وہ سارے روس کا آقا اور مطلق العنان حکمران اور نئے قسطنطنیہ ماسکو کا زار ہے۔"

اس درمیان میں ترکوں کی آمد آمد کی وجہ سے بہت سے بازنطینی علماء اور حکماء قسطنطنیہ سے بھاگ گئے تھے۔ ان ہنرمندوں نے مغرب خصوصاً اٹلی میں پناہ لی جہاں ان کی مدد کے لیے نشاۃِ ثانیہ کو بڑا فروغ ہوا۔ بازنطینی علماء مشرق کی طرف، روس نہیں گئے۔

ماسکو کے شہنشاہ بازنطینہ کے قدیم جاہ و حشم سے گھرے ہوئے تھے۔ زار کی خواب گاہ میں کھڑکیاں نہیں ہوتی تھیں۔ بھلا ایسی جلیل القدر ہستی کے لیے دن کی معمولی سی روشنی کی کیا ضرورت تھی؟ اس خواب گاہ سے عذاب کے کمرے کو راستہ جاتا تھا، جہاں زار یہ دیکھتا کہ اس کے حکم سے ملزموں کی بوٹیاں ان کے جسموں سے کیسے کاٹی جاتی ہیں، لیکن بھلا زار کو رحم کی کیا حاجت تھی؟ جب وہ چاہتا اپنے آہن پوش عصا سے اپنے بیٹے کا سر توڑ دیتا یا سوچ سوچ کے پاگل پنے کی حرکتیں کرنے لگتا۔ پھر بھی وہ زار کا زار رہتا۔

---

[1] یہ تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔ آج بھی یونانی کلیسا کا بطریق استنبول ہی میں رہتا ہے۔ مترجم

ماسکو بازنطینہ کے توہمات کا وارث بنا۔ اس کے حکمرانوں نے اپنے نشان و پرچم پر بازنطینہ کے دہرے عقاب کے ساتھ تین تاج اور شامل کر لیے۔ ان میں سے ایک تاج ماسکو کا تھا اور دو قازان اور استراخان کے ـــــ جو بہت جلد فتح ہو گئے۔

ان حکمرانوں کے اطراف بھدی بازنطینی کاریگری کے نمونے تھے ـــــ اطالوی معماروں کو بلا کے انھوں نے رنگین اینٹ پتھروں سے کریملن کے اطراف کئی عمارتیں بنوائیں۔ کریملن کی دیوار کے اطراف جو برج بلند ہوئے، ان کا معنیٰ و مقصد کچھ نہ تھا۔ یہ سان واسی لی کے جھروکوں اور برجوں کی نقل تھے، خواب کی طرح پریشان۔ ان کا ذوق کچھ شہرِ وینس کا تھا، کچھ اور کی ملی ہوئی سوقی کا۔ ان کا پیچ و خم بھی کریملن والوں کے دماغوں کے پیچ و خم جیسا تھا۔ یہ قبلائی کے فصیل بند شہر تائی تو سے ایسے زیادہ مختلف نہ تھے۔

ماسکو کے زاروں کی نظر کے سامنے ایک عجیب منظر کھلا تھا۔ ان کے اطراف تاتاریوں کے ہمہ گیر علاقے تھے، ان کے ذہنوں پر تاتار خانوں کی غلامی کی مہر تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ انھیں ایک ایسا جاودانی حق حاصل ہے جو اور تاجداروں کو نصیب نہیں۔ وہ اپنے آپ کو ان دونوں اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکے۔

اس درمیان میں روسی عوام کی بے چینی ایک آواز بن گئی: ـــ "تم تاتاریوں کو روسیوں کی سرزمین میں کیوں لائے ہو؟ تم نے انھیں زمینیں اور آبادیاں کیوں دی ہیں؟ تمھیں حد سے زیادہ تاتاری اور ان کی باتیں کیوں پسند ہیں؟ تم کسانوں پر حد سے زیادہ جبر کیوں کرتے ہو؟ سارا چاندی سونا اور دنیا کی نعمتیں تاتاریوں کو کیوں دیے ڈالتے ہو؟"

گاؤں میں عورتیں بچوں کو یہ لوری سناتیں:ـ

"بائیو، بائیو جی، بائیو
چھوٹے سے بچے سو جا ـــ اور خواب میں یہ دیکھ کر تو جنگجو اور بہادر ہے
اور تو اپنے ہتھیار دیوار سے اتار رہا ہے
اور تلوار اور پستول باندھ رہا ہے،
اور جا رہا ہے
کافر تاتار کو مارنے باندھنے
اور اس کے سارے چھوٹے چھوٹے تاتار چوں کو مارنے باندھنے۔"

کبھی کبھی عوامی گیت مستقبل کی خبر دیتے ہیں۔ روسی سواروں نے اپنے پستول استعمال کیے۔

ماسکو کی صورتِ حال بدل گئی تھی۔ پرتعانی کے زمانے میں ساری رُوسی ریاستوں کے مقابلے میں ایک ولحد نذین خیل تھا اب صرف ایک ماسکو تھا جس کا قبضہ مُوزوال کے وسطی حصّے پر تھا اور اس کے مقابل تین یا چار چھوٹے چھوٹے خان تھے۔ اب اپنی رقابتوں میں تاتاری خان ایک دوسرے کے خلاف ماسکو کے رئیسِ اعظم سے مدد مانگتے تھے۔ اِی وان چہارم نے یکے بعد دیگرے ایک ایک کرکے اِن پر حملہ کیا اور روسی سلطنت کو مشرق میں وولگا تک پھیلا دیا۔ ۱۵۵۱ء میں قازان اور ۱۵۵۶ء میں استراخان کو فتح کر لیا۔ اِس فتح کے دوران میں اُس نے اوپری دریا کی فِن آبادی اور دشت کے بلغار و تُرک قبیلوں کو بھی منتشر کر دیا۔

بڑے مغل عساکر کی فوج کشی کے مقابلے میں یہ لڑائی بڑے چھوٹے پیمانے پر تھی، لیکن اِس کی وجہ سے ماسکو کے حکمرانوں کی حیثیت بدل گئی۔ بجائے چاکر ہونے کے وہ مطلق العنان ہو گئے۔ ہر لحاظ سے تیمور لنگ کی طرح انھوں نے بھی جُوچی کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔ تیمور لنگ کے برعکس انھوں نے اِس تخت کو اپنے تصرف سے نکلنے نہ دیا۔

مغربی دیوار اور مشرق کا راستہ

عمل کی تحریک اُن کی اپنی نہ تھی۔ انھوں نے عوام کی اس خواہش کا ساتھ دیا کہ "دبیود" محصول کی ادائیگی بند کر دی جائے۔ انھوں نے قازان کا رخ اس لیے کیا تھا کہ یہ ایک بڑا متمول تجارتی مرکز تھا۔ دریائے وولگا خود مشرق کی تجارت کی بہت بڑی شہ رگ تھی۔ ایک مقصد کے بعد دوسرا مقصد ان کی دامن کشی کرتا۔

اور کسی جانب وہ پھیل نہ سکتے تھے۔ جنوب مغرب میں ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت بلقان پر حکمران تھی۔ مغرب میں یہ پولینڈ کی ریاست کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا اور شمال میں اہلِ لیتھونیا جنگلوں اور دلدلوں کے علاقوں پر قابض تھے۔ شمال مغرب میں اب بھی نوو گورود جرمنوں کو پیچھے ہٹانے کے لیے جنگ کر رہا تھا اور اُن سے معاہدے کر رہا تھا۔ پرانی ضرب المثل تھی: "خدا اور حضرت نوو گورود سے ڈرو۔" لیکن اہلِ ماسکو جرمنوں کے بارود کے ہتھیاروں سے اور زیادہ ڈرتے تھے۔ اہلِ سویڈن نے ان کے لیے بالٹک کے ساحلوں کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔

شمالی جنگلوں کے کنارے فِن قوم اپنے پرانے موروثی علاقہ میں جمی ہوئی تھی۔ یہ جھیلوں اور ایک وسیع جزیرہ نما کا علاقہ تھا جو بحرِ منجمد شمالی تک پہنچا تھا۔ نیم کافر فِن اور اُن کے جادوگر جھیل لیڈوگا کے ساحل پر شکار کھیلتے اور اُس علاقے میں جہاں آگے چل کے سینٹ پیٹرس برگ کی تعمیر ہونے والی تھی۔

اِس طرح مغرب کا راستہ روسیوں پر بند تھا۔ مغرب کی قومیں بہت زیادہ متمدن تھیں، زیادہ اچھی طرح

مسلح تھیں اِس لیے ماسکو کی نیم تاتاری فوجیں اُن پر یورش نہ کر سکتی تھیں۔ فی الوقت بحیرۂ اسود کے کنارے کے نوگائی تاتار س قدر طاقت ور تھے کہ اُن پر حملہ کرنا بہت دشوار تھا، اس لیے اِی وان چہارم نے مشرق کی طرف رخ کیا۔

قازان کی فتح کے بعد رُوسیوں کو ایشیائیوں کے خوف سے آزادی ملی۔ مشرق کی طرف پہلا قدم انھوں نے ی آسانی سے اٹھایا تھا اور بڑا نفع کمایا تھا۔ خان کے شہر کی مٹی اور شہتیروں کی بنی ہوئی فصیلیں بہت آسانی سے ٹوٹ ئیں مگر روسیوں کو اِس سے تین صدیوں کی غلامی کے بعد آزادی نصیب ہوئی۔ اِی وان عجیب فطرت کا آدمی تھا۔ ہ مغربی قوموں کی ہنسی اُڑاتا۔ قیصروں کا وارث اور خانوں کا فاتح ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو یورپ کے دوسرے دشاہوں سے افضل سمجھتا۔

اُس نے پولینڈ کے بادشاہ کو یقین دلایا، جس کا انتخاب حسبِ دستور اُمراء نے کیا تھا: "تم بادشاہ بنائے گئے ہو، دشاہ پیدا نہیں ہوئے۔ چونکہ تمھارے امیروں نے تمھیں انتخاب کیا ہے، اِس لیے ان کے طفیل تم نے سلطنت حاصل کی ے۔" وہ سویڈن کے بادشاہ کو عمدہ ولد کہتا تھا اور اُس نے انگلستان کی ملکہ الزبتھ کو ملامت کی کہ تم اپنے ملک پر ملکہ کی رح حکومت نہیں کر رہی ہو بلکہ موقع پسندوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہو۔ اگرچہ اسی الزبتھ کو اس نے کچھ عرصہ بعد ط بھی لکھا کہ اگر مجھے ماسکو سے بھاگنا پڑا تو میں تمھارے ملک میں پناہ لوں گا۔

اپنے متعلق وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں انسانوں کی مرضی سے نہیں، خدا کے منشا سے زار ہوں۔ وہ صرف تُرکوں کے طان اور کریمیا کے خان کو اپنا ہم سر سمجھتا تھا۔ وہ چنگیز خاں کی نسل کے تاتاروں کو اپنے اُمراء سے زیادہ افضل سمجھتا تھا۔ ی نسل کے ایک امیر کو اس نے رُوسی شہزادے کا لقب بخشا۔

اِی وان کے اُمراء بڑی خوشی سے تاتاری خانوں کے خاندان کی لڑکیوں سے شادی کرتے۔ مسلمانوں کی طرح وہ دُلہنوں کو پردہ کراتے۔ وہ تاتاری گھوڑوں پر سوار انھیں جیسے مرصع ہتھیار باندھتے۔ جب یہ روسی شہسوار مغربی سرحد پر رہوتے تو اہلِ پولینڈ اور اہلِ سویڈن نے انھیں عیسائی نہ جانا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اِی وان خونخوار اور اس کے جانشین اپنے آپ کو زرّین خیل کے حاکم سمجھ کر بہت خوش تے تھے۔ دوسری تین سرحدوں پر جو رکاوٹیں تھیں، ان کو عبور کرنے سے وہ قاصر تھے ——— انھیں پھر مشرق خ کرنا پڑا۔ وولگا کے دہانے پر استراخان کی فتح کے بعد اِی وان نے ایران اور تُرک قبیلوں سے ربط قائم کر لیا۔

تاتاریوں نے گو سے زار کی اطاعت تو قبول کر لی مگر جلدی ہی پلٹ کے جوابی حملہ کیا۔ اب وولگا پر اپنی نئی سرحد رقرار رکھنے کے لیے اِی وان کو ایک مستقل فوج بھرتی کرنی پڑی جو اس کے جلو میں گرد و امیروں اور ان کے چاکروں پر مشتمل

تھی۔ اسے بھی وہی کرنا پڑا جو اس سے پہلے زرّیں خیل کے سرداروں نے کیا تھا، انھوں نے ہتھیاروں کے بل پر دشت مدہ قابو جمائے رکھا۔ اپنے مقصد کے لیے اُس نے گھوڑے اور آدمی بھرتی کر لیے۔ اپنے بویاروں (امیروں) کی ایک جنگی کونسل بنائی اور جس نے اس کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا اُسے قتل کرا دیا۔

اس قسم کی سلطنت میں ماسکو مغرب کی طرف نہ بڑھ سکا۔ اِی وان کے مرنے کے بعد ہلچل اور بدامنی کے زمانے میں اہلِ سویڈن نوگورود تک گھس آئے اور ایک کوساک جو کریملن میں زار بن بیٹھا تھا اُس نے پولینڈ کی ایک شاہزادی کے نام شادی کا پیغام بھیجا۔ دریاؤں کے کناروں پر ڈاکوؤں کا راج ہو گیا اور کلیساؤں کی گھنٹیوں کا بجنا موقوف ہو گیا۔ بویاروں نے بغاوت کر دی۔ ان میں سے بعض کو باہر والوں نے رشوتیں دی تھیں۔

ہلاکو کے اِن ایام (۱۵۸۴ء تا ۱۶۱۳ء) روسیوں نے مغربی تمدّن کی طرف پیٹھ موڑ لی۔ انھیں نشاۃ ثانیہ اور عہدِ اصلاح کا کوئی علم نہ تھا۔

ماسکو کی اِس ہنگامہ آرائی کی وجہ سے اگلے زاروں کا رُخ فیصلہ کُن طور پر، مشرق کی جانب پھر گیا۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کی نئی سلطنت کا بہت بڑا حصّہ انھیں کوساک ڈاکوؤں کے جتھوں نے تحفتہً پیش کر دیا۔

اتامن اِرماک

یہ ڈاکو کوساک تھے، دشت کی ایک نئی نسل کئی پشتوں سے قانون شکن جرائم پیشہ لوگ ماسکو کی آبادی سے سرحدوں کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ اِن لوگوں کو آوارہ گردی کی ہوس تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے سر کی قیمت لگائی گئی تھی۔ جو غلامی اور چاکری سے عاجز آ گئے تھے۔ جنوبی دشت میں یہ تاتاریوں اور خانہ بدوش پشکیوں میں گھل مل گئے تھے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے آوارہ گردوں اور جلاوطنوں کی ایک برادری بنا لی۔ رفتہ رفتہ یہ برادری ایک جنگجو قوم بن گئی جو یوکرین کے سرحدی علاقوں میں شکار کھیلتی، جنگیں کرتی اور نہ پولینڈ کے دعوے داروں کی مطیع تھی، نہ روس کے رئیس کی، نہ ترکیہ کے سلطان کی۔ یہ لوگ قازق یا آوارہ گرد ڈاکو کہلاتے۔

ان میں سے ایک قانون شکن جماعت اپنے اتامن (سردار) اِرماک کے ساتھ بھٹکتی بھٹکتی مشرق میں استروگونوف خاندان کے علاقے میں جا بسی۔ یہ خاندان اُن جاگیردار خاندانوں میں سے تھا جو مشرق کی نئی زمینوں پر حکومت کرتے تھے۔ استروگونوف، سموروں کی تجارت کرتے۔ ان کے پاس غلام تھے۔ سرحدوں کے علاقے میں وہ خودمختار تھے۔ شہتیروں کے بنے ہوئے محلوں میں رہتے۔ ان کی خدمت میں ان کے پادری اور مسلمان تجار حاضر رہتے۔ انھوں نے دریائے کاما

سے آگے اِن بے خطر کوساکوں کو روانہ کر دیا کیوں کہ اس علاقے میں سائبیریا کے تاتار بستے تھے اور استروگونوف جاگیر علاقے میں چھاپے مارا کرتے تھے۔ اپنے لحاظ سے انھوں نے بڑی حکمتِ عملی کی چال چلی تھی کہ اس طرح کوساکوں تاتاریوں دونوں سے پیچھا چھڑا لیں۔

اب ایک خلافِ توقع بات پیش آئی۔ کوساک بڑھتے ہی چلے گئے۔ راستے بھر شکار کھیلتے گئے۔ دریا آتے تو اُن کو کرنے کے لیے کشتیاں بنا لیتے۔ اِرماک اور اس کے قزاقوں نے تاتاری خان کُرچم کو شکست دے کے زیر کر لیا۔ وسط سائبیریا کے جنگلوں کے مالک بن بیٹھے۔ اُن کے دل میں یہ بات سمائی کہ یہ سارا علاقہ استروگونوف کو نہیں، بلکہ روس کے زار کو تحفتہً دے دیں اور اِس طرح اپنی خطائیں معاف کرا لیں۔ ۱۵۸۲ء میں اُن کا یہ تحفہ قبول کر لیا گیا۔

زار جو اپنے آپ کو زرّیں خیل کا وارث سمجھتے تھے، اِس علاقے کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ اِس سے وسیع مشرق میں مزید پیش قدمی کا راستہ کھل گیا۔ اِس نئے ورثے کا نام ہی سیبیر یا سائبیریا پڑ گیا، جس کے معنی ہیں "دروازہ"۔ کوچُون خان نے تفتیش کرنے والے تاتاریوں کو یورال کا راستہ دکھایا، جہاں کوہستان میں بھدی چاندی کی کانیں تھیں۔

یہاں ہری بھری پہاڑیوں کا منظر تھا، نیلی جھیلیں تھیں جن کے کناروں پر چیلوں کا عکس پڑتا۔ دلدل تھیں جن میں جنگلی تازمیں اور بطخوں کی ڈاریں تھیں۔ یہاں میپل کی جھاڑیوں میں تیز رفتار ندیاں بہتی تھیں۔ گھنی گھنی لکڑی کے جنگل دور تک سُرخ و قرمزی افق تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ منظر مغرب کی سست رفتار ندیوں اور دشت کی خشک گھاس کے رمنے سے بہت مختلف تھا۔ کوساکوں کی اگلی پشتیں اِس طرح نئی سرزمینوں کی تلاش میں سرگرداں رہیں۔

اس درمیان میں اُس دوسری سرحد پر جہاں دریائے نیپر شہر کیف کے قریب سے گزرتا ہے، کوساک جنگجو دستوں میں بٹ گئے۔ نیپر کے جزیروں میں ان کا پڑاؤ "سیچ" کہلاتا۔ اس پڑاؤ کو وہ دشمن کے حملے کے وقت خوف سے اِدھر اُدھر بکھرنے۔ یہ زاپوروگین کوساک یا آبشاروں کے نیچے والے کوساک کہلانے لگے۔ وہ تاتاری وضع سے سر مونڈتے اور کیتھولک پولینڈ والوں اور مسلمان ترکوں کے علاقے پر چھاپے مارتے۔ کسی مذہبی غلو سے نہیں بلکہ محض اس لیے کہ مذہب اُن کے جنگ کا بڑا مناسب بہانہ بن گیا تھا اور اِس پر انھیں پورا پورا اعتقاد تھا۔ کبھی کبھی ان کی لانبی لانبی کشتیاں بحرِ اسود کے کناروں پر چھاپے مارتیں۔

ایک حوصلہ مند خورشیدوئی اتامن، بوگدان خمیل نت سکی کی سرکردگی میں انھوں نے اِدھر یوکرین کے کسانوں کو بغاوت پر اکسایا، اُدھر خود نوگائی تاتاروں سے جا ملے اور اس طرح سترھویں صدی کے وسط میں ایک شورش پسند سیاسی طاقت بن گئے۔

اِس عام بغاوت کی وجہ سے اہلِ پولینڈ کو یوکرین سے ہٹنا پڑا، لیکن اِس سے کوساکوں کو ایک ایسا سیاسی عروج حاصل ہُوا جس کی انھیں عادت نہ تھی۔ بہت جلد انھوں نے تصفیہ کر لیا کہ وہ ماسکو کے زار کو اپنا آقا تسلیم کریں گے۔

اِس طرح دوسری بار خود بخود سے مس ہوئے بغیر زاروں کو اپنی سلطنت کا ایک اور حصّہ تحفتہً مل گیا، لیکن کوساکوں کو ماسکو کی حکومت پسند نہ آئی۔ وہ وہاں سے نکل کر دشت کے اُس پار مشرق کی طرف چل دیے جہاں اُن کو رنگلوں سے جن میں گھاس اُگ آئی تھی یہ پتہ چلتا تھا کہ یہاں اگلے زمانے میں خانہ بدوش قومیں رہتی تھیں۔ وہ دریائے ڈان کے کنارے قفقاز کے کنارے کی نشیبی پہاڑیوں تک جا پہنچے۔

ان کا قول تھا "زار ماسکو میں حکومت کرتا ہے اور کوساک ڈان پر۔"

رفتہ رفتہ یہ کوساک اِس قدر سدھ گئے کہ رُوس کی بڑھتی ہوئی سرحد کے اندر فوجوں میں بھرتی ہو گئے۔ اُن کی آبادیاں جو "استانت زا" کہلاتی تھیں فصیل بند اور محکم تھیں۔ اِن آبادیوں کی متحرک سوار فوج کا دستہ اس قدر طاقتور تھا کہ وہ آسانی سے تاتاریوں کے اُردو کا مقابلہ کر سکتا۔ یہ کوساک دستہ زار کے ہاتھ میں وہ کنجی بن گیا جس سے مشرق کا دروازہ کھولا جا سکتا تھا۔

پیٹر، معمارِ سلطنت

ایک شخص، پیٹر اعظم نے رُوس کے مشرقی رجحان کو روکنے کی کوشش کی۔ اُس نے اپنی قوم اور اپنی فوج کو مغرب کے ترقی پذیر سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس کی طبیعت نرم تھی۔ اس نے بڑے ہنگامے سے رُوسی ذہنیت کے روایتی جمود کی مخالفت شروع کی۔ اُس نے اپنے دربار سے گویا بازنطینیت کے بھوت کو جلاوطن کر دیا۔ اُس نے کلیساؤں کی گھنٹیاں گلا کے توپیں بنوائیں اور اپنے سپاہیوں کو قواعد پریڈ سکھانے کے لیے جرمنوں کا تقرر کیا۔ اُس نے اپنی رعایا کو بھرتی کر کے اپنا شہر، پیٹرس برگ بنوایا جس کا رُخ قطعی طور پر مغرب کی سمت تھا۔ یہ دریائے نیوا کے گدلے پانی کے کنارے آباد کیا۔ یہاں سے بالٹک قریب تھا۔ اُس نے اِس شہر کو اینٹوں اور شہتیروں سے تعمیر کیا۔ بحیرۂ بالٹک میں اس نے پہلا رُوسی بحری بیڑہ بنایا۔ پیٹرس برگ جس کی تعمیر فِن قوم کی سرزمین پر ہوئی تھی، اِن قوم کے لیے خطرے کا مرکز بن گیا۔ پیٹر کی فوج نے انھیں شمال میں دھکیل دیا کہ اس پار دھکیل دیا۔ اس فوج نے اپنے نئے توپ خانے اور جنگی داؤ پیچ سے سویڈن کو شکست دی۔

نئی رُوسی سلطنت کے قدم بالٹک کے ساحل پر جم چکے تھے لیکن پیٹر نے اپنے مشرقی ورثے کو بھی فراموش نہ کیا۔ اِدھر وہ بالٹک کے کنارے مدافعت کی جنگ لڑتا رہا، اُدھر وہ یوکرین میں گھستا چلا گیا۔ اس کی سرحدی فوجوں نے ازوف کو فتح کر لیا اور بحیرۂ خزر کے کنارے تک جا پہنچیں۔ اِس زمین سے محصور سمندر میں اُس نے جلدی جلدی کچھ کشتیاں تیار کیں جو ایران

ساحل کی چھان بین کر آئیں۔ اُس نے قفقاز کو پار کرنے اور خانِ خیوا کو مطیع بنانے کی بھی کوشش کی۔

چونکہ وہ اِن مقاصد میں کامیاب نہ ہُوا، اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اُسے اِن کے حصول کی آرزو نہ تھی۔ دو پشتوں بعد ملکہ کیتھرین نے اس علاقے پر، جس کو رُوسی اپنا ایشیائی ورثہ سمجھتے تھے، اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ اُس نے پروشیا شاہ فریڈرک اعظم اور آسٹریا کی ملکہ میریا تھریسیا کے ساتھ شریک ہو کے پورے پولینڈ کے حصے بخرے کر لیے۔ ا کی مغربی سرحد ویانا اور آسٹریا سے آگے بڑھ گئی اور پولینڈ کے تمدن کی نشوونما رُک گئی، لیکن اس نے کریمیا میں تاتاری وں کو بھی مغلوب کر لیا اور سرحدی "استانت زا" بڑھ کے قفقاز کے دامن کی پہاڑیوں تک پہنچ گئے۔ اپنے منظورِ نظر یوں کے ہجوم میں اُس نے بڑی شان و شوکت سے اپنے نئے مفتوحہ ایشیائی علاقوں کا سفر کیا۔ اس کے آگے آگے نقیب ے ملبوسات میں ملبوس مملوک مشعلیں لیے دوڑتے تھے۔ یہ منظر قبلائی خاں کے جلوس کے مقابل زیادہ وحشیانہ تھا۔

باتو خاں کے اِن جانشینوں کے حوصلوں کا یہ حال تھا۔ مشرق کی جانب روسیوں کی حرکت کی زیادہ صحیح تصویر ندگی میں نظر آتی ہے جو اب وولگا کے کنارے نمودار ہو رہی تھی۔ دریا میں استرا خان کی جانب شہتیر بہتے جا رہے تھے۔ ہتوں پر سُولی سے لٹک رہے تھے اور ان کے سر پر گھنٹی بجتی ہوتی کہ قانون شکنوں کو عبرت ہو۔ وولگا کے "یو رلا کی" ن باشندے) دھارے کے خلاف اپنی کشتیاں کھینچتے۔ تاتاری شہسوار دشت کی لانبی لانبی گھاس میں آبادیوں سے دُور رہتے۔ سمور کے تاجروں کی چوکیاں مٹی اور شہتیروں کی بنی ہوتیں۔ استنکا رازن کے سندری قزاق جو کسی آقا کے تھے، اپنی کشتیوں کے بادبان لہراتے، مگر کشتیوں کو جھُوس سے چھپائے مغرب کے وقت دریا میں نکلتے۔

رازن کے جتھوں کا نعرہ تھا "سارین کا چکا۔ آگ بھڑکاؤ اور جلاد و سفید ہاتھوں کے لیے موت"

کوساکوں کا قول تھا کہ استنکا رازن کے جسم سے ایسی بدبو آتی ہے جیسے کوئی بھیڑیا غلاظت کھاتا ہو۔ اُس کے جسم ں کے نشان تھے۔ اُسے اقبال تھا کہ یہ "بالکل بجا تھا" استنکا رازن، رُوس کی ملکہ کے مقابل تھے روس کا صحیح ا، ملکہ جو عنبر اور چینی کے مرصّع چمڑے سے آراستہ کمروں میں بیٹھ کے دربار لگاتی۔ استنکا رازن ڈاکو کا نعرہ بعد بھی سُنا جاتا رہا اور وولگا کے کشتی بانوں کا گیت اب بھی گایا جاتا ہے۔

استنکا رازن کی ساخت دریائے وولگا اور اُس کے قید خانے میں ہوئی تھی جس میں اُس نے اپنی عُمر کے ایام گزارے تھے۔ وہ مغرب سے زیادہ مشرق کا فرزند تھا۔ جن روسیوں نے مشرق کی سمت ہجرت کی تھی ی حال تھا۔

اُس زمانے میں، ایک صدی قبل کی مسی سی پی کے مقابل کہیں زیادہ، دریائے وولگا سندوں کے اختلاط کی

شاہراہ تھا۔ وولگا کے دیہاتی سلاف باپوں اور تاتاری ماؤں کی اولاد تھے۔

اپنے عروج کے زمانے میں مغلوں نے سلاف نسل کی ساخت پر کم اثر ڈالا تھا، لیکن اب اپنے انحطاط کے زمانے میں ان کے اپنے نسلی خصائل کم ہو گئے اور نسلی اختلاط کے باعث وہ روسیوں میں گھل مل کے روسی بننے لگے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس تبدیلی میں اضافہ ہوتا گیا۔

زمین کی بھوک جس کی کسی طرح تسکین نہ ہو پاتی تھی، روسی نو آبادوں کو مشرق کی طرف دھکیل رہی تھی اور جیسے یہ نو آباد مشرق کی طرف بڑھتے جاتے ایشیائی عورتوں سے شادیاں کرتے اور انھیں سے ان کے بچے پیدا ہوتے۔

مشرقی سلطنت

وولگا کے آگے ابتدائی پیش قدمی میں روسیوں نے شمال کے راستے سفر کیا اور ایشیا کے جنگجو قبیلوں سے لڑائی مول نہ لی جو جنوب میں آباد تھے۔ شروع شروع میں فِن نسل کے لوگوں نے بہت کم مزاحمت کی۔ چیرمیس اور ووتیاک قبیلے اپنے کافر دیوتاؤں سمیت جنگلوں سے ہوتے ہوئے مشرق کی سمت بھاگ گئے۔ وہ نہ عیسائی مذہب قبول کرنے کے لیے تیار تھے، نہ روسی آقاؤں کی خدمت کے لیے۔ اس لیے روسی کاروباریوں کو روسی کسان اور مزدور نوکر رکھ کر یہاں لانے پڑے جو موردوا قبیلوں کے درمیان جنگل کے کھیتوں میں کاشت کرنے لگے اور موردوا عورتوں سے شادیاں کرنے لگے۔

اس عرصے میں شمال ہی شمال، منچلے جتھے آگے بڑھتے گئے۔ ساموییڈ اور شمالی آہو (رین ڈیر) پالنے والے جنگلیوں نے جو صلح جو تھے، کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس کے علاوہ ایشیا کے کہستانوں کے مقابل شمالی راستے سے سفر کرنا روسیوں کے لیے زیادہ آسان تھا اور وہ بہت تیزی سے آگے بڑھے۔

۱۶۰۹ء میں کوساک دریائے اوب کے کنارے ٹومسک پہنچ گئے۔ چند سال بعد وہ دریائے ینی سی کے کنارے جا پہنچے۔ ۱۶۳۲ء میں وہ دریائے لینا کے کنارے یاقوتسک پہنچ گئے شہتیروں کے قلعے بنانے لگے۔ یہاں سے ایک جتھا دریا کے بہاؤ پر بحر منجمد شمالی جا نکلا۔ خان اقتان نے اُن سے وعدہ کیا کہ وہ گریٹ زار کے تحفے قبول کرے گا۔ چار سال کے اندر وہ ہزار میل اور آگے بڑھ گئے اور دریائے آمور کے کنارے کنارے اُترنے لگے۔ یہاں اُن کا چین کی سرحدی فوج سے تصادم ہوا اور واپس لوٹ کے انھوں نے ارکتسک کو آباد کیا۔ ایک پشت کے اندر اندر کام چاٹکا اور بحرالکاہل کے ساحلوں پر کھوج لگاتے پھر رہے تھے۔

یہ بڑا وسیع علاقہ ہے۔ اس کا طول ماسکو سے کام چاٹکا تک، شمالی امریکہ کے طول، نیویارک سے ساحل کیلی فورنیا تک کے مقابلے میں دُگنا ہے۔ بحر منجمد شمالی کے قبیلوں کی مدد سے جزیروں کو پار کر کے یہی کوساک الاسکا جا پہنچے۔ ان کے پیچھے پیچھے روسی سموروں کے تاجر پہنچے، جو شمالی امریکہ کے ساحل کے راستوں سے چلے کیلی فورنیا تک اس زمانے میں جا پہنچے کہ ابھی امریکہ والوں نے اس خطے پر اچھی طرح قبضہ بھی نہ جمایا تھا۔

وسط ایشیا کے قبیلے

ابھی تک روسیوں نے وسط ایشیا کے عظیم قبیلوں کی سرزمینوں کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ خانہ بدوش تیر انداز شہسوار اب بھی بڑے طاقت ور تھے۔ انھیں اپنی آزادی پر فخر تھا اور "اُروسی" (روسی) تاجروں یا سپاہیوں کو خراج دینے یا ان کی اطاعت قبول کرنے کی قطعاً کوئی خواہش نہ تھی۔ سترھویں صدی کے آغاز میں چغتائی علاقے کے قبیلے پہلے باتو اور پھر غلدان کے پرچم تلے جمع ہو گئے تھے جو زنگار (مشرقی پہلو) کے خان تھے۔ یہ ترک ابھی تک چنگیز خاں کے سے یاک کے دُموں والے پرچم کو اپنا قومی نشان سمجھتے تھے۔ اس ترک طاقت کے عروج کی وجہ سے چھوٹے موٹے قبیلوں کو یہاں سے بھاگنا پڑا، کیوں کہ دشت کا یہی قانون تھا کہ ایک جتھے کے دباؤ سے دوسرا جتھا ہجرت کرتا تھا۔ جب زنگاری التائی کے دروں سے نمودار ہوئے تو باقی ماندہ مغلوں میں مقاومت کی طاقت نہ تھی۔ وہ مشرقی قبیلوں کی اطاعت نہ کرنا چاہتے تھے جن پر انھوں نے ایک زمانے میں حکومت کی تھی۔ اس لیے باقی ماندہ مغلوں نے مانچو اور چینیوں کی اطاعت قبول کر لی اور ۱۶۹۱ء میں مانچو شہنشاہ کی رعایا بن گئے۔

چینی فوجوں کے توپ خانوں نے زنگاروں کو پیچھے ہٹا دیا۔ پہاڑوں میں ان کا تعاقب کیا اور مانچو شہنشاہ کو تیان شان کے کوہستان اور پنج شہر میں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ اس دوران میں اصلی مغل جھیل بیکال کے جنوب کی چراگاہوں سے چمٹے رہے۔ اب یہ خود مختار نہ رہے تھے، لیکن انھوں نے اپنی روایات اور اپنے پرانے فخر و غرور کو زندہ رکھا۔ بدھ مت کی نرم روی سے یہ نرم پڑ گئے تھے۔

مغربی جتھوں نے ایک پیش قدمی کی۔ اب یہ مغلوں کے مقابل بہت طاقت ور تھے۔ اوئرات یا کلموک (یعنی جلاوطن، کیوں کہ روسی انھیں کالموک کہتے تھے) مانچو فوجوں کے مقابل ڈٹ گئے۔ توپوں کے مقابل تیر اندازی کرتے رہے۔ ان کا ایک گروہ جو تورگت کہلاتا تھا، چینیوں سے بچنے کے لیے مغرب کی طرف ہجرت کر گیا اور روسی دشت میں آباد ہو گیا۔ روسیوں کی نظر میں وہ بدھ مت کو ماننے والے کافر تھے جن پر حکومت کرنی مشکل تھی۔ ان کے سردار کہتے

تھے۔ "کالموک ہمیشہ آزاد رہے ہیں۔ انھوں نے نہ کبھی کسی کی غلامی کی، نہ کریں گے۔"

جب روسی نوآبادوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا تو تورگوت مغربیوں کی حکومت برداشت نہ کر سکے اور بلا اطلاع ۱۷۷۰ء اور ۱۷۷۱ء کے سرما میں جب دریا یخ بستہ تھے انھوں نے خیمے اکھیڑے اور اپنے وطن کی جانب دور دراز سفر پر روانہ ہو گئے۔ ستر ہزار خیمے آہستہ آہستہ وولگا کے مشرق میں، یورال کے اس پار بڑھے۔ یہ ایک خانہ بدوش طاقت کی ہجرت تھی۔ مسلمان قرا کرغیزوں نے بھیڑیوں کی طرح ان پسپا ہوتے ہوئے کالموکوں کا تعاقب کیا اور جو ہاتھ لگا اسے غلام بنا کے بیچ ڈالا۔ ماسکو کے حکم سے کوساکوں نے عقب سے تورگوتوں پر حملہ کیا تاکہ ان بھگوڑوں کو زار کی سرحد میں واپس لے چلیں اور اس قبیلے کے حصے کو اپنے ساتھ زبردستی عیسائی بنا کے پرانی چراگاہوں میں پھر آباد کیا۔

لیکن یہ دشمن تورگوتوں کا فرار نہ روک سکے۔ جبلت انھیں مشرق کی طرف اپنی آبائی چراگاہوں کو کھینچے لیے جا رہی تھی۔ باقی ماندہ قبیلہ کا قافلہ بڑھتا گیا اور ریگستان کے اس پار جھیل بلخاش کے کنارے جا پہنچا۔ جو زندہ بچے انھیں وادیوں میں چرانے کی زمین مل گئی جو کسی زمانے میں چغتائی خانوں کی ملکیت تھی۔

کالموکوں کی شکست و ریخت کے بعد خانہ بدوش قبیلے اپنی آبائی چراگاہوں سے باہر نہ نکلے اور یورپ میں بڑھتے ہوئے روسیوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔

روسی کھوجیوں کے پیچھے پیچھے سمور کے تاجر آئے۔ ان کے عقب میں کوساک "استانتزا" اور پہلے نوآباد جو کسی نہ کسی طرح بھونڈے پن سے زمین میں کاشت کرتے، مگر زمین پر پورا قبضہ جما لیتے۔

نوآبادوں اور کوساکوں کے پاس آتشیں اسلحہ تھے جن کی مار سے خانہ بدوشوں کی مزاحمت ختم ہو گئی، جو ابھی تک گھوڑوں کی سواری کرتے تھے اور تیر کمان چلاتے تھے۔ نوآباد جو قبائلی زندگی کے لیے کوساکوں سے زیادہ مہلک تھے قبائلی عورتوں سے شادی بیاہ کرنے لگے۔

یہ روسی ایشیائی کاروانوں کے راستے آگے بڑھ رہے تھے۔ بدوشیوں کی پرانی تتابلا قتی، مسلمان کرغیزوں اور ترکمانوں کی مقاومت کے باوجود وہ پرانے ریشم کے راستے کی سمت بڑھتے جا رہے تھے۔ جہاں کہیں وہ پہنچے انھوں نے زمین کو از سر نو آباد کیا۔ شروع شروع میں انھوں نے قبائلی زندگی میں بہت کم تبدیلی کی کیونکہ ان کا اپنا خون ایشیا کے خون سے مخلوط تھا۔ تہذیب کے لحاظ سے ان کا درجہ ایشیائی قبیلوں کے بیگوں اور امیروں کے مقابل پست تر تھا۔

کبھی کبھی روسی سپاہی قیدیوں کے جتھوں کو سائبیریا کے ویرانوں میں ہنکا لے جاتے، بالکل اسی طرح جیسے مغل مفتوحہ قوموں سے بھرتی کیے ہوئے مزدوروں کے جتھوں کو اپنے آگے آگے ہنکاتے تھے۔

روسی پیش قدمی مغل قوموں کے آبائی وطن تک جا پہنچی۔ یہ لوگ جھیل بیکال کے اطراف کی چراگاہوں میں رہتے تھے اور مغرب کے ترک قبیلوں سے بچھڑ گئے تھے۔ اب کوہستان خنگان کے علاقے میں وہ مانچو سلطنت کا دباؤ محسوس کر رہے تھے۔

یہ تنگس نسل کا ایک اولو العزم قبیلہ تھا جو لیاؤ تنگ کے جزیرہ نما سے شمالی چین میں گھستا چلا جا رہا تھا۔

جب مانچو شاہی تخت پر (جس کو اب پیکنگ کہتے ہیں) قابض ہو گئے تو ۱۶۴۴ء میں مغل ان کے حلیف بن گئے۔ کوئی چنگیز خاں نمودار نہیں ہوا تھا کہ نئی فتوحات میں ان کی رہبری کرے اور انھوں نے اسی میں خیریت دیکھی کہ مانچو چینیوں کی دشمنی سے ان کی دوستی بھلی۔ خاص طور پر ایسے زمانے میں جبکہ نیا مانچو خاندان گوبی کے اطراف اپنی فوجیں پھیلا رہا تھا۔ مغل خانہ بدوش اب محض ماضی کی یادگار بن کے رہ گئے تھے۔ اب بھی وہ اسی طرح رہتے اور اسی قسم کے ہتھیار باندھتے جیسے اس زمانے میں جب وہ چین سے نکالے گئے تھے۔ انھیں نے روسی تاجروں سے تجارت شروع کر دی جو جھیل بیکال کے اطراف نمودار ہونے لگے تھے۔

پیشین گوئی

شروع شروع میں تاتاری خانوں کے علاقوں میں روسی نقل و حرکت محض ایک ردعمل کی حیثیت رکھتی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ بحر الکاہل اور چینی تجارت کی سمت پیش قدمی کرنے لگے۔

۱۸۰۰ء کے بعد ان میں ایک نئی حرکت و قوت پیدا ہو گئی۔ روسی فوجوں کی طاقت بڑھ گئی تھی، جیسے برفانی زلزلہ ہو۔ یہ اس وجہ سے کہ کئی قوموں کو مطیع کیا جا چکا تھا اور چنگیز خاں کی تجویز کی پیروی میں ان کو فوجوں میں بھرتی کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ زیادہ بہتر آتشیں اسلحہ اور توپ خانوں کی وجہ سے روسی رجمنٹوں کو ایشیائیوں کے مقابل فوجی برتری حاصل تھی۔ ان کی یلغار اب ایک بے روک، آندھی اور بے تحاشا قوت بن گئی۔

روسی حکومت کو سائبیریا کی کانوں کی دولت اور وہاں کی مٹی کی زرخیزی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس زمین پر ان کی پیش قدمی یورش بن گئی کہ جس قدر زمین پر ہو سکے قبضہ کرتے چلے جائیں۔ یہ حملہ ایشیا میں ہر سمت پھیلنے لگا۔

۱۸۰۰ء کے بعد قفقاز کے کستانوں کو فتح کر کے یہاں کے تاتاریوں اور گرجستانیوں کو مطیع بنا لیا گیا۔ روسی فوجوں نے ہارتے ہوئے ترکوں کو بحیرۂ اسود کے شمال سے قسطنطنیہ کی سمت پسپا کر دیا اور نوگائی کے علاقے پر پھر سے قبضہ کر لیا۔

مغربی یورپ نپولین کے عہد کی جنگوں میں مبتلا تھا اور آخری لڑائیوں سے بڑا تھکا ماندہ تھا۔ روس کو مقابلۃً کم نقصان پہنچا تھا۔ اب اس کی فوجی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس کی آبادی میں اتنا اضافہ ہو گیا تھا کہ فوجوں کی تعداد روز افزوں ہو رہی تھی۔ اب روس نے وہ حیثیت پیدا کر لی تھی کہ مغربی قوموں پر حاوی ہو جائے، جیسے باتو خاں اور سوبدائی ڈینیوب کے ساحل پر، جا گزین ہو کے مغرب پر حاوی ہو گئے تھے۔ نئے روس کی عسکری قوت ادیا اندام تھی۔ اس نے کمزور سویڈن سے فن لینڈ کا ملک چھین لیا تھا۔

لیکن رومانوف زار جو سینٹ پیٹرس برگ میں تخت نشین تھے اب بھی مشرق کی طرف منہ کیے ہوئے تھے۔ ان کے کوساک اِستانتزا اب بھی دشتِ گُرسنہ کے اس پار بحیرۂ خوارزم کے اس پار بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ بڑی بے رحمی اور قوت سے کرغیزوں اور قراقالپکوں کو زیر کیا گیا۔ اس کے بعد وادیٔ سمرقند، خیوا کے خانوں نے اطاعت قبول کر لی اور رُوسی چوکیاں ان سرحدی کوہساروں کے اوپر قائم کی گئیں جہاں سے ہندوستان نظر آتا تھا۔

رومانوف زاروں کی نظر میں مشرق کی سرزمین لامحدود علاقہ تھی، جسے نوآبادی بنا کے زبردستی مطیع و منقاد رکھا جا سکتا تھا۔ وہ اس جبلت کی تعمیل کر رہے تھے جو کسانوں اور کوساکوں دونوں کو گرم تر وادیوں اور گرم سمندروں کی سمت لیے جا رہی تھی۔ ان کی چوکیاں پانچ شہروں کے ویرانوں اور گوبی کی سرحد تک قائم ہو گئیں۔ نئے بسنے والوں کے گروہ کے گروہ التائی کے اس پار جا پہنچے۔ رسل و رسائل کے راستوں پر نئے نئے شہر آباد ہونے لگے۔ جھیل بیکال کے سرے پر ارکونسک آباد ہُوا۔

یہ چوکیاں آمور کے کناروں تک پہنچیں۔ آمور کے معنی ہیں امن، مگر یہاں ہمیشہ جنگ ہی ہوتی رہی ہے۔ اس کے بعد یہ کوہ ایلین کے بریرے تک پہنچیں۔ نوآبادوں کی سڑک کے ساتھ ساتھ ریل بنائی گئی۔ چینیوں سے منچوریا چھین لیا گیا۔ مانچو اب صلح پسند ہو چکے تھے، ان کو شکست ہو گئی اور رُوسی دیوارِ چین کے اُس پار پیکنگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں انھوں نے چینیوں کو اس پر مجبور کیا کہ جزیرہ نمائے لیاؤتنگ کے سرے پر جو بندرگاہ ہے، وہ اُن کے حوالے کر دیں۔ اس بندرگاہ کا نام انھوں نے پورٹ آرتھر رکھا اور اس کی قلعہ بندی کی اور کوریا پر پیش قدمی کی تیاری کرنے لگے۔

پھر ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۵ء میں ایک ایشیائی طاقت نے جوابی حملہ کیا۔ جاپانی جزیروں کے باشندوں کو یورپی ہتھیار بنانا سیکھنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ یورپی حملہ آوروں نے جدید ہتھیاروں سے شکست کھائی۔

۱۹۰۵ء میں زاروں کے رُوس نے وہی جغرافی ہیئت اختیار کر لی تھی جو چنگیز خاں کی سلطنت کو حاصل تھی اور اب بھی انھیں نسلی عناصر پر مشتمل تھی۔ اگر جاپانیوں کے جوابی حملے نے رُوسی یلغار کو روک نہ دیا ہوتا تو زار کی سلطنت دیوارِ چین کے اس پار پیکنگ کو سمیٹ لیتی۔

اس نئے مرکب میں مغلوں کی جگہ رُوسیوں کو فوجی فوقیت حاصل تھی۔ سلطنت پر بجائے مشرقی سرے کے مغربی سرے سے حکومت ہو رہی تھی۔ مغل سلطنت کی طرح یہ سلطنت بھی سائبیریا کے محفوظ ذخیرے سے دولت حاصل کر رہی تھی، لیکن سائبیریا کے علاقے سے اسے بجائے انسانوں کے لکڑی، دھاتوں اور زرخیز زمین کی دولت حاصل ہو رہی تھی۔

مذہب کے پابند رُوسی زاروں اور اُن کے اُمراء کی نرم مطلق العنانی کا ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں خاتمہ ہو گیا۔ انقلاب کے بعد لینن کی سخت گیر اور عاقلانہ حکومت شروع ہوئی۔ اس کے بعد استالین کا دَور شروع ہُوا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ماسکو اب بھی پایۂ تخت ہے

جیسے قرونِ وسطیٰ میں تھا۔ استالین خود ایشیائی زیادہ ہے یورپی کم۔

مغربی رسوم اور نعروں کی ہلکی سی سطح کے نیچے برسرِ اقتدار طاقت اب بھی ویسی ہی ایشیائی ہے، جیسے پیٹرِ اعظم کے عہد سے پہلے تھی۔ یہ خالص آمریت ہے جس کو عسکری طاقت سے مدد ملتی ہے۔

عسکری طاقت پھر جنگ کے لیے منظم ہے۔ اُس نے پھر سے پولینڈ کے علاقے پر قبضہ کر لیا ہے، جس پر پہلے بھی اس کی حکومت تھی۔ یہ بالٹک کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر قبضہ کر چکی ہے اور لتھونیا پر حکومت کر رہی ہے، جو کبھی خود مختار تھا۔ اس نے آزادی کے دلدادہ اہلِ فن لینڈ پر یلغار کی ہے، جو صدیوں سے شمالِ بعید میں اپنے جزیرہ نما میں پناہ گزین تھے۔ استالین نے انقلاب کے اصولوں کو پسِ پشت ڈال کے پھر سے جنگی فتوحات کی قرونِ وسطیٰ والی حکمتِ عملی اختیار کی ہے۔[1]

جیسے چنگیز خاں کی موت کے وقت یورپ انتظار کر رہا تھا، آج بھی انتظار کر رہا ہے کہ دیکھیے یہ نئی سلطنت کیا رُخ اختیار کرتی ہے اور اس کی طاقت کس طرف مرکوز کی جائے گی۔

رہ گئے وسطِ ایشیا کے خانہ بدوش۔ اُن کے گلّے ان سے چھین لیے گئے، انھیں زراعت پیشہ بنا لیا گیا۔ انھیں اُن کارخانوں میں کام پر لگایا گیا جو رُوسیوں نے نام نہاد جمہوریتوں میں قائم کیے ہیں۔

لیکن پیچھے مغلوں کا یہ حال نہ ہُوا۔ تقدیر نے انھیں ایک عجیب صورتِ حال میں رکھا ہے۔ ان کی آبائی زمینیں یعنی جھیل بیکال کے جنوب کی چراگاہیں، سرحدوں کے درمیان واقع ہیں۔ اب تک وہ ریلوں اور رُوسی نوآبادوں کے نئے شہروں کی گرفت سے محفوظ ہیں۔ ابھی تک وہ اس مقام کی حفاظت کرتے ہیں، جہاں اُن کے قیاس کے مطابق چنگیز خاں کی قبر واقع ہے۔

یہ چراگاہیں ان فوجوں کا واحد راستہ ہیں جو شمالی گوبی اور دریائے آمور کے خط کے درمیان حرکت کر سکتی ہیں۔ دونوں طرف رُوسیوں اور جاپانیوں کے دستے ہیں۔ ان چراگاہوں کے بازوؤں پر چینیوں کے گوریلے ہیں جو اب باقاعدہ مسلح ہوتے جا رہے ہیں۔

اس لیے گزشتہ صدیوں کی خاموشی کے بعد اب پھر منگولیا کی چراگاہوں پر جنگ کا ستارہ طلوع ہو رہا ہے۔ اسی میدانِ جنگ کے فیصلے پر منچوریا کی زرخیزی، سائبیریا کے اچھوتے وسایل، ایشیا کے پار بحرالکاہل کی تجارت کے مستقبل کا دارومدار ہے۔

مغل اپنے سمور کے خیموں میں بیٹھے منتظر ہیں کہ دیکھیے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ وہ یورت کے الاؤ کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور ایک قصہ دُہرا رہے ہیں۔

وہ یہ کہہ رہے ہیں: ——— "جب وہ چٹان سے زیادہ سخت اور طوفان کے جھکڑ سے زیادہ طاقت ور رہے، ناکام ہو جائے گا تو شمال اور جنوب کی سلطنتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جب گور کا زار باقی نہ رہے گا اور فرزندِ آسمان غائب ہو جائے گا تو چنگیز خاں کے خیموں کے الاؤ پھر سے بھڑکیں گے اور اس کی سلطنت روئے ارض پر پھیل جائے گی۔"

---

[1] ہیرلڈ لیمب کی یہ کتاب ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے بعد سے دنیا کے ان حصوں کی تاریخ و سیاسی جغرافیہ میں بڑی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں۔ مترجم

حرفِ آخر

ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزرا کہ اولین علما نے مغلوں کی اور اُن کے دور کی دستاویزوں کے ترجمے کا کام شروع کیا۔ پےٹی دے لاکروا (Petis de la Croix) نے پیرس میں فارسی اور عربی نسخے جمع کیے۔ چینی علوم وفنون کے ذہین فاضل ایبل ریموزا (Abel Remusat) نے چینی سال نوشتوں کے کچھ حصوں کا ترجمہ کیا۔ قسطنطنیہ میں بیرن دوسوں (Baron d'Ohsson) نے مغل سلطنتوں کی پہلی سلسلہ وار تاریخ تحریر کی۔

اس کے بعد ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے اولین گروہ نے زمین کے اندر جو یادگاریں دفن تھیں انھیں کھود کھود کے نکالنا شروع کیا۔ روسی ماہرین پرژیفالسکی (Prjevalsky) اور پیٹر کوزلوف (Peter Kozlov) نے رادلوف (Radloff) کے ساتھ تحقیقات کا وہ کام شروع کیا جو پانسو سال پہلے کے فرانسسکی راہبوں نے اُدھورا چھوڑ دیا تھا۔

ماہرینِ السنہ اور آثارِ قدیمہ کے اس چھوٹے سے گروہ کے کام کو اوروں نے جاری رکھا۔ اس گروہ کی تعداد ہمیشہ کم رہی اور اسے محنت ہمیشہ زیادہ کرنی پڑی۔ اور گروہوں کے مقابل یہ زیادہ صحیح معنوں میں بین الاقوامی کام کا ادارہ بن گیا۔ اہلِ سکنڈی نیویا تک نے اس میں حصہ لیا اور سوین ہیڈن (Sven Hedin) اور چاپ لکا (Czaplicka) کی کتابیں اس کی شاہد ہیں۔

ان کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست آیندہ صفحات میں درج ہے۔ میں نے ان کتابوں کو اپنے کتب خانے میں جمع کیا ہے ان عالموں کے مقابل میں کسی قابل نہیں۔ تیئیس سال پہلے جب میں مغلوں کے متعلق مزید معلومات فراہم کر رہا تھا، مجھے اس کا اندازہ ہوا کہ ہر تفتیش اور تحقیق چنگیز خاں کے نام پر منتج ہوتی ہے اور پھر یہ کہ اس نام کے پیچھے جو شخصیت نظر آتی تھی وہ ایک وحشی فاتح اور بے رحم اور سفاک قاتل اور جلاد کی تھی۔ اس کے برعکس یہ بھی مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ مغل چنگیز خاں کو نیم دیوتا سمجھتے تھے۔ اس وقت مجھے یہ معلوم کرنے میں کامیابی نہ ہوئی کہ چنگیز خاں فی الحقیقت کس قسم کا آدمی تھا اور کیسی زندگی بسر کرتا تھا۔ مزید معلومات کی تلاش میں مجھ پر مغل دنیا کا جادو سا چل گیا۔ مزید معلومات کی تلاش میں قدرتاً مجھے مارکوپولو اور شیخ الجبل اور زاناو کے متعلق واقفیت حاصل کرنی پڑی اور پھر قرونِ وسطیٰ کے ایشیا کے پورے پس منظر کے متعلق۔ مجھ جیسے کہانی لکھنے والے کے لیے یہ ایک ایسی ترغیب تھی جس سے بچنا ممکن نہ تھا۔

اس طرح میری عمر کے گزشتہ تیئیس برسوں کا بیشتر حصہ مغلوں کے متعلق معلومات کی تلاش میں گذرا۔ پہلے میں صرف

فرانسیسی اور لاطینی جانتا تھا۔ اب میں نے جہاں تک بن پڑا ایک مشرقی زبان سیکھی۔ فارسی جس کی وجہ سے کچھ کچھ ترکی اور عربی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جنوبی روس میں میں نے قرونِ وسطیٰ کی یوکرینی زبان میں شُدبُد حاصل کی، اور مانچو تاتاری کے کچھ لفظ سیکھے۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ میں روسی اور مغل زبان سیکھوں۔

اس درمیان میں مجھے اس کا بھی موقع ملا کہ میں سفر کر کے اپنی آنکھوں سے مغلوں کے سابقہ زیرِ تسلط ملکوں میں سے نصف کو بچشم خود دیکھوں۔ ان سیاحتوں میں مجھے بعض مہربانوں کی ہمدردی سے بڑی مدد ملی مثلاً بیروت کی امریکن یونیورسٹی کے پروفیسر بایارڈ ڈاج اور ایران کے سابق وزیرِ تعلیمات اعتماد الدولہ۔ موسیو یوجین تی سے راں (Eugene Tisserant) (جو اب کارڈینل کے کلیسائی عہدے پر فائز ہیں) کی عنایت سے مجھے دو سال ویٹی کان کے کتب خانوں میں مطالعے کا موقع ملا۔ اس طرح کی دوستیاں ایسی محنت کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں جو انسان تن تنہا کرتا ہے، اور جو کثیر مشکلات کی وجہ سے اکثر بیکار ثابت ہوتی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں مرزا فاضل کا بڑا ممنون ہوں کہ انھوں نے کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر ولیم پوپر (William Popper) کی مدد سے رشید الدین کی تاریخ کے بعض حصوں کے ترجمے میں میری بڑی مدد کی۔ میں جامعہ کراکو کے شعبہ پولسکا اکادمیا اومیے جت نوشی (Polska Akademia Umiejetnosci) کے اراکین کا ممنون ہوں۔ انھوں نے پرانے پول مذہبی صحائف میں مغلوں کے حملوں کے واقعات مہیا کرنے، اور ٹیمپرکے باؤن (جن کے متعلق بہت کم تحقیق ہوئی ہے) کے متعلق معلومات فراہم کرنے میں میری بڑی مدد کی۔ بڑی بےغرضی سے یہ مدد اس زمانے میں دی گئی جب کہ اہلِ پولستان کو اس کا ڈر لگا ہوا تھا کہ اب ہٹلر کی جرمن سلطنت ان پر حملہ کیا ہی چاہتی ہے۔

اس سے پہلے لینن گراڈ کے ادارۂ علمِ انسانی کے پروفیسر واسلی استروُوے (Vasily Struve) نے مجھ سے سائبیریا کے ترک اور مغل قبیلوں کے متعلق گفتگو کی، اور ادارۂ علوم شرقیہ کے مترجموں سے میری ملاقات کرائی۔

سب سے زیادہ میں ان ذہین ماہرینِ لسانیات ایدوآرد بوشے (Edouard Blochet) ب۔ی۔ فلادی میر تسوف (Vladimirtsov) اور واسلی بارتولڈ (Vasily Barthold) کا ممنون ہوں۔ پال پلیو (Paul Pelliot) کی تصانیف سے وسط ایشیا کے بہت سے مسائل صاف ہو گئے جو کم استعداد والوں کو لاینحل معلوم ہوتے تھے۔

ماخذ

اب تو صرف یہی ممکن ہے کہ ان مغل خاقانوں (جن کو پروفیسر فلادی میر تسوف نے ذہین جبلت کے وحشی کہا ہے)

کی زندگی کے سطحی خاکے تیار کیے جاسکیں۔ اُن کے زمانے اور حالات کی تفصیلیں بہت کم دستیاب ہوئی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ سُنی سنائی باتوں پر اعتماد نہ کیا جائے اور صرف مستحکم حقائق کو تسلیم کیا جائے۔ حقیقی واقعات بہرحال اس قدر معلوم ہو سکتے ہیں کہ خاندانِ زرّیں کے افراد کے دھندلے خاکے کھینچے جاسکیں، اور دنیا بھر پر تسلط جمانے کی انھوں نے جو کوشش کی تھی اس کے نتائج کا اندازہ لگایا جاسکے۔ ان ماخذ سے ہمیں خود چنگیز خاں کے مقابل اس کے جانشینوں کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

اُن کی زندگی کے کارناموں کو آج کل کے اخلاق و اقدار کے پیمانے سے نہیں ناپا جا سکتا۔ وہ تیرھویں صدی کے خانہ بدوش تھے۔ اپنے ماحول سے اور ان تمدنوں سے متاثر تھے جن سے ان کا سابقہ پڑا۔ آج کل کے ماہرینِ جنگ کو وہ جنگجوئی کے بہترین ماہر اور آج کل کے صلح جویوں کو وہ سفاک، بے رحم اور خونی نظر آتے ہیں۔ میں نے صرف ان اشخاص کی تصویر ان کے زمانے کے پس منظر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

پروفیسر بارتولڈ کا بیان ہے "چنگیز خاں نے سلطنت کی ہئیت کے محض یہی معنی سمجھے تھے کہ خانہ بدوش فاتحوں کا راج متمدن قوموں پر قائم ہو کیونکہ اس کے خیال میں یہ خدا کی مرضی تھی کہ وہ مغلوں کے رحم و کرم پر رہیں اور مغل مفتوحوں کی محنت کا پھل کھاتے رہیں، اور محض اس مقصد کے لیے ان کی حفاظت کریں..... مزارعین اور کاریگر وہ جنس خام تھے جن سے ان کے مالک مغل سردار فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ چنگیز خاں کی ساری محنت و سعی محض اپنے اپنے جانشینوں اور اپنے قریب ترین ساتھیوں کے وقت کے لیے تھی۔ کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس کے دل میں کسی طرف سے یہ خیال بھی آیا تھا کہ وہ پوری قوم کی فلاح و بہبود کی کوشش کرے۔

مغلوں کی یورش سے دنیا جس خوف سے لرزہ براندام تھی اس خوف کا ان کی خانگی زندگی میں کہیں پتہ نہ تھا۔ یہ تو مقصد برآری کے لیے ان کا آلۂ کار تھا جسے وہ بیرونی دنیا کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ خود اپنے یورتوں میں مغل زیادہ تر خوش و خرم رہتے، مہمان نوازی کرتے اور چین سے زندگی گذارتے۔ قتل و غارت —— یہاں تک کہ چوری —— کی وارداتیں شاذ و نادر ہی ہوتیں۔ یہاں تک کہ دو پشتوں کے بعد بیرونی دنیا کے اثر سے ان کی زندگی بدل گئی۔ چنگیز خاں نے اس نئے عسکر کو جس نظم و ضبط میں منسلک کیا تھا وہ بڑا سخت تر اور بے رو رعایت تھا، لیکن وہ خود بھی اپنے اعمال و افعال میں اسی نظم و ضبط کی پابندی کرتا تھا۔ چغتائی اور قولیق بھی یہی کرتے رہے۔

بارتولڈ ہماری یاددہانی کرتا ہے "اور فاتحوں کی طرح چنگیز خاں بھی اگر ضروری سمجھتا تو ہزاروں انسانوں کو ہلاک کرڈالتا۔ لیکن اس کے اعمال و افعال کے متعلق جس حد تک ہمیں بھروسے کے قابل معلومات فراہم ہو سکی ہیں کہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ محض بے رحمی کی خاطر بیکار اور احمقانہ بے رحمی کا ارتکاب کرتا تھا۔ اس کی مستقل قوتِ ارادی کی وجہ سے اس کے

ساتھیوں کے جذبات گھُٹ گئے تھے۔ اس کے جانشینوں میں یا تو اس کی سی بے رحم سخت گیری نظر آتی ہے یا اس کا ردّعمل۔ چغتائی اور قولیق کبھی مسکراتے تک نہ تھے، اور جہاں سے ہو کے گذرتے خوف سے لوگوں کے چھکّے چھوٹ جاتے۔ بارتولڈ آگے چل کے لکھتا ہے: "خانہ بدوش کے قدرتی جوش اور ولولے کے سامنے دوسرے ہار مان گئے۔ اس ولولے کا اظہار سب سے بڑھ کر اس مسلک میں تھا کہ خود بھی زندہ رہو اور اوروں کو زندہ رہنے دو...... ان میں عیش دوستی اتنی تھی کہ عیاشی بن گئی (اوغدائی)"

اس بیان سے مغلوں کے اُس تصور پر روشنی پڑتی ہے جس میں صدیوں وہ کبھی انسان اور کبھی شیطان نظر آتے رہے ہیں۔ باہر کے دشمنوں کو وہ شیطانی حملہ آور اور اپنی قوموں کو سخت گیر لیکن حقیقی محسن معلوم ہوتے ہے۔ چینی جو چنگیز خاں سے ڈرتے بھی تھے اور اس کا کردار بھی سمجھتے تھے اس کا اقبال کرتے ہیں کہ "وہ دیوتا کی طرح اپنی فوجوں کی سرداری کرتا تھا۔"

مغل ساگا

اس لیے اُس زمانے کے مغلوں کے اپنے لکھوائے ہوئے کارناموں میں ہمیں جبری قسم کے مغلوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے مغلوں کے یہاں کوئی دستاویز یا کتاب تحریر نہ کی جاتی تھی۔ اُن کے ساگا زبانی گیتوں اور بولوں کی صدائے بازگشت ہیں۔ ان میں افسانہ و حقیقت میں امتیاز نہیں اور ان پر صوفیانہ سا رنگ چھایا ہوا ہے۔ یہ کارنامے یا شاہنامے خاندانِ زرّیں کے افراد کی تحویل میں رہتے اور قرولتائی میں پڑھے جاتے۔ یہ سب کے سب تلف ہو چکے ہیں۔

صرف ان ساگاؤں کے وہ حصے محفوظ رہ گئے ہیں جنھیں مختلف مورخوں نے نقل کیا ہے۔ یاسا کا ایک ترجمہ ایک مصری مسلمان مقریزی کی تاریخ میں محفوظ ہے جو چنگیز خاں کی موت کے دو سو سال بعد ترتیب دی گئی (اس کا متن اور ترجمہ دے ساسی (De Sacy) کی کرسیتوماتھی عرب (Chrestomathie arabe) میں محفوظ ہے۔ اس کتاب میں استعمال کرنے کے لیے ایک نیا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مقریزی ترجمے پر اسلامی رنگ اثر غالب ہے)

قدیم ترین معلوم مغل تصنیف آلتین دِپ تر (کتابِ زرّیں) نابود ہو چکی ہے۔ اس کے کچھ کچھ ٹکڑے بعد کی تصنیفوں میں حوالوں کے طور پر دستیاب ہوتے ہیں۔

اس کے بعد کی ایک تصنیف جو غالباً ایغوریوں کی لکھی ہوئی تھی چینی اور مغل ترجموں میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ مغل اس کو پوشیدہ تاریخ کہتے۔ یا دیہ ۱۲۴۰ء میں لکھی گئی۔ آرشی من درائٹ پے لے ڈی یس (Archimandrite Palladius) نے اس کا ترجمہ چینی سے رُوسی میں کیا ہے (ملاحظہ ہو پیکنگ مشن کے مخطوطات میں (Trudy —— Rossiiskoi dukhovna missii v Pekinye) میرے خیال میں چینی ترجمے کا نام یوآن کا می شی ہے۔ جولائی ۱۹۲۹ء میں لینن گراڈ کی اکادمی میں میں نے یہ سنا تھا کہ مغل متن کا ترجمہ ادارۂ شرقیہ میں کیا جا رہا ہے۔ یہ

شاہنامہ دشت نوردوں کے لب و لہجے میں ہے اور اس میں چنگیز خاں اور اس کے ساتھیوں کے ذاتی کارناموں کا ذکر ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں چنگیز خاں کے جانشینوں یا شمالی چین کی فتح کے بعد کی بیرونی کشور کشائیوں کا بہت کم ذکر ہے۔

سولھویں صدی کے وسط میں ایک مشہور مغل صحیفہ نگار سانگ ست زن نے چنگیز خاں کی زندگی اور اس کے اجداد کے کارناموں کا ایک مبالغہ آمیز روایتی تذکرہ مرتب کیا تھا۔ اس کا ترجمہ روسی زبان میں پادری ہایا سنتھ نے کیا۔ اس کا ایک غلط سلط جرمن ترجمہ اِزاک یاکوب اشمٹ (Isaac Jacob Schmidt) نے کیا جو (Chungtaidshi der Ordos) کے نام سے ۱۸۲۹ء میں شائع ہوا۔ اس تذکرے کی شکل بدھ مت کی روایتوں کی وجہ سے بدل گئی ہے پھر بھی اس میں چنگیز خاں اور اس کے حریفوں کی کشمکش کے متعلق بہت سی روایتی تفصیلیں ملتی ہیں۔

چینی تاریخیں اور سیاح

چینیوں کا نقطۂ نظر مغلوں سے بہت مختلف تھا۔ وہ مغلوں کو اس رُخ سے دیکھتے تھے کہ یہ بڑے وحشی خانہ بدوش حملہ آور ہیں اور ان سے ڈرتے تھے، لیکن مسلمانوں اور اہلِ یورپ کے مقابل وہ مغلوں کی فطرت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے تھے۔

ان کی "یوآن شی" یا یُوآن خاندان کے حالات کی تاریخ چودھویں صدی میں مرتب کی گئی، اور ابھی تک چینی سے مکمل طور پر اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ پادری گوبل نے اس کا اختصار اس نام سے چھاپا۔ (Histoire de Gentchiscan et de toute la dynastiedes Mongous, tiree de l'histoire Chinoise, par Anthony Gaubil, Paris, 1739).

مَیں اسی ترجمے کو مصرف میں لایا ہوں۔ مجموعی طور پر یہ ٹھیک ہے اور اس میں قبلائی کی حکومت کے حالات پوری تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ چینیوں کو گوبی کے علاقے کے مغرب کے جغرافیہ کا قریب قریب کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے جب وہ مغرب کے واقعات کا بیان کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کی تحریر چیستان معلوم ہوتی ہے۔

چنگیز خاں کی زندگی میں ایک چینی سفیر منگ ہُونگ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے سفر اور مغلوں کے کرداروں کے تاثر کا بڑا دلچسپ تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اب وہ بدلنے لگے ہیں اور ان کی خانہ بدوشی کی وہ حالت نہیں رہی جو پُشتہا پشت سے ایک جیسی تھی، اور وہ اپنی جگہ راضی برضا تھے۔" اس کا روزنامچہ روسی میں ترجمہ ہو چکا ہے (ملاحظہ ہو پیکنگ مشن کے مخطوطات)

تاؤ کا ایک پیرو چانگ چُون مغرب میں چنگیز خاں کے پاس آیا تھا۔ وہ یے لیو چُت سائی کا دوست تھا۔ اس کے روزنامچے سے مغلوں کی سڑکوں اور چنگیز خاں کے اُردوئے معلّیٰ کے متعلق اچھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ آرتھر ویلی (Arthur Waley) نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(Ch'ang Ch'un: The Travels of an Alchemist, London, 1931)

دوسرے چینی سیاحوں کے سفرناموں کے اقتباسات ڈاکٹر برٹ شنائیڈر (Bretschneider) کی کتاب میں درج ہیں جس کا عنوان ہے:- (Medieval Researches from Eastern Asiatic Sources) یہ کتاب لندن میں ۱۸۸۸ء اور ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔ اس میں سب سے زیادہ دلچسپ حال ہلاکو خاں کے سفر کا ہے۔

تُنگ کین کانگ مُو یا شہنشاہی خاندانوں کی تاریخ جسے سِی ماکوانگ نے مرتب کیا تھا، ابتدائی مغل فرمانرواؤں کا بہت کم ذکر کرتی ہے۔ اس کا ایک پرانا فرانسیسی ترجمہ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:-

(Histoire generale de la Chine, traduite du Tong-Kien-Kang-Mou par le Pere Joseph Anne-Marie de Moyriac de Mailla, dirigee par M. le Roux des Hautesrayes, Paris 1777-78.)

تاتا تُنگا، سُوبوداتی، یے لیو چُت سائی اور تُتاگ کے حالاتِ زندگی کا چینی متن سے فرانسیسی میں ایبل رے مُوسا (Abel Remusat) نے ترجمہ کیا ہے جو پیرس میں ۱۸۲۹ء میں رسالہ (Nouveaux Melanges asiatiques, Vol. II) میں شائع ہوا ہے۔ یہ بیانات گوبل اور رشید الدین کے بیانات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

ایرانی اور عرب مؤرخ

ان کے بیانات چینی مورخوں سے نمایاں طور پر مختلف ہیں۔ ابتدائی مسلمان مورخوں نے مغلوں کی یورش کی سفاکی اور ہیبت ہی کا ذکر سنا یا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جو تصویر وہ کھینچتے ہیں وہ مہیب اور خوف ناک تو ہے مگر چہ انہیں[1] چین اور یورپ کے قطعات کا انھیں ذاتی طور پر کوئی علم نہ تھا لیکن اہلِ چین اور اہلِ یورپ کے مقابل ان کے ذہن زیادہ مہذب اور منجھے ہوئے تھے۔

[1] یہ رائے صحیح نہیں۔ جن ایرانی مورخوں نے مغلوں کی تاریخیں لکھیں وہ قریباً سب کے سب مغل ایلخانوں کے ملازم تھے اور انھیں کے حکم سے تاریخیں لکھ رہے تھے۔ مترجم۔

سب سے پرانی تو ابن کثیر کی مشہور و معروف تاریخ ہے جس کا خود تو مغلوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا جس نے بہت سے لوگوں کے چشم دید حالات لکھے ہیں۔

علاء الدین عطاء الملک الجوینی کی تاریخ جہاں کشا سنہ ۱۲۶۰ء میں لکھی گئی۔ مصنف نے خراسان اور افغانستان کے واقعات کا چشم دید حال لکھا ہے۔ خود مغلوں کا بیان اس نے کم لکھا ہے مگر ٹھیک ٹھیک لکھا ہے۔ اس کی تصنیف ہلاکو خاں کے حصے کے واقعات پر ختم ہو جاتی ہے۔ (اس کتاب کا بیشتر حصہ فارسی ہی میں (E. W. Gibb Memorial Series) شائع ہو چکا ہے[1]

ہر حیثیت سے سب سے زیادہ قابل قدر تصنیف رشید الدین کی ہے جو ایک یزدی طبیب تھا[2]۔ اس کی جامع التواریخ سنہ ۱۳۱۰ء میں ایلخانی غازان خاں کی ہدایت کے مطابق مرتب ہوئی۔ رشید کو جو خود بڑا ماہر مورخ تھا بوڑھے مغلوں سے بڑی مدد ملی جن کو اگلی پشت کے واقعات خوب یاد تھے۔ رشید الدین نے چینی اور مغل دستاویزوں اور آلتین دپ تر (کتاب زریں) سے بھی استفادہ کیا جو اب نایاب ہے۔

اس لیے اسے واقعات کا علم تھا جو اس کے اطراف و جوانب یہاں تک کہ یورپ میں پیش آ رہے تھے۔ چنگیز خاں کے بیٹوں کے جو حالات اس نے لکھے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مغلوں کی زبانی یا تحریری روایتوں سے ماخوذ ہیں۔ اپنی کتاب میں وہ اکثر بجائے فارسی کے مغل الفاظ استعمال کرتا ہے اور بارہ جانوروں کی جنتری میں بھی مغل اصطلاحیں استعمال کرتا ہے۔ مغلوں کے قبائل و اجداد کے بیان میں وہ انھیں کی اصطلاحات مثلاً "یوسون" "اروغ" وغیرہ۔ اسی طرح خاندانوں کے شجرۂ نسب کے بیان میں اُسے بڑا ملکہ ہے۔ نسب ناموں کے بیان میں چینی اور مغربی مصنفوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

رشید الدین نے اپنی کتاب میں چنگیز خاں کے اجداد کا جو حال لکھا ہے۔ اسی سے اس کتاب کا ابتدائی حصہ زیادہ تر ماخوذ ہے۔ بلوشے نے ای۔ ڈبلیو۔ گب میموریل سیریز میں فارسی متن کا جو حصہ مرتب کر کے شائع کیا تھا، اس میں سے اُن ابواب کا ترجمہ جو اوغدائی، تولوئی، سیورقوقتنی، قویوق، منگو، قبلائی کے متعلق ہیں، ان کا ترجمہ کیلی فورنیا یونیورسٹی میں کیا گیا۔ اس متن میں کئی خامیاں ہیں جن پر بلوشے کی نظر نہیں پڑی تھی۔

جولائی ۱۹۳۵ء کے چند ایام میں مجھے خوش قسمتی سے لینن گراڈ اکاڈمی کی لائبریری کے مستشرقین سے اس ترجمے کے متعلق بحث و تبادلۂ خیال کرنے کا موقع ملا۔ ان کی رائے میں بلوشے والا متن زیادہ قابل اعتبار نہیں اور وہ لینن گراڈ کے

---

[1] یہ صرف مکمل فارسی متن ہے۔ وہ انگریزی ترجمے اسی زمانے میں شائع ہو چکے ہیں۔ مترجم

[2] رشید الدین غازان کا وزیر اعظم بھی تھا۔

نسخے سے مکمل جامع التواریخ کا روسی زبان میں ترجمہ کر رہے تھے اور دوسرے نسخوں کی عکسی تصویروں سے اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔

جہاں تک ہلاکو خاں، فرمانروایان ایران اور ایلخانیوں کے حالات کا تعلق ہے رشید الدین کی تاریخ سب سے زیادہ جامع ہے۔ اس حصے کا ترجمہ کواترمیر (Quatremere) نے کیا ہے۔ جو پیرس سے سنہ ۱۸۳۶ء میں اس نام سے شائع ہوا ہے:۔

(Histoire de Mongols de la Perse. par Raschid eldin, traduite, accompagnee de notes.)

اس کے حاشیے بڑے کارآمد ہیں۔

پیٹی بند کے دیباچے میں خاندان زریں کی تاریخ بیان کرنے کے سلسلے میں رشید الدین نے جدید مورخ کی زبان استعمال کی ہے:۔

"ابھی تک ہمیں مغل قوموں کے حالات، ان کے قبائل کی تشکیل، چنگیز خاں کی زندگی کے واقعات اور اس کے جانشینوں کی حکومتوں کا علم ناکافی تھا۔ اب تک ہم صرف عام زبانی روایتوں پر بھروسا کرتے رہے اور اپنی مرضی کے مطابق ان کی ترتیب دیتے رہے۔

"تھوڑے بہت اصل واقعات جو انھوں نے قلمبند کیے ہیں انھیں چنگیز کے خاندان کے شہزادے اور مغل قوم کے سردار غلط بتاتے ہیں۔

"بہر حال ہمارے ایلخانیوں کے کتب خانے میں ایسی تاریخی دستاویزیں ہیں جنھیں مستند تصور کیا جا سکتا ہے اور یہ مغل زبان اور رسم الخط میں ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کی ان تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اس اندیشے سے کہ یہ معلومات ادنیٰ و اعلیٰ ہر ایک کی دسترس تک پہنچ جائیں، ہمارے سلطان غازان خاں نے حکم دیا کہ انھیں تاریخ کے پیرائے میں ترتیب کیا جائے۔ سنہ ۷۰۲ھ میں یہ فرمان اپنے اس حقیر بندے فضل اللہ بن ابوالخیر الملقب بہ رشید الحکیم الہمدانی کے سپرد کیا۔ اس خادم کو حکم دیا گیا ہے کہ اس مواد کو جمع اور مرتب کرنے کے لیے اُن چینی علما، ہندو، ایغوروں اور قپچاقیوں سے مشورہ کرے جنھیں اس دربار میں باریابی کا شرف حاصل تھا اور بالخصوص امیر نویان اعظم، سپہ سالار اعظم، ناظم سلطنت پولاد چینگ سانگ سے استفادہ کرے جسے دنیا میں سب سے زیادہ ترک قوموں کی ابتدا اور تاریخ اور خاص طور پر مغل قوم کے حالات و واقعات کا علم ہے۔۔۔۔ کیونکہ اب بہت کم لوگوں کو ایک صدی قبل کے واقعات یاد ہیں اور نوجوان نسل اپنے افراد کے کارنامے اور نام و نشان تک بھول گئے ہیں۔

"لیکن اب دنیا کا زیادہ تر حصہ چنگیز خاں کے جانشینوں کے زیر اثر ہے اور اس دربار میں علما کا ایک جم غفیر موجود ہے جس میں چینی، نجومی، مورخ، ہندو، کشمیری، تبتی، ایغوری، عرب اور فرنگی سبھی موجود ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہمیں ان سب کو

قوموں کی مختصر تاریخ بھی بیان کروں اور اُن کے ملکوں کا مختصر حال بھی قلمبند کروں۔

رشید الدین اُن مصنفوں میں سے آخری تھا جس نے اوّل ضرور تھا جنھوں نے یہ محسوس کیا کہ چنگیز خاں کے جانشینوں کی واضح تاریخ لکھنے کے لیے اُس زمانے میں دنیا کے دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں کے حالات بیان کرنا بھی ضروری ہیں۔ اس لیے اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحائف کے اس عظیم الشان ذخیرے پر کام شروع کیا اور نو سال تک لگاتار محنت کرتا رہا۔ اس نے اس کا پورا بندوبست کر لیا کہ اس کا شاہکار ناظرین تک پہنچ سکے اور ہمیشہ کے لیے باقی رہ جائے۔ اس نے فارسی نسخوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور عربی کا فارسی میں۔ اور زرِ کثیر اس لیے وقف کیا کہ ہر سال اس کی تاریخ کے متعدد نسخوں کی کتابت کی جائے۔

اس کی اس آرزو اور اس ساری احتیاط کے باوجود اس کے عظیم الشان شاہکار کا بہت سارا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ ایک صدی بعد جب تیمور لنگ کے ایک پوتے نے پوری جامع التواریخ جمع کرنا چاہی تو اُسے اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے اب کبھی اس نقصان کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

جس زمانے میں رشید الدین یہ تاریخ لکھ رہا تھا ایک درباری فضل اللہ وصاف اپنی تاریخ قلمبند کر رہا تھا جو منگو کی وفات سے شروع ہوتی ہے۔ یہ تاریخ وصاف کے نام سے مشہور ہے اور ایرانی دربار کی مقبول عام مقفّی اور مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے۔

بہت عرصے بعد میر خواند نے اپنی تاریخ چنگیزی لکھی جس میں اس نے جُوینی، رشید اور وصاف کی تاریخ اور کچھ اور مزید مواد سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے متن کو ژوبیر (Jaubert) نے پیرس سے ۱۸۴۱ء میں شائع کیا۔ اس کے سرسری مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی نئی بات نہیں بیان کی گئی ہے۔ حالانکہ تاہم وہ کے حالات مفصّل ہیں اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

مسلمان مورخوں کا نقطۂ نظر چینیوں سے بہت مختلف ہے لیکن وہ مغلوں اور خاندان زرّیں کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں کہ نظروں کے سامنے اُن کی جیتی جاگتی تصویر پھر جاتی ہے۔ وسط ایشیا کے چغتائی خانوں کے متعلق نہ انھیں زیادہ علم ہے نہ کوئی خاص پروا۔ جُوینی نے چغتائی کے جانشینوں کا مختصر حال لکھا ہے جس کا ترجمہ ڈیفرے میری (Defremery) نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (Journal Asiatique, 4 ser. t., 20.)

معلوم ہوتا ہے کہ تاتاریان زرّیں خیل یا مغرب کے خلاف یورشوں کے متعلق انھیں بہت کم معلومات تھیں۔

مشرقی عیسائی

مغل سلطنتوں کے خاتمے پر ایک شامی پادری ابو الفرج نے اپنی کتاب تاریخ الشام ختم کی۔ یہ مشرق کے کئی

شاہی خانوادوں کی سال بہ سال فہرست ہے اور اس میں مغلوں خصوصاً ہلاکو خاں کے خانوادے کا کافی ذکر ہے۔ حال ہی میں بج (Budge) نے اس کا ترجمہ (The Chronography of Bar Hebraeus) کے نام سے کیا ہے۔

۱۲۲۱ء سے ۱۳۱۲ء تک مغلوں کا قفقاز کے گرجستانیوں سے گہرا سابقہ رہا اور گرجستانی صحیفوں میں باتو، برقائی، ہلاکو اور اس کے جانشینوں اور کبھی کبھی قراقورم کے برسرِ حکومت خاندان کا کافی دلچسپ تذکرہ ملتا ہے۔ ان کا ترجمہ ایم۔ بروسے (M. Brosset) نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(Histoire de la Georgie depuis l'antiquite jusqu'au XIX siecle. traduite du georgien, Petersburg, 1849.)

ایک ارمنی جس کا نام ہیثون تھا اور جو شاہِ آرمینیا کا بھائی تھا۔ سفر کر کے اپنی بیوی بچے کے ہمراہ منگو خاں کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے اپنے سفارت خانے کا حال لکھوایا ہے جس کے ساتھ اس زمانے تک کے مغل خانوں کے کوائف بھی ہیں۔ اس کی معلومات تو اُلجھی ہوئی ہیں مگر اس کا طرزِ بیان دلچسپ ہے۔ اس کا ترجمہ ۱۳۰۷ء میں لاطینی زبان میں (Haytonus, Flos Historiarum Terre Orientis) کے عنوان سے ہے اور ۱۹۰۶ء میں پیرس میں (Recueil des Croisades, documents armeniens) میں شائع ہوا۔

ماریب اللاہا اور مار ساؤما کے سفرِ مذہب کا حال جے۔ بی۔ شابو (Chabot) نے شامی زبان سے ترجمہ کر کے شائع کیا۔ (Histoire de Mar Jabalaha III. Revue de l'Orient Latin 1893-94) اس کا ایک نیا انگریزی اڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(The History of Yaballaha III, Nestorian Patriarch, and of his Vicar, Bar Sauma, by James A. Montgomery, New York, 1927.)

شامی زبان کا اور مواد اسیمانی (Assemani) کے مجموعے، (Biblioteca orientalis Clementino-Vaticana, Rome, 1720) میں موجود ہے۔ یہ مغلوں کے عہد میں نسطوری کلیسا کی تاریخ ہے۔

عیسائی کلیساؤں کی اس دور کی اور تحریروں کے لیے ملاحظہ ہو جے۔ ال۔ موس ہائم (Mosheim) کی

(Historia Tartarorum Ecclesiastica, Helmstadt, 1741.)

(اس میں منگو خاں کا وہ خط بھی موجود ہے جو اس نے لوئی شاہِ فرانس کے نام روانہ کیا تھا)

کارپی نی، رُوبروک اور اوودرک کے بیانات پڑھنے کے لیے ملاحظہ ہو:

Sinica Franciscana, Volumen I, Itinera et Relationes Fratrum Minorum Saeculi XIII et XIV : P. Anastasius van den Wyngaert, Firenze, 1929.)

اس کتاب میں میری نیولی (Marignolli) کا مختصر بیان بھی ہے جو بعد کے زمانے کا ہے۔ رُوبروک کا صحیفہ جو بڑی اہمیت رکھتا ہے، ہیکل وٹ سوسائٹی (Hakluyt Society) کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ (The Journey of William of Rubruck by W. W. Rockhill, 1900.)

اس کے علاوہ:-

(The Texts and Versions of John de Plano Carpini and William de Rubruquis, by C. R. Beazley, 1903.)

وارا دِن کے پادری راجر کی سرگذشت (کارمن مزرابلے) جس مجموعے میں دستیاب ہو سکتی ہے اُس کا نام (Scriptores Rerum Hungaricum, I ہے۔ ہنگری پر یورش کے احوال کا ذکر ان دو تاریخوں میں بھی ملتا ہے:-

(Eccard, Corpus Historicum medii aevi I.)

اور (Matthew of Michow, Cronica Polonica.) ایک فرانسیسی صلیبی نے اپنے صحیفے میں ان قاصدوں کا ذکر کیا ہے جو لوئی شاہِ فرانس نے مغل خاقانوں کے پاس بھیجے تھے۔ ملاحظہ ہو:-

(Sire de Joinville, Histoire de S. Louis. Wailly ; Paris, 1874.)

مارکو پولو کے مکمل سوانح اور واضح حاشیوں کے لیے ملاحظہ ہو:-

(The Book of Sir Marco Polo, by Col. Sir Henry Yule and Henri Cordier, London 1921.)

ایک نیا اڈیشن جس کے ساتھ ترجمہ اور حواشی شامل ہیں پال پیلیو (Paul Pelliot) نے ترتیب دیا ہے اور پیرس سے شائع ہونے والا ہے۔

کرنل یُول (Yule) کی کتاب (Cathay and the Way Thither) میں جو ہیکل وٹ سوسائٹی کی جانب سے لندن میں ۱۸۶۶ء میں چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے، قرونِ وسطیٰ کے بہت سے سیاحوں کے بیانات کے اقتباسات ہیں، جن میں پیگولوتی (Pegolotti) کے پُر از معلومات بیانات بھی شامل ہیں۔ مزید واقفیت کے لیے ملاحظہ ہو۔

(Hallberg, L'Extreme Orient dans la litterature et la cartographie de l' occident des XIII, XIV, XV siecles, Gotenborg, 1906.)

اس عہد کے یُوآن خاندان کے خاقانوں کے بہت سے فرامین اور دستاویزیں جمع کر کے شائع اور ترجمہ کی گئی ہیں ملاحظہ ہو:

(Bonaparte, Documents dè l'epoque mongole (XIII et XIV siecles,) Paris, 1895.)

اور

(M. G. Deveria : Notes d'epigraphie mongole-chinoise) (Journal Asiatique, 1896.)

مغل خانوں کے ابتدائی دور کی تاریخ کا واحد رُوسی ماخذ مشہور و معروف نووگورود کرانیکل ہے۔ جو چارلس بیزلے کے مرتب کیے ہوئے انگریزی ترجمے میں دستیاب ہو سکتا ہے۔

مشرق اور مغرب کے درمیان اس ابتدائی تعلق کی مکمل کتابیات کے لیے ملاحظہ ہو:-

(Van den Wyngaert : Sinica Franciscana)

مستند تاریخ

مغلوں ـــ چنگیز خاں اور اس کی اولاد ـــ کی واحد مستند تاریخ ۱۸۲۴ء سے قبل لکھی گئی تھی۔ اس کا مصنف بیرون دوسوں (Baron d'Ohsson) ہے۔ یہ ارمنی نسل سے تھا، سفیر تھا، استنبول میں پیدا ہوا۔ اس کی تصانیف کو اُس تحقیق سے بڑی مدد ملی جو پیتی دے لاکرُوا (Pe'tis de la Croix) نے اس سے پہلے انجام دی تھیں۔ دوسوں نے ان تمام مورخوں کو بڑی محنت سے پڑھا جن کا اب ہمیں علم ہے، بخصوصاً جوینی، رشید، وصاف

میر خواند) یہ مسودے اُسے قسطنطنیہ یا پیرس کے قومی کتب خانے میں ملے ہوں گے۔ اُس نے ہمیشہ ایک ہی نسخے کا استعمال کیا، اور اس میں غلطیوں کا بڑا احتمال ہوتا ہے۔

اُس وقت تک مغل مآخذ کا پتہ نہ لگا تھا اور دوسوں کی دسترس اگر چینی تاریخوں تک تھی تو محض ان فرانسیسی علامہ کے ذریعے جو دا ماٹیلا (Da Mailla) اور گوبل (Gaubil) نے مرتب کیے تھے۔ چونکہ اُس نے صرف مسلمان اور یورپی مورخوں پر بھروسا کیا ہے اس لیے اس کا بیان مغلوں کے خلاف تعصب سے خالی نہیں۔ مغل اُسے بنیادی طور پر ظالم نظر آتے ہیں — جو اپنے مطلب کے لیے دوسری قوموں کو ہلاک کر ڈالتے ہیں، لیکن مجموعی طور پر اس کے بیانات صحیح ہیں کیونکہ ان کا اصل مآخذ رشید الدین کی تاریخ ہے۔ اب اتنا عرصہ گذرنے کے بعد بھی اس تصنیف کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے اور صرف چند جزوی غلطیاں ملتی ہیں۔

ایک اہم واقعہ یعنی اس بیان میں کہ جب تولوئی اپنے بیمار بھائی اوغدائی کی تیمارداری کر رہا تھا اس نے شامان کی بنائی ہوئی دوا ایک لکڑی کے پیالے میں پی لی۔ دوسوں نے رشید اور جوینی کے علاوہ مائی لا اور گوبی کی تاریخوں سے مدد لی۔ اس لیے اس واقعہ کا بیان دوسوں کی کتاب میں مغل روایات سے بہت ملتا جلتا ہے جن کا دوسوں کو براہِ راست علم نہ تھا کیونکہ مغلوں کے بموجب اس طرح تولوئی نے بڑی بہادری سے اپنی جان اپنے بھائی کی زندگی کے لیے قربان کر دی۔

رشید الدین نے اصل میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے :-

"پھر ہوا یہ کہ قاآن دفعتہً سخت بیمار ہو گیا اور اپنے دستور کے مطابق حرم کی کنیزیں جمع ہو کے جادو کے منتر پڑھنے لگیں اس کی بیماری کا منتر پڑھ کے وہ اُسے پانی سے نہلانے لگیں کہ اتنے میں تولوئی خاں آ گیا۔ اُس نے آسمان کی جانب سر اٹھا کے دعا مانگی "اے خداوند بزرگ و جاوداں اگر تو گناہ کی سزا دے رہا ہے تو میرا نامۂ اعمال میرے بھائی سے زیادہ سیاہ ہے۔ لڑائیوں میں میں نے اس سے زیادہ آدمیوں کی جان لی ہے اور لوگوں سے ان کے بال بچے چھینے ہیں اور قیدیوں کے ماں باپ کو رلایا ہے۔ اگر تیری مرضی یہ ہے کہ اپنے حضور میں ایک وجیہ اور عاقل خادم کو طلب کرے تب بھی مجھے بلا کیونکہ ان فضائل میں میں اس سے بہتر ہوں۔ اس لیے اوغدائی کے بجائے میری جان لے ... کی بیماری مجھے دے دے اور اسے اس مرض الموت سے نجات دے"۔

" اس نے بڑے عجز سے یہ دعا مانگی اور پانی کا وہ جام لیا جس میں عورتوں نے قاآن کے جسم کا بیمار حصہ دھویا تھا، اور اس جام کا پانی پی لیا۔ تب جاودانی آسمان کی قدرت سے قاآن نے صحت پائی اور تولوئی خاں اجازت لے کر اپنے اردغ چلا گیا۔ چند دنوں میں وہ بیمار ہو کے مر گیا۔ یہ واقعہ خانی یل (سانپ کے مہینے) میں پیش آیا۔ یہ سنہ ۶۳۰ ہجری کا ذکر ہے"۔

(یہاں یہ ملاحظہ کیجیے کہ رشید نے سانپ کے مہینے کے لیے بجائے فارسی لفظ "مار" کے مغل لفظ "مغلق" استعمال کیا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ رشید الدین جو تین پشت بعد یہ واقعہ لکھ رہا تھا جو خود ایرانی تھا، فاضل طبیب تھا، بہت بڑا مدبر تھا، شامانوں کے جادو یا آسمان کی قدرت پر کوئی خاص اعتقاد نہ رکھتا ہوگا، لیکن اس نے اِس واقعے کو من و عن اسی طرح بیان کیا ہے جیسے اس نے اسے مغلوں سے سنا یا مغل صحیفوں میں لکھا دیکھا تھا۔ دوسوں نے یہ واقعہ بیان کر کے اپنی طرف سے یہ حاشیہ آرائی کی ہے: "یہ اوہام پرست لوگ یہ سمجھنے لگے کہ تولوئی نے اپنے بھائی کی محبت میں اپنی جان دی ہے حالانکہ اس کی موت کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ بےحد شراب پیتا تھا۔ یہ دونوں بھائی بڑے پکے شرابی تھے"۔ یہ حقیقت سے بہت زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تولوئی نے شامانوں کا پیالہ پیا ضرور، اور اوہام پرست مغلوں کی نظر میں یہی جان کی قربانی تھی۔

دوسوں کی بے مثل تصنیف چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کا عنوان ہے:

(Mongols depuis Tchingiz-Khan jusqu'a Timour Bey ou Tamerlan, La Have and Amsterdam 1834-35.)

بدقسمتی سے یہ کتاب بہت کمیاب ہے۔

اس کی تاریخ سر ہنری ہوورتھ (Sir Henry Howorth) کے ضخیم مجموعے کے مقابل بہت زیادہ صحیح ہے جو لندن سے ۱۸۷۶ء تا ۱۸۸۸ء کے عرصے میں چار جلدوں اور ایک ضمیمے کی صورت میں (History of the Mongols) کے نام سے شائع ہوئی۔

رینے گروسے (Rene Grousset) کا مرتب کیا ہوا جدید ترین تاریخی خلاصہ ترکوں اور مغلوں کی دو ہزار سالہ تاریخ (یعنی ان کی ابتدائی نمود سے لے کر دشت کی آخری سلطنت کی سرگذشت تک) پر ایک بڑی اہم اور مستند کتاب ہے۔ ملاحظہ ہو:-

(L'empire des steppes: Attila—Gengis Khan—Tamerlan, Paris 1939.)

عام ماخذ

(Abu'l-Ghazi) (ابوالغازی). Histoire de Mogols et de Tatares, publiee, traduite, et annotee par le baron Desmaisons, St Petersburg, 1874.)

(یہ مغل سلطنتوں کے متاخر تذکروں میں سے ہے اور ایک خوارزمی ترک کی تصنیف ہے)

(Backer, Louis de: L'Extreme Orient au moyen age 1877.)

(Baddelev, John F.: Russia, Mongolia, China. London, 1919.)

(یہ کتاب مشرق کی طرف روسیوں کی ابتدائی پیش قدمی کے حالات اور نقشے ہیں)

(Barckhausan, Joachim: L'empire Jaune de Genghis-Khan, preface et traduction de Dr. George Montandon. Paris, 1935.)

(Barthold W. (Vasily): Turkestan Down to the Mongol Invasion. London. 1928.)

(یہ وسط ایشیا کے ترکوں کے متعلق ایک بیش قیمت کتاب ہے۔ مغلوں کے متعلق اس میں بعض اہم حوالے ہیں)

(Batuta: (ابن بطوطہ)[1] Voyages d'Ibn Batouta texte arabe traduction par Defremery et Sanguinetti, Paris, 1853.)

(یہ ایک عرب کا سفرنامہ ہے جس نے مغل سلطنت کے خاتمے کے دور میں ایشیا کی سیاحت کی تھی)

(Bachfeld, George: Die Mongolen in Plen. Schlesian, Bohmen und Mahren. 1889.)

(Beauvais, Vincent of: Speculum Historiale. Duaci. 1624.)

(یہ مغلوں اور مشرق کے متعلق اہل یورپ کی معلومات کے ماخذ سے اہم کتاب ہے)

(Beazley. Charles: The Dawn of Modern Geography, II and III, London. 1901.)

(Blochet, E.: Introduction a l'histoire de Fadl Allah Rashid eddin. (Gibb Memorial Series 1910.)

(—La mort de Khaghan Koyouk (Revue de l'orient chretien, 1922-23.)

(Brehier, L.: L'Eglise et l'Orient au moyen age-les croisades. Paris. 1928.)

(Cahun, Leon: Introduction a l'histoire de l'Asie; Turcs et Mongols, des origines a 1405, Paris 1896.)

---

[1] یہ سفرنامہ ابن بطوطہ کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ مترجم

(یہ ایک ذہین ماہر لسانیات کی تصنیف ہے جو بعض داستانوں اور ترک قصوں کو بلاشک و شبہ درست تسلیم کر لیتا تھا)

(Chavannes, Edouard: Documents sur les Tou-kiue (Turcs) occidentaux.—Le cycle turc des douze animaux T'oung-pao. Serie II, Vol. VII, No. 1.)

(Czaplicka, M. A.: The Turks of Central Asia, in History and Present Day. Oxford, 1918.)

(Douglas. R. K.: The Life of Genghis-Khan, London, 1877.)

(چینی ماخذ سے اس فاتح کی سوانح حیات)

(Dulaurier, Edouard: Les Mongols d'apres les historiens armeniens. (Journ. As., 1858)

(مختصر لیکن بنیادی مواد جو خاندان ہلاکو کی تاریخ کے مطالعے کے لیے ضروری ہے)

(Encyclopaedia of Islam.) باتو، برقائی، ہلاکو، قراقورم وغیرہ پر مقالات

(Feer, Leon: La puissance et le civilisation mongoles au treizieme siecle. Paris 1867.)

(Fox Ralph: Genghis-Khan, New York, 1936.)

(Grousset, Rene: L'empire des steppes. Paris, 1939.)

(اس کا ذکر اوپر ملاحظہ ہو)

—Histoire de l' Asie, III, Le monde mongol, Paris, 1922.)

(Grum-Grzhimailo, G. E.: Zapadnaya Mongoliya, Leningrad, 1926.)

(Hammer-Purgstall, J.: Geschichte der Goldenen Horde in Kiptschak. Pest, 1840.)

(Howorth, Sir Henry H.: History of the Mongols. London 1876—88.)

(اوپر ملاحظہ ہو)

(Jordain, Catalani P.: Mirabilia Descripta Sequitur de Magno Tartaro.)

(Kara-Davan : Chingis-Khan, Leader in War and His Heritage. Belgrade, 1929.)

(روسی زبان میں: "چنگیز خان: جنگ کا سردار اور اس کا ورثہ")

(Klaproth : Apercu des enterprises des Mongols en Georgie et en Armenie. Paris, 1833.)

(Kliouchevsky, W. History of Russia, 5 vols.)

(Korostowez : Von Tschingis-Khan zur Sowjetrepublik, 1926.)

(Kousnietsov : La lutte des civilisations et des langues en Asie centrale. Paris, 1912.)

(Lamb, Harold : Genghis-Khan. New York, 1927.)

(—Tamerlane, the Earth Shaker. New York, 1928.)

(—The Flame of Islam, the Later Crusades. New York, 1930.) (مغلوں اور اہل صلیب پر اور شاہ نوئی بزدگ کے احوال اور مقالات کے متعلق)

(Lattimore, Owen : The Mongols of Manchuria. New York 1934.)

(یہ کتاب منچوریا کے مغلوں کے قبائلی حلقوں، ان کی جغرافی تقسیم، چینیوں اور اہل منچوریا سے ان کے سیاسی تعلقات اور آج کل کے سیاسی مسائل کے متعلق ہے۔ یہ کتاب بڑی فہم و ادراک سے لکھی گئی ہے اور آج کل کے مغل قبیلوں کے زندگی کے حالات عیاں کر کے ان کی تاریخی توجیہہ پیش کرتی ہے)

(Le Coq, Albert von : Buried Treasures of Chinese Turkestan. New York, 1929.)

(Le Strange, Guy : The Lands of the Eastern Caliphate, London, 1930.)

(قرون وسطیٰ میں مغربی ایشیا کا سیاسی جغرافیہ، کاروانوں کے راستے، اور شہر و شہر تجارت۔ یہ کتاب اسلامی ماخذ سے بڑی محنت سے مرتب کی گئی ہے)

(Levchine, Alexis de : Description des hordes et

ان دونوں کتابوں کے اردو ترجمے فرینکلن پبلیکیشنز کے اہتمام سے شائع ہو چکے ہیں۔ مترجم

des steppes des Kirghiz Kaïssaks. Paris, 1840.)

(Lot, Ferdinand: Les invasions barbares (et le peuplement, de l'Europe). Paris, 1937.)

(Ma-Touan-Lin : Ethnographie des peuples etrangers a la Chine : ouvrage compose au XIII e siecle de notre ere. Geneve, 1876—83.)

(Makrisi : Histoire de l'Egypte, trad. par Blochet. (Rev. Or. Lat. 1898—1906).

(مقریزی کی تاریخ مصر)

(Marins Sanutus : Secrets for True Crusaders to Help Them to Recover the Holy Land. Pal. Pilgrim Text Soc., 1921.)

(۱۳۰۶ء کے بعد مشرق قریب کا حال اور نقشہ)

(Matthew of Paris : Chronica majora. Ed. Luard 1872—83.)

(Palladius, the Archimandrite: Elucidations of Marco Polo's Travels in North China. Drawn from Chinese Sources. (Journ. North China, Br. Roy. As. Soc. 1875.)

(Parker, E. H. : A Thousand Years of the Tartars. London, 1924.)

(چنگیز خان سے ایک پشت پہلے تک کے ترکوں اور مغلوں کے حالات)

(Pelliot, Paul: Chretiens d'Asie centrale et d'Extreme orient. T'oung pao. 1914.)

(—Mongols et papes aux XIII et XIV siecles. Paris, 1922.)

(Prawdin, Michael : L'empire mongol et Tamerlan. Trad. du Dr. George Montandon. Paris, 1937.)

(یورپ پر مغلوں کی یورش کا تاریخی مطالعہ، اور روس کے عروج کے بعد چنگیز خان کے خاندان کے زوال کے حالات

(Remusat, Abel: Memoires sur les relations politiques des princes chretiens et particulierement des rois de France avec les empereurs mongols.)

(Memoires de l'Academie des Inscriptions et Belles-Lettres, VI-VII, Paris, 1822.)

(Ross, Sir E. D. and F. H. Skrine : The Heart of Asia.)

(ابتدائی ایام سے تاحال روسی ترکستان اور وسط ایشیا کے خانوں کی تاریخ۔)

(Smirnow-Boyer : Les populations finnoises des bassins de la Volga et de la Kama. Paris, 1898.)

Stein, Sir Aurel : Serindia.

—On Ancient Central Asia Tracks. London, 1933.)

(Stube, R.: Tschingiz Khan (Neua Jahrbuche fur des Klassische Altertum. 1908.)

(Wolff, O.: Geschichte der Mongolen oder Tataren.

روسی زبان میں ۔ مطبوعات پیکنگ مشن)

(Vladimirstov, B. Y.: The Life of Chingis-Khan. Translated from the Russian by Prince Mirsky. Boston and New York, 1930.,

(منگولوں کے سماجی نظام، ان کے قریبی قبیلوں اور چنگیز خاں کے حالاتِ زندگی کا ایک بڑا عالمانہ اور شرح اہم مطالعہ ہے، جو منگل ماخذ اور بعض چینی ماخذ سے مدون کیا گیا ہے۔)

(Yule, Colonel Sir Henry : Cathay and the Way Thither. Hakluyt Society, London, 1876.)

خاص کتابیات کے لیے ملاحظہ ہو ہیرلڈ لیم اور ہیرے جیبر کی تصنیف "شعلۂ اسلام" (The Flame of Islam) جس میں مشرقِ قریبہ کے صلیبیوں اور مغلوں کے متعلق تفصیلی مواد ہے۔ ترک قبیلوں کی بنیاد کے ماخذ نے مطالعے کے لیے چاپ لی کا کی کتاب ملاحظہ ہو۔ قرونِ وسطیٰ کے مغربی سیاحوں کے متعلق کتابیات کے لیے یول، ورکو وغیرہ کی کتابیں ملاحظہ ہوں، اور یورپ پر ۱۲۳۶ء سے ۱۲۴۱ء تک کی مغل یورش کی تفصیلوں کے لیے پراؤن کی کتابیات۔

نوٹ

پراؤن نے مغلوں کی یورش کے متعلق جن کتابوں کے حوالے دیے ہیں ان میں سے ایک کے سوا سب جرمن زبان میں ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب اسٹراکوش گراس مان (Strakosch-Grassman) کی تصنیف ——— (Einfall der Mongolen in Mittel-europa) جو ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی، فتح یورپ کی مستند تاریخ ہے۔ تاتاریوں کے حملے کے متعلق ایک اور کتاب جرمن زبان میں پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ میں نے چنگیز خاں کی جو مختصر سوانح عمری لکھی ہے اس کا جرمن ترجمہ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا اور بہت بکا۔ اب تک اس کی ایسی ہی مانگ ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی علامات ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی کی تیسری سلطنت (ہٹلر کی سلطنت) میں مغلوں کے حملوں، اور مغلوں کے آئینِ جنگ کا غائر مطالعہ کیا جا رہا ہے۔

پروفیسر پیلیو کا اب یہ عقیدہ ہے کہ چنگیز خاں کی تاریخ پیدائش ۱۱۵۵ء نہیں بلکہ ۱۱۶۷ء ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس مغل فاتح نے ہمارے اندازے کے مطابق ستر سال کی عمر میں نہیں بلکہ ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

رشید الدین کی تاریخ کے دوبارہ مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اوریاں گوت قبیلے کی دو شاخیں تھیں۔ مغل شاخ خانہ بدوش تھی۔ اسی قبیلے سے سوبو دائی اور اس کے بیٹے کا تعلق ہوگا۔

اوریاں گوت کی دوسری شاخ شمالی جنگلوں میں بسی رہی اور اس نے لڑائیوں میں بہت کم حصہ لیا۔ یہ لوگ کھالیں پہنتے تھے۔ غذا کے لیے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلتے تھے اور ان کے اپنے پاس مویشی نہ تھے۔ یہ جنگلوں والے اوریاں گوت شمالی سائبیریا کے اصل شمالی آہو پالنے والے تھے۔ اور ان کے جانشین اب بھی سیانسک کے بلند علاقوں میں باقی ہیں۔ یہ صلح پسند لوگ تھے۔ اور شمالی آہو پالتے تھے جن کو وہ "ریم" کہتے تھے۔

رشید الدین کا بیان ہے کہ تیرھویں صدی میں اوریاں گوت قبیلہ اپنے جنگلوں سے برآمد نہ ہوا اور جنگلوں ہی میں بارہ سنگھے کے جانوروں پر مال اسباب لاد کے پھرتا رہا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اس سے زیادہ خوشی اور آرام کی زندگی اور کسی کی نہیں۔ چونکہ ان کے ملک میں کڑاکے کی سردی پڑتی ہے اس لیے وہ برف پر شکار کھیلتے ہیں۔ وہ اپنے پیروں سے لکڑی کے تختے باندھ لیتے ہیں اور عصاؤں کے سہارے برف پر ادھر سے ادھر پھسلتے ہوئے چلتے ہیں۔ جیسے کشتی تیراروں سے چلے۔ پہاڑوں کے نشیب میں اس سرعت سے اترتے ہیں کہ جانوروں کو جا پکڑتے ہیں۔ جو ان لکڑی کے تختوں پر پھسلنے کا عادی نہیں وہ اترتے میں لنگڑا ہو جاتا ہے۔ لیکن جو عادی ہیں وہ بڑے بڑے فاصلے بڑی آسانی سے طے کرتے ہیں۔

"یہ ایسا منظر ہے کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں تب ہی آپ کو یقین آئے گا۔"

تلفظ اور ہجے

اِس جلد میں اشخاص اور مقامات کے نام کی وہ شکل انتخاب کی گئی ہے جو عام طور پر مانوس و معلوم ہے۔ اِس لیے بجائے جدید ترین ہجے سے چنگیز خاں لکھنے کے میں نے (انگریزی میں) "جنگھیز خان"[1] لکھا ہے۔ مختلف یونانی زبانوں میں، مختلف مشرقی زبانوں کو برتتے ہوئے، مختلف مصنفوں اور مترجموں نے مختلف ہجے استعمال کیے ہیں۔ کبھی کبھی پڑھنے میں اُلجھن پیدا ہوتی ہے۔

میں نے عام طور پر تلفظ اور ہجوں میں وسط ایشیا کی تُرکی زبان کا تتبع کیا ہے۔ اِس لیے بجائے "اوقتائی" کے "اوغدائی" لکھا ہے۔ بجائے "مونگ کے" کے "منگو" تحریر کیا ہے۔ مآخذ سے مقامات کے جو نام ہمیں معلوم ہیں اُن کی اصل زیادہ تر ترکی ہے۔ اِس لیے ترکی قبیلہ "یچ نک" کے متعلق یہی لکھا ہے حالانکہ یورپ میں "پیچے نیگے" زیادہ عام ہے۔

چنگیز خاں کے قانون کے لیے میں نے بجائے مُسلم اصطلاح "الیساق" کے "یاسا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ میں نے "خاقان" کی اصطلاح استعمال کی ہے، حالانکہ اِس لفظ کو رشید الدین نے "قاآن" اور مارکو پولو نے "کاآن" تحریر کیا ہے۔ اِس کے برعکس مغلوں سے قبل کے تُرک قبیلوں کے بیان میں میں نے کرخت تر لفظ "کاغان" کو بحال رکھا ہے۔ اِس لفظ کے معنی ہیں خانِ اعظم یا شہنشاہ۔ چینی اور ایرانی اِس کا تلفظ نرمی سے ادا کرتے تھے اور اُن کے تحریری ملفوظات میں یہ لقب "قاآن" (قاہان) یا "ہان" کی شکل میں ملتا ہے۔ میں نے اِس مشکل کے حل کے لیے "خاقان" ہی کی اصطلاح سب سے موزوں سمجھی۔ چنگیز خاں نے خود یہ خطاب کبھی نہ استعمال کیا۔ لیکن اس کے بعد جب مغلوں نے یہ خطاب استعمال کیا۔ تو اِسے اُس کے نام سے بھی منسوب کیا۔ چنانچہ اوغدائی جب خود خاقان کا لقب پا چکا تو اپنے باپ کا ذکر اُس نے چنگیز خاقان کہہ کر کیا۔

آئیڈیل پبلک لائبریری
[illegible] گھنٹہ گھر کمالیہ
[illegible] وسیم احمد [illegible]

---

[1] اس ترجمے میں بہرحال "چنگیز خان" کے نام کی اصل صورت باقی رکھی گئی ہے۔ — مترجم